ہیں کواکب کچھ.....

تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی کیا ہے؟

عقائد، افکار، نظریات

عکسی شہادتوں پر مشتمل ایک تحقیقی جائزہ
اپنے موضوع پر پہلی تفصیلی اور مدلل کتاب

ترتیب و تحقیق
مولانا عمر فاروق
استاذ جامعۃ الرشید کراچی

مکتبہ نقشبندیہ کراچی

ہیں کواکب کچھ.....

تنظیم فکرِ ولی اللّٰہی کیا ہے؟

عقائد، افکار، نظریات

عکسی شہادتوں پر مشتمل ایک تحقیقی جائزہ
اپنے موضوع پر پہلی تفصیلی اور مدلل کتاب

ترتیب و تحقیق
مولانا عمر فاروق
استاذ جامعۃ الرشید کراچی

مکتبہ نقشبندیہ
طارق روڈ کراچی

نام کتاب: تعلیم فکر ولی اللہی کیا ہے؟
مؤلف: مولانا عمر فاروق
ناشر: مکتبہ نقشبندیہ طارق روڈ کراچی

ملنے کا پتہ | مکتبہ عمر فارق، شاہ فیصل کالونی کراچی
دارالکتاب اردو بازار، لاہور

انتساب

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ

کے نام.....

جن کے چراغ سے

آج ہند کے ظلمت کدوں میں

مسلمانوں کے دیئے روشن ہیں

ضروری وضاحت

ہر باب کے آخر میں اصل کتابوں کے عکسی فوٹو دیئے گئے ہیں، اس کے لئے ہر حوالہ کے بعد ایک نمبر کو کالے دائرے کی صورت میں نمایاں کیا گیا ہے، اصل کتاب کے مطلوبہ صفحے کو اس باب کے آخر میں اسی نمبر کے تحت دیکھیں۔

مثلاً ''انبیاء اور نبوت کی توہین'' کے باب میں چوتھے عنوان کا حوالہ اس طرح دیا گیا ہے:

(الہام الرحمٰن: ج۲ ص۴۷، ۴۸) ❺

اس حوالہ کی اصل دیکھنا ہو تو اسی باب کے آخر میں حوالہ نمبر ۵ دیکھیں جہاں مطلوبہ عبارت کو ایک مربع کے ذریعے واضح کیا گیا ہے۔

جن کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے ان کا ٹائٹل بار بار دینے کے بجائے فقط پہلی بار ہی دیا گیا ہے۔

کتاب ایک نظر میں

۱ ذات باری تعالیٰ کے متعلق فکریوں کی ہرزہ سرائی

۲ عقیدۂ توحید اور اصحاب فکر

۳ انبیاء اور نبوت کی توہین

۴ جنت اور جہنم سے انکار

۵ حیات عیسیٰ اور ظہور مہدی کے مسلمہ عقیدے سے صریح انکار

۶ انکار حدیث کے جراثیم

۷ اسلامی قوانین کی تنقیص

۸ قرآن اور قرآنی نظام کے متعلق فکریوں کا نظریہ

۹ عقیدۂ شفاعت سے انکار

۱۰ فکریوں کے نزدیک وحی کی حقیقت

۱۱ اصحاب فکر کے ہاں کافر اور مسلمان کی تعریف

۱۲ جہاد اور جہادی تحریکوں کے خلاف نظریاتی یلغار

۱۳ سیاسی و مذہبی جماعتوں کے خلاف فکری یلغار

۱۴ ذرائع اور اصل اسلام.....ایک تباہ کن نظریہ

۱۵ عبادات پر حملہ

۱۶ تصوف کے بارے میں فکری نظریہ

۱۷ آزادیٔ نسواں

۱۸ عقل مذہب پر مقدم ہے

۱۹ قرآنی تفسیر میں فکریوں کا تفرد

۲۰ چند متفرق نظریات

۲۱ فکری اشتراکیت اور لادینیت کی دہلیز پر

۲۲ فکریت کا انجام.....الحاد و دہریت

۲۳ تضادات فکریت

۲۴ بلا تبصرہ

۲۵ فکری اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ

۲۶ کیا فکری شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو مانتے ہیں؟

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
پیش لفظ	۲۱
مقدمہ	۲۳
ذات باری تعالیٰ کے متعلق فکریوں کی ہرزہ سرائی	۳۵
بدلتا ہوا خدا	۳۶
خدا کی رائج الوقت تعبیر نے مسلمانوں کو برباد کردیا	۳۶
مسلمانوں کا تصور خدا استبدادی بادشاہت کی یادگار ہے	۳۷
خدا، مادہ اور عقل کل ایک ہی ذات کی مختلف تعبیریں ہیں	۳۷
فلاسفہ اور عقیدۂ خدا	۳۸
عقیدۂ توحید اور اصحابِ فکر	۵۰
عقیدۂ وحدۃ الوجود اور ہندو ویدانت فلاسفی ایک ہے	۵۰
عقیدۂ وحدت الوجود کی مذہبی حیثیت	۵۱
وحدۃ الوجود ہندو فلسفہ کا اصل اصول ہے	۵۲
انبیاء اور نبوت کی توہین	۵۸
اخلاقیات اور ہدایت نبوت میں منحصر نہیں	۵۸
نبوت کے مشہور تصور میں نبی کی حیثیت صرف فونوگراف کی ہے	۵۹
جبرائیل فرشتہ نہیں تھا بلکہ ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے	۵۹
نبوت کسبی ہے	۶۱

عنوان	صفحہ
وقت کے سامراج نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو فیل کر دیا.....	۶۳
حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کامیاب نہ ہو سکے	۶۳
حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام)	۶۵
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ناکافی ہے	۶۶
تعلیمات نبوی کی بنیاد معاشی اصلاحات	۶۷
اللہ تعالیٰ کا اپنے معصوم انبیاء کو تکالیف اور اذیتوں میں مبتلا کرنا صرف انسانی حقوق پر مبنی معاشرے کے قیام کے لئے تھا.....	۷۰
جنت اور جہنم سے انکار	۱۰۰
قرآن کا تصور جنت و دوزخ صرف عربوں کے لئے تھا.....	۱۰۰
حوض کوثر وغیرہ تشبیہی الفاظ ہیں جن کو عام لوگ حقیقت سمجھتے ہیں.....	۱۰۱
جہنم ایک نفسیاتی کیفیت ہے اور اس کی آگ نفسیاتی عوامل کی پیداوار ہے	۱۰۲
جنت اور دوزخ دائمی نہیں ہیں.....	۱۰۳
جہنم میں خلود اور دوام نہیں	۱۰۴
جہنم سے ڈرانے کی بجائے انقلاب سے ڈرایا جائے	۱۰۴
کافر ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا اور فرعون نجات پائے گا.....	۱۰۵
جہنم ختم کر دی جائے گی	۱۰۵
اسلام کے سامنے ترقی کا ایک موہوم تصور اور اشتراکیت یقینی و قابل فہم تصور ہے	۱۰۹
حضرت عیسیٰ اور ظہور مہدی کے مسلمہ عقیدے سے صریح انکار	۱۲۴
حیات عیسیٰ کا انکار	۱۲۶

عنوان	صفحہ
قادیانیت کی تائید	۱۲۹
حیات عیسیٰ یہودی وصابی من گھڑت کہانی ہے	۱۲۹
قرآن میں نزول عیسیٰ کا ذکر نہیں	۱۳۱
امام مہدی کے ظہور اور عیسیٰ کے نزول کا عقیدہ اسلامی نہیں	۱۳۳
مہدی اور عیسیٰ کے متعلق واضح موقف کے باوجود انکار	۱۳۴
امام مہدی کا تصور غلط ذہنیت کا آئینہ دار ہے	۱۳۵
انکار حدیث کے جراثیم	۱۴۷
حدیث سے انکار	۱۴۷
کتب احادیث تورات وانجیل جیسی ہیں	۱۴۹
حدیث وحی مستقل نہیں اور نہ شریعت کا مأخذ ہے	۱۵۲
حدیث کو قرآن جیسا ماننے والے تحریف میں مبتلا ہیں	۱۵۳
ابتداء میں قانون صرف قرآن تھا، سنت کی وجہ سے قرآن کا بہت سا حصہ مسلمانوں سے چھوٹ گیا	۱۵۴
انکار حدیث اور فکریوں کے دلائل	۱۵۷
اسلامی قوانین کی تنقیص	۱۷۵
دور جدید میں فقہ اسلامی اور اسلامی قانون ناقابل عمل ہے	۱۷۵
سائنسی ترقی کے ساتھ مذہبی قوانین بے اثر ہوگئے ہیں	۱۷۷
فقہ لوگوں کا اپنا اختراع ہے	۱۷۸
فقہ زندگی پر حاوی ہو تو دماغ جامد اور ترقی ناممکن ہو جاتی ہے	۱۷۹

عنوان	صفحہ
قرآن اور قرآنی نظام کے متعلق فکریوں کا نظریہ	۱۸۸
بے سوچے سمجھے قرآن پڑھنا شرک اور بت پرستی ہے	۱۸۸
قرآن بغیر سمجھے پڑھنے سے روح انقلاب فنا ہو جاتی ہے	۱۸۹
قرآنی احکام کو ابدی اور عالمگیر ماننا صحیح نہیں	۱۹۰
قرآن پاک میں تعزیراتی احکام اور حدود مخصوص وقت کے لئے تھے ..	۱۹۱
قرآنی احکام کے ابدی نہ ہونے پر فکریوں کے پروفیسر سرور صاحب کا اصرار	۱۹۲
قانون ابدی نہیں ہوتا، ابدیت صرف حکمت کو ہے	۱۹۴
قرآنی قانون کو ابدی اور عمومی سمجھنا ٹھیک نہیں	۱۹۵
قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ایک خاص مظہر میں جلوہ گر ہوا، ضروری نہیں کہ دوسرے زمانے میں بھی اسی صورت میں ظاہر ہو	۱۹۵
ایک خاص زمانے میں جو نظام بنتا ہے وہ فائنل نہیں ہوتا	۱۹۶
قرآن وسنت کے کسی ''فوجداری'' اور ''سول'' قانون کو دائمی اور ابدی سمجھنا ٹھیک نہیں	۱۹۶
قرآن میں جو سزائیں وغیرہ مذکور ہیں وہ محض مثالی ہیں	۱۹۸
حد ارتداد کے نفاذ سے معاشرے میں ابتری پھیلے گی	۱۹۸
انبیاء کے وہ احکام وقوانین جو خاص قوم اور خاص زمانے کے خیال سے مرتب ہوئے وہ ابدی اور دائمی نہیں	۱۹۹
قانون ابدی نہیں ہوتا، اس کی حیثیت نمونہ اور مثال کی طرح ہے	۱۹۹
قرآنی حکومت کے بجائے سیکولر حکومت کی ضرورت ہے	۲۰۲
سیاسی نظام ایسا جمہوری اور سیکولر ہونا چاہئے جس کی بنیاد سوشلزم ہو...	۲۰۳

عنوان	صفحہ
اس دور میں خلافت راشدہ جیسی حکومت کے قیام کی کوشش کرنیوالے قرآن کے صحیح مفہوم کو نہیں جانتے	۲۰۴
اسلامی حکومت ایک خواب ہے کیونکہ زمانہ اب ان چیزوں کا نہیں	۲۰۴
آج سیکولر اور سوشلسٹ نظام کی ضرورت ہے	۲۰۵
ہمارا نظام فرسودہ ہو چکا اس لئے یورپی طرز معاشرت اختیار کی جائے	۲۰۶
ہمارا تمدن، ہمارا قانون، ہمارا فلسفہ ناقص ہیں، اس لئے اب یہ نہیں چل سکتے	۲۰۷
ہمارا قانون زمانہ کا ساتھ نہ دے سکا اس لئے فنا ہوا	۲۰۸
جلد از جلد یورپین ازم اپناؤ	۲۰۸
"حسنة فی الدنیا" سے محروم	۲۰۹
یورپ کے مادی اور معاشی نظام کو نہیں اپنایا تو ریت کے ذروں کی طرح ہوا میں اڑتے نظر آئیں گے	۲۱۰
اسلام کے نظام کی ظاہری ٹھوس صورت جو مرور زمانہ سے بن گئی ہے وہ غیر متبدل نہیں	۲۱۰
عقیدۂ شفاعت سے انکار	۲۳۹
مسلمانوں کے آخری سہارے پر حملہ	۲۳۹
عقیدۂ شفاعت اخلاق کو برباد کر دیتا ہے	۲۳۹
شفاعت اور کفارہ کے ضمن میں احادیث کو بھی تسلیم نہ کیا جائے	۲۴۰
عقیدۂ شفاعت میں مسلمانوں نے غلط فہمیاں پیدا کیں	۲۴۱
عقیدۂ شفاعت عیسائیوں کے عقیدۂ کفارہ کی نقل ہے	۲۴۱
فکریوں کے نزدیک وحی کی حقیقت	۲۴۷
وحی پیغمبر کی نفسیاتی قوت اور داخلی استعداد کی پیداوار ہے	۲۴۷

عنوان	صفحہ
وحی تک محدود ہونے والی اقوام کی ترقی مشکوک اور موہوم ہو جاتی ہے۔	۲۴۸
جبرئیل فرشتہ نہیں بلکہ نفسیاتی کیفیت کا نام ہے	۲۴۸
اصحاب فکریہ کے ہاں کافر اور مسلمان کی تعریف	۲۵۲
فکریت کے ہاں سرمایہ پرست کافر ہیں	۲۵۲
انقلاب کا مخالف کافر ہے اور غیر مخالف کافر نہیں	۲۵۲
آج کے مسلمان مسلمان نہیں، کافر کافر نہیں	۲۵۳
انقلاب کو چھوڑنے والے کافر ہیں	۲۵۴
نماز، روزوں کے باوجود مسلمان مرتد ہیں	۲۵۴
موجودہ مذہب ناکام ہے مگر فکریوں کے مذہب سے ہندو ہندو نہ رہے گا، مسلمان مسلمان نہ رہے گا	۲۵۵
آج تم جسے دین اور جسے لادین کہتے ہو یہ اصطلاحات تمہاری اپنی ہیں..	۲۵۶
جس کی انانیت بیدار ہو وہ مسلمان ہے، اگرچہ لوگ اسے کافر سمجھتے ہوں	۲۶۰
جہاد اور جہادی تحریکوں کے خلاف نظریاتی یلغار	۲۷۳
جہادی تحریکات اور جہادی لیڈر سرمایہ داری نظام (امریکہ) کے آلہ کار ہیں..	۲۷۳
جہاد کشمیر میں مصروف کار جماعتیں بیرونی طاقتوں کی آلہ کار ہیں	۲۷۴
جہادی قربانیاں اور سامراجی مفادات کی تکمیل	۲۷۴
رائے پوری نے جہاد کشمیر سے انکار کر دیا	۲۷۴
موجودہ جہاد جہاد فی سبیل الطاغوت ہے	۲۷۵
موجودہ جہاد ایک وحشیانہ جارح اور تشدد پسند عمل ہے	۲۷۶
جہاد سے مراد انقلاب ہے	۲۷۶

عنوان	صفحہ
افغان جہاد ایک ڈرامہ کھیلا گیا اور طالبان امریکی ایجنٹ ہیں	۲۷۷
امیر المؤمنین ملا عمر کے متعلق طنزیہ انداز اور افغان عدلیہ کی نااہلی	۲۷۸
امیر المؤمنین سیاسی بصیرت نہیں رکھتے	۲۷۸
وسطی ایشیا کی جہادی تحریکات کے لیڈر مغرب اور امریکا کے ایجنٹ ہیں	۲۷۹
جنت میں بھیجنے کے نام پر نوجوانوں کا استحصال	۲۷۹
سیاسی و مذہبی جماعتوں کے خلاف فکری یلغار	۳۰۷
اہل مذہب کی اجتماعیت کا مذہبی مورچہ بندی کا کردار	۳۰۷
جمعیت علماء ہند کی وراثت کے مدعین کی سامراجی آلہ کاری	۳۰۷
آج کا مذہبی طبقہ فاسد ذہنیت کا شکار ہے	۳۰۸
ہمارے موجودہ مذہبی طبقے ناکارہ ہو چکے ہیں	۳۰۸
عام مذہبی طبقات اور علمائے دیوبند کا المیہ	۳۰۹
عالمی طاغوت نے مذہب اور دینی طبقات کو اپنے استحصالی مقاصد کے تحت یرغمال بنایا	۳۱۰
پاکستان میں دین کا کام کرنے والی سیاسی و مذہبی جماعتیں نوجوانوں کی قاتل ہیں	۳۱۱
علماء غلط ذہنیت کے مالک ہیں	۳۱۲
دیوبندی رجعت پرست اور درس نظامی فرسودہ نصاب ہے	۳۱۲
مدرسہ دیوبند رجعت و جمود کا مرکز	۳۱۳
تاریخ کا گندہ پانی	۳۱۳
پاکستان کے دینی مدارس کے لوگ جاہل اور اسلام کے غلط نمائندے ہیں	۳۱۴
آج کی مساجد ''مسجد ضرار'' کی شاخیں اور غلام و یتیم ہیں	۳۱۵

عنوان	صفحہ
تبلیغی جماعت مولانا الیاس کے موقف سے منحرف ہو چکی ہے.....	۳۱۶
مولوی اور مسجد و منبر کا غلط استعمال	۳۱۷
ذرائع اور اصل اسلام.....ایک تباہ کن نظریہ	۳۴۵
سیاسی جدوجہد اور سپر پاورز کا خاتمہ اصل اسلام ہے باقی دین کے ذرائع ہیں ..	۳۴۵
مقصد کے ذرائع پر زور دینا خود مقصد کو فوت کر دینا ہے	۳۴۵
نماز، روزہ، حج اور زکوۃ مقصد نہیں بلکہ مقصود اصلی انقلاب ہے	۳۴۶
نماز وغیرہ ذرائع اور مقصد کے بغیر یہ بے فائدہ ہیں	۳۴۶
عبادات پر حملہ	۳۵۳
نماز باجماعت اور لازماً مسجد ہی میں جا کر پڑھنا یہ چیزیں وقت کو ضائع کر دیتی ہیں	۳۵۳
نماز، روزہ اور دیگر اچھے اعمال مقصد کی تمہید ہیں، اصل مقصد حاصل.. نہیں ہوا تو یہ بے کار جائیں گے	۳۵۴
اگر کسی کی شریعت کو سب کچھ سمجھنے کی ذہنیت بن جائے تو وہ اور اس کی شریعت آگ میں جھونک دیئے جانے کے قابل ہے	۳۵۴
رکوع اور سجدہ کیا ہے؟	۳۵۵
مقصد اور ذرائع مقصد کا الٹا نظریہ	۳۵۶
پہلے معاشی خوشحالی..... پھر ایمان اور عبادات	۳۵۸
تصوف کے بارے میں فکری نظریہ	۳۶۶
تصوف، مسٹزم اور ہندوؤں کا ویدانت ایک ہے	۳۶۶
موجودہ دور کا خانقاہی نظام ایک لعنت ہے	۳۶۶

عنوان	صفحہ
علم تصوف اور ہندو ویدانت مختلف نہیں ہیں	۳۶۷
اصل تصوف میں آخرت پر زور نہیں دیا جاتا تھا	۳۶۸
دنیا کی تحقیر اور آخرت کی تعظیم علماء کی کم بینی اور کج فہمی تھی	۳۶۹
آزادیٔ نسواں	۳۷۶
عورتوں کو مردوں کی طرح سرعام باہر پھرنے کی اجازت ہے	۳۷۶
عورتوں کو مردوں کے برابر شریک دیکھنا چاہتے ہیں	۳۷۹
قبل اس کے کہ حکومت ہماری عورتوں کے برقعے اتار دے ہم خود ہی ان کے نقاب اتار دیں	۳۸۱
ہماری ہر عورت، ہر لڑکی میدان میں آئے گی، مخالفت کرنے والے کو گولی سے اڑا دیں گے	۳۸۲
عقل مذہب پر مقدم ہے	۳۸۸
جو چیز سمجھ میں نہ آئے اسے قبول نہیں کیا جا سکتا	۳۸۹
جو مذہب عقل کو پیچھے ڈال دے ایسا مذہب خواہ اسلام ہی کے نام سے کیوں نہ ہو وہ واقعی اعصاب زدگی، جذبات کا ہیجان اور بے عقلوں کا مذہب ہو جاتا ہے	۳۹۱
اس مذہب کے قائل نہیں جو پہلے ہی دن عقل سے دست کش ہونے کو کہے ..	۳۹۳
وحی اور عقل	۳۹۴
مدرسہ، جمود پرستی کی وباء پھیلانے والی فیکٹری	۳۹۴
قرآنی تفسیر میں فکریوں کا تفرد	۴۰۲
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طلب احیاء کے واقعے کی غلط تفسیر	۴۰۲

عنوان	صفحہ
قرآن میں مذکور ''وفود جن'' کی من گھڑت توجیہہ	۴۰۶
گناہ گار مسلمان جہنم سے نہیں نکلیں گے	۴۰۷
''ابابیل'' اور ان کے پتھر پھینکنے کے واقعے کی غلط تفسیر	۴۰۷
آیات حدود کی بے بنیاد تفسیر	۴۱۱
حد رجم کا نفاذ اختیاری چیز ہے	۴۲۱
حدود اور تعزیرات کا انکار	۴۲۴
حدود اور تعزیرات مفسد للأخلاق ہیں	۴۲۵
رجم کا حکم فقہاء نے تورات سے لیا ہے	۴۲۵
رجم کا حکم قرآن میں نہیں ہے	۴۲۵
چند متفرق نظریات	۴۴۳
مذہب اور خدا کو نہ ماننے والے روسی لادین نہیں ہیں	۴۴۳
اسلام کا حملہ مذہب پر نہیں ظلم پر ہے، خدا کافر سے خوش ہوتا ہے	۴۴۴
چار دیواریوں میں محبوس لوگ	۴۴۴
تحریک ''ختم نبوت'' جیسی تحریکیں قادیانیوں کا پہلے کچھ بگاڑ سکی ہیں نہ آئندہ بگاڑ سکیں گی	۴۴۵
ملائکہ کا مصداق نیک سیرت لوگ ہیں	۴۴۵
جنت کا مستحق کون؟	۴۴۵
فکریوں کے ہاں قرآنی آیت ''عرّفها لهم'' کے معنی	۴۴۶
دنیا کو جنت نظیر بنائے بغیر آخرت کی جنت کے مالک ہونے کا تصور اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے	۴۴۷

عنوان	صفحہ
سجدۂ آدم سے انکار	۴۴۸
آدم اور حوا زمینی جنت میں رہائش پذیر تھے	۴۴۹
ہندوؤں کی تعلیمات حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیمات ہیں	۴۴۹
ابتدائے انسانیت آدم سے نہیں بلکہ نظریۂ ارتقاء کے مطابق ہوئی ہے	۴۵۰
زردشت، کرشن، رام، گودم بدھ اور سقراط پیغامبر ہیں	۴۵۲
فکریت کے دعوے اور منافقت	۴۵۲
داڑھی فضول ہے اور سوشلزم وقت کی ضرورت ہے	۴۵۳
روسی اشتراکی (لینن، کارل، مارکس وغیرہ) لادین نہیں	۴۵۴
ہمارا ہونا عدم محض سے نہیں، ہم اس سے پہلے کسی اور جون میں تھے ..	۴۵۴
لادین اگر انسانیت کے ارتقاء کی کوشش میں لگا ہوا ہو وہ انبیاء کے مقاصد کا مخالف نہیں	۴۵۵
برطانیہ دشمنی ترک کی جائے اور اس کے نظام سے استفادہ کرنا چاہیئے.	۴۵۶
نیوگ زنا نہیں ..... ایک خطرناک نظریہ	۴۵۷
فکریوں کے ہاں اثم (گناہ) کی تعریف	۴۵۸
ہندوؤں کی تائید	۴۵۸
جنات کے وجود سے انکار کیلئے ایک بھونڈی تاویل	۴۵۸
تقدس ایک مصیبت اور داڑھی رکھنا غلط ہے	۴۵۹
فکری اشتراکیت اور لادینیت کی دہلیز پر	۴۹۱
اشتراکیت کے اصولوں سے بالکل متفق ہیں	۴۹۱
سچ پوچھئے تو یہی سچے دین کی تمہید ہے، ساری انسانیت ایک نہ ایک دن	

عنوان	صفحہ
اسی (اشراکیت) کو قبول کرنے پر مجبور ہوگی	۴۹۲
اشتراکیت کے ناکام ہونے کی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو فکر کی بلندیوں سے حقائق کی پستی میں کبھی نہیں اترے	۴۹۳
سیکولرازم کی دعوت	۴۹۴
یورپی تہذیب وتمدن اپنانے میں مسلمانوں کا بھی فائدہ تھا اس سے ان کی سماجی فرسودگی اور ذہنی جمود ختم ہو جاتا	۴۹۵
قوم جلد از جلد یورپین ازم اپنائے	۴۹۵
مختصراً یہ کہ سوشلزم کو اپنایا جائے	۴۹۶
یورپی طرز معاشرت اختیار کی جائے	۴۹۶
آج کے مسلمان جس دین کو مانتے ہیں وہ دین نہیں	۴۹۶
روسی اشتراکی لادین نہیں	۴۹۷
جس کا جی چاہے مذہب کا انکار کردے	۴۹۷
فکریت کا انجام.....الحاد و دہریت	۵۱۳
اسلامی قوانین فکریوں کی نظر میں	۵۱۳
احادیث کے بارے میں فکری نظریہ	۵۱۴
جبرئیل کا انکار	۵۱۶
لادینی تصور کو اپنایا جائے	۵۱۸
وقتی طور پر الحاد قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں	۵۱۸
موجودہ اسلام کفر سے بھی بدتر ہے	۵۱۹

عنوان	صفحہ
تضادات فکریت	۵۳۴
بلاتبصرہ	۵۹۹
مذہب اور اہل مذہب کے خلاف	۵۹۹
مذہب سے بیزاری اور سیکولرازم کی دعوت	۶۰۱
مدارس کے خلاف فکری یلغار	۶۰۳
جہاد کے خلاف اور جہاد کی فکری تعریف	۶۰۵
اشتراکیت کی تائید	۶۰۸
فکری اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ	۶۸۸
سنن، نوافل اور جماعت	۶۸۸
مذہب سے انکار کی آزادی	۶۸۹
احادیث کا وحی ہونا	۶۹۰
داڑھی رکھنا	۶۹۱
حقوق نسواں	۶۹۲
حضرت آدم علیہ السلام	۶۹۴
عقیدۂ شفاعت و کفارہ	۶۹۴
دنیا کی تحقیر اور آخرت کی تعظیم	۶۹۵
حدود	۶۹۶
انبیائے کرام کا اصل مقصد	۶۹۸
خلیفہ کا قریشی ہونا	۶۹۹

عنوان	صفحہ
کیا فکری واقعی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو مانتے ہیں؟	۷۰۱
شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نام پر اصرار کی وجہ؟	۷۰۱
فکریوں کے ہاں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی علمی حیثیت	۷۰۲
شاہ صاحب کو جدید دور کی بو اور بھنک بھی نہیں پہنچی تھی	۷۰۳
شاہ صاحب جدید دور کے مسائل سے ناواقف تھے	۷۰۴
نظریات اور پروگرام کو ظاہر نہ کیا جائے	۷۰۵
تضادات..... اپنے آپ کو بچانے کا ایک ''گُر''	۷۰۶
کتابیات	۷۱۶
تنظیم ''فکر ولی اللہی'' کا لٹریچر	۷۱۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

گزشتہ کچھ عرصہ سے ''فکر ولی اللّٰہی'' نامی ایک تنظیم کام کر رہی ہے، جو مولانا عبیداللہ سندھی صاحب مرحوم اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتی ہے۔ ملک کے اکثر مقتدر علماء ومفتیان کرام اس کے متعلق اپنی آراء اور تحفظات کا اظہار کر چکے ہیں، تاہم ابھی تک اس کے افکار ونظریات کے بارے میں کافی ابہام اور تشویش پائی جاتی ہے، اس لئے عام لوگ اس کے بارے میں مختلف سوالات کرتے رہتے ہیں۔ زیر نظر کتاب انہی سوالات کا تفصیلی جواب ہے جس میں ''فکر ولی اللّٰہی'' کے نظریات، ان کے عقائد، ان کی کتابوں اور تحریروں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ ''فکر ولی اللّٰہی'' کے متعلق چند ایک مضامین بھی شائع ہو چکے ہیں، ان میں خدام علماء حق کا رسالہ ''تنظیم فکر ولی اللّٰہی کے ملحدانہ و دہریانہ عقائد و افکار'' مولانا ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب کا رسالہ ''ہدیہ فکر'' اور مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر صاحب کا ماہنامہ ''حق چار یار'' اکتوبر ۲۰۰۱ میں شائع شدہ مضمون ''تنظیم فکر ولی اللّٰہی ..... اپنے افکار کے آئینے میں'' اب تک منظر عام پر آئے ہیں۔ زیر نظر کتاب میں ان تینوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، خاص طور پر خدام علماء حق کے رسالہ سے کہ بعض جگہ کچھ ترمیم و اضافہ کر کے اور کہیں بعینہٖ اس کی عبارات شامل کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ ''فکر ولی اللّٰہی'' کے لٹریچر کو سامنے رکھ کر پوری دیانت داری کے ساتھ اقتباس لئے گئے ہیں اور کسی بھی بات کو ان کی طرف منسوب کرنے سے پہلے اس کے سیاق وسباق کو بلا مبالغہ / دسیوں بار پڑھا گیا اور ان کے مجموعی پیغام وفکر کو سامنے رکھ کر اس کی توضیح وتشریح اور ان کے باطل افکار، نظریات اور عزائم کی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ تمام کتابیں وہ ہیں جو

ان کے تعلیمی و تربیتی (داخلی و خارجی) نصاب میں شامل ہیں یا اس کے لئے ماخذ و مراجع اور اساس کی حیثیت رکھتی ہیں۔

ان کی بعض کتابیں اور خاص کر اس تنظیم کا ترجمان رسالہ "عزم" کی فائلیں تلاش کرنے میں بڑی دقت پیش آئی اور بہت تگ و دو کے بعد اس کے شمارے حاصل کئے گئے۔ تنظیم سے وابستہ لوگ قابل اعتراض نظریات اور عبارات سے عام لوگوں کے سامنے یہ کہہ کر انکار کر دیتے ہیں کہ یہ جس کتاب میں لکھا ہے وہ پروفیسر سرور صاحب کی مرتب کردہ ہے یا وہ مولانا سندھی صاحب کے افادات ہیں، ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ..... اور یوں وہ اپنے آپ کو بچا لیتے ہیں۔ ان کی اس روش کو پیش نظر رکھ کر ان کے ترجمان رسالہ "عزم" اور داخل نصاب کتب سے حوالے پیش کئے گئے ہیں اور پھر ہر باب کے آخر میں اصل مراجع کے عکسی فوٹو بھی دیئے گئے ہیں تاکہ ان کے لئے ان عبارتوں اور نظریات سے لاتعلقی کا اظہار کرنے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

کتاب کا اختصار پیش نظر تھا، اس لئے واضح عبارات کی تشریح، غیر مفید بحثوں، قابل تسامح نظریات اور ذو معنی عبارات کے نقل سے اجتناب برتا گیا ہے اور صرف انہی عبارات کے نقل پر اکتفا کیا گیا ہے جو واضح طور پر جمہور امت کے نظریات سے متصادم ہیں۔

"فکر ولی اللہی" کے نوجوانوں سے التماس ہے کہ وہ بھی تعصب کی عینک اتار کر آزادانہ ماحول میں اس کتاب کا مطالعہ کر کے اپنا لائحہ عمل متعین کریں۔

بہر حال فکریت کے موضوع پر یہ ایک معمولی سی کاوش علماء، طلبہ، مشائخ اور دین سے وابستگی رکھنے والے عام لوگوں کی خدمت میں پیش ہے۔

جن کی رہنمائی، حوصلہ افزائی اور شفقت کی وجہ سے اس کتاب کی ترتیب و تکمیل ممکن ہو سکی ان سے شکریہ کے اظہار کے لئے میں رسمی الفاظ کا سہارا مناسب نہیں سمجھتا۔

مقدمہ

اسلام انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے، جو صحت، حسن، عظمت اور ٹھوس پن میں اپنی مثال آپ ہے اور دنیا کا کوئی بھی قدیم یا جدید دین اور تہذیب اس کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ابتداءِ اسلام سے لے کر آج تک مختلف طبقوں اور بے شمار گروہوں نے اسلام کو ختم کرنے، بدلنے اور کمزور کرنے کی متنوع کوششیں کی ہیں، اور تو اور بسا اوقات خود اسلام کی پیروی کے مدعیوں نے اس میں دراڑیں ڈالنے اور اس کا چہرہ مسخ کرنے کی شعوری اور غیر شعوری کوششیں کیں اور اس کو مختلف ناموں (مثلاً اصلاحات، تجدید، تشکیل نو اور تہذیب وغیرہ) سے تعبیر کیا جاتا رہا۔ ایسی کوششیں عقائد، افکار اور فروع جیسی مختلف سطحوں پر ہوئی ہیں، مگر اسلام کی حقیقی شکل جوں کی توں آج بھی سلامت ہے اور اس سے متصادم عقائد و افکار کے حاملین چاہے وہ اندرونی ہوں یا بیرونی جلد یا بدیر اپنے انجام تک پہنچ گئے۔

آپ اسلام کی چودہ سو سالہ حیات پر نظر ڈالیں تو آپ کو اس حقیقت کا مشاہدہ کرنے میں دیر نہیں لگے گی کہ اسلام ہر زمانے میں اپنے خلاف اٹھنے والے کسی نہ کسی فتنے سے نبرد آزما رہا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے مشرکین ہوں یا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کے مسیلمہ کذاب، پہلی صدی کے خوارج ہوں یا قرامطہ اور باطنیہ، روافض ہوں یا دوسری صدی کا ابن المقفع، تیسری صدی کے اصحاب العدل و التوحید ہوں یا اکبری دور کے ابوالفضل اور فیضی، ہمارے قریبی دور کے قادیانی ہوں یا عبداللہ چکڑالوی، ڈاکٹر فضل الرحمٰن ہو یا غلام احمد پرویز ..... ہر دور میں اسلام کو کسی نہ کسی فتنے کا سامنا کرنا پڑا، لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ ..... تاریخ گواہ ہے کہ یہ فتنے اٹھے ..... کلبلائے ..... ختم ہو گئے ..... اور اسلام کی

حجیت، حقانیت اور اس کے ابدی و دائمی ہونے کی ایک اور دلیل بن گئے۔ اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے کہ قانون فطرت یہی ہے۔ قرآن بڑے واضح انداز میں اعلان کرتا ہے:

﴿فأما الزبد فيذهب جفاء وأما ما ينفع الناس فيمكث في الأرض.﴾ (الرعد:۱۷)

اور:

﴿جاء الحق و زهق الباطل، إن الباطل كان زهوقا.﴾ (اسراء:۸۱)

ویسے تو اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کوئی صدی بلکہ کوئی ماہ وسال ایسا نہیں گزرا جس میں اسلام کے خلاف کوئی فتنہ برسرپیکار نہ ہو مگر بعض فتنے کچھ زیادہ ہی خطرناک اور تباہ کن ثابت ہوئے، مثلاً فتنۂ اعتزال، فتنۂ رافضیت، فتنۂ خوارج اور فتنۂ انکار حدیث وغیرہ۔ انہی خطرناک فتنوں میں سے ایک مغرب کا معاصر ثقافتی اور عمرانی انقلاب ہے کہ اس کے بعد اسلام کے خلاف تحریکوں اور منصوبہ بندیوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جس نے امت مسلمہ کو ہلا کر رکھ دیا۔ یہاں اباحیت، جدت پسندی، عقل پرستی، مادیت، لامذہبیت اور لبرل ازم کی ایسی ایسی تحریکیں اٹھیں کہ اس سے شرق تا غرب مسلمان بری طرح متاثر اور آزمائش کا شکار ہوئے۔ اسی طرح کے فتنوں میں سے دور حاضر کی ''فکر ولی اللّٰہی'' نامی ایک تنظیم بھی ہے جو اپنی نسبت حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور مولانا سندھی صاحب مرحوم کی طرف کرتے ہیں۔ اہل باطل کی زمانۂ قدیم سے یہ عادت چلی آرہی ہے کہ وہ اپنے ''بیمار ذہن'' سے اُگلے گئے غلط نظریات اور خود ساختہ عقائد و افکار کو تاویل و تحریف کی سان پر چڑھا کر اُمت مسلمہ کے لئے قبول صورت بناتے اور ان کی ترویج و تبلیغ کرتے رہتے ہیں، پھر جب انہیں یہ سازشیں طشت از بام ہوتی نظر آتی ہیں تو مسلمانوں کی بڑی اور معتمد شخصیات کو ڈھال بنا لیا جاتا ہے۔ ان کا یہ طرز عمل یہود و نصاریٰ کی مرہون

منت ہے جو اپنی تحریف شدہ یہودیت ونصرانیت پر براہیمی چھاپ لگاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غلط روش پر گرفت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿یآ أهل الكتب لم تحاجون فی إبراهيم، وما أنزلت التورابة والإنجيل إلا من بعده أفلا تعقلون.﴾

(آل عمران:۶۵)

ترجمہ: ''اے اہل کتاب! ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ناحق حجت بازی کیوں کر رہے ہو، حالانکہ توراۃ اور انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئیں، تمہیں اتنی بھی عقل نہیں۔''

اس سے انکار نہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور خاص کر مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کے کچھ تفردات، تحقیقات اور ذاتی نقطہ ہائے نظر ہیں جنہیں ہم ان کے علمی استدلالات کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور انہی تک محدود رکھتے ہیں، جن کے بارے میں ان کے مایہ ناز شاگرد مولانا سعید احمد اکبرآبادی صاحب کو بھی کہنا پڑا کہ:

''شروع ہی میں اس کا اظہار کر دینا بھی ضروری ہے کہ ہم خود مولانا [سندھی صاحب] مرحوم کے سب خیالات اور تمام افکار وآراء سے من وعن متفق نہیں۔'' (عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد:۲۷)

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اکابر کے تفردات کی پوٹ بنا کر انہیں تحریکی شکل دینا اور ان کی ترویج واشاعت کو اپنا مشن بنانا (خصوصاً جب کہ ان کی نسبت بھی متنازع ہو) انتہائی مذموم جسارت ہے، کیونکہ اہل علم کے ہاں یہ ایک مسلم امر ہے کہ کسی مسئلہ کے فی نفسہٖ صحیح یا غلط ہونے کا معاملہ الگ ہوتا ہے اور اس کو تحریکی شکل میں پیش کرنے کا الگ! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تاریخی جملہ: ''کلمة حق أريد بها الباطل'' ایسے ہی ایک موقع کے لئے کہا گیا تھا۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ ہم اس تحقیق میں نہیں گئے اور نہ ہی ہمیں اس سے

کوئی غرض ہے کہ یہ نظریات کس کے ہیں؟ کس نے لکھے ہیں؟ ان کی نسبت درست ہے یا نہیں؟ ان کا پس منظر اور تہِ منظر کیا ہے؟

یہ بحث اور اس کا فیصلہ ہم علماء پر چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن اتنی بات جاننے کے لئے غیر معمولی علم و عقل کی ضرورت نہیں کہ زیرِ نظر کتاب میں جو نظریات پیش کئے گئے ہیں وہ جس کے بھی ہیں نرم سے نرم الفاظ میں ان کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور ایک جماعت ہے جو ان نظریات و عقائد کی داعی ہے، ان کے ہاں یہ کتابیں داخلِ نصاب ہیں اور وہ لوگوں میں ان کی ترویج و اشاعت کرتے ہیں۔ یہی ہمارا مقصد ہے اور بس!

تنظیم کے متعلق ایک مشکل یہ بھی درپیش ہے کہ اس کے ارکان اپنے نظریات، افکار اور عقائد کو پردۂ خفاء میں رکھتے ہیں اور اپنی نظریاتی بے راہ روی کی وجہ سے معاشرے کا سامنا کرنے سے گریز کرتے ہیں، جس کے لئے وہ مختلف حیلے، حربے اور ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ جب علماء نے ان کے کچھ ایسے ہی نظریات کی بناء پر ان کی گرفت کی تو تنظیم کے سرپرستِ اعلیٰ جناب سعید احمد رائے پوری صاحب نے اس کی تردید میں یہ بیان دیا:

> ''آج کل بعض شر پسند عناصر نے خود ساختہ چند عقائد بنا کر میری طرف منسوب کرنے کی انتہائی مکروہ کوشش کی ہے تاکہ خانقاہ رائے پور کے عظیم سلسلہ اور میرے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں، میں اپنے بزرگوں کی تصدیق سے چھپنے والی کتاب ''المہند علی المفند'' مؤلفہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ، میں مذکور عقائد کا پابند ہوں، گمراہ کن پروپیگنڈے کے ذریعے سے پھیلائے جانے والے عقائد و نظریات سے میرا اور میرے متعلقین کا کوئی

تعلق نہیں، ہم بزور اس کی تردید کرتے ہیں۔"

(عزم: سیریز ۱۸۲ ص ۷ بقیہ ۲۰)

اس طرح کے ذومعنی بیانات اپنی اصلیت چھپانے کے حربے ہیں اور تار عنکبوت سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ مذکورہ دعوے ہی کو لیجئے کہ رائے پوری صاحب جس کتاب پر ایمان کے دعوے الاپ رہے ہیں شاید ہی ان کا کوئی کارکن اس کے نام سے واقف ہو۔ پھر یہ بھی ملاحظہ ہو کہ جس کتاب کے عقائد پر وہ پابندی کا دعویٰ کر رہے ہیں وہ تو ان کے ہاں کسی بھی کلاس میں داخل نصاب نہیں، لیکن کمیونسٹوں کے ادارہ "مکتبۂ فکر و دانش" کی کتاب "سامراج کیا ہے" ان کی ہر کلاس کی زینت بنی ہوئی ہے۔

اسی طرح جب ان سے ان کی کتابوں میں مذکور نظریات کی بابت سوال کیا جاتا ہے تو وہ کبھی یہ کہہ کر اپنا دامن بچا لیتے ہیں کہ یہ مولانا سندھی صاحب کے نظریات ہیں اور ہم ان سے متفق نہیں اور کبھی کہتے ہیں کہ یہ پروفیسر سرور صاحب نے لکھے ہیں، ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں! یہ دونوں باتیں درست نہیں۔ اول تو اس لئے کہ تنظیم مولانا سندھی صاحب کے افکار پر کام کر رہی ہے اور انہی کی ترویج و تبلیغ اس کا مقصد ہے۔ عزم (جو تنظیم کا ترجمان رسالہ ہے) میں لکھا ہے:

> "..... اور فرمایا کہ مولانا رائے پوری مدظلہ سے رابطہ رہنا چاہئے۔ کیونکہ امام سندھی پر پورے پاکستان میں انہی کی جماعت کام کرنے میں مصروف ہے۔" (عزم: ۱۶۰ ص ۹)

ایک دوسری جگہ لکھا ہے:

> "یہ تھے مولانا سندھی، ان کا فکر اور ان کا نظریہ اور مشن جو نہ صرف یہ کہ خود زندہ ہے بلکہ اپنوں اور غیروں کو بھی زندگی اور قوت بخشتا ہے اور ان کے مخالفین کا فکر خلا میں تعمیر ہونے کی

وجہ سے بحث و مجادلہ کا موضوع بن کر رہ گیا ہے۔ وقت نے
اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے کہ حقائق وہی ہیں جو مولانا بتایا
کرتے تھے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مولانا سندھی
رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس حقیقت پسندانہ فکر کو اپنی فکر و عمل کی اساس
بنا کر نوجوان نسل اس ظالمانہ نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر اس
کی جگہ سیاسی، معاشی اور سماجی عدل کا اسلامی نظام قائم
کرے۔" (عزم: ۱۶۹ ص ۱۰)

سوال یہ ہے کہ مولانا سندھی صاحب مرحوم کی اس فکر سے کیا مراد ہے؟ اور وہ کہاں دستیاب ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ انہی کتابوں "افادات، ملفوظات"، "حالات، تعلیمات، سیاسی افکار"، "خطبات و مقالات"، "المقام المحمود" "الہام الرحمٰن" وغیرہ میں ہے۔

اور دوم اس لئے کہ مولانا سندھی صاحب کی اکثر کتابوں کے مرتب پروفیسر سرور صاحب کو بھی وہ مولانا سندھی صاحب کا مخلص ترجمان اور تلمیذ رشید سمجھتے ہیں۔ عزم میں لکھا ہے:

"محمد سرور امام سندھی کے مخلص ترجمان تھے۔ خود مولانا سندھی
نے اپنی زندگی میں ان کی لکھی گئی تحریرات پر مہر تصدیق ثبت کر
دی تھی۔ آج کل بعض شر پسند لوگ ان کے بارے میں شکوک و
شبہات پیدا کر کے درحقیقت امام سندھی صاحب کے فکر اور
پروگرام سے نوجوانوں کو کاٹنا چاہتے ہیں۔" (عزم: ۱۹۲ ص ۱۳)

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کے چیئرمین تنظیم کی طرف سے شائع کردہ پمفلٹ "ولی اللہی نظام فکر کی عصری اہمیت" میں لکھتے ہیں:

"چنانچہ حضرت سندھی نے یہ علوم و افکار بڑی جانفشانی سے نئی

نسل کو گوش گزار کیے، جس کے نتیجے میں پاکستان میں پروفیسر سرور مرحوم، شیخ بشیر احمد لدھیانوی مرحوم، مولانا مقبول عالم مرحوم اور حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے ان افکار پر ایک قابل قدر تحریری ذخیرہ بہم پہنچایا جبکہ ان افکار پر خانقاہ عالیہ رائے پور کے صدر نشین حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہٗ نوجوانوں کی فکری و علمی تربیت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ "فجزا هم الله أحسن الجزاء" وہ وقت دور نہیں جب نوجوان نسل ان افکار کو حرز جاں بنالے گی"

(ولی اللّٰہی نظام فکر کی عصری اہمیت: ۱)

گویا تنظیم مولانا سندھی صاحب مرحوم کی فکر پر کام کر رہی ہے اور مولانا سندھی صاحب کی فکر ان کتابوں میں موجود ہے جو (بقول ان کے) مولانا سندھی صاحب کے تلمیذ رشید اور مخلص ترجمان پروفیسر سرور اور شیخ بشیر احمد وغیرہ نے لکھی ہیں یا ترتیب دی ہیں، مزید یہ کہ یہ کتابیں ان کے نصاب میں بھی داخل ہیں۔ اب پھر بھی یہ کہنا کہ یہ سندھی صاحب کے نظریات ہیں یا پروفیسر سرور نے لکھے ہیں اور ہم انہیں نہیں مانتے، اسے اپنا آپ چھپانے کی کٹ حجتی منطق کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟

واضح رہے کہ یہ ہم اہل فکر کا نظریہ نقل کر رہے ہیں کہ وہ ان کتابوں میں موجود نظریات کو مولانا سندھی صاحب کے نظریات اور پروفیسر سرور صاحب کو ان کے مخلص ترجمان اور تلمیذ رشید سمجھتے ہیں۔ ہمارے علماء کا اس بارے میں یہ کہنا ہے کہ ان کتابوں اور ان میں موجود نظریات کی نسبت مولانا سندھی صاحب کی طرف درست نہیں، بلکہ یہ "مخلص ترجمانوں" کا کرشمہ ہے، کیونکہ مولانا سندھی صاحب کی تحریریں دوسرے حضرات قلم بند کرتے رہے اور بہت کم تحریریں ایسی ہیں جو انہوں

نے خود لکھی ہوں، پروفیسر اسلم صاحب بھی اس کا اقرار کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''مولانا سندھی خود بہت کم لکھتے تھے اور جب کوئی مضمون ذہن میں آتا تو دوسروں کو املاء کروا دیتے تھے اور بعض اوقات سامع گھر جا کر اسے اپنے الفاظ میں قلمبند کر دیتا تھا۔''

(مکاتیب سندھی:۶۱)

پھر اسے بھی ایک عظیم المیہ سمجھئے کہ لکھنے والوں نے بعض غلط باتیں بھی ان کی طرف منسوب کر دیں۔ مولانا سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مشہور شاگرد شیخ القرآن مولانا محمد طاہر رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''آپ (مولانا سندھی صاحب) کی املائی تفسیر بعض تلامذہ نے قلم بند کی ہے اور بعض تلامذہ نے املاء میں آپ سے منسوب کرتے ہوئے اپنی طرف سے بھی بعض اشیاء داخل کر دی ہیں جو نہایت ظلم اور نا انصافی ہے ..... (مولانا سندھی کے شاگرد جاراللہ روسی کے بارے میں لکھتے ہیں) ..... آپ کثیر التصانیف اور مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ کے تلامذہ میں سے تھے۔ آپ نے مولانا سے تفسیر قرآن کریم پڑھ کر آپ کی تقریر کو قلم بند کیا تھا اور مولانا کی املائی تفسیر میں خود اپنی طرف سے رفع عیسیٰ علیہ السلام سے انکار کا مسئلہ داخل کر دیا تھا۔''

(بقیۃ الآثار: ص ۶۶، ۶۷)

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب لکھتے ہیں:

''انصاف کی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا سندھی کے بعض افکار شاذ بھی ہیں، بعض مرجوح قسم کے خیالات بھی ہیں اور بعض باتیں ایسی ہیں کہ مولانا ان پر بے جا سختی بھی کرتے تھے بعض

باتیں مصلحت کی خاطر بھی ناگزیر خیال کرتے تھے۔ اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کی نسبت ان کی طرف کرنے میں تلامذہ نے غلطی کی ہے۔ (عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد: ۲۱۶)"

فکر ولی کے ترجمان رسالہ عزم کے مدیر سعید اعوان صاحب لکھتے ہیں:

"یہاں اس وضاحت کی ضرورت نہیں کہ فاضل مرتبین نے اس مجموعہ [قرآنی شعور انقلاب] میں چند ایک مقامات پر اپنے ذاتی خیالات کا بھی اظہار کیا ہے۔" (قرآنی شعور انقلاب: ۳۷)

مولانا سندھی کے شاگرد مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا [سندھی صاحب] کے خیالات و افکار کو قلم بند کرنے والوں میں سے بعض نے ان کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کر دی ہیں جو غلط ہیں۔" (شعور و آگہی: ۴) (کاش! مولانا اکبر آبادی صاحب اس "بعض" کی وضاحت کر دیتے)۔

ایک اور مقام پر مولانا اکبر آبادی صاحب ایک نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ہمارے خیال میں اس موقع پر پروفیسر سرور صاحب سے بیان میں غلطی ہوئی ہے۔ انہوں نے ترک رسوم کے ساتھ وحدت انسانیت کا جوڑ لگا کر اصل مسئلہ کو مغالطہ انگیز بنا دیا ہے، حالانکہ یہ دونوں چیزیں بالکل الگ الگ ہیں۔" (عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد: ص ۶۴)

ایک اور لطیفہ بھی ملاحظہ کیجئے! مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب مولانا سندھی صاحب مرحوم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ورنہ جو شخص خود رسوم کا اس قدر پابند ہو کہ نماز باجماعت کو ترک نہ کرے، تہجد تک کی نماز بالالتزام ادا کرے اور اوراد و وظائف کا پابند ہو، روزہ سفر میں بھی قضا نہ ہونے دیتا ہو، حج کئی ایک کئے ہوں، قیام حجاز کے زمانہ میں کثرت طواف میں اس کو لطف و سرور ملتا ہو اس کی نسبت یہ باور کرنا کہ وہ رسوم کو ظاہری طور طریق سمجھ کر غیر اہم قرار دیتا ہے، کیونکر قرین صواب ہوسکتا ہے۔'' (عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد: ۶۰)

مولانا اکبر آبادی صاحب نے بجا فرمایا، لیکن بھلا ہو پروفیسر سرور صاحب کا کہ وہ لکھتے ہیں:

''نمازوں ہی کے بارے میں ایک دفعہ [مولانا سندھی صاحب نے] فرمایا: بے شک نماز واجب ہے لیکن اس کے فرض ہی، ہر نماز کے ساتھ سنتوں اور نفلوں کی زیادتی نے نفس نماز کو بوجھل بنا دیا ہے، چنانچہ نوجوان اس سے بھاگتا ہے۔ موطا امام مالک کی مروی حدیث میں صرف فرض نماز ہے اور سائل کا یہ کہنا "لا أزيد ولا أنقص" (نہ میں اس سے زیادہ پڑھوں گا اور نہ کم) میرے نزدیک ایک مسلمان کو اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے فرض نمازیں پڑھنی چاہئیں۔ نماز باجماعت، مسجد میں لازماً جا کر نماز پڑھنے اور اس طرح کے دوسرے زوائد کا التزام اس کے تمام وقت کو کھا جائے گا اور وہ کبھی دین کی حکمت اور اس کے اسرار کی طرف نہیں آئے گا۔'' (افادات وملفوظات: ۴۵۸)

بتایئے ان دونوں اقتباسات کا تضاد کس چیز کی عکاسی کرتا ہے؟

بہر حال یہ ایک طویل بحث ہے کہ مولانا سندھی صاحب کی طرف ان کتابوں

کی نسبت درست ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ یہ نظریات ان کے تھے یا ''بعد والوں'' نے ان کی طرف منسوب کئے ہیں؟ یہاں یہ نہ تو ہمارا مقصد ہے اور نہ ہی اس کا کوئی فائدہ! اس لئے یہ بحث اور اس کا فیصلہ ہم علماء پر چھوڑ دیتے ہیں، لیکن یہ ضرور کہیں گے کہ کتابوں کے ٹائٹل پر موجود مولانا سندھی صاحب کے نام پر اعتماد کی بجائے یہ ملحوظ رہے کہ ع

ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں

تنظیم فکر ولی اللّٰہی کا جماعتی نظم، تربیتی کورس، ان کا فکری اور نظریاتی مواد اس قدر پیچیدہ ہیں کہ ایک عام آدمی اس میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور وہ ان کے پیچھے کارفرما اصل مقاصد کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہے، خاص کر پروفیسر سرور صاحب کہ وہ اپنی تحریروں میں نفاق والحاد کا زہر اس قدر غیر شعوری اور معصومانہ انداز میں ملانے کے ماہر ہیں کہ عام لوگوں کی نظر کی رسائی اس کی تہہ میں موجود اصل مقصد تک بہت مشکل ہے۔ بات کو ذو معنی اور گنجلک بنا کر پیش کرنا ان کا خاص طرۂ امتیاز ہے۔ ان کی کتابیں خاص کر ''افادات و ملفوظات'' اور ''حالات، تعلیمات'' اشتراکیت اور لادینیت کا خلاصہ ہیں۔ ہم نے اختصار کے پیش نظر تنظیم کے کچھ نظریات نقل کئے ہیں، ورنہ اگر آپ تحقیقی اور تنقیدی نظر سے تنظیم کا لٹریچر، ان کی داخلی نصاب اور خارجی مطالعہ کی کتابیں دیکھیں گے تو صرف یہی مذکورہ عقائد نہیں بلکہ ایسے سینکڑوں نظریات وعقائد جو انتہائی گمراہ کن، خطرناک اور جمہور امت کے مسلمہ نظریات سے متصادم ہیں، آپ کو واضح طور پر نظر آئیں گے۔

ہر باب کے آخر میں متعلقہ کتاب کے اصل صفحات کے عکس دیئے گئے ہیں اور اس کتاب کا سب سے کٹھن مرحلہ یہی عکس تلاش کرنا تھا۔ تنظیم کے افراد اپنا لٹریچر مخفی رکھتے ہیں، اس لئے اول تو یہ کتابیں اور خاص کر عزم کے رسائل ملتے ہی نہیں تھے اور اگر مل جاتے تو ان کے عکس لانے کا مسئلہ درپیش ہوتا تھا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ

کی مدد شامل حال رہی، اب یہ کتاب تکمیلی مراحل سے گزر کر آپ کے سامنے ہے۔ یہ موضوع چونکہ میرے لئے اجنبی تھا اس لئے اس سلسلے کی اکابر کی کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے جن میں مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ''تجدد پسندوں کے افکار'' اور مولانا عبدالرحمٰن کیلانی صاحب کی کتاب ''آئینہ پرویزیت'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ استاذ محترم حضرت مفتی محمد صاحب دامت برکاتہم کی خصوصی توجہ وشفقت اور حضرت مولانا ابن الحسن عباسی صاحب مدظلہٗ العالی کی رہنمائی اور حوصلہ افزائی کا ساتھ نہ ہوتا تو شاید یہ کتاب آپ تک نہ پہنچ پاتی، اس کے لئے میں شکریہ کے لفظ کو ان کا حق ادا کرنے سے قاصر سمجھتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہی انہیں اس کی بہترین جزا عطا فرمائے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس محنت کو قبول فرمائے اور ہمیں کو صحیح طور پر اسلام کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

ذات باری تعالیٰ کے متعلق فکریوں کی ہرزہ سرائی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک مسلمانوں کے ہاں ذات باری تعالیٰ کے متعلق ایک ہی عقیدہ، نظریہ اور تصور رہا ہے، جس سے ایک عام مسلمان بھی ناواقف نہیں اور صرف ایک خدا ہی کا تصور نہیں بلکہ پورا کا پورا دین وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ پاک نے نازل کیا تھا اور پھر وہ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور اسی طرح نقل در نقل سینہ بہ سینہ مختلف واسطوں سے ہم تک پہنچا جو موجودہ صورت میں آج ہمارے پاس موجود ہے۔ اور یہ بعینہٖ وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا لیکن فکریوں کے ہاں خدا تعالیٰ کے بارے میں چودہ سو سالہ امت کا تصور غلط، ''داستان خود تراشیدہ'' اور سائنسی ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ ان کا خیال ہے کہ زمانہ اور عقلی ترقی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ہاں خدا کا تصور بدلتا رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا کا اصل تصور دفن ہو کر رہ گیا تھا۔ یوں ہم تک پہنچنے والا تصور خدا تعالیٰ کا حقیقی تصور نہیں بلکہ یہ زمانہ اور سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلتے ہوئے بالآخر ہم تک پہنچا۔ اور اب تیرہ یا چودہ صدیوں سے مسلمانوں کے ہاں جو خدا کا تصور ہے یہ وہ تصور نہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا، بلکہ یہ تصور ''مردہ کا ورثہ'' اور ''زندگی کی حرارت'' سے یکسر محروم ہے۔ ان کا نظریہ ہے کہ خدا کا تصور نہ صرف یہ کہ جدید دور میں منطبق نہیں ہو رہا بلکہ مسلمانوں کی تباہی بھی خدا تعالیٰ کے اسی رائج الوقت تصور سے ہے، کیونکہ صدیوں سے مسلمانوں کے ہاں جو تصور خدا ہے وہ استبدادی بادشاہت کی یادگار ہے اور اب

سائنسی ترقی کے طویل سفر نے تو اس خدا کا صرف قصہ ہی پاک نہیں کیا بلکہ موجودہ دور میں (جو خدا کے تصور کو سینہ سے لگائے ہوئے ہیں ان کے لئے بھی) خدا کا انکار عام طور پر ضروری ہو گیا ہے۔ اس ''مکتب فکر'' کا خیال ہے کہ مادہ کو خدا ماننے والا کافر نہیں، اس لئے کہ مادہ، عقل کل اور خدا ایک ہی چیز کی مختلف تعبیریں اور نام ہیں۔ دل پر ہاتھ رکھ لیجئے اور درج ذیل اقتباسات پڑھئے:

بدلتا ہوا خدا

''مذہب اسلام کا بنیادی اور مقدم ترین عقیدہ ایک خدا کو ماننا ہے، لیکن تاریخ گواہ ہے کہ زمانے اور عقلی ترقی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ہاں خدا کا تصور بھی بدلتا رہا ہے۔''

(فکری فلسفی کتاب افادات وملفوظات: ۲۷۸، سندھ ساگر اکادمی) ①

گویا فکریوں کے نزدیک خدا ایک ٹھوس اور ثابت حقیقت نہیں ہے بلکہ ایک نفسیاتی عارضہ ہے جو زمانہ اور عقلی ارتقاء کے ساتھ ساتھ اپنی جگہ بدلتا رہتا ہے جو علمی ارتقاء کے طول طویل سفر میں کہیں سے کہیں جا پہنچے گا۔

خدا کی رائج الوقت تعبیر نے مسلمانوں کو برباد کر دیا

جناب پروفیسر سرور صاحب لکھتے ہیں:

''خدا کا تصور اسلام کے ابتدائی دنوں میں عمل خیر کا کتنا بڑا محرک تھا اور آج اس تصور سے مسلمانوں کی کتنی بری حالت ہے۔''

(افادات وملفوظات: ۲۹۲) ②

گویا فکریوں کے نزدیک خدا کا تصور نہ صرف یہ کہ جدید دور میں منطبق نہیں ہو رہا ہے بلکہ مسلمانوں کی تباہی بھی خدا کے اس تصور سے ہے۔

مسلمانوں کا تصور خدا استبدادی بادشاہت کی یادگار ہے

''مسلمانوں کے ہاں صدیوں سے خدا کا جو تصور چلا آتا ہے وہ بھی ایک مستبد بادشاہ کا ہے، ایک حکیم وعلیم پروردگار کا نہیں۔''

(افادات وملفوظات: ۱۶۵) ۳

گویا فکریوں کے ہاں مسلمانوں کے تصور خدا نے ارتقاء کی ''شعبدہ بازی'' کا شکار ہوکر ایک ''مستبد بادشاہ'' کا روپ دھار لیا ہے اور صدیوں سے مسلمان اسی تصور کو سینوں سے لگائے ہوئے ہیں، چنانچہ علماء وصلحاء اور اولیاء کرام صدیوں سے خدا کے بارے میں جو تصور قائم کئے ہوئے ہیں وہ غلط اور فکریوں کا تصور جسے وہ کبھی مادہ، کبھی عقل کل سے تعبیر کرتے ہیں درست ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

خدا، مادہ اور عقل کل ایک ذات کی مختلف تعبیریں ہیں

فکریوں کی مشہور ترین نصابی کتاب ''شعور وآگہی'' جو جماعت کے مرکزی ذمہ داروں نے مل کر تصنیف کی ہے۔ یہ کتاب فکریوں کے تربیتی نظام میں اعلیٰ کلاس (رکنیت) کے نصاب میں داخل ہے، اس میں درج ہے کہ:

''ایک سائنس دان نے اسے مادہ سے تعبیر کیا، فلسفی نے اسے عقل کل مانا اور مذہبی اسے خدا کہتا ہے۔'' (شعور وآگہی: ۱۹) ۴

اس پیراگراف میں خدا، عقل کل اور مادہ ایک چیز کی مختلف تعبیریں یا مختلف نام بتائے گئے ہیں، یعنی حقیقت ایک ہی ہے مگر نام الگ الگ ہیں۔ یہ کتاب فکریوں کی

رکنیت کی کلاس میں سبقاً پڑھائی جاتی ہے جس پر خود شاہ سعید احمد رائے پوری صاحب کی تقریظ درج ذیل الفاظ میں ثبت ہے:

''چنانچہ اصحاب فکر ولی اللّٰہی میں سے چند مقتدر دوستوں نے فکر ولی اللّٰہی کے شہ پارے علامہ عبیداللہ سندھی کے حوالے سے متعدد کتب سے منتخب کیے۔''

کسے نہیں معلوم کہ خدائے برتر الحی القیوم اور سمیع و بصیر ذات ہے اور مادہ مردہ اور بے جان ہے اور روزانہ لیبارٹریوں میں سائنسدانوں کے ہاتھوں تختۂ مشق اور پرغمال بنا ہوا ہے مگر فکری لوگ خدا اور مادہ کو ایک ہی چیز سمجھ رہے ہیں۔

فکریوں کی ایک اور کتاب میں اس طرح لکھا ہے:

''ایک طبیعی نے اسے مادہ سے تعبیر کیا، فلسفی نے اسے عقل کل مانا اور ایک مذہبی آدمی اسے خدا کہتا ہے۔''

(حالات، تعلیمات، سیاسی افکار: ۱۰۴، ۱۰۵) ۵

فلاسفہ اور عقیدۂ خدا

''بعض لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ وہ لوگوں میں اختلاف دکھلائیں کہ انسانیت میں بہت بڑا اختلاف ہے، وہ جہاں دیکھتے ہیں کہ کسی حکیم نے مادہ سے مخلوقات کو پھیلانے کی صورت اختیار کی ہے اور یہ کہ اصل باب میں وہ حکیم [مثلاً کارل مارکس] اپنے پیدا کرنے والے [اللہ] کا نام نہیں لیتا تو وہ فوراً کہہ دیتے ہیں کہ فلاں حکیم اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا۔ یہ ان لوگوں کی کوتاہ نظری ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ان فلسفیوں [مارکسسٹوں] کے مذہب کا اچھی طرح سے مطالعہ

نہیں کیا۔" (القام المحمود جزء عم: ۱۵۴، صفہ اکیڈمی) (۶۱)

گویا جو لوگ مارکسزم کو الحاد یا انکار خدا کے مترادف سمجھتے ہیں وہ غلط اور کوتاہ نظر ہیں۔

افادات و ملفوظات

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رح

مرتبہ

محمد سرور سابق استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

ولی اللہ محمود الہ بخش
ST-9 سیکٹر 11/E غریب نواز مسجد
یو پی سوسائٹی نارتھ کراچی

سندھ ساگر اکادمی
۲۱۔ عزیز مارکیٹ، اردو بازار۔ لاہور

عقائد و احکام کی نافرمانی قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ تبدیلی کفر و الحاد و زندقہ اور معاشرے کو اسی پرانی حالت پر رکھنا نیکی و پارسائی سمجھا جاتا ہے۔ اسی بنا پر کمیونسٹ نظام میں انفرادی طور پر تو مذہب کی آزادی ہوتی ہے لیکن منظم (ORGANISED) مذہب کی اس میں کبھی اجازت نہیں دی جاتی اور ایسی کوششوں کو سختی سے دبا دیا جاتا ہے۔

مولانا سندھی مذہب کے خلاف کمیونسٹوں کے اس الزام کے بھی قائل نہ ہوئے۔ اس میں بھی انہیں حضرت شاہ ولی اللہ کی کتابوں سے روشنی اور رہنمائی ملی۔ جہاں تک

کسی مذہب کے عقائد و احکام کا تعلق ہے، مذہب اسلام کا بنیادی اور مقدم ترین عقیدہ ایک خدا کو ماننا ہے۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ زمانے اور عقلی ترقی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ہاں خدا کا تصور بھی بدلتا رہا ہے۔ توحید کے بعد دوسرا بنیادی عقیدہ رسالت کا ہے۔ اور رسالت میں سب سے اہم سوال وحی کا ہے۔ چنانچہ وحی کے بارے میں ایک عام مسلمان کا تصور اور ہے اور مثال کے طور پر ایک معتزلی متکلم اور حکیم و فلسفی کا تصور اور رہا ہے۔[1]

میں لکھتے ہیں:-

"..... اتنا عرصہ اجتہاد پر اس قدر زور دینے کے باوجود آخر اجتہاد کیوں ہو نہیں پاتا؟ اور یہ کہ جس اجتہاد پر زور دیا جا رہا ہے، اس کی نوعیت ہے کیا! اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اجتہاد کا دائرہ دراصل بہت محدود کر دیا گیا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جو چیزیں قرآن کی "نصوص" سے طے شدہ ہیں، ان پر تو کوئی اجتہاد چل نہیں سکتا۔ اجتہاد کا دائرہ دراصل وہ امور ہیں جہاں قرآن و حدیث کی کوئی نص نہیں ملتی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ معدودے چند امور کے چھوڑ کر جو بالکل نئے زمانے کی پیداوار ہیں، قرآن و سنت کی کوئی نہ کوئی نص ہر بات کے لیے موجود ہے۔ ....."

[1] بعض مسلمان فرقے اپنے تصورِ خدا کو تشبیہ اور تجسیم میں اس حد تک لے گئے کہ قرآن میں اللہ کے لیے جو ہاتھ، چہرہ اور ضحک (ہنسنا) و جسمانی صفات آئی ہیں، وہ اللہ کی ذات میں ثابت

مولانا حق کی اس مذہبی تعریف کو نہیں مانتے تھے۔ ان کے نزدیک "حق" اضافی اور نسبتی ہوتا ہے۔ مجرد حق نہیں کیونکہ یہ تو محض ایک تصور ہوتا ہے۔ بلکہ "حق" اپنی عملی تعبیر میں مثلاً مولانا کے خیال میں ایک زمانے میں بادشاہی نظام معاشرہ کے استحکام کا باعث ہوتا تھا اس لیے وہ "خیر" تھا۔ اب یہی بادشاہی نظام معاشرے کے لیے ایک روگ ہے۔ سیاسی ابتری اور شخصی بادشاہتوں کے جبر و استبداد کے [illegible] صوفیہ کا خانقاہی نظام ملت کے لیے ایک رحمت تھا اب وہی نظام ایک لعنت ہے۔ اسی طرح شخصی ملکیت ایک زمانے میں فلاح عمومی کی محرک ہوتی تھی۔ اور آج کے مشین کے دور میں یہ استحصال کا ایک ذریعہ ہے۔

خود خدا کا تصور اسلام کے ابتدائی دنوں میں عمل خیر کا کتنا بڑا محرک تھا اور آج اس تصور سے مسلمانوں کی کتنی بُری حالت ہے۔ بہر حال حق یعنی اس کی عملی تعبیرات قطعی نہیں، اضافی اور نسبتی ہوتی ہیں مثال کے طور پر ایک زمانے میں ایک مسلمان حکومت کا اپنی غیر مسلم رعایا سے جزیہ وصول کر کے اسے مذہبی اور جماعتی آزادی دے دینا ایسا ہر دلعزیز اقدام تھا کہ عہد اول کی اسلامی فتوحات میں اس کا بھی ایک بڑا موثر کردار رہا لیکن جب انسانوں کی سیاسی و قانونی مساوات اور قومی ریاستوں کے خیالات عام ہوئے تو مسلمان حکومتوں کے زوال کا ایک سبب یہ جزیہ اور ذمی کا تصور بنا واقعہ یہ ہے کہ مذاہب کا یہ حق ابدی یا حق جامد کا تصور آج کے بڑی سرعت سے بدلتے ہوئے معاشرے میں ان کے سرے سے بے حاصل اور اس لیے باطل ہونے کی دلیل بن گیا ہے۔

مولانا سندھی کا یہ کہنا تھا کہ حق — یعنی اس کی عملی تعبیر — تاریخی اور سماجی ہوتا ہے۔ ابدیت حق کے تصور میں ہو سکتی ہے، اس کی عملی تعبیر میں نہیں۔ اس کی عملی تعبیر ایک خاص سماج اور تاریخ کے ایک خاص دور میں ہوتی ہے، جسے بدلنا ہوتا ہے اور وہ بدلتا ہے۔ جب تک ایک ملت، ایک نظام اور ایک قانون اپنی تاریخ اور اپنے سماج کے بنیادی اور حقیقی تقاضوں کو جو مولانا کے نزدیک ایک لحاظ سے منشائے خداوندی ہی ہوتے ہیں پورا کرتا ہے، وہ حق اور برحق ہوتا ہے اور جب تاریخ اور سماج بدل جاتے۔ اور زمانے کے نئے تقاضے ہوں [illegible] وہ ملت، نظام اور قانون انہیں پورا

حوالہ نمبر 3

کہ مسلم لیگ ہندوستان کے مسلم اکثریت کے علاقوں میں شاہی نظام نہیں بلکہ جمہوری نظام قائم کرنے کی دعوت دے رہی تھی۔ میرا عرض یہ ہے کہ مولانا سندھی ہمیشہ کہا کرتے تھے اور اس پر انہیں بڑا اصرار تھا کہ اس دور میں اسلام کے نام اور اس کی دعوت پر مسلمانوں کی جو بھی حکومت بنے گی وہ مزاجاً شاہی حکومت ہوگی، جمہوری نہیں۔ اس لیے کہ صدیوں سے مسلمانوں کے ذہنوں میں اسلامی حکومت مرادف بن کر رہ گئی ہے ایک مسلمان بادشاہ کی حکومت کی۔ اور جب آپ اسلامی حکومت کو خیال سے عملی زندگی میں لائیں گے تو وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی حکومت نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ حکومت ہوگی جو ایک ہزار برس مع اپنی تمام روایات کے مسلمانوں کے ہاں چلی آتی ہے۔ کیونکہ ہمارے ذہنی، جذباتی، عملی اور تاریخی روابط اس آخرالذکر حکومت سے قائم ہیں[1]، اوّل الذکر حکومت سے نہیں۔ اور انسانی عمل تاریخی خلا میں واقع نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کے لیے "تاریخی تسلسل ضروری ہوتا ہے۔ اس تاریخی تسلسل کو توڑنے کے لیے ماحول کا بدلنا ناگزیر ہوتا ہے۔ آج ہم صرف سیکولر جمہوریت اور سوشلسٹ جمہوریت سے ہی اسے توڑ سکتے ہیں۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا اسلامی ذہن صدیوں کی فرقہ پرستی، تنگ نظری، جمود اور عقلی غلامی، جذبات پرستی اور آگے کے بجائے ہمیشہ پیچھے دیکھنے کی عادت سے نہیں نکل سکتا۔ اس ذہن کو اپیل کر کے اور اسے متحرک بنا کر جو نظام حکومت بھی بروئے کار آئے گا، وہ مزاجاً شاہی اور شخصی ہوگا، جمہوری نہیں۔ ہمیں جمہوری نظام حکومت کی طرف جانے کے لیے نیا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ اور نئے راستے کے لیے پچھلے راستے کو ترک کرنا پڑتا ہے۔

مولانا سندھی جوش میں آکر کبھی کبھی تو یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ مسلمانوں کے ہاں صدیوں سے خدا کا جو تصور چلا آتا ہے، وہ بھی ایک مستبد بادشاہ کا ہے۔ ایک حکیم علیہ پروردگار کا نہیں۔ پھر مسلمان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت، خلفائے راشدین و صحابہؓ کے

---

[1] اقبال کا اپنی نظم "گورستان شاہی" میں ایک شعر ہے ؎

دل ہمارے یادِ عہدِ رفتہ سے خالی نہیں
اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں

شعور و آگہی

افاداتِ مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مکی دار الکتب
سرور مارکیٹ، چوک اردو بازار ○ لاہور

بالوں کو دور کرے گا۔ اور صاف لباس زیب تن کرے گا اور خوشبو لگائے گا تو اسے اپنے نفس میں انشراح سرور اور انبساط کا احساس ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ طہارت یہی وجدانی کیفیت ہے جو انس اور نور سے تعبیر کی جاسکتی ہے۔

دوسری خصلت اخبات "خدا تعالیٰ کے لیے خضوع" یعنی نہایت درجے کی عجز و نیاز مندی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سلیم الفطرت شخص جب طبعی اور خارجی تشویشوں سے فراغت کے بعد صفات الٰہی' اس کے جلال اور اس کی کبریائی میں غور کرتا ہے تو اس پر ایک حیرت اور دہشت کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے یہی حیرت اور دہشت خشوع و خضوع یعنی نیاز مندی کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک سوچنے والا انسان جب کائنات کی اس گتھی کو حل کرنے سے عاجز آجاتا ہے اور اس عجز اور افتادگی کی حالت میں وہ کسی اور قوت کے سامنے اپنے آپ کو بے دست و پا پاتا ہے تو اس کی یہ بے دست و پائی اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے سے بلند تر کسی اور قوت کو مانے۔ ایک سائنس دان نے اسے مادے سے تعبیر کیا۔ فلسفی نے اسے عقل کل مانا اور مذہبی اسے خدا کہتا ہے' بہرحال انسان کہیں نہ کہیں اس کائنات کے سامنے اپنے آپ کو ضرور مجبور پاتا ہے اور یہی مجبوری اسے خضوع کی طرف لے جاتی ہے۔

تیسری خصلت سماحت "فیاضی" ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس طلب لذت' حب انتقام بخل اور حرص وغیرہ سے مغلوب نہ ہو' اس کے ذیل میں عفت' جدوجہد' صبر و عفو' سخاوت قناعت اور تقوی تمام آجاتے ہیں۔ شکم اور فرج "شرمگاہ" کی خواہش کے قبول نہ کرنے کا نام عفت ہے۔ آسائش اور ترک عمل کی خواہش کو قبول نہ کرنے کا نام جدوجہد ہے اور جزع و فزع "رونا پیٹنا" کو روکنا صبر ہے اور انتقام کی خواہش کو دبانا عفو اور خواہش بخل کو چھوڑدینے کا نا سخاوت اور حرص کو قبول نہ کرنا قناعت ہے۔ شریعت کی بنائی ہوئی حدوں سے تجاوز نہ کرنا تقویٰ ہے۔

چوتھی خصلت عدالت ہے۔ سیاسی اور اجتماعی نظاموں کی روح رواں یہی

مولانا عبید اللہ سندھی

حالاتِ زندگی، تعلیمات اور سیاسی افکار

محمد سرور

سابق استاذ جامعہ ملّیہ اسلامیہ دھلی

المحمود اکیڈمی

عزیز مارکیٹ اردو بازار۔ لاہور

واعمال واخلاق ہیں۔ جو انھیں چار خصلتوں کی مبنی ہیں۔

اُن چار خصلتوں میں سے ایک طہارت ہے۔ اس کی حقیقت اور اس کی طرف میلان ہر سلیم الفطرت انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے۔ یہ گمان نہ کر لینا کہ یہاں طہارت سے مراد وضو اور غسل ہے، بلکہ طہارت کا اصل مقصود وضو اور غسل کی روح اور ان کا نور ہے؛ جب آدمی نجاستوں میں آلودہ ہو، میل اور چرک اور بال اس کے بدن پر جمع ہوں اور بول و براز اور پسینے نے اس کے معدہ میں گرانی پیدا کی ہو تو ضروری اور لازمی بات ہے کہ وہ انقباض نفس اور حزن اپنے اندر پائے گا۔ اور جب وہ غسل کرے گا۔ زائد بالوں کو دور کرے گا۔ نیا لباس زیب تن کرے گا اور خوشبو لگائے گا تو اسے اپنے نفس میں انشراح سرور اور انبساط کا احساس ہوگا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ طہارت یہی وجدانی کیفیت ہے، جو انس اور نور سے تعبیر کی جا سکتی ہے۔

دوسری خصلت خدا تعالیٰ کے لیے خضوع یعنی نہایت درجہ کی عجز و نیازمندی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سلیم الفطرت شخص جب طبعی اور خارجی تشریحات سے فراغت کے بعد صفاتِ الٰہی، اس کے جلال اور اس کی کبریائی میں غور کرتا ہے تو اس پر ایک حیرت اور دہشت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یہی حیرت اور دہشت شرع، خضوع، احتیاج یعنی نیازمندی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ایک سوچنے والا انسان جب کائنات کی اس گتھی کو حل کرنے سے عاجز آ جاتا ہے۔ اور اس عجز اور افتادگی کی حالت میں وہ کسی اور قوت کے سامنے اپنے آپ کو بے دست و پا پاتا ہے، تو اس کی پیوست و پا بگی اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے سے بلند تر کسی اور قوت کو مانے۔ ایک طبیعی نے اسے مادے

تیسرا فلسفی نے اسے عقل کُل مانا۔ اور ایک مذہبی آدمی اسے خدا کہتا ہے۔ بہرحال انسان کہیں نہ کہیں اس کائنات کے سامنے اپنے آپ کو ضرور مجبور پاتا ہے اور یہی مجبوری اسے خضوع کی طرف لے جاتی ہے۔

تیسری خصلت سماحت اور رضا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ نفس طلب لذت محبت، انتقام بخل اور حرص وغیرہ سے مغلوب نہ ہو۔ اس ذیل میں عفت، جذبہ صبر و عفو، سخاوت، قناعت اور تقویٰ تمام آجاتے ہیں۔ تنعم اور فرج کی خواہش کے قبول نہ کرنے کا نام عفت ہے۔ آسائش اور ترک عمل کی خواہش کو قبول نہ کرنے کا نام جذبہ جہد ہے۔ جزع و فزع کو رد کرنا صبر ہے۔ انتقام کی خواہش کو دبانا عفو، خواہش بخل کو چھوڑ دینے کا نام سخاوت اور حرص کو قبول نہ کرنا قناعت ہے۔ شریعت کی بنائی ہوئی حدوں سے تجاوز نہ کرنا تقویٰ ہے۔

چوتھی خصلت عدالت ہے۔ سیاسی اور اجتماعی نظاموں کی تدوین و اصلاح یہی خصلت ہے۔ ادب، کفایت، حریت، سیاست مدینہ اور حسن معاشرت وغیرہ سب عدالت کی شاخیں ہیں۔ اپنی حرکات و سکنات پر نگاہ رکھنا، اعتدال اور بہتر وضع اختیار کرنا اور دل کو ہمیشہ اس طرف متوجہ رکھنا ادب ہے۔ جمع و خرچ، خرید و فروخت اور تمام معاملات میں عقل و تدبر سے کام لینا کفایت ہے۔ خانہ داری کے کاموں کو بخوبی انجام دینا حریت ہے اور شہروں اور لشکروں کا اچھا انتظام کرنا سیاست مدینہ ہے۔ بھائیوں میں نیک زندگی بسر کرنا، ہر ایک کے حق کو پہچاننا اور اُن سے الفت و بشاشت سے پیش آنا حسن معاشرت ہے۔

یہی چار اخلاق ہیں جن کی تکمیل سے انسانیت کو ترقی ملتی ہے اور ان کو چھوڑنے

المقام المحمود

(آخری پارہ)

مولانا عبید اللہ سندھی

صفہ اکیڈمی راولپنڈی

جوالہ نمبر 6

ہے کہ اللہ تعالیٰ کو عالم مخلوقات کا پیدا کرنے والا مانتا ہے۔ (۲) ترقی یافتہ انسانیت کا جو حصہ مذہب سے تعلق نہیں رکھتا اور عقلی فلسفے کا قائل ہے وہ بھی بالاتفاق اس تمام کائنات کا ایک مرکز متعین کرتے ہیں کہ جس سے تمام وجود ظاہر ہوا۔ اور اس کو تمام چیزوں کا خالق کہتے ہیں۔ اس سے آگے اگر تفصیل سے یہ بیان کیا جائے کہ خلق کس طرح پیدا ہوئی تو اس میں (۱) اور (۲) میں کچھ اختلافات ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فلسفیوں کے مختلف مسلک ہیں کہ روح اور مادہ کس طرح بڑھے وغیرہ۔ مگر اس میں شک نہیں کہ تمام انسانیت کا مرکز ایک ہے اور یہ تمام چیزیں اس مرکز سے پیدا ہوئی ہیں اس میں کسی کو اختلاف نہیں اور مذکورہ بالا دونوں جماعتیں اس پر متفق ہیں۔

* بعض لوگوں کو شوق ہوتا ہے کہ وہ لوگوں میں اختلاف ڈھلائیں کہ انسانیت میں بہت بڑا اختلاف ہے۔ وہ جہاں دیکھتے ہیں کہ کسی حکیم نے مادہ سے مخلوقات کو پھیلانے کی صورت اختیار کی ہے اور یہ کہ اس باب میں وہ حکیم اپنے پیدا کرنے والے (اللہ) کا نام نہیں لیتا تو وہ فوراً لکھ دیتے ہیں کہ فلاں حکیم اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا۔ یہ ان لوگوں کی کوتاہ نظری ہے۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ان فلسفیوں کے مذہب کا اچھی طرح سے مطالعہ نہیں کیا۔ بہرحال تمام انسانیت اسی بات پر متفق ہے کہ تمام کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ تو اس واسطے اے رسول ﷺ تو بھی اسی کا نام لے کر پڑھ۔ آیت ۲ خلق الانسان من علق (۱) اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ (اب انسانیت کی بحث شروع ہو گئی) انسان جب تک انسانیت کو نہ سمجھے وہ شرائع الٰہیہ کو نہیں سمجھ سکتا۔ انسان کا ایک حصہ ہے بدن اور گوشت کے ٹکڑے سے انسان کو پیدا کیا۔ اب وہ گوشت کا ٹکڑا کب پیدا ہوا۔ اس پر اس جگہ بحث نہیں ہے۔ مادیات کے خلاصہ میں سے خلاصہ نکلتا ہوا گوشت کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ اس میں سے انسان پیدا کیا جاتا ہے۔ تو انسان بھی عالم مخلوقات میں شریک ہوا اور یہ بھی اس جنس کا ایک نوعی فرد ہے۔ تو جیسے تمام مخلوقات کا تعلق اپنے خالق سے ہے ویسے ان کا تعلق بھی ثابت ہوا اور اگر خلق میں عالم مخلوقات کا بیان کر کے پھر انسان کی خلقت بیان کرنے سے یہ بات

(۱) تعلیم کے بغیر تو انسان ایک خلق ہے۔

عقیدۂ توحید اور اصحابِ فکر

عقیدۂ وحدۃ الوجود اور ہندو ویدانت فلاسفی ایک ہے

فکریوں کی اعلیٰ کلاس رکنیت کی درسی کتاب میں درج ہے:

''سائنس کی ترقی کے ساتھ مذہبی قانون تو الگ رہا، سرے سے خدا کا انکار بھی عام طور پر ضروری ہو گیا۔ میں چونکہ مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا اس لئے اس مشکل کا علاج برابر سوچتا رہا ہوں۔ مجھے اس سلسلہ میں وحدۃ الوجود کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ملا جس سے ایک سائنسدان کو خدا کے وجود کا یقین دلایا جا سکے۔ چونکہ یہ مسئلہ ہندو فلاسفی کا بھی اصل اصول ہے، ایسے ہی امام ولی اللہ اسی کو مان کر حکمت اور فلاسفہ کا ایسا اسکول قائم کرتے ہیں جس سے تمام مذاہب اپنی تشنگی رفع کر سکتے ہیں۔''

(خطبات ومقالات: ۱۱۱) ❶

فکریوں کی اسی کتاب میں ایک جگہ ہندو ویدانت فلاسفی، اسلامی ائمہ تصوف اور شاہ ولی اللہ کے متعلق یوں لکھا ہے:

''ان تمام ائمہ تصوف کا مرکزی فکر وحدۃ الوجود ہے جو ویدانت فلاسفی کا اصل اصول ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اسی کی تہذیب و تکمیل سے انسانیت کی تشریح کی اور اسے کتاب وسنت کا بطن بنایا۔''

(خطبات ومقالات: ۱۶۸) ❷

فکریوں کے اس بیان کے مطابق سائنسی ترقی نے خدا کے اردگرد دائرہ تنگ کر

دیا کہ عام طور پر اس کا انکار بھی (معاذ اللہ) ضروری ہو گیا اور اب سائنسدانوں کو خدا کے وجود کا یقین دلانے کے لئے فکریوں کے اپنے بیان کے مطابق ان کے ہاں سوائے ویدانت فلاسفی اور نظریہ وحدۃ الوجود کے اور کوئی سہارا نہیں ملا، مگر پریشانی کی بات یہ ہے کہ اگر ویدانت فلاسفی کے سہارے سے خدا کے وجود کا یقین حاصل بھی ہو گیا تو یہ ہندومت کی فتح ہے اسلام کی نہیں، بہت ممکن ہے کہ ہمارے کچے کچے مسلمان بھی ہندو ہو جائیں اس لئے کہ اب خدا کو ہندو نظریات کے توسط سے ثابت کیا جا سکتا ہے اسلام سے نہیں۔

عقیدۂ وحدت الوجود کی مذہبی حیثیت

ویدانت فلاسفی یا نظریہ وحدۃ الوجود کی مذہبی حیثیت کے متعلق مشہور و معروف محدث و فقیہ اور ممتاز مذہبی اسکالر علامہ زاہد الکوثری امام محمد ابن عبدالوہاب اور امام ابن تیمیہ اور ابن قیم کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"ابن عبدالوهاب وقدوتاه ابن تيميه وابن القيم يرون القول بوحدة الوجود مروقا ونفيا للصانع وانجيارا إلى الطبيعين نفاة إله العالمين" (مقالات کوثری:۳۷۴)

ترجمہ: "ابن عبدالوہاب اور ان کے پیشوا ابن تیمیہ اور ابن قیم نظریہ وحدۃ الوجود کو دینی فکر سے الحاد کی طرف خروج، صانع کی نفی اور بے خدا مادہ پرستوں کے سامنے سپر ڈالنے کے مترادف سمجھتے ہیں۔"

امام عبدالوہاب، علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم نظریۂ وحدۃ الوجود کو کفر، الحاد اور دہریت سمجھتے ہیں جب کہ فکر ولی اللہی والے اسی کو الحاد اور انکار خدا کے متبادل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فکر ولی اللہی کا ایک سرا تو مذہب

کے اندر ہے جب کہ دوسرا سرا اور حقیقی دھارا الحاد میں جا گرتا ہے، اس لئے کہ وہ الحاد کو توحید سمجھتے ہیں۔ مذکورہ بالا عبارت کے چند گوشوں پر ایک بار پھر غور کریں:

''ان تمام ائمہ تصوف کا مرکزی فکر وحدۃ الوجود ہے، جو ویدانت فلاسفی کا اصول ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اسی کی تہذیب و تکمیل سے انسانیت کی تشریح کی اور اسے کتاب وسنت کا بطن بنایا۔''

فکریت کے دیوانے ایک طرف تو شاہ صاحب کو دور جدید کے امام المعقولات و الاقتصادیات قرار دیتے ہیں جب کہ دوسری طرف ہزاروں سال پھٹا پرانا نظریۂ حلول کے شارح و متبع جو ہندو ویدانت فلاسفی کا اصل الاصول ہے۔ ایسے میں فکر ولی اللّٰہی کے اس بیان کے مطابق شاہ ولی اللہ کسی جدید نظریۂ کائنات کے بانی کی بجائے ہندومت کے خوشہ چین معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے نہ صرف حضرت قبلہ شاہ صاحب بلکہ تمام ائمہ تصوف کے بارے میں یہی تاثر قائم ہوتا ہے۔

اب ایک طرف یہ تاثر اور دوسری طرف قومیت اور دور جدید کے فاتح ہونے کے دعوے! یہ فکریت کے تضادات ہیں جو ان کے لٹریچر میں جا بجا عیاں ہوتے ہیں اور ان غلط دعووں سے خود حضرت قبلہ شاہ صاحب کی شخصیت کے متعلق منفی تصور قائم ہوتا ہے۔

وحدۃ الوجود ہندو فلسفہ کا اصل اصول ہے

فکریوں کے آئیڈیل پروفیسر سرور صاحب لکھتے ہیں:

''وحدۃ الوجود ایک طرف تو ہندو فلسفہ کا اصل اصول ہے، دوسری طرف ہندوستان کے سب سے بڑے مسلمان فلسفی اور عالم دین شاہ ولی اللہ بھی اس فلسفہ کو اساس حکمت مانتے ہیں اور ایک سائنس دان بھی اس کا آسانی سے انکار نہیں کر سکتا۔

درحقیقت وحدۃ الوجود کا تصور ہر مذہب کی روح ہے۔ مذاہب عالم کی بوقلمونی بھی اس کی مدد سے سمجھ میں آجاتی ہے اور پھر یہ فکر کسی ایک قوم کے لئے خاص نہیں، نیز وہ لوگ جو زندگی کے مادی تصورات کی بناء پر خدا کا انکار کرتے ہیں اگر وہ وحدۃ الوجود کا سنجیدگی سے مطالعہ کریں تو انہیں بھی خدا کے انکار کی مطلق ضرورت نہ پڑے۔" (حالات، تعلیمات:۴۱۳) ❸

اس اقتباس کی مذکورہ عبارت میں جہاں اور بہت ساری گمراہیاں ہیں وہاں اس سے یہ حقیقت بھی واضح ہو رہی ہے کہ فکری صرف وحدۃ الوجود ہی کے نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی اور خلاف نظریہ وحدۃ ادیان کے بھی قائل ہیں۔

خطبات و مقالات مولانا عبید اللہ سندھی

مرتب

پروفیسر محمد سرور

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

ایچ - وائی - پرنٹرز
غزنی سٹریٹ اردو بازار
لاہور

یہی مصیبت ایک اور راستہ سے آتی ہے۔ سائنس کی ترقی کے ساتھ مذہبی قانون تو الگ رہا سرے سے خدا کا انکار بھی عام طور پر ضروری ہوگیا ہے۔ میں چونکہ مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لیے اس مشکل کا علاج برابر سوچتا رہا ہوں۔ مجھے اس سلسلہ میں مسئلہ وحدت الوجود کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ملا جس سے کہ ایک سائنس دان کو خدا کے وجود کا یقین دلایا جاسکے۔

چونکہ یہ مسئلہ ہندو فلاسفی کا بھی اصل اصول ہے۔ ایسے ہی امام ولی اللہ اسی کو مان کر حکمت اور فلسفہ کا ایسا اسکول قائم کرتے ہیں جس سے تمام مذاہب اپنی تشنگی رفع کرسکتے ہیں۔ اس لیے میری مستقل رائے یہ ہے کہ

(۱) مادی ترقی کے لیے ہمیں یورپ کے لبرل ازم اور ماڈرنسٹ ازم دونوں کو بخوشی قبول کرلینا چاہیئے۔ جیسے ترکی وغیرہ ممالک میں ہورہا ہے۔ میں اس مجموعہ کو یورپین ازم کہتا ہوں۔ جیسے کہ کمال پاشا نے اپنے دیہاتیوں کو استنبولیوں کے برابر بنادیا۔ میں اسی طرح اپنے کاشت کاروں کو علی گڑھ سوسائٹی کے اعلیٰ درجہ پر لانا چاہتا ہوں۔

جب امیروں کی اولاد نے یورپین ازم سیکھا۔ تو گھر بیچ کر یورپ سے عیاشی کا سامان خرید لائے۔ نہ انہوں نے علم سیکھا نہ فن جس سے قوم میں ترقی پیدا ہوتی، ادنیٰ طبقہ اگر یورپین معاشرت اختیار کرے گا تو زیادہ کمائے گا اور اپنی کمائی خود کھائے گا۔ اگرچہ اعلیٰ طبقہ کو یہ امر ناپسند ہوگا۔ مگر اس انقلابی دور میں انہیں سب کچھ مان لینا چاہیئے۔

(۲) روحانی یا مذہبی حفاظت کے لیے امام ولی اللہ کی فلاسفی پڑھانی چاہیئے۔

تھا۔ اسی منہاج پر مسلمانوں میں کئی حکیم پیدا ہوئے جن میں سے الشیخ الاکبر محی الدین ابن عربی اور شیخ الاشراق شیخ شہاب الدین السہروردی مشہور عالم ہیں۔

ہندوستان میں سلطان محمود غزنوی کے زمانہ سے صوفیہ کرام کی آمد شروع ہوئی۔ سلطان شہاب الدین غوری کے بعد اس خاک سے تصوّف کے چاروں طریقوں میں کثرت سے معرفت الٰہی میں کامل خادم انسانیت پیدا ہوئے۔ وہ سب اسی حکمت اشراقی کے امام تھے۔ مگر ایسا عالم جو اپنے انکشافات اور نظریات کی تدوین و تنظیم پر قادر ہو امام ولی اللہ دہلوی جیسا پیدا نہیں ہوا۔

ان تمام ائمہ تصوّف کا مرکزی فکر وحدت الوجود ہے، جو ویدانت فلاسفی کا اصل اصول ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اسی کی تہذیب و تکمیل سے انسانیت کی تشریح کی اور اسے کتاب و سنت کا بطن بنایا۔ جیسا کہ ان کی معرکۃ الآرا کتاب حجۃ اللہ البالغہ اور ان کی فلسفی تصانیف البدور البازغہ اور التفہیمات الالٰہیہ وغیرہ سے واضح ہوتا ہے۔

ہمارے خیال میں اگر دونوں مذاہب کے خدام انسانیت اسی فلاسفی کو امام بنا کر تقدم کی جد و جہد میں مصروف ہو جائیں تو ہند ایک دفعہ پھر مجمع البحرین بن کر دنیا کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

ہمارے پرانے رفقاء میں سے اگر کوئی بزرگ ہمارا نیا انداز دیکھ کر چیں بجبیں ہوں تو اُن کی خدمت میں مختصراً عرض ہے ؎

کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

حوالہ نمبر 3

۱۳

مولانا کا کہنا یہ ہے کہ کانگرس خالص سیاسیات اور اقتصادیات کے اصولوں پر اپنے مسلک اور حکمتِ عملی کی بنیاد رکھے اور کسی مذہبی گروہ کو یہ اجازت نہ دی جائے کہ وہ اپنے خاص مراسم مذہبی کو کانگرس کا جزو بنا سکے لیکن انسانی زندگی مجبور ہے کہ اپنی سیاسی اور اقتصادی سرگرمیوں کے لیے کوئی نہ کوئی فلسفہ ڈھونڈھے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ ضرورت وحدۃ الوجود کے تصور سے پوری ہو سکے گی۔

وحدۃ الوجود ایک طرف تو ہندو فلسفہ کا اصل اصول ہے۔ دوسری طرف ہندوستان کے سب سے بڑے مسلمان فلسفی اور عالم دین شاہ ولی اللہ بھی اس فلسفہ کو اساسِ حکمت مانتے ہیں اور ایک سائنس دان بھی اس کا آسانی سے انکار نہیں کر سکتا۔ درحقیقت وحدۃ الوجود کا تصور ہر مذہب کی روح ہے۔ مذاہب عالم کی بوقلمونی بھی اس کی مدد سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ اور پھر یہ فکر کسی ایک قوم کے لیے خاص نہیں۔ نیز وہ لوگ جو زندگی کے مادی تصورات کی بنا پر خدا کا انکار کرتے ہیں۔ اگر وہ وحدۃ الوجود کا سنجیدگی سے مطالعہ کریں تو انھیں بھی خدا کے انکار کی مطلق ضرورت نہ پڑے۔ مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ ہندوستان کو

ایک نہ ایک دن سیاست اور معیشت کے متعلق یورپی نظریات کو قبول کرنا ہی ہوگا یہ مشینی دور اب کسی کے روکے نہیں رک سکتا۔ روس میں مشین پر کام کرنے والے کاریگروں اور مزدوروں نے خود اپنی حکومت ہی بنا لی ہے۔ یورپ کے دوسرے جمہوری ملکوں میں بھی جہاں کی پارلیمنٹوں میں اس وقت محافظین اور لبرل کی اکثریت ہے۔ ایک خطرناک انقلاب آیا چاہتا ہے ان پارلیمنٹوں میں کاریگروں کا غلبہ ہو کر رہے گا۔ چونکہ یہ کاریگر اور مزدور ایک طویل زمانے سے معاشی اور سیاسی

انبیاء اور نبوت کی توہین

اخلاقیات اور ہدایت نبوت میں منحصر نہیں

عقیدۂ توحید پر ''تیشہ زنی'' کرنے کے بعد اب فکریوں کا نظریۂ نبوت ملاحظہ ہو:

> ''مولانا سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ: بعض علماء تو نبوت کے سوا اخلاق انسانی کا کوئی اور منبع اور مصدر نہیں مانتے اور ان کے نزدیک ساری ہدایت صرف نبوت میں مرکوز ہے۔ جن قوموں میں ان کے خیال کے مطابق نبی نہیں آئے وہ ہدایت سے بے بہرہ رہیں اور صحیح اخلاق انسانی میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ اس طرح کی تخصیص نبوت کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی دلیل ہے، بات یہ ہے کہ ایک چیز ہے نبوت اور ایک ہے استعداد نبوت۔''
>
> (فکری فلسفہ کی اہم کتاب حالات، تعلیمات، سیاسی افکار: ۹۹) (1)

فکریوں کی اس کتاب کے مطابق اخلاقیات اور ہدایت کو صرف نبوت میں منحصر سمجھنا غلط ہے بلکہ استعداد نبوت کے تحت لوگ خود بخود ہدایت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس بات سے فتنہ و فساد کے بہت سارے دروازے کھل سکتے ہیں، مثلاً اپنی ذاتی استعداد اور صلاحیت کے تحت اگر انسان ہدایت تک وصولی حاصل کر سکتا ہے تو پھر نبوت کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟

اور اگر نبوت سے پہلے انسان اپنی ذاتی اور فطری صلاحیتوں کے تحت استعداد

نبوت پر فائز ہوتا ہے تو استعداد کے باوجود نبوت کے حصول میں کیا مانع رہ جاتا ہے اور پھر استعداد نبوت کے نظریہ کے بعد ختم نبوت کے سلسلہ میں کتنی نئی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑے گا؟

نبوت کے مشہور تصور میں نبی کی حیثیت صرف فونو گراف کی ہے

''نبوت اور استعداد نبوت کا فرق نہ کرنے والوں کے نزدیک نبی کی اپنی کوئی مستقل شخصیت نہیں ہوتی، ان کے خیال میں نبی کی مثال فونو گراف کی ہے، جو کچھ اس پر القاء ہوا وہ اس نے ہو بہو دوسروں کو پہنچا دیا۔ یہ لوگ نبیؐ کی ہر بات اور ہر فعل کو اصل نبوت کا جز سمجھتے ہیں، اس بناء پر ان کے ہاں عربی زبان مقدس ..... اور وہ کسی ''غیر مسلم'' کو انسان ہی نہیں سمجھتے اگرچہ وہ اپنے اعمال و اخلاق میں ان سے کتنا ہی بلند و برتر کیوں نہ ہو۔''

(ایضاً: ۱۰۰، ۱۰۱) ❷

جبرئیل فرشتہ نہیں تھا بلکہ ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے

فکری عام مسلمانوں کی طرح جبرئیل کو تسلیم نہیں کرتے۔ عام مسلمانوں، جمہور امت اور علماء دین کے نقطۂ نظر کے مطابق خدا ایک برتر ہستی ہے جسے چاہے اپنی طرف سے فرشتہ بھیج کر اس کو دعوت خیر اور رشد و ہدایت کے لئے نبی بنا دیتا ہے جس کا نام جبرئیل ہے، مگر فکری حضرات اس تصور کو تسلیم نہیں کرتے، ان کے نزدیک جبرئیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نفسیاتی طاقت اور وجدانی قوت کا نام ہے اسی کو

مذہبی اصطلاح میں ''جبرئیل'' کہتے ہیں، چنانچہ وہ بعض علماء کے حوالے سے بطور استدلال لکھتے ہیں:

''جبرئیل جو انبیاء علیہم السلام کو نظر آتے ہیں اور خدا کی طرف سے وحی لاتے ہیں، وہ حقیقت جبرئیلیہ ہے جو انبیاء کی قوتوں میں سے ایک قوت کا نام ہے۔ یہی قوت صورت بن کر عالم مثال میں انبیاء کو محسوس ہوتی ہے اور خدا کی طرف سے قاصد بن کر پیغام لاتی ہے تو انبیاء اپنے آپ ہی سے مستفید ہوتے ہیں نہ کسی اور سے، جو کچھ ان کو نظر آتا ہے وہی ہے جو ان کے خزانہ میں مخزون تھا۔'' (افادات ملفوظات: ۲۲۸) ۳

''جبرئیل محمد در ذات محمد بود صلی اللہ علیہ وسلم، وہم چنین جبرئیل باہر پیغمبرے در ذات وے بود، و آن قوت باطنی ایشاں بود کہ در غلبہ آن قوت برایشاں وحی نازل می گردید، لہٰذا جبرئیل باہر پیغمبرے بزبان وے سخن گفتہ۔'' (ایضاً) ۴

ترجمہ: ''محمد کا جبرئیل محمد کی ذات میں تھا اور اسی طرح ہر پیغمبر کا جبرائیل اس کی ذات میں ہوتا تھا اور وہ (جبرئیل) ان کی باطنی قوت کا نام ہوتا تھا، جب اس قوت کا غلبہ ہوتا تو ان پر وحی نازل ہوتی، یہی وجہ ہے کہ ہر پیغمبر کا جبرئیل اس کی زبان میں اس کے ساتھ گفتگو کرتا تھا۔''

ذرا غور کیجئے! یہ تین سطروں والی عبارت کس قدر خطرناک ہے؟ اہل علم حضرات اس کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ اسلام میں قسم قسم کے شکوک وشبہات پیدا کر کے معصوم اور ناواقف ذہنوں کو دین اسلام سے بدظن اور گمراہ کرنے والے

مستشرقین قرآن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کی ایجاد قرار دیتے ہیں جس کے لئے وہ سب سے پہلے جبرئیل کا انکار کرتے ہیں اور اگلے قدم میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن بھی درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا بنایا ہوا کلام اور آپ کے دل سے اٹھنے والی آواز ہے۔ جبرئیل کوئی خارجی قوت نہیں بلکہ پیغمبر کی نفسیاتی قوت کا نام ہے، یعنی قرآن اللہ کی طرف سے نازل نہیں ہوا، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کی ایجاد ہے۔ اور یوں وہ دین کی بنیادیں ہی کاٹ ڈالتے ہیں کہ جب قرآن ہی آپ کی ایجاد ہے تو باقی دین کا کیا سوال؟ سارا کا سارا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کی کرشمہ سازی ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ۔

نبوت کسبی ہے

"لنا نظرية خاصة بعد فهم كلام الإمام ولي الله وحكمته في التقرب إلى الله، نذكرها، وهي: أيّ عبد من عباد الله تمنى أن يكون له درجة من القرب ولو كانت درجة عالية جدا مثل درجة جبريل مثلا، واجتهد وجد في طريقها والوصول إليها، واستمر على ذلك، وداوم، ولم يتحول عن إرادته ساعة ما، فإنه يصل إليها وينالها، ولو بعد ملا يين السنين. هذا هو الصراط المستقيم لكل إنسان على السواء، فقوله تعالىٰ حكاية عن عبده عيسىٰ عليه السلام أنه قال: ﴿إن الله ربي وربكم فاعبدوه هذا صراط مستقيم﴾ معناه عندي أنكم لو داومتم على عبادة الله و واظبتم عليها وتمنيتم من الله هذا الفضل

الذی منَّ اللّٰه به علیَّ لنلتم ذلك، والرب جل وعلی یعطی عبده المواظب علی العبادة کل کمال فی الإنسانیة.هذا هو الباب الذی فتحه عیسیٰ للناس."

(الہام الرحمٰن: ج۲ص۴۷، ۴۸) ❺

تَرجَمہ: "امام ولی اللہ کے کلام اور اس کی حکمت سمجھنے کے بعد تقرب الی اللہ کے بارے میں ہمارا [فکریوں کا] ایک خاص نظریہ ہے جسے ہم یہاں بیان کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ کا کوئی بندہ اگر چاہے کہ اسے قرب کا درجہ حاصل ہو جائے اگرچہ وہ بہت بڑا مرتبہ ہی کیوں نہ ہو، مثلاً جبرئیل علیہ السلام کے مرتبے کی طرح، تو وہ اس مرتبہ کے حصول کے لئے خوب کوشش کرے اور برابر اس پر قائم رہے اور مداومت اختیار کرے اور کسی بھی لمحے اپنے اس ارادے سے نہ پھرے، وہ اس مرتبہ تک پہنچ جائے گا اور اسے حاصل کر لے گا اگرچہ کئی ملین سالوں کے بعد ہو۔ یہی تمام انسانوں کے لئے برابری کے ساتھ صراط مستقیم ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا قول جو انہوں نے اپنے بندے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إن اللّٰه ربی وربکم فاعبدوه هذا صراط مستقیم﴾ اس کا معنی میرے نزدیک یہ ہے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی عبادت پر مداومت اختیار کرو اور اس پر پابند رہو اور تم اللہ تعالیٰ سے اس فضل کو چاہو جو اللہ نے مجھ پر [یعنی عیسیٰ علیہ السلام پر] کیا تو تم اس کو پا لو گے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی عبادت پر پابند بندے کو انسانیت میں پورا کمال عطا فرماتے

ہیں۔ یہی وہ باب تھا جسے عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کے لئے کھول دیا۔"

وقت کے سامراج نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو فیل کر دیا

جناب سرپرست اعلیٰ تنظیم "فکر ولی اللّٰہی" مولانا رائے پوری صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

"گروہ پیدا کرنا سامراج کی سب سے اولین پالیسی ہے۔ حضرت موسیٰ کو اس وقت کے سامراج نے اسی اعتبار سے فیل کر دیا، یعنی بنی اسرائیل کے بارہ گروہ بنا دیئے جو آپس میں تو لڑتے تھے مگر ظالم کے خلاف نہیں لڑتے تھے۔ ڈیوائڈ اینڈ رول کی پالیسی کا سب سے پہلے تصور فرعون نے دیا۔"

(واہ چھاؤنی میں رائے پوری کی تقریر، ترتیب وتحریر مفتی عبدالقدیر، بحوالہ فکری رسالہ عزم ص ۱۴ سیریز ۱۷۰ ماہ نومبر ۱۹۹۸) ❻

دینی ذہن کے حامل لوگ سوچیں یہ ایک اولوالعزم پیغمبر کے متعلق کتنی بڑی گستاخی ہے کہ وقت کے سامراج (فرعون) نے انہیں ناکام کر دیا۔ کیا خدائی نظام طاغوتی نظام سے ناکام ہوسکتا ہے؟

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کامیاب نہ ہوسکے

فکری مزید لکھتے ہیں:

"حقیقت میں کوئی نبی اپنے انقلابی رفقاء کی کامیابی کے بغیر

کامیاب نہیں ہوا۔ بڑے بڑے اولوالعزم نبی اپنے رفقاء کی کمزوری کے سبب اپنی تعلیمات کے نتائج نہ دیکھ سکے، جیسے موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بذات خود بڑے اولوالعزم نبی تھے اور ان کی نظیر تاریخ میں بہت کم ملتی ہے مگر ان کے رفقاء کی کمزوری سے انہیں بے حد تکالیف پیش آئیں اور منزل مقصود پر پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔" (قرآنی شعور انقلاب: ۱۹۷، مکی دارالکتب) ۷

فکریوں کی تفسیر المقام المحمود میں ہے:

"اگر قوم قابل ہو جائے تو بین الاقوامی حکومت قائم ہو سکتی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پروگرام بین الاقوامی حکومت بنانے کا تھا، مگر ان کی قوم اس قابل نہ ہو سکی کہ اس بین الاقوامی پروگرام کو چلا سکتی، اس لئے آخر کار ان سے حکومت لے لی گئی۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں اس قدر استعداد پیدا نہ کر سکے کہ وہ اس نعمتِ عظمیٰ سے فائدہ اٹھاتی، اس لئے آخر کار تباہ ہو گئی۔"

(القام المحمود: ۱/۳۱۵)

مزید لکھتے ہیں:

"پہلے نبی قومی پروگرام لے کر آئے تھے مگر موسیٰ علیہ السلام بین الاقوامی تعمیری پروگرام لے کر آئے مگر وہ اپنی قوم میں اس قدر استعداد پیدا نہ کر سکے کہ قوم اس بین الاقوامی پروگرام کو چلا سکتی۔" (القام المحمود: ۱/۳۱۵)

مذکورہ عبارت میں ایک جلیل القدر نبی کے متعلق "استعداد پیدا نہ کر سکے" والا جملہ قابل غور ہے، جس میں موسیٰ علیہ السلام کو ایک ناکام نبی ثابت کرنے کی مذموم

کوشش کی جارہی ہے۔

اس کتاب میں ایک اور مقام پر لکھا ہے:

''موسیٰ علیہ السلام بھی تمام دنیا کی ہدایت کے لئے آئے مگر ان کی قوم آپس میں بٹ گئی اس لئے وہ کامیاب نہ ہو سکے۔''

(المقام المحمود: ج۱ص۴۳۴) ۸

حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام)

فکریوں کی تفسیر ''المقام المحمود'' (جس پر تنظیم کے مرکزی افراد کی تقریظ درج ہے) میں ہے:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام بین الاقوامی حکومت کے لئے مبعوث ہوئے مگر ان کی قوم اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا نہ کر سکی اس لئے وہ بین الاقوامی حکومت قائم نہ کر سکے، ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بین الاقوامی حکومت قائم نہ کر سکے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بین الاقوامی حکومت پیدا کرنے کیلئے مبعوث ہوئے اور ان کے صحابہ کرام اس کام کے چلانے کے اہل ثابت ہوئے۔''

(المقام المحمود: ۲۰۶) ۹

اس عبارت میں کس قدر خطرناک اور گمراہ کن نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو بین الاقوامی حکومت قائم کرنے کا مقصد دے کر بھیجا گیا لیکن وہ اور ان کے متبعین اس مقصد کو پورا نہ کر سکے، یعنی فکریوں کے ہاں یہ جلیل القدر انبیاء اپنے مقصد کے اعتبار سے ناکام ہو گئے تھے۔ العیاذ باللہ۔

ان کی ایک اور کتاب میں لکھا ہے:

"التوراة والإنجيل كانتا لإقامة الحركة العالمية وإدارتها

على طريقة إبراهيم عليه السلام، حتى يكونا مصدقين لإمامة إبراهيم، ولكن موسى و عيسىٰ عليهما السلام لم يفوزا بذلك ولا نجحا فى مقصد هما لعدم صلاحية أتباعهما، وقصور باعهم فيها" (الہام الرحمٰن:۲ص۶) ⑩

ترجمہ: ''تورات اور انجیل بین الاقوامی تحریک کے قیام اور اس کے ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر چلانے کے لئے تھیں تا کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی امامت کی تصدیق کریں، لیکن حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام اس میں کامیاب نہیں ہوئے اور وہ اپنے متبعین کی عدم دسترس کے باعث اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ناکافی ہے

تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیاء کی سیرتیں منسوخ ہو چکیں اور پوری انسانیت کی نجات و فلاح صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و پیروی پر موقوف ہے، قرآن پاک کے بعد سیرت پیغمبر ہی اسلامی قانون سازی کے لئے بنیادی اتھارٹی ہے لیکن ''اہل فکر'' کے ''بیمار ذہن'' کے مطابق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کافی نہیں بلکہ دیگر انبیاء کی سیرتوں کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ چنانچہ فکریوں کے ترجمان مقصود الحسن صاحب فرماتے ہیں:

''ہمارے لئے ضروری ہے کہ تمام انبیاء پر ایمان لائیں، ان انبیاء میں ایک فرد اکمل رسول اللہ کی سیرت پر غور کرنا اب صرف کافی نہیں۔'' (عزم:۱۱۷ص۱۱) ⑪

گویا فکریوں کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایک ادھورا اور

نامکمل نمونہ ہے، صرف اس پر غور کرنا کافی نہیں۔

رہا ایمان بالرسل؟ وہ تو قرآن کا قطعی حکم ہے، اس سے انکار کسی مسلمان کو ممکن نہیں لیکن تمام انبیاء کرام کی سیرتوں پر غور کرنے کی دعوت دینا کسی اور چیز کی نشاندہی کرتی ہے، کیونکہ انبیاء سابقین کی شریعتیں اور ان کی اتباع منسوخ اور ان کی کتب سماویہ کی تلاوت ممنوع قرار پا چکی ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تلاوت تورات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ پھر ان کی سیرتوں کا قابل اعتماد ماخذ کون سا ہوگا؟ اگر بالفرض قابل اعتماد ماخذ دستیاب بھی ہو جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو عملی زندگی کے لئے ناکافی قرار دینا کیا صریح ظلم و دجل نہیں؟

تعلیمات نبوی کی بنیاد معاشی اصلاحات

تنظیم کے سرپرست و بانی مولانا رائے پوری صاحب فرماتے ہیں:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ میں طبقاتی اونچ نیچ، معاشی ظلم اور سود کے خلاف آواز بلند کی تو سارے سردار اکٹھے ہو کر آ گئے اور ابوطالب سے کہنے لگے کہ تمہارے بھتیجے نے ہمیں بڑا تنگ کر رکھا ہے، سوسائٹی میں ہماری بے عزتی کرا دی، ہمارے نظام کو نہیں مانتا۔ یوں کرو! انہیں بھی بلاؤ اور ہمارے درمیان طے کرا دو کہ ایک دوسرے کے دین پر اعتراض نہیں کریں گے۔" (عزم: ۱۷۸ص۹) ۱۲

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت مکہ مکرمہ میں عقائد کی بنیاد پر نہیں بلکہ طبقاتی اونچ نیچ، معاشی ظلم اور سود کے خلاف تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا مقصد طبقاتی اونچ نیچ ختم کرنا اور معاشی مساوات قائم کرنا تھا اور جن لوگوں

نے آپ کی مخالفت کی وہ بھی صرف اسی بنیاد پر۔ غرضیکہ اسلام اشتراکیت وغیرہ کی طرح ایک تحریک ہے، جس کی بنیاد صرف معاشی و سماجی اصلاحات ہیں عبادات وغیرہ کی حیثیت ثانوی ہے ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے؟

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں دعوت عقائد و عبادات کی اصلاح تک محدود رہی۔ جہاں تک تعلق ہے معاشی و معاشرتی احکام کا تو وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئے اور سود کی حرمت کا اعلان تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ میں حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔ کس قدر افسوس ناک مرحلہ ہے کہ ''فکری'' تعلیماتِ نبوی کو فکری اور اعتقادی تصور کی بجائے اس کی بنیاد صرف معاشی اصلاحات اور احکامات پر رکھ رہے ہیں۔ نبوت کے ساتھ اس سے بڑھ کر سنگین مذاق اور کیا ہوسکتا ہے؟

جناب رائے پوری صاحب ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''ہم نے حضور کی تعلیمات کو نہ سمجھا۔ انہوں نے کیسی جماعت پیدا کی جنہوں نے خود بھوکے رہ کر بھوک مٹائی، ظلم کے نظاموں کو توڑا، قوموں کو آزادی دلوائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ کو خط لکھے کہ میرا نظام قبول کرلو، اگر تم نے نہ مانا تو ساری قوم کی بھوک کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔'' (عزم: ۱۱۵ص۶) (۱۳)

گویا مولانا رائے پوری صاحب تعلیمات نبوی کی بنیاد صرف روٹی اور پیٹ کا مسئلہ قرار دے رہے ہیں ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر روم کے نام اپنے خط میں فرمایا:

''میں آپ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں، پس اگر سلامتی منظور ہے تو اسلام قبول کر لیجئے! اگر آپ نے اسلام قبول کرلیا تو اللہ

تعالیٰ آپ کو دوہرا اجر عطا فرمائیں گے اور اگر آپ نے انکار کیا تو ساری قوم کی گمراہی کی ذمہ داری بھی آپ ہی کے اوپر ہوگی۔" (مکتوباتِ نبوی: ۱۱۰)

اسی طرح کسریٰ کے نام خط میں فرمایا:

"جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اس پر سلام ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا جو اکیلا اور لاشریک ہے کوئی معبود نہیں اور محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ خدا نے مجھے تمام دنیا کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ ہر زندہ انسان کو خدا کا خوف دلاؤں۔ اسلام قبول کر لیجئے اور محفوظ ہو جایئے۔ اگر آپ نے انکار کیا تو تمام مجوسی (زرتشتی) کا گناہ بھی آپ کے ذمہ ہوگا۔" (مکتوبات نبوی: ۱۱۹، ۱۲۰)

یہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیصر و کسریٰ کے نام خط! لیکن فکری تنظیم کے بانی کتنے جری ہیں کہ وہ کس طرح بلا خوف و خطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ رہے ہیں۔ رائے پوری صاحب ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو بھوک، افلاس اور غلامی میں نہیں دیکھنا چاہتے اور اس کے لئے اپنے محبوب بندوں پیغمبروں کو تکالیف اور مصائب کا راستہ اختیار کروایا تاکہ انسانیت کو آزادی نصیب ہو۔" (عزم: ۱۸۳ ص ۱۷) 14

گویا اللہ تعالیٰ کا پیغمبروں کو مبعوث فرمانے اور ان پر اپنی تعلیمات نازل کرنے کا لب لباب اور اصل مقصد معاشی اصلاح تھا اور پیغمبروں نے جو مصائب و تکالیف برداشت کیں وہ بھی صرف اسی کے لئے۔ العیاذ باللہ۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے معصوم انبیاء کو تکالیف اور اذیتوں میں مبتلا کرنا صرف انسانی حقوق پر مبنی معاشرے کے قیام کے لئے تھا

''جب صحابہ نے دیکھا کہ مسلمان اور انسان مجبور ہیں، مظلوم ہیں، جہاں کا انسان انسانیت سے محروم ہے تو انہوں نے قارونی، ہامانی اور ابوجہل کے نظام کو توڑ دیا اور اس طرح انبیاء کرام کو مسائل کا سامنا کرنا پڑا، ان پر مصائب آئے، ان کو تکالیف دی گئیں، ایسے غلط پروپیگنڈہ کا سامنا کرنا پڑا۔ خدا نے ان کے ساتھ ایسا کیوں روا رکھا اور اپنے معصوم انبیاء کو تکلیفوں میں کیوں مبتلا کیا؟ صرف اس لئے کہ انسانی حقوق پر مبنی معاشرہ قائم ہو جائے۔'' (عزم: ۱۶۰ص۱۸) ۱۵

حوالہ نمبر 1

مولانا سے ایک دفعہ پوچھا گیا کہ بعض علماء تو "نبوت" کے سوا اخلاق انسانی کا کوئی اور منبع اور مصدر نہیں مانتے۔ اور ان کے نزدیک ساری ہدایت صرف "نبوت" میں مرکوز ہے۔ جن قوموں میں اُن کے خیال کے مطابق نبی نہیں آئے، وہ ہدایت سے بے بہرہ رہیں۔ اور صحیح اخلاق انسانی میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ اس طرح کی تخصیص نبوت کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی دلیل ہے۔ بات یہ ہے کہ ایک چیز ہے نبوت۔ اور ایک ہے استعدادِ نبوت۔

شاہ صاحب نے بڑی وضاحت سے اس مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ نبوت دراصل حنیفیت کی ایک اصطلاح ہے، جسے ہم نے ملتِ ابراہیمی کے لیے مخصوص کر لیا۔ استعدادِ نبوت عام ہے۔ جسے ہم حکمت یا صدیقیت کا نام دیتے ہیں۔ نبی میں ایک تو استعدادِ نبوت ہوتی ہے۔ اور ایک اس سے اوپر کی چیز اور وہ نبوت ہے۔ مثلاً نبوت کا مظہر تو قرآن مجید ہے اور استعدادِ نبوت کا اظہار آپ کی زندگی اور آپ کے دوسرے اقوال اور افعال میں ہوتا ہے۔

استعدادِ نبوت رکھنے والے افراد اخلاق کا جو نظام پیش کرتے ہیں، وہ انسانیت کی فوز و فلاح کے معاملے میں نبوت کے نظام سے جدا نہیں ہوتا۔ البتہ فرقِ مراتب ایک چیز ہے۔ جو باتیں نبیؐ نے وحی سے کہیں، اس سے کم درجہ پر وہی باتیں ایک حکیم حکمت اور فطری بصیرت سے کہتا ہے۔ آفتابِ نبوت سے پھوٹی ہوئی شعاعوں اور ایک حق شناس حکیم کے دماغ سے نکلے ہوئے اخلاقی نظام میں کوئی اصولی نزاع نہیں ہوتا۔ نبوت کا کلام اعلیٰ اور افضل ہوتا ہے اور اس میں عمومیت اور ہمہ گیریت زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن حکیم کی اس بلند مقام پر رسائی مشکل ہوتی ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ اگر شاہ صاحب کے ... اصول کو سمجھ لیا جائے تو چینی قوم کے اعلیٰ اخلاقی تصورات، یونانی فلسفہ، ایرانیوں کی حکمت آفرینی اور ہندو رشیوں کے بلند فکری نظام اور اسلام، یہودیت اور عیسائیت میں بنیادی طور پر کوئی تضاد نہیں رہتا۔ اور کل انسانیت کے چوکھٹے میں ساری قوموں کے نظام، ادیان اور اخلاق اپنی اپنی جگہ ٹھیک بیٹھ جاتے ہیں۔

مولانا نے فرمایا کہ جو لوگ "علم الٰہی" کو ایک خاص گروہ کی جاگیر سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ہدایت کی روشنی صرف اُن تک محدود رہے، باقی دنیا ہمیشہ جاہلیت کے گھپ اندھیرے میں رہی، اور ان کے یہاں کسی اعلیٰ اخلاق کا وجود ممکن ہی نہیں۔ یہ لوگ خانقیت کی چار دیواری میں محبوس ہیں۔ انھوں نے تاریخ انسانی کا مجموعی طور پر کبھی مطالعہ نہیں کیا۔ اور نہ انھوں نے کبھی یہ دیکھا کہ ہر قوم کے پاس اپنے عہدِ اقبال میں اخلاق کا ایک تصور تھا۔ اُن لوگوں نے اس تصور کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو مرتب کیا۔ ان کے ہاتھوں میں انسانیت کے بڑے بڑے کام بھی ہوئے۔ دراصل مختلف تمدنوں اور مذاہب کا تقابلی مطالعہ نہ کرنے کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ انسان کی نظر صرف ایک گروہ اور جماعت تک محدود ہو جائے اور اپنے سوا سب کو جاہل اور نعمتِ علم سے عاری سمجھے۔

نبوت اور استعدادِ نبوت کا فرق نہ کرنے والوں کے نزدیک نبی کی اپنی کوئی مستقل شخصی حیثیت نہیں ہوتی۔ ان کے خیال میں نبی کی مثال فوٹوگراف کی ہے۔ جو کچھ اس پر القاء ہوا وہ اس نے ہو بہو دوسروں کو پہنچا دیا۔ یہ لوگ نبی کی ہر بات اور ہر فعل کو اصلی نبوت کا جزو سمجھتے ہیں۔ اسی بنا پر ان کے ہاں عربی زبان مقدس

قرآن کا دوسری زبانوں میں ترجمہ ممنوع۔ امامت قریش کی اور سیادت عرب سید کی ہے۔ اور وہ کسی "غیر مسلم" کو انسان ہی نہیں سمجھتے۔ اگرچہ وہ اپنے اعمال و اخلاق میں ان سے کتنا ہی بلند و برتر کیوں نہ ہو۔

اس میں شک نہیں کہ نبی کا مقام بہت بلند ہے۔ اس کا دل ذات الوہیت کی تجلی گاہ ہوتا ہے اور اس طرح اس کا اتصال براہِ راست خداوند تعالیٰ سے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ انسانیت کے سارے معارف اور حکمتیں اس کی چشمِ بصیرت کے سامنے بے حجاب ہوتی ہیں لیکن جس شخص کو استعدادِ نبوت سے کچھ بہرہ ملا ہو، وہ بھی ان معارف اور حکمتوں سے ایک حد تک آشنا ضرور ہوتا ہے۔ البتہ نبوت کے بلند مقام اور استعدادِ نبوت رکھنے والے حکیم اور صدیق کے مقام میں بہت بڑا فرق ہے۔

شاہ اسمٰعیل شہید اپنی کتاب "العبقات" میں حکیم اور صدیق کے ذکر میں لکھتے ہیں:

> اس کو اگر اہلِ تورات کے درمیان مسندِ قضا پر بٹھا دیا جائے تو وہ اُن میں تورات کے مطابق فیصلے کر سکتا ہے۔ اہلِ انجیل میں انجیل کے مطابق۔ اور اہلِ قرآن میں قرآن کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہر وہ مذہب جس پر عقلاء کی ایک بہت بڑی جماعت جمع ہوئی ہو۔ اور خاص طور پر اس میں ایسے لوگ ہوں جن کا غیب سے اتصال ہو۔ مثلاً عیسائی راہب، یہودی یونانی، فلسفۂ اشراق کے ماننے والے۔ ایرانی جو نور و ظلمت کو

حوالہ نمبر 3 ۷۳ حوالہ نمبر 4

اور سب اُسے آپؐ کی زبان سے ادا ہوتا دیکھتے اور اس کو سنتے تھے اب یہ کہنا کہ وہ رسول اللہ کا کلام نہیں، اللہ کا کلام ہے۔ عقلاً کیسے مانا جا سکتا ہے جب کہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔

مولانا سندھی اس وقت بڑی پُرسکون کیفیت میں تھے اور جسے تصوف کی اصطلاح میں "بسط" کہتے ہیں، وہ اس وقت ان کی کیفیت تھی۔ انہوں نے اکبر صاحب کا سوال سُنا اور اسی طمانیت و سکون کے ساتھ جس کیفیت میں کہ وہ اس وقت تھے بڑی ملائمت اور آہستگی سے فرمایا کہ جب رسولؐ کی زبان سے قرآن ادا ہو رہا تھا، اللہ آپ کے اندر تھا۔ اکبر صاحب نے مولانا کی بات سنتے ہی کہا کہ حضرت! میں سمجھ گیا۔

یہاں دو اقتباسات دیئے جاتے ہیں۔ مولانا شبلی نے "سوانح مولانا روم" میں مولانا عبدالعلی بحرالعلوم کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

پس جبرئیل کہ مشہور رسل علیہم السلام است وحی از جانب حق سبحانہ الی رساند آں حقیقت جبرئیلیہ است کہ قوتے از قوائے رسل بود متصور شدہ در عالم مثال بہ صور تے کہ ممکن بود در رسل مشہود می شود و رسل می گردد و پیغام حق می رساند۔ پس رسل مستفیض از خود اند نہ از دیگرے۔ پس ہر چہ کہ رسل مشاہدہ می کنند مخزون در خزانۂ جناب ایشاں بود۔

(تو جبرئیل جو انبیاء علیہم السلام کو نظر آتے ہیں اور خدا کی طرف سے وحی لاتے ہیں، وہ حقیقت جبرئیلیہ ہے جو انبیاء کی قوتوں میں سے ایک قوت کا نام ہے۔ یہی قوت صورت بن کر عالم مثال میں انبیاء کو محسوس ہوتی ہے اور خدا کی طرف سے قاصد بن کر پیغام لاتی ہے۔ سے تو انبیاء اپنے آپ ہی سے مستفید ہوتے ہیں نہ کسی اور سے جو کچھ ان کو نظر آتا ہے وہی ہے، جو ان کے خزانہ میں مخزون تھا۔ ص ۱۱۱)

شاہجہان کے دور میں الہ آباد میں ایک بزرگ شیخ محب اللہ تھے۔ انہوں نے اپنے رسالہ "سویدا" میں لکھا ہے:۔

جبرئیل محمدؐ در ذات محمد بود صلی اللہ علیہ وسلم و ہمچنیں جبرئیل باہر پیغمبر سے در ذات وے بود و آں قوت باطنی ایشاں بود کہ در غلبۂ آں قوت وحی بر ایشاں نازل می گردید لہذا جبرئیل باہر پیغمبر سے بزبان وے سخن گفتہ۔

شاہ صاحب کی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم "المقامات فی الاحوال" میں ہے۔

ذلك الكتاب لا ريب فيه

إلهام الرحمن
في
تفسير القرآن

الجزء الثاني

من املاي مفسر العصر الاستاذ الكبير
العلامة عبيد الله السندي

املاه على العلامة موسى جار الله رح

حققه و هذبه
الشيخ محمد نور مرشد المكي
و
أبو سعيد غلام مصطفى القاسمي

طبع على نفقة مولانا الحاج عزيز الله
عزيزآباد (پنو عاقل) السند

بحظيرة القدس، وله مقام فيها. فإن ذلك يكون لبسط فى علمه وإرادته بتأييد روح القدس.

ومثل هٰذا الأمر عندنا صنفى لاشخصى فلا يكون من فيه هٰذه القوة إلٰها. نحن نعرف من أئمة الطرق الصوفية أشياء تعليمية إذ داوم المرأ عليها، وواظب فإنه يحدث فى قلب من فيه استعداد تلك الحالة بعينها، فيخبر بالأشياء البعيدة عنه، ويسمون تلك الحالات ولاية عيسوية.

فكما نرى أنه لا يستفيد من علوم الحكمة، وفنون الصناعات و أمور التجارة، ولا يتقنها إلا من له استعداد لذلك، كذلك لا يستفيد من الأشغال و الأذكار التى رتّبها أئمة الطرق، ولا يتأثر بها إلا من له استعداد.

نعم ينكشف على كل من فيه استعداد على السواء أحوال الناس الخصوصية، والأسرار المنزلية، ويتفحون فى شىء جامد لاحراك له فيسرى فيه الحياة فيعمل مثل عمل الأحياء.

وإذا كان ذلك فنا من الفنون فى الأمة المحمدية هل يكون صاحب هٰذه الحالة إلٰها ؟

قوله: (ان الله ربى و ربكم فا عبدوه) (٥١)

هٰذا هو أساس الأديان كلها. وقد اتفق جميع الناس على ذلك. الاتصال بحظيرة القدس وعبادة الله الواحد الحق هو الصراط المستقيم.

لنا نظرية خاصة بعد فهم كلام الإمام ولى الله، وحكمته فى التقرب إلى الله، نذكرها. وهى: أى عبد من عباد الله تمنى أن يكون

له درجة من القرب ولو كانت درجة عالية جداً مثل درجة جبريل مثلا، واجتهد وجدّ في طريقها والوصول إليها، واستمر على ذلك، و داوم، ولم يتحول عن إرادته ساعة ما، فإنه يصل إليها، وينا لها، ولو بعد ملايين السنين. هذا هو الصراط المستقيم لكل إنسان على السواء. فقوله تعالى حكاية عن عبده عيسى عليه السلام إنه قال: (إن الله ربي وربكم فاعبدوه هذا صراط مستقيم). معناه عندي أنكم لو داومتم على عبادة الله، وواظبتم عليها، وتمنيتم من الله هذا الفضل الذي من الله به علي لنلتم ذلك. والرب جل وعلا يعطي عبده المواظب على العبادة كل كمال في الإنسانية. هذا هو الباب الذي فتحه عيسى للناس.

ومعنى (أحس عيسى منهم الكفر) أي من اليهود من بني إسرائيل، قال من أنصاري إلى الله أي من غير اليهود.

أما هذه الأناجيل الرائجة كلها إنما كتبها اليهود، وليس تعاليم عيسى منحصرة فيهم، فقد كان عيسى اتخذ أنصارا من غير اليهود و من غير بني إسرائيل أيضا، وصار واسطة اتصال بين موسى ومحمد عليهم السلام.

قوله: (ومكروا ... الماكرين) (٥٤)

مكر اليهود هو صد الناس عن تلبية الدعوة الإلهية. وقد جازاهم الله على ذلك فأخرج الدين من اليهود، وسلبت منهم الإمامة الدينية. هذا معنى "ومكر الله والله خير الماكرين."

عندنا تعاليم عيسى شاعت من غير اليهود، ولذلك دخلت في اليهود أغلاط الصابئة من الفلاسفة.

۱۷۵

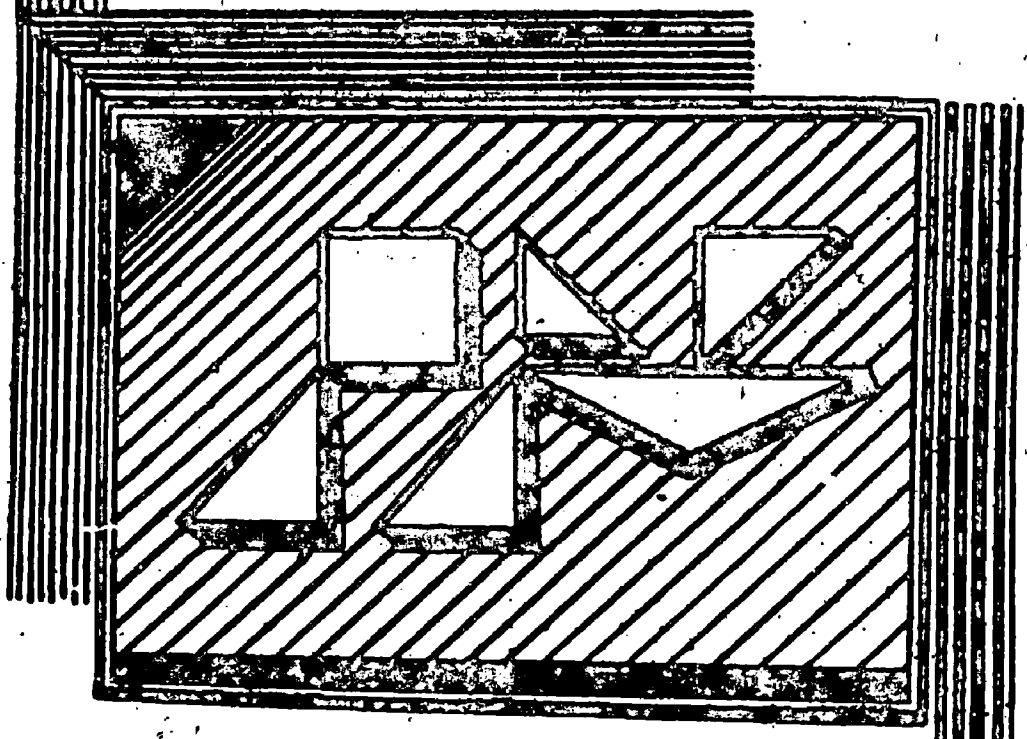

ادارۂ عزم ملتان

عزم سیریز

نگرانِ اعلیٰ
سید اصغر علی شاہ

عزم سیریز نمبر ۱۷۰ ماہ نومبر 1998ء

آئینہ

معاشی گرداب ——— ماخوذ ——— ۲

خطاب حضرت مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری ——— ۶

حضرت عالی رائے پوریؒ ——— مفتی عبدالخالق ——— ۱۶

میں نے بھی افغانستان دیکھا ——— قاری بخاری ——— ۲۲

گورنر اور وزیر اعلیٰ کے سرکاری اخراجات ——— خبر ——— ۳۱

مولانا سندھیؒ کی نصیحت ——— مولانا محمد منظور نعمانی ——— ۳۲

قیمت فی عدد ۶ روپے سالانہ زراعانت ساٹھ روپے

پتہ:- ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان۔

ہوتے ہیں مگر حقیقت میں بھیڑیے ہیں۔ یہ قوم کو بھوکا مار کر اور دھوکہ دے کر دنیا میں کبھی عزت حاصل نہیں کر سکتے۔ اب بتلاؤ! کوئی ہندو لوٹے تو گناہ اور کوئی مسلمان لوٹے تو ثواب کیا ہم ہندوؤں سے بچ کر اس لئے آئے تھے کہ کم از کم مسلمان ہی لوٹ لے؟ حالانکہ ہندو لوٹتا ہے تو ۵ فیصد کا منافع رکھتا ہے اور پاکستان میں مسلمان صنعت کار لوٹتا ہے تو وہ ۱۰۰ فیصد کا منافع رکھتا ہے۔ یاد رکھو اسلام ظلم کا دشمن ہے کسی مذہب کا نہیں۔ جب حضور ﷺ مکہ پر حملہ کرنے جا رہے تھے تو ایک شخص ملا اس نے کہا آپ کو مکہ سے کیا ملے گا؟ نہ وہاں تری ہے اور نہ مال۔ میں آپ کو ایک قبیلے کا پتہ دیتا ہوں جہاں لوگ خوشحال ہیں اور خوب دولت مند ہیں وہاں حسن بھی ہے اور زرخیزی بھی تو حضور ﷺ نے فرمایا ہم تو جہاد صرف ظلم مٹانے کے لئے کرتے ہیں تاکہ لوگ خوشحال ہوں اور ایسا قبیلہ جہاں حسن بھی ہے اور خوشحالی بھی اللہ نے وہاں حملہ کرنے سے روک دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سیرت الرسول مولانا مفتی محمد شفیع صاحب)۔ اس لئے اسلام کا حملہ ظلم پر ہوتا ہے مذہب پر نہیں۔ اگر انسانیت کی بھلائی کی تڑپ کافر اور مشرک میں ہے تو اللہ اس سے خوش ہوتا ہے اور دنیا میں اس پر عذاب نہیں آتا ہے اور اگر مسلمان میں ہے تو اس کی دنیا و آخرت سنور جاتی ہے۔

اس لئے تو نوجوانو! یہ کالج اور یونیورسٹیاں نظام ظلم کے آلہ کار تیار کرنے کی فیکٹریاں بنا دی گئی ہیں۔ اگر تم نے شعور حاصل نہ کیا تو تم استعمال ہو جاؤ گے یاد رکھو تاریخ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی اس لئے اپنے گرد ڈھونڈو کہ کون مخلص ہے۔ ہر وہ شخص سامراج تمہارے ذریعے کرتا ہے اور ظلم کو عام کرتا ہے مگر دنیا میں نام اسلام کا بدنام ہوتا ہے۔ منافق مفاد پرستوں کو مسلمان کہہ کر ہم پر مسلط کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں خدا خوفی نہیں ہے اگر تم خدا کے بندوں کے حقوق ادا کرو گے تو تمہیں دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل ہوگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں یہودیوں کی طرح گروہ پیدا ہو جائیں گے اور گروہ پیدا کرنا سامراج کی سب سے اولین پالیسی ہے۔ حضرت موسیٰ کو اس وقت کے سامراج نے اسی اعتبار سے فیل کر دیا یعنی بنی اسرائیل کے بارہ گروہ بنا دیئے جو آپس میں تو لڑتے تھے مگر ظالم کے خلاف نہیں لڑتے تھے۔ Divid and Rule کی پالیسی کا سب

حوالہ نمبر 6

۱۵

سے پہلے تصور فرعون نے دیا۔(ملاحظہ ہو تفسیر آیت نمبر۳ سورہ قصص پ۲۰)

یاد رکھو جو غریب کی نمائندگی کرے گا وہ کبھی بڑے بڑے ہوٹلوں اور گاڑیوں میں یا جہازوں میں نہیں پھرے گا وہ غریب کے ساتھ ساتھ ہوگا کیا یہ ممکن ہے کہ حضور ﷺ تو غریب کی نمائندگی کریں اور فاقے کریں صحابہؓ غریب کی نمائندگی کریں اور پیٹوں پر پتھر باندھیں اور آج جماعت غریب ہو اور کسی سرمایہ دار سے روپیہ لے کر چلے تو وہ انقلاب لے آئے گی؟ کبھی بھی نہیں وہ تو اس سرمایہ دار کی بات مانے گی اور اس کی نمک حلالی کرے گی۔ اس وقت جتنی جماعتیں ہیں اور ان کے ساتھ جو نوجوان دس دس سال سے ہیں۔ ان کے پاس شعور نہیں ہے۔ جب لیڈر ان کو اپنے پاس نہیں بٹھاتا' سوالات کے جواب نہیں دیتا تو ان کو شعور کیونکر حاصل ہو؟ اس لئے جب تک کارکن لیڈر کے پاس نہ آئیں اور اس کو قریب سے نہ دیکھیں تو نظریہ نہیں بن سکتا۔ ایک بار ذہن میں رکھنی ہے کہ یہ نظام تعلیم جو کہ رائج ہے یہ خود غرضی پیدا کرتا ہے لالچ اور بے شعوری پیدا کرتا ہے لیکن تعلیم بڑی ضروری بڑی اعلیٰ چیز ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شعور بھی بہت ضروری ہے تاکہ موجودہ نظام تعلیم کے مقاصد کو فیل کیا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شعور دے اور آپ تنظیم پیدا کریں۔ آمین

قرآنی شعورِ انقلاب

منہج

○

از:

امامِ انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

◎

جمع و ترتیب:

شیخ بشیر احمد لدھیانوی و غازی خدا بخش رحمہما اللہ

◎

نظرِ ثانی و تحقیق و مراجع

حضرت مولانا مفتی عبد الغنی قاسمی مدظلہ

مکی دار الکتب
32- میکلیگن روڈ- ایس کے بی بی سنٹر
چوک اے جی آفس- لاہور
فون: 7239138

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پارٹی کی ضرورت

اگر کتاب الٰہی کی اشاعت کو پارٹی پروگرام میں منضبط کر لیا جائے۔ جیسے ہم سورہ مجادلہ میں حزب اللہ کی تاسیس سے استنباط کر چکے ہیں اور انسانی عظیم جماعتوں کا فیصلہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ کوئی انقلاب پارٹی کی آمریت کے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتا تو انبیاء کرام کی کامیابی کو ان کی پارٹیوں کی کامیابی تسلیم کرنا پڑے گا۔ انبیاء کرام اپنی پارٹیوں کے لیڈر ہوتے ہیں اس لئے دنیا غلطی سے رہنما کو ڈکٹیٹر سمجھ لیتی ہے۔ حقیقت میں کوئی نبی اپنے انقلابی رفقا کی کامیابی کے بغیر کامیاب نہیں ہوا۔ بڑے بڑے اولوالعزم نبی اپنے رفقاء کی کمزوری کے سبب اپنی تعلیمات کے نتائج نہ دیکھ سکے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ بذات خود بڑے اولوالعزم نبی تھے اور ان کی نظیر تاریخ میں بہت کم ملتی ہے۔ مگر ان کے رفقاء کی کمزوری سے انہیں بے حد تکالیف پیش آئیں اور منزل مقصود پر پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۲۶ ملاحظہ ہو۔

26

قال فانها محرمة عليهم اربعين سنة يتيهون في الارض فلا تاس على القوم الفسقين

ترجمہ اللہ نے فرمایا تحقیق وہ زمین ان پر چالیس برس حرا ہے وہ اس ملک میں سرگرداں پھریں گے۔ سو تو نافرمان قوم پر افسوس نہ کر

حضرت مولانا احمد علی رحمتہ اللہ علیہ نے اس آیت پر ربط تحریر فرمایا اگر یہ (بنی اسرائیل) ایسے ہی ڈرپوک اور بے حس ہو گئے ہیں تو ان کو ارض مقدس کی بادشاہی دینے سے کیا نفع ہوگا؟ لہٰذا سزا کے طور پر یہ چالیس سال یہاں جنگل میں پھریں تاکہ بے غیرت اور بے حس بڈھے مرجائیں اور ایک نئی نسل غیور اور حریت پسند پیدا ہو۔ وہ جاکر اپنے آبائی ملک پر قبضہ جما لے۔

ادھر قرآن حکیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کو الذین معہ کی کامیابی پر منحصر کرتا ہے۔

جلد اوّل
تفسیر المقام
مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ
تحقیق، تصحیح، تعلیقات

تفسیر
المقام المحمود (جلد اوّل)

سُورَۃُ الفَاتِحَۃ تا سُورَۃُ النِّسَآء

ترجمہ قرآن حکیم:
شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی
نور اللہ مرقدہٗ

تفسیر قرآن حکیم:
امام انقلاب شارح حکمت ولی اللّٰہی
حضرت مولانا عُبَیدُ اللّٰہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

مرتّب
حضرت مولانا عبد اللہ لغاری تلمیذ امام سندھی رحمہما اللہ

تحقیق
تصحیح
تعلیق
حضرت مولانا مفتی عبد القدیر صاحب مدظلہ العالی
فاضل جامعہ علوم اسلامیہ۔ بنوری ٹاؤن۔ کراچی
رئیس دار الافتاء مدرسہ اشاعت العلوم چشتیاں

ناشر: مکی دار الکتب
غزنی سٹریٹ یوسف مارکیٹ اردو بازار لاہور
فون: ۷۲۴۱۷۷۸

حوالہ نمبر 8

۴۳۴

الٓمّٓ ① اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ②

الٓمّٓ ① اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا ②

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔

ترجمہ:

پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، اور وہی اس کا خالق ہے درجہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو اپنا محبوب قرار دے۔ الحیّ وہ ذات جس سے ہر چیز کی حیات کا سلسلہ ہوتا ہے۔ روحانیت وغیرہ کے سب سلسلے اسی سے شروع ہوتے ہیں۔ القیوم سہارا دینے والا مادیت کو سہارا دینے والا۔

نَزَّلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ③ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ④ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ⑤ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ⑥

ترجمہ: اتاری تجھ پر کتاب سچی تصدیق کرتی ہے اگلی کتابوں کی اور اتارا توریت اور انجیل کو اس کتاب سے پہلے لوگوں کے ہدایت کے لئے اور اتارے فیصلے۔ بے شک جو منکر ہوئے اللہ کی آیتوں سے ان کے واسطے سخت عذاب ہے۔ اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا۔ ④ اللہ پر چھپی نہیں کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں ⑤ وہی تو نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جس طرح چاہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا زبردست ہے حکمت والا۔

(۳) مُصَدِّقًا

دنیا میں جس قدر ہدایت ہے اس کی تصدیق قرآن کرتا ہے۔ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ۔ اللہ تعالیٰ نے تورات وانجیل نازل کیں، مگر ان کی تعلیم لوگوں کو اس قدر مطمئن نہ کر سکی جس قدر قرآن نے کیا۔ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ پہلی کتابیں بھی دنیا کی ہدایت کے لئے آئیں، موسیٰ علیہ السلام دنیا کی ہدایت کے لئے آئے، مگر ان کی قوم آپس میں بٹ گئی، اس لئے وہ کامیاب نہ ہو

۲۱ تو مسلمانوں نے مکہ مکرمہ میں سیکھ لیا اور انتظامی ادارات (اداروں) میں بین الاقوامی قوانین کو سمجھنے کی مکمل قابلیت انہوں نے مدینہ طیبہ میں حاصل کر لی۔ غرض یہ ان کی دوسری قابلیت کی تعریف ہے۔ قاعدہ تو یہ ہے کہ ایک پیر کے مرید دوسرے پیر کو نہیں مانتے مگر اس کتاب کے مومن دوسری کتابوں پر یقین کرتے ہیں۔

مسلمانوں میں بین الاقوامی اداروں کے چلانے کی صلاحیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام بین الاقوامی حکومت کے لئے مبعوث ہوئے مگر ان کی قوم اتنے اندر یہ قابلیت پیدا نہ کر سکی۔ اس لئے وہ بین الاقوامی حکومت قائم نہ کر سکے۔ ان کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بین الاقوامی حکومت قائم نہ کر سکے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بین الاقوامی حکومت پیدا کرنے کے لئے مبعوث ہوئے اور ان کے صحابہ کرام اس کام کے چلانے کے اہل ثابت ہوئے۔

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ④

۲۲ ترجمہ: اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں۔

۲۲ اب مسلمانوں کی مدح کا جملہ ہے۔ آدمی جس قدر دنیاوی سیاست میں دخل دیتا ہے اسی قدر وہ آخرت سے زیادہ دور ہو جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے واقعات کا مطالعہ کیجئے۔ آپ نہایت کامیاب سیاستدان اور ایک قابل جنرل تھے۔ مگر اس کے ساتھ ہی جیسا کہ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کھانا کھاتے، پانی پیتے، اٹھتے، سوتے جاگتے، چلتے پھرتے غرض ہر وقت کوئی نہ کوئی دعا پڑھتے رہتے تھے۔ آپ اپنے خدا کی یاد سے کبھی غافل نہ تھے۔ غرض اس جگہ بتلایا گیا کہ آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی یہ حالت ہے کہ اس قدر دولت و جاہ و حشمت کے باوجود وہ خدا کی یاد سے کبھی غافل نہیں اور آخرت پر ایمان رکھنے کی یہی نشانی ہے۔ گویا ان چاروں آیات میں دنیا کی سیاست اور آخرت کی کڑی کو ایک زنجیر میں منسلک کر دیا گیا۔

مسلمانوں کا سیاست کے ساتھ فکر آخرت میں یقین پیدا کرنا

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى

۲۳ ترجمہ: وہی لوگ ہیں ہدایت پر

۲۳ آدمی کو اس وقت ہدایت یافتہ کہا جا سکتا ہے کہ جب اسے جو کتاب ملی اس پر عمل کرے اور وہ اس سے مستفید ہو۔ دنیا میں جس قدر امتیں ہیں ان میں سب سے بہترین یہی امت (مسلمہ) ہے۔

بہترین ہدایت یافتہ اور کامیاب ترین امت

مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑤

ترجمہ: اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے کامیاب

۱؎ (۱) الٓمّٓ (۲) ذٰلِكَ الْكِتٰبُ (۳) هُدًى (۴) وَّالَّذِيْنَ الخ (از مرتب)

إلا هو الحي القيوم. و بعد ذلك يصح التفهيم لأن و ميض نور من ألفاظ ذلك العارف لتلك المعرفة يقع فى قلوب العارفين فيطمئنون . و أصل ذلك الوميض مصدره التجلى القائم فى حجر بحت الكامل.

قوله: (انزل عليك الكتاب بالحق) و لذلك يمكنك أن تحل جميع مشاكل أهل الكتاب .

قوله: (مصدقا لما بين يديه) و هى الكتب الإلهية كلها فى العالم. و نزل عليك الكتاب بالحق لأن الدين الحنيفى يجمع بين أديان العالم فإن اليهودية و النصرانية هما أصل جميع أديان العالم . فإن البعض منها يشبه اليهودية و البعض الآخر يشبه النصرانية و البعض يشبه الإثنين معاً. فإذا كان القرآن مصدقا لما بين يديه و هما اليهودية و النصرانية كان مصدقا لجميع الأديان الموجودة فى العالم .

قوله: (و انزل التوراة والانجيل من قبل هدى للناس)

التوراة والانجيل كانتا لإقامة الحركة العالمية و إدارتها على طريقة إبراهيم عليه السلام حتى يكونا مصدقين لإمامة إبراهيم. و لكن موسى و عيسى عليهما السلام لم يفوزا بذلك، و لانجحا فى مقصدهما لعدم صلاحية أتباعهما و قصور باعهم فيها .

و قد جاء القرآن الحكيم يعين ذلك المقصد و قد أتمه الله على أيدى نبينا عليه السلام لصلاحية أمته و استعدادهم فإنهم أميون ولذلك لم يعارضوا معارف الأنبياء كما كانت بنوإسرائيل يعارضون معارف أنبيائهم بعلومهم الموروثة عن آبائهم، ولا يدعونهم أن يكملوا ما كانوا أمروا به. و ذلك مثل ما ترى الآن فإنه إذا قام رجل من المجددين لتجديد الدين و لتعليم القرآن والحديث على وجهها فإن عامة أهل العلم يعارضونه و

عزم سیریز

جنوری، فروری 1993 | سیریز نمبر 117

مجلس ادارت

سعید اعوان
محمد سعید اختر
عبد الخالق آزاد
چوہدری عبد الرؤف

نگران اعلیٰ

محمد اسلوب قریشی

آئینہ

پہلی بات	چوہدری عبد الرؤف
اجتماعیت کیوں ضروری ہے؟	مقصود الحسن
نئے پردیسی حکومتیں	محمد اکرم طاہر
لاہور سے یاکوتک	غازی خدا بخش
حضرت شیخ الہند اور حضرت رائپوری کے تعلقات	سید نفیس شاہ
حضرت مولانا عبد العزیز رائپوری	مولانا عبد الخالق آزاد

قیمت فی عدد: ۶ روپے

سالانہ دس عدد ۵۰ روپے

پتہ: ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر۔ 363 جی پی او۔ ملتان

کہ بارہ سردار ہوں گے۔ جو سب کے سب قریش سے ہونگے ان دونوں مقامات پر قریش کا بحیثیت مجموعی ذکر کیا گیا ہے۔ قریش میں سے کسی خاص خاندان کو مخصوص نہیں کیا گیا لیکن بد قسمتی سے ہم نے چیزوں کو اجتماعی طور پر سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ اور انفرادیت کے رجحان نے ہماری سوچ کے زاویے تبدیل کر دیئے ہیں۔

تمام رسولوں پر ایمان لانے کی اہمیت

یہ اجتماعیت اور اجتماعی فکر ہی کا اثر ہے کہ مولانا سندھی سورہ بقرہ کی آیت (ہم اس کے رسولوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے) کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء پر ایمان لائیں ان انبیاء میں ایک فرد اکمل رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر غور کرنا اب صرف کافی نہیں۔

جماعت صحابہ کی اہمیت

اسی پس منظر میں مولانا سندھی اس غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہیں کہ عموماً رسول اللہ ﷺ کے شخصی اوصاف کو اس انداز سے بیان کیا جاتا ہے کہ آپکی پیدا کی ہوئی جماعت کی قدر و ہمت عام نظروں سے اوجھل رہتی ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اس غلط تخیل کو درست کرنے کیلئے قرآن شریف کا ایک اشارہ کافی ہے۔ سورہ فتح میں "محمد رسول اللہ" ۔۔۔ "والذین معہ" بھی ارشاد ہوا ہے یعنی آپ ﷺ کی تمام کامیابی کو آپ ﷺ کا آپکی جماعت کا کام بتایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حدیث کی کتابوں میں ایک مشہور روایت ہے جس میں بیان کیا گیا ہے "مسلمانوں کی ایک جماعت حق پر رہیگی، اس کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کا یہ قول "انا علیہ و اصحابی" (یعنی جس طریقہ پر میں اور میرے اصحاب ہوں گے، اس پر چلنے والی جماعت حق پر ہوگی، نقل کیا گیا ہے۔

انعام یافتہ اجتماعیت

اس اجتماعی فکر کی تائید اس دعا سے بھی ہوتی ہے جو قرآن عظیم نے ہمیں سکھائی ہے یہ دعا سورہ فاتحہ میں مذکور ہے۔ اس میں "صراط مستقیم" کی تفسیر "صراط الذین انعمت علیہم" یعنی سیدھا راستہ وہ ہے جس کے چلنے والوں پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا، ان کا تعین خود قرآن مجید نے کر دیا ہے کہ وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی جماعت ہے۔

اس سے زیادہ قرآن مجید کے اجتماعی تصور کے حق میں اور کیا دلیل ہو سکتی ہے؟

عزم

نگران اعلیٰ

سید اصغر علی شاہ

مجلس ادارت

سعید اعوان
سید سیف الاسلام خالد
مولانا عبداللہ عابد سندھی
سلطان محمد

سیریز نمبر 178

ماہ جنوری و فروری 2000ء

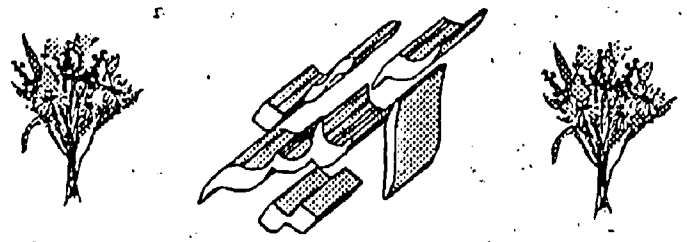

پہلی بات ..... مدیر 2
خطاب حضرت شاہ سعید احمد رائے پوری 5
قومی تقاضے اور ..... سیف الاسلام خالد 15
زونل سیمینارز ..... نمائندگان 21

فی شمارہ 7 روپے سالانہ زراعانت ستر (70) روپے

ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او۔ ملتان

نہ ملے تو بے روزگاری الاؤنس دے گا۔ (حوالہ نمبر 12)

ہمارے ملک میں بے چارے ایم اے' بی اے' مارے مارے پھرتے ہیں' غریب ملک جس میں تعلیم نہیں' جس کی اقتصادی حالت خراب ہے' وہ ایم اے کر کے مزدوری تو نہیں کر سکتے۔ ان کا شریفانہ حق ان کو ملنا چاہئے۔ یہاں ایسا ظالمانہ نظام ہے جس کی مثال کافروں میں بھی نہیں ملتی۔

انہیں بداخلاقیوں کی وجہ سے مسلمان دنیا میں بدنام ہو رہا ہے' مسلمان جس نے دنیا کو اچھا معاشرہ' اچھی سیاست' سچائی اور محبت کا ماحول دیا۔ آج اس نے خود اپنا ماحول' اپنا نظام سیاست' نظام عدالت' اپنا نظام اور اسمبلیاں ظالم بنا لیں۔ ان حالات میں کیا لوگوں میں نفرت پیدا نہ ہو؟ دنیا تو ہمارے اخلاق کو دیکھتی ہے۔ وہ کہتے ہیں ایمان والی قوم کی سیاست' اقتصادیات اور معاشرت تو دیکھو کہ دس فیصد قیصر عیاشی کر رہے ہیں ۹۰ فیصد مارے مارے پھر رہے ہیں۔

آج نوجوان اسلام سے دور ہو رہا ہے۔ مرتد ہو رہا ہے' عیسائی بن رہا ہے' اس نظام کی وجہ سے مسلمان کے بچوں میں ایمان نہیں دعوت و تبلیغ تو کیا پھیلتی ہم خود دین سے دور ہو رہے ہیں۔ آج ہمارا نوجوان جو تین سال برطانیہ رہ آئے وہ پاکستان کو جہنم سمجھے گا۔ وہ کافروں کو اچھا اور مسلمانوں سے نفرت کرے گا۔ وہ کہے گا یہ تو منافق ہیں' یہاں تو راشی اور دھوکے باز ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی انقلابی دعوت و تاریخی جدوجہد

آنحضور ﷺ نے جب مکہ میں طبقاتی اونچ نیچ معاشی ظلم اور سود کے خلاف آواز بلند کی تو سارے سردار اکٹھے ہو کر آ گئے۔ ابوطالب سے کہنے لگے کہ تمہارے بھتیجے نے ہمیں بڑا تنگ کر رکھا ہے۔ سوسائٹی میں ہماری بے عزتی کرا دی' ہمارے نظام کو نہیں مانتا۔ یوں کرو انہیں بھی بلاؤ اور ہمارے درمیان طے کرا دو کہ ایک دوسرے کے دین پر اعتراض نہیں کریں گے۔ تو آپ ﷺ کو بلایا گیا چچا نے کہا کہ یہ خاندان کے سردار تم تک اپنی بات پہنچانے اور تمہاری بات سننے آئے ہیں۔ حضور ﷺ نے سب کے

عزم سیریز

ماہ نومبر 1992 | سیریز نمبر 115

مدیر اعلیٰ
محمد اسلوب قریشی

مدیر
سعید اعوان

آئینہ

پہلی بات	مدیر	۲
پیام سعادت	حضرت رائپوری مدظلہ	۵
قرآن حکیم اور سامراجی نظام	شکیل احمد ساجد	۸
زاویہ نظر	ح-غ-رسول	۱۱
حضرت رائپوری ثالث	مولانا عبد الخالق آزاد	۱۶
رخسار کار	ادارہ	۲۸
قیمتی باتیں	فضل الرحمن راؤ	۳۲

قیمت فی عدد: ۵ روپے
سالانہ دس عدد ۵۰ روپے

پتہ: ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر۔363 جی پی او۔ ملتان۔

یا تو ان پر دنیاوی عذاب آجاتا ہے۔ بغداد کو دیکھ لیں جب مسلمانوں میں بد اخلاقیاں پیدا ہو گئیں تو ہلاکو خان نے حملہ کر دیا مسلمانوں کا تخت الٹ دیا۔ انکی سروں کی کھوپڑیوں کے مینار بنائے۔ آٹھ سو سال سے چلے والے نظام کو تاتاریوں نے تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ کتابوں کو آگ لگا دی ہے جس سے دریاؤں کے پانی کے رنگ سیاہ ہو گئے۔ اخلاق درست نہ کرنا، ہم انسانیت کی بھلائی کیلئے کام نہ کرنا، اہل حق کو نہ پہچاننا دراصل عذاب خداوندی کو دعوت دینا ہے۔ جس معاشرے میں ظلم ہو عدل نہ رہے، انسانوں کی خدمت کا جذبہ ختم ہو جائے، ایسے معاشرے میں انقلاب لانے کیلئے مسجد کے منبروں پر بیٹھ کر جو آواز دیتے ہیں وہ اہل حق ہوتے ہیں۔ جو فائدے حاصل نہیں کرتے بلکہ موجود نظام ظلم کا سامنا کرتے ہیں۔ ایسے وقت میں اہل حق اور اہل سوء کا علم ہوتا ہے۔ آج ملازمت حاصل کرنے کیلئے رشوت بنیاد بن گئی ہے۔ عدالت میں جائیں تو رشوت سے مفر نہیں گویا نظام ہی رشوت پر قائم ہے۔ آج حکمرانوں نے اپنی اولادوں کو مشنری اداروں سے پڑھایا اور وہیں سے تربیت دلوائی۔ جن ممالک میں پہلے اسی فیصد مسلمان تھے اب وہاں غیر مسلموں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ سوڈان، مصر، صومالیہ اور حبشہ جیسے ممالک کو دیکھو۔ اپنے ملک کو ہی دیکھ لیں اس کو بناتے وقت بیس لاکھ مسلمان ہلاک ہوئے، عزتیں لٹیں بچے یتیم ہوئے۔ بہت سے خاندان ختم ہو گئے۔ لیکن انگریز کے پیدا کردہ طبقے نے ملک کو تباہ و برباد کر دیا۔ آج قوم مفلس، جاہل کمزور اور لاغر ہو چکی ہے۔

ہم نے حضور ﷺ کی تعلیمات کو نہ سمجھا انہوں نے کیسی جماعت پیدا کی جنہوں نے خود بھوکے رہ کر بھوک مٹائی۔ ظلم کے نظاموں کو توڑا قوموں کو آزادی دلوائی۔ آپ ﷺ نے قیصر و کسریٰ کو خط لکھے کہ میرا نظام قبول کر لو اگر تم نے نہ مانا تو ساری قوم کی بھوک کی ذمہ داری تم پر ہو گی۔ آج فرقہ پرستی پیدا کر دی گئی۔ امن ختم کر دیا گیا کالج اور یونیورسٹی کا ماحول برباد کر دیا گیا مسجد سے اصل تعلیم اور آواز ختم کر دی گئی۔ آج ہم اپنی نسلوں کو لڑا رہے ہیں تعلیم گاہیں، قتل گاہیں بنا دی گئی ہیں۔ مسجدوں کو آپس میں لڑوا دیا ہم نے صرف وعظ کہنے شروع کر دیئے۔ کہ رشوت نہ لو، سود نہ لو۔ اگر صرف وعظ و تبلیغ سے ہی یہ سب کچھ ہو سکتا تو حضور ﷺ وانت مبارک کیوں شہید کرواتے اگر ہمیں حضور ﷺ سے محبت ہے تو ہمیں تعلیمات پر جماعت بنانا ہو گی۔ آج نہ ہماری عزت ہے اور نہ ہی جان و مال محفوظ ہیں۔

نگران اعلیٰ

سید اصغر علی شاہ

مجلس ادارت

سعید اعوان

سید سیف الاسلام خالد

مولانا عبداللہ عابد سندھی

سلطان محمد

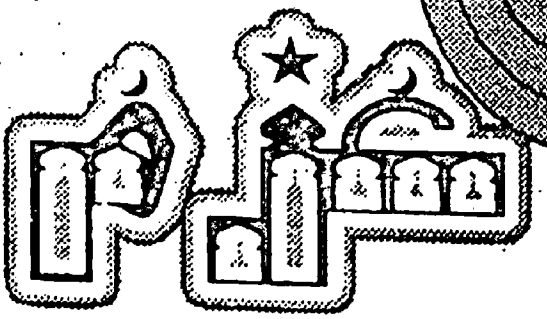

سیریز نمبر 183

ماہ نومبر 2000ء

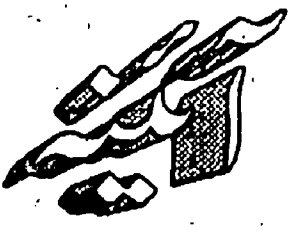

پہلی بات ـــــ مدیر ـــــ 2

قرضوں کی تجارت ـــــ ماخوذ ـــــ 7

بنام مولانا سلیم اللہ ـــــ مفتی عبدالمتین نعمانی ـــــ 12

حضرت رائپوری کا دورہ کراچی ـــــ حافظ محمد حسین ـــــ 15

زونل سیمینارز ـــــ نمائندگان ـــــ 28

فی شمارہ 7 روپے سالانہ زراعانت ستر (70) روپے

ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان

حوالہ نمبر 14

۱۶

اگر کہیں حریت و آزادی کی سوچ پیدا ہوئی تو وہ ولی اللہی جماعت ہی تھی جس کا اعتراف خود انگریز مؤرخین نے کیا ہے۔ بعدازاں حضرت اقدس شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ نے مفصل خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو بھوک، افلاس اور غلامی میں دیکھنا نہیں چاہتا اور اس کے لئے اپنے محبوب بندوں، پیغمبروں کو تکالیف اور مصائب کا راستہ اختیار کروایا تاکہ انسانیت کو آزادی نصیب ہو۔

نماز مغرب کے بعد حسب معمول مجلس ذکر اور اس کے بعد فضائل ذکر کا بیان معمول کے مطابق جاری رہا۔ بعد نماز عشاء حضرت مدظلہ نے سینئر احباب کے ہمراہ جناب محمد عرفان ناظم عمومی حلقہ ملیر اور جناب محمد رضوان ناظم عمومی یونٹ فیصل کالونی کی خصوصی دعوت عشائیہ پر ان کی رہائش گاہ تشریف لے گئے۔

۲۴ جولائی بروز پیر حضرت مدظلہ اپنے عزیز و اقارب کے گھر کورنگی تشریف لے گئے۔ بعد نماز عصر عزیز منزل چھوٹا گیٹ میں ایک تربیتی نشست مولانا عبداللہ عابد سندھی صاحب کی زیر صدارت ہوئی۔ تنظیم کے سینئر رہنما سید مطلوب علی زیدی صاحب نے ولی اللہی جماعت کی قربانیوں اور تاریخی تسلسل کو موضوع سخن بنایا۔ بعدازاں حضرت شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ دین کی جامعیت شریعت طریقت اور سیاست پر مشتمل ہے۔ جس کے لئے ہم آپ کے سامنے اپنے اکابرین کے تاریخی ورثہ یعنی دین کی اسی جامعیت کو بیان کرتے ہیں۔ جس طبقے میں یہ تینوں خصوصیات نہ پائی جائیں وہ رہنمائی کے لائق نہیں ہر وہ تحریک جس کی رہنمائی جماعت صحابہ کے اسوہ پر خانقاہوں سے ہوتی رہتی ہے وہی کامیاب اور رہنمائی کے لائق ہوتی ہے۔ یہ خانقاہیں جو ماضی میں اجتماعیت قائم کرکے تحریکات چلاتی رہیں آج فرقے بن گئی ہیں۔ یہ فقط نظریہ سے دوری کا نتیجہ ہے۔ حسب معمول بعد نماز مغرب مجلس ذکر ہوئی اور بعد نماز عشاء حضرت اقدس مدظلہ العالی اپنے عزیزوں کے ہاں ایک شادی میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔

160

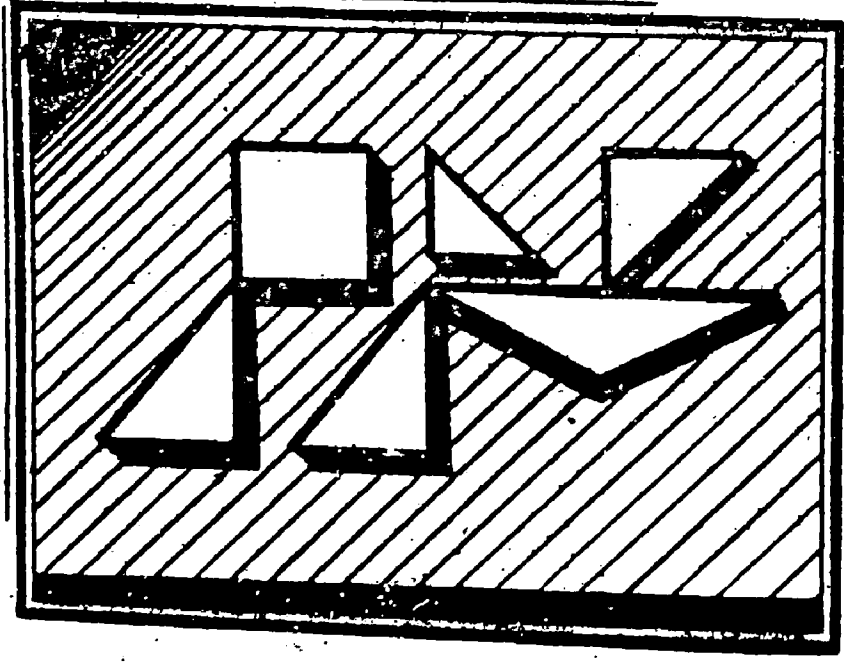

ادارہ عزم ملتان

عزم سیریز

نگران اعلیٰ
سید اصغر علی شاہ

عزم سیریز نمبر ۱۶۰

اکتوبر 1997ء

آئینہ

پہلی بات	سعید اعوان	۲
دیباچۂ قرآن	مفتی عبدالقدیر	۸
کامیابی کے اصول	حضرت ابوالکلام آزاد	۱۲
دین، قیامِ عدل کا داعی ہے	حضرت شاہ سعید احمد رائے پوری	۱۶
تنظیمِ فکرِ ولی اللہی	ادارہ	۲۰
خواتین شعور بیدار کریں	سید اصغر علی شاہ	۲۴
احیائے مذہب	مولانا محمد تقی امینی مرحوم	۲۷
مُفکرِ انقلاب حضرت رائے پوری	میاں مبشر عرفات دین پوری	۲۹

قیمت فی عدد ۶ روپے سالانہ زراعانت ساٹھ روپے

پتہ :- ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان۔

حوالہ نمبر 15

سچائی اور عدل والا آزاد معاشرہ پیدا ہو جائے۔

۷۔ **جامع اور اعلیٰ نظریہ حیات:** جامع اور اعلیٰ نظریہ حیات حقیقی مسلمانوں کا ہے حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو مسلمان اپنی ضرورت پوری کرے لیکن ماحول کا خیال نہ رکھے تو وہ مومن نہیں ہے کیونکہ ہمارا دین تو رحمت ہے اور قرآن کریم بھی کہتا ہے ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار پ۲ سورۃ بقرہ۔ جب صحابہ نے دیکھا کہ مسلمان اور انسان مجبور ہیں مظلوم ہیں جہاں کا انسان انسانیت سے محروم ہے تو انہوں نے قارونی ہامانی اور ابو جہل کے نظام کو توڑ دیا اور اس طرح انبیاء کرام کو مسائل کا سامنا کرنا پڑا ان پر مصائب آئے ان کو تکالیف دی گئیں ایسے غلط پروپیگنڈہ کا سامنا کرنا پڑا خدا نے ان کے ساتھ ایسا کیوں روا رکھا اور اپنے معصوم انبیاء کو تکلیفوں میں کیوں مبتلا کیا صرف اس لئے کہ انسانی حقوق پر مبنی معاشرہ قائم ہو جائے۔

۸۔ **آج کے مسلم اور غیر مسلم معاشرے کا تقابلی جائزہ:** آج تمام لوگ کہتے ہیں کہ ہماری نسبت تو انگریز اچھے ہیں وہ وہاں پر عدل مساوات اور ترقی کی بناء پر مشہور ہیں جبکہ پاکستانی جھوٹ' چوری' بدعنوانی' رشوت' فراڈ سکھانے کے لئے مشہور ہے یعنی مسجد اور خانقاہ فیل ہو گئی اور آج مغربی زندگی کا غلبہ ہے۔ لہٰذا اب فرد کی انفرادی نیکیوں سے ظلم کی سیاست اور سودی معاشرہ ختم نہیں ہو گا بلکہ اس پر تو خدا تمہیں ذلت و مسکنت کا عذاب دے گا اسلام آپ کو سچا نیک عادل بنانا چاہتا ہے آپ کے دل میں انسانیت کا جذبہ ڈالنا چاہتا ہے۔

۹۔ **امام شاہ ولی اللہ اور نظریہ انقلاب:** حضرت شاہ ولی اللہ مسلمانوں کو بھولا ہوا فکر ان کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ انسانی حقوق کا نظام قائم کرنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کو فک کل نظام (انقلاب) کا نظریہ دیتے ہیں اور بالخصوص مذہبی طبقے کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں۔

۱۰۔ **مولانا شاہ الیاس کا نظریہ:** آج مولانا شاہ الیاس کا نظریہ غائب ہو

جنت اور جہنم سے انکار

قرآن کا تصور جنت و دوزخ صرف عربوں کیلئے تھا

قرآن پاک کے جنت اور دوزخ کا تصور صرف عربوں کے لئے تھا، دیگر اقوام کو ان کے ذہنوں اور خواہشات کے مطابق تشریح کرنا ہوگی۔

''فکر ولی اللّٰہی'' کی کلاس رکنیت کے تربیتی نصاب کی کتاب ''قرآنی شعوری انقلاب'' (جو تنظیم فکر ولی اللّٰہی کے اشاعتی ادارہ ''مکی دارالکتب لاہور'' نے شائع کی ہے اور تنظیم کی کلاس رکنیت میں سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہے) میں جنت اور دوزخ کو عربی ذہنیت کے شاخسانے قرار دیئے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

> ''قرآن حکیم نے عربوں کو اپنے انقلاب کا آلہ کار بنایا اس لئے ان تشبیہات [جنت، دوزخ، میزان، حوض کوثر، حور و غلمان، دودھ، شہد، باغ باغیچے، سانپ، بچھو وغیرہ کی خاص خاص شکلیں] کا بیان عربوں کی طبیعت کے مطابق کیا ہے، چنانچہ عرب ایک خشک اور گرم ملک ہے جس میں صاف بے بو پانی اور دودھ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت میں شمار ہوتا ہے اور انہیں صحراء میں شہد بھی ملتا ہے، یہ بھی ان کے نزدیک بہت بڑی نعمت ہے، وہ بعض پھلوں کو بھی جانتے ہیں اور ان کی بہت قدر کرتے ہیں، پس عرب کے جو لوگ قرآن حکیم کا انقلاب دنیا میں قائم کرنے

کے لئے اپنی جان اور مال اس پر قربان کریں گے اور اسی کوشش میں شہید ہو جائیں گے ان کے اچھے عمل بہشت میں ان نعمتوں کی شکل اختیار کر کے ان کے لئے لذت اور راحت کا سامان بہم پہنچائیں گے۔" (قرآنی شعور انقلاب: ۴۵۴) ❶

فکری مزید وضاحت کرتے ہیں:

"غرض بہشت کی زندگی زیادہ تر ہمارے دنیاوی عملوں کا نتیجہ ہے لیکن اس کی جو نعمتیں قرآن حکیم بیان کرتا ہے انہیں دنیاوی چیزوں پر قیاس نہیں کرنا چاہئے بلکہ وہ معنوی لذتیں ہوں گی۔ یہی حال جہنم کا ہے کہ وہ انسان کے برے عملوں کا نتیجہ ہے، یہاں اسے بھی عرب کی ذہنیت کے مطابق بیان کیا گیا ہے، چنانچہ گرم پانی کے ذریعہ جو صحراؤں میں ملتا ہے، انہیں جہنم کی شناخت کروائی گئی ہے، کسی دوسری قوم کا حکیم انہی باتوں کو اپنی قوم کی ذہنیت کے مطابق بیان کرے گا۔"

(قرآنی شعور انقلاب: ۴۵۶) ❷

حوض کوثر وغیرہ تشبیہی الفاظ ہیں جن کو عام لوگ حقیقت سمجھتے ہیں

ملاحظہ فرمائیے:

"حوض سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی اور آپ کے قویٰ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلی، وہ وہاں حوض کوثر کی مثالی

شکل میں ظاہر ہوگی اور اس حوض میں جو پانی پینے کے برتن ہوں گے وہ تمام مسلمانوں کی قبول کردہ ہدایت ہوگی جو برتنوں کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ اس عالم میں خدا کے خاص مقرب بندوں کو چشمۂ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا۔ یہ پانی کیا ہوگا؟ یہ مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی جو پانی کی شکل میں انہیں پلائی جائیں گی۔ ظاہر ہے کہ یہ تشجات ہر قوم کیلئے مختلف ہوں گی، یعنی ایک ہی نیک عمل ایک قوم کیلئے ایک شکل اختیار کرے گا اور دوسری کیلئے دوسری۔"

(قرآنی شعور انقلاب: ۴۵۳، ۴۵۴) ۳

"تسنیم کیا ہے؟ عطیہ مقربین آب چشمہ تسنیم باشد کہ تمثال لذات عقلیہ است کہ از ادراک مجردات آید۔"

(قرآنی شعور انقلاب: ۳۱۴) ۴

جہنم ایک نفسیاتی کیفیت ہے اور اس کی آگ نفسیاتی عوامل کی پیداوار ہے

فکریت کے نزدیک چونکہ جنت اور دوزخ دونوں نفسیاتی کیفیات ہیں جو مختلف اقوام کو مختلف شکلوں میں عارض ہوں گی، اس لئے ان کے تمام واقعات، دکھ اور خوشی، نفسیاتی دکھ اور خوشی ہوں گی جو ادراک امور عقلیہ سے عقلی طور پر حاصل ہوں گی لہٰذا وہ ان کو نفسیاتی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک دوزخ کی آگ پہلے سے بنی بنائی نہیں، بلکہ نفسیاتی طور پر انسان کو ان کیفیات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ملاحظہ فرمایئے:

''جہنم کی حقیقت: ''یہ جہنم جس میں یہ سرمایہ پرست ڈالا جائے گا، عجیب مقام ہے، اس کی حقیقت سے انسان ابھی اچھی طرح واقف نہیں ہے، اس میں جس آگ سے واسطہ ہوگا وہ انسان اپنے ساتھ اس دنیا سے لے جاتا ہے، جس طرح بدن انسانی کے اندر صفراء، سوداء، بلغم اور خون چار خلطیں ہیں اور ان کی خرابی (سڑاند) سے بدن کے اندر حرارت پیدا ہو جاتی ہے جس سے انسان کا جسم جھلسا جاتا ہے، ایسے ہی انسان کے نسمی جسم (Nismic Body) میں جو اس مادی جسم کے اندر پرورش پا رہا ہے انسان کے برے اخلاق اور برے اعمال کے نتائج جمع ہو رہے ہیں، وہ مختلف قسم کے ''زہریلے مادے'' جو انسان کے بدن میں اکٹھے ہو رہے ہیں جب یہ انسان جہنم [جہنمی کیفیت] میں جائے گا وہاں وہ خاص قسم کے ''آگ'' کے ذخیروں کے پاس سے گزرے گا تو جس قسم کا زہر جس قسم کی ''آگ'' سے متاثر ہو سکتا ہے اس قسم کی ''آگ'' سے متاثر ہو کر اندر ہی اندر بھڑک اٹھے گا اور اس کی سوزش درونی کا اثر نسمۂ انسانی پر ظاہر ہوگا۔ چنانچہ سورۃ الہمزہ میں اس آگ کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا گیا ہے: ﴿نار اللّٰہ الموقدة ۞ التي تطلع على الأفئدة ۞ إنها عليهم مؤصدة ۞ في عمد ممددة ۞﴾ (قرآنی شعور انقلاب: ۳۸۲، ۳۸۳) ۵

جنت اور دوزخ دائمی نہیں ہیں

''مسلمانوں کے دلوں مین یہ خیال راسخ کیا گیا ہے کہ جنت

میں جنتی اور دوزخ میں دوزخی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی حکیم اس بات کو برداشت نہیں کرسکتا۔"

(القام المحمود: ۹۴، سورۃ یونس، بیت الحکمۃ کبیر والا جھنگ روڈ ملتان) ۶

جہنم میں خلود اور دوام نہیں

"خلود بمعنی ٹھہرنا یا اقامت کرنا یا عرصۂ دراز تک اقامت کرنا۔ اس لئے خالدون کے معنی ہوئے اقامت کرنے والے اور ابدالآباد تک اقامت کرنا مراد نہیں جیسا کہ غلط خیال عام ہو گیا ہے۔" (القام المحمود: ج ۱ ص ۲۳۲ شائع کردہ مکی دارالکتب) ۷

جہنم سے ڈرانے کی بجائے انقلاب سے ڈرایا جائے

"جب ایک قوم جہنم کو مانتی ہی نہیں تو اسے جہنم کا خوف دلانے سے کیا فائدہ؟ مطلب یہ ہے کہ انسان کو قانون الٰہی دیا گیا مگر اس نے اس اعلیٰ قانون کی نہ پیروی کی نہ قدر کی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی قانون کی نگاہ میں اب وہ مامون و محفوظ نہیں ہے، ان کا مال، جان، عزت اسلامی نقطۂ نگاہ سے اب محفوظ نہیں، اب یہ تمام چیزیں خطرے میں ہیں، اس لئے کہ اسلام کے امن کی آغوش میں وہ نہیں رہے، وہ ہر وقت خطرے کو محسوس کرتے ہیں، یہی وہ آگ ہے جس میں وہ جل رہے ہیں۔"

(القام المحمود: ج ۱ ص ۲۳۲ شائع کردہ مکی دارلکتب) ۸

کافر ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا اور فرعون نجات پائے گا

''یہ جو بتایا گیا ہے کہ کافر تا ابد دوزخ میں رہے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہاں اس امر کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ کافر کے نسمہ کی وہاں کب اصلاح ہوگی اور اس کا نفس ناطقہ کس طرح نسمہ کی کدورتوں سے پاکیزہ ہو سکے گا، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کے نفس ناطقہ کی کبھی اصلاح ہی نہ ہوگی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اس بناء پر ابن عربی کا یہ کہنا کہ آخر میں فرعون بھی نجات پا جائے گا، صحیح ہے۔''

(افادات وملفوظات: ۴۶۰) ۹

جہنم ختم کر دی جائے گی

''المقام المحمود'' جو فکریوں سے سند تصدیق حاصل کر چکی ہے، اس میں لکھا ہے:

''جنت کے داخلے کے لئے جو درجہ ہے اس کو جو جماعت پورا کر لے گی وہ دوزخ سے نکال دی جائے گی۔ اسی طرح ہوتے ہوتے ایک ایسا زمانہ آجائے گا کہ دوزخ میں ایک آدمی بھی نہیں رہے گا، اب دوزخ بالکل ختم کر دی جائے گی۔''

(المقام المحمود جزء عم: ۴۷، صفہ اکیڈمی) ۱۰

تمام مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے کہ جہنم ہمیشہ ہمیشہ رہے گی اور کافر بھی اس میں ہمیشہ ہوں گے قرآن پاک میں جگہ جگہ کافروں کے بارے میں ﴿خالدین

فیھا ابداً.﴾ (وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) کے الفاظ آئے ہیں، لیکن فکری ان تمام آیات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جہنم ختم کر دی جائے گی اور کافر جہنم سے نکل جائیں گے۔ اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ دوسری طرف وہ گناہ گار مسلمانوں کے جہنم سے نکل جانے کے قائل نہیں، جب کہ تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے اور بے شمار احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ بات بیان کی گئی ہے کہ گناہ گار مسلمان کلمہ پڑھنے کی بدولت آخر کار جہنم سے نکل جائیں گے، لیکن فکری حضرات اسے تسلیم نہیں کرتے، یعنی کافروں کے جہنم سے نکل جانے کے تو قائل ہیں لیکن مسلمانوں کے جہنم سے نکلنے کے قائل نہیں۔ "إن هذا لشيء عجاب."

چنانچہ اسی تفسیر "المقام المحمود" میں ہے:

"یہود کہتے تھے خواہ وہ کس قدر گناہ گار کیوں نہ ہوں گے صرف چند روز ہی جہنم میں رہیں گے، اس کے بعد جنت میں آ جائیں گے۔ یہود کے اس خیال کی تردید کی جا رہی ہے اور لطف یہ ہے کہ آج کل مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مسلمان گناہ گار چند دن جہنم میں رہنے کے بعد جنت میں منتقل کر دیئے جائیں گے اور باقی وہیں جہنم میں رہیں گے۔"

(المقام المحمود: ۲۷۵، ۲۷۶) (11)

اس پر تنظیم کے مفتی عبدالقدیر حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ الفوز الکبیر میں اس خیال کو معنوی تحریفات میں شمار کیا گیا ہے۔ مفتی عبدالقدیر صاحب کا کہنا کہ "الفوز الکبیر" میں اس کو تحریفات معنوی میں شمار کیا گیا ہے، کہاں تک درست ہے؟ آیئے "الفوز الکبیر" کی عبارت دیکھتے ہیں۔ چنانچہ اس میں لکھا ہے:

"الفرق بين المتدين الفاسق و الكافر الجاحد معتبر في كل ملة من الملل، و توعد الكافر بالخلود في النار

والعذاب الأليم، وأثبت للفاسق خروجه من النار بشفاعة الانبيآء، والمرسلين، وجآء التصريح فی کل ديانة بذلك باسم التدين بتلك الديانة، فأثبت ذلك فی التوراة لليهود والعبريين، وفی الإنجيل للنصرانيين، وفی القرآن العظيم للمسلمين. والحقيقة أن مناط الحكم هوالإيمان باللّٰه تعالٰی، وباليوم الأخر، والإيمان بالنبی الذی بعث لهم، والإنقياد لهٗ، والحمل بشريعته والإجتناب عن نواهيهِ لاخصوص الديانة أو خصوص الطائفة المسماة باليهود والنصرانيين وغيرهم، ولكن اليهود بدأوا يظنون أن كل من كان يهوديًا أو عبريا فهو من أهل الجنة، ولابد أن تناله شفاعة الأنبيآء وتخلصه من العذاب، وأنه لا يمكث فی النارِ إلا أياما معدودات، ولو لم يكن مناط الحكم ـ الذی سبق بيانه ـ متحققًا، ولم يكن إيمانه باللّٰه تعالٰی علی الوجه الصحيح، ولا يملك شيئًا من الإدراك الصحيح علی الرسالة والأخرة، وهذا هوالخطأ الصريح والجهل الصرف. ولمّا كان القرآن العظيم مهيمنا علی الكتب السابقه و مبينًا لمواضع الأشكال فيها، كشف الغطاء عن هذه الشبهة علی وجه أتم: ﴿بلی من كسب سيئةً و أحاطت به خطيئتهٗ فأولٰئك أصحاب النار هم فيها خلدون﴾."

(الفوز الکبیر:۲۲،۲۳، مکتبۂ خیر کثیر آرام باغ کراچی)

ترجمہ: "ہر مذہب میں دیندار، فاسق اور کافر کے فرق کو بتایا

گیا ہے۔ کافر کے لئے ہمیشہ کی جہنم اور سخت عذاب کو ثابت کیا ہے اور فاسق کے لئے انبیاء کی شفاعت کے ذریعہ جہنم سے خلاصی کو صحیح بتایا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر مذہب میں دیندار کو اس کے مذہب کے ساتھ موسوم کیا گیا ہے۔ توریت میں یہودیوں کے لئے یہ مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اور انجیل میں نصرانیوں کو یہ مرتبہ دیا گیا ہے، جب کہ قرآن میں مسلمانوں کو یہ فضیلت دی گئی ہے۔ اور اس حکم کا دارومدار خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھنے اور اپنے درمیان مبعوث رسول کی تابعداری اور دین کے احکام کو پورا کرنے اور اس کے ممنوعات سے بچنے پر ہے نہ کہ کسی فرقہ و مذہب کی خصوصیت پر۔ پس یہودی یہ خیال کرتے ہیں کہ جو کوئی یہودی ہے وہ یقیناً جنتی ہے اور انبیاء کی شفاعت سے اس کو چھٹکارا مل جائے گا اور چند دن کے علاوہ جہنم میں نہیں رہے گا، اگرچہ حکم کا مدار ثابت نہ ہو کہ خدا پر ایمان صحیح طور سے نہ ہو اور آخرت اور رسالت پر ایمان کا کچھ بھی حصہ حاصل نہ ہو، یہ تو محض خلط اور جہالت ہے۔ چونکہ قرآن مجید کتب سابقہ کا نگران اور بیان ہے اس لئے یہود کے اس شبہ کو خوب وضاحت کے ساتھ یوں دور فرمایا: ﴿بلى من كسب سيئة وأحاطت به خطيئته فأولئك أصحاب النار هم فيها خالدون﴾.

ترجمہ: ''کیوں نہیں جس نے گناہ کیا اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے، پس وہی دوزخ کے رہنے والے ہیں اور وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اسی بات کو حضرت شیخ الہند اپنے تفسیری حاشیہ میں یوں لکھتے ہیں:

''گناہ کسی کا احاطہ کرلیں اس کا یہ مطلب ہے کہ گناہ اس پر ایسا غلبہ کرلیں کہ کوئی جانب ایسی نہ ہو کہ گناہ کا غلبہ نہ ہو، حتی کہ دل میں ایمان وتصدیق باقی ہوگی تو یہ مذکورہ احاطہ ثابت نہ ہوگا۔ تو اب کافر پر ہی یہ صورت صادق آسکتی ہے۔''

اسلام کے سامنے ترقی کا ایک موہوم تصور اور اشتراکیت یقینی وقابل فہم تصور ہے

فکریوں کی محبوب ترین شخصیت پروفیسر سرور صاحب اسلام اور اشتراکیت میں تقابلی جائزہ کرتے ہوئے آخرت کی ترقی کو ''موہوم تصور'' کا نام دیتے ہیں اور اشتراکیت پر یقینی، قابل فہم، ٹھوس اور ہمت افزا تصور ہونے کا لیبل لگا رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''اشتراکی نظام کی خوبیوں کے ذیل میں اسلام کا بھی ذکر آگیا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اسلام کا جو تصور ہے اس میں زیادہ زور آخرت پر ہے، اس کے برعکس اشتراکی تصور حیات اسی دنیا کو عالمگیر جنت بنانا چاہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دونوں آگے کی طرف دیکھتے ہیں اور دونوں ارتقاء وترقی کو مانتے ہیں لیکن ایک کے سامنے ارتقاء وترقی کا ایک موہوم تصور ہے اور دوسرا ایک یقینی، قابل فہم، ٹھوس اور ہمت افزا تصور کو ماننا ہے۔'' (افادات وملفوظات: ۲۰۲، ۲۰۳) ۱۲

ظاہر ہے کہ یہ تشبیہات ہر قوم کے لیے مختلف ہوں گی ۔ یعنی ایک ہی نیک عمل ایک قوم کے لیے ایک شکل اختیار کرے گا اور دوسری کے لیے دوسری چونکہ

قرآن حکیم نے عربوں کو اپنے انقلاب کا آلہ کار بنایا اس لیے اس نے ان تشبیہات کا بیان عربوں کی طبیعت کے مطابق کیا ہے ۔ چنانچہ عرب ایک خشک اور گرم ملک ہے جس میں صاف بے بو پانی اور دودھ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت شمار ہوتی ہے اور انہیں صحرا میں شہد بھی ملتا تھا یہ بھی ان کے نزدیک بہت بڑی نعمت ہے وہ بعض پھلوں کو بھی جانتے ہیں اور ان کی بہت قدر کرتے ہیں پس عرب کے جو لوگ قرآن حکیم کا انقلاب دنیا میں قائم کرنے کے لیے اپنی جان اور مال اس پر قربان کریں گے اور اس کوشش میں شہید ہو جائیں گے ان کے اچھے عمل بہشت میں ان نعمتوں کی شکل اختیار کر کے ان کے لیے لذت اور راحت کا سامان بہم پہنچائیں گے ۔

جب انقلاب آتا ہے تو اس میں ہر درجے کے عوام شامل ہوتے ہیں اس لیے اس انقلابی جماعت سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں لیکن چونکہ یہ لوگ حق قائم کرنے کے لیے اٹھتے ہیں ۔ اس لیے جب انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان سے غلطی ہو گئی ہے

تو وہ اس پر اڑ نہیں جاتے ۔ بلکہ اس سے باز آ جاتے ہیں اور اس پر افسوس کرتے ہیں اور آگے کو اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں ۔ اس طرح اس جماعت کی معمولی لغزشیں (غلطیاں) اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتیں ۔ کامیابی ہو جانے کے بعد معمولی غلطیاں خود بخود دھل جاتی ہیں ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک طالب علم امتحان دیتا ہے وہ اپنے جوابوں میں چند غلطیاں بھی کرتا ہے لیکن جب اس کی کامیابی کا اعلان ہو جاتا ہے تو اسے ترقی مل جاتی ہے اور اس کی غلطیوں کی وجہ سے اسے مردود نہیں کیا جاتا اور نہ اسے ان کی وجہ سے برا بھلا کہا جاتا ہے اسی طرح

یہ آخرت میں ان کے اترنے کا مقام ہے۔ یعنی وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے مہمان پہلی مرتبہ آکر ٹھہرتے ہیں۔ یہاں ذرا سستا کر ہمارے مشاہدے کے لیے ترقی کرو۔ حضرت شیخ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

غرض بہشت کی زندگی زیادہ تر ہمارے دنیاوی عملوں کا نتیجہ ہے لیکن اس کی جو نعمتیں قرآن حکیم بیان کرتا ہے' انہیں دنیاوی چیزوں پر قیاس نہیں کرنا چاہیے بلکہ وہ معنوی لذتیں ہوں گی۔ یہی حال جہنم کا ہے۔ وہ انسان کے برے عملوں کا نتیجہ ہے۔ یہاں اسے بھی عرب کی ذہنیت کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ گرم پانی کے ذریعہ جو صحراؤں میں ملتا ہے۔ انہیں جہنم شناخت کروائی گئی ہے۔ کسی دوسری قوم کا حکیم انہی باتوں کو اپنی قوم کی ذہنیت کے مطابق بیان کرے گا۔

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ اس کی طرح جو آگ میں ہمیشہ رہے گا

اس کا عطف اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ پر ہے۔ بَيِّنَةٍ پر ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ جنت میں جائے گا۔ جس شخص کے عمل اسے بھلے کر کے دکھائے گئے ہیں وہ جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔

کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

مخالفین انقلاب کی حالت

یہاں تک اس انقلاب کے غلبے کا ذکر تھا۔ یہ بادشاہوں کے غلبے کی مانند نہیں ہے۔ بلکہ وہ جنت کے پہنچوانے کا ذریعہ ہے۔ اور راستے کی منزل ہے۔ آیت نمبر ۱۶ سے آخر تک ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جو اس انقلاب سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

آیت نمبر ۱۰ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ حَتّٰٓى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ

الغرض اس موطن میں جا کر انفرادیت کے احکام چھٹ جاتے ہیں اور نوعی تقاضے غالب آ جاتے ہیں اور عقل اور خیال کی قوتوں کے لحاظ سے نوعی تقاضے ظاہر ہونے لگتے ہیں اور فرد انسانی نوعی تقاضوں کو ایسی پوری طرح ظاہر کرتا ہے کہ اس سے زیادہ اس سے ممکن نہیں ہوتا یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق قرآن حکیم کہتا ہے کہ فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (بے شک ہم نے تیرے پردے اتار دیئے ہیں اس لیے آج تیری نگاہ تیز ہے۔ ۲۲/۵۰

چنانچہ اس موطن میں نفس انسانی کو بعض واقعات پیش آتے ہیں مثلاً "میزان، حساب، تجلی الٰہی، حوض کوثر، اعمال ناموں کا اڑ کر دائیں بائیں ہاتھ میں آ جانا، ہاتھ پاؤں کا انسان کے اعمال کی شہادت دینا۔ پل صراط سے گزرنا۔ چہروں کا سفید یا سیاہ ہو جانا اور رسولوں کا شفاعت کرنا۔ ان میں سے میزان سے مراد یہ ہے کہ عالم مثال میں انسان کے اچھے برے اعمال ایک خاص مقدار اختیار کر کے ظاہر ہوں گے اور ان کی خاص قسم کی تاثیر ظاہر ہوگی۔ اور یہ مقدار اور تاثیر عالم مثال کے "مادے" کے مناسب حال ہوگی۔ مثلاً" ترازو وغیرہ جو عالم مثال اور عالم مادی کے بین بین ایک قسم کے مادے سے ظاہر ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی اجسام مثالی قوتوں کی شکل میں

ظاہر ہوں گے۔ حوض سے مراد یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس مبارک پر تجلی اعظم سے جو ہدایت نازل ہوئی اور آپ کے قویٰ کے ذریعے سے دنیا میں پھیلی اور وہ وہاں حوض کوثر کی مثالی شکل میں ظاہر ہوگی اور اس حوض میں جو پانی پینے کے برتن ہوں گے وہ تمام مسلمانوں کی قبول کردہ ہدایت ہوگی جو برتنوں کی شکل میں ظاہر ہوگی اس عالم میں خدا کے خاص مقرب بندوں کو چشمہ تسنیم سے پانی پلایا جائے گا۔ یہ پانی کیا ہوگا؟ یہ مجردات ادراک سے حاصل شدہ عقلی لذات ہوں گی جو پانی کی شکل میں انہیں پلائی جائیں گی۔"

حوالہ نمبر 3

454

ظاہر ہے کہ یہ تشبیہات ہر قوم کے لیے مختلف ہوں گی۔ یعنی ایک ہی نیک عمل ایک قوم کے لیے ایک شکل اختیار کرے گا اور دوسری کے لیے دوسری چونکہ قرآن حکیم نے عربوں کو اپنے انقلاب کا آلہ کار بنایا اس لیے اس نے ان تشبیہات کا بیان عربوں کی طبیعت کے مطابق کیا ہے۔ چنانچہ عرب ایک خشک اور گرم ملک ہے جس میں صاف بے بو پانی اور دودھ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت شمار ہوتی ہے اور انہیں صحرا میں شہد بھی ملتا تھا یہ بھی ان کے نزدیک بہت بڑی نعمت ہے وہ بعض پھلوں کو بھی جانتے ہیں اور ان کی بہت قدر کرتے ہیں پس عرب کے جو لوگ قرآن حکیم کا انقلاب دنیا میں قائم کرنے کے لیے اپنی جان اور مال اس پر قربان کریں گے اور اس کوشش میں شہید ہو جائیں گے ان کے اچھے عمل بہشت میں ان نعمتوں کی شکل اختیار کر کے ان کے لیے لذت اور راحت کا سامان بہم پہنچائیں گے۔

جب انقلاب آتا ہے تو اس میں ہر درجے کے عوام شامل ہوتے ہیں اس لیے اس انقلابی جماعت سے غلطیاں بھی ہوتی ہیں لیکن چونکہ یہ لوگ حق قائم کرنے کے لیے اٹھتے ہیں۔ اس لیے جب انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان سے غلطی ہو گئی ہے

تو وہ اس پر اڑ نہیں جاتے۔ بلکہ اس سے باز آ جاتے ہیں اور اس پر افسوس کرتے ہیں اور آگے کو اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح اس جماعت کی معمولی لغزشیں (غلطیاں) اس کے راستے میں رکاوٹ نہیں بنتیں۔ کامیابی ہو جانے کے بعد معمولی غلطیاں خود بخود دھل جاتی ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک طالب علم امتحان دیتا ہے وہ اپنے جوابوں میں چند غلطیاں بھی کرتا ہے لیکن جب اس کی کامیابی کا اعلان ہو جاتا ہے تو اسے ترقی مل جاتی ہے اور اس کی غلطیوں کی وجہ سے اسے روک نہیں لیا جاتا اور نہ اسے ان کی وجہ سے برا بھلا کہا جاتا ہے اسی طرح

ملتبق شکل عالم مثال است مستتبع سازد پس احکام فردیت فرونشیند و احکام نوعیہ غالب آید ہمہ مقتضیات نوع در عقل و خیال برروئے کار آید و صورت فردیت قبول ظہور احکام نوعیہ کند و باتم وجوہ محاکات آں نماید چنانکہ در افراد نوع ممکن نشود کہ بہتر از آں احکام نوع ظاہر

لَقَدْ كُشِفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ

پس دریں موطن وقائع چند ظہور کنند از میزان و حساب و تجلی الٰہی و حضور وتطایر صحف اعمال بطرف یمین و شمال و شہادت ایدی وارجل و صراط و ابیضاض وجوہ و اسود اداں و شفاعت رسل۔

میزان کیا ہے؟ : پس میزان عبارت است از ظہور صورت مقدار اعمال حسنہ و سیئہ و معرفتہ تاثیر ہریکے از قبیلتین بشکلیکہ عالم مثال تقاضا کند از کفتین و مانند آں درسیان عالم مثال و عالم شہادۃ آں معنی کہ اجسام خارجیہ شکل پذیر قوای مثالیہ گردد۔-----

حوض کوثر کیا ہے؟ : وحوض صورت ہدایت ورشدے است کہ از تجلی اعظم بر نفس نفیس حضرت پیغامبر ﷺ ریختہ است و از آنجا از راہ قوای پیغامبر در عالم شہادت جاری شدہ و اوانی حوض صورت قدر ہدایاتے کہ افراد مسلمین قبول آں کردہ اند

تسنیم کیا ہے؟ : عطیہ مقربین آب چشمہ تسنیم باشد کہ تمثل لذات عقلیہ است کہ از ادراک مجردات حاصل آید (تفہیمات الٰہیہ جلد اول ص 255-253 ملخصاً)

(یعنی اس منزل سے گزر جائے تو وہ ایک عالم میں داخل ہوتا ہے جسے شرع کی زبان میں حشر کا دن کہتے ہیں اور اس مقام کی حقیقت یہ ہے کہ ان نفوس ارضیہ کی بہت سی انفرادی باتیں جو عنصروں کے باہمی ملاپ اور کثیف مادے سے پیدا ہوئی تھیں جاتی رہتی ہیں اور اب ہر ایک نفس شفاف جسم کی طرح نوعی امور کا عکس پیش کرتا ہے اور اس پر نوعی تقاضے ظاہر ہو کر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں اس کی مثال یوں سمجھو کہ مادی دنیا میں انسان کی صورت نوعیہ تقاضا کرتی ہے کہ ایک فرد کے دو دو ہاتھ پاؤں آنکھیں اور کان ہوں لیکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مادے میں ان دو دو اعضاء پیدا کرنے کی استعداد نہیں ہوتی اس وقت جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ لنجا لنگڑا یا کانڑا یا بوچہ ہوتا ہے۔ اس ناقص الخلقت بچے کی پیدائش میں قصور مادے کا ہے نہ کہ صورت نوعیہ کا۔

ایسے ہی غیر مادی زندگی کے امور میں صورت نوعیہ کے تقاضے ہوتے ہیں۔ مثلاً" وہ

تحریک سے الگ کرنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ اسے انسانیت عامہ کی تحریک سمجھ کر اس کے ساتھ اپنے مفادات وابستہ نہ کر بیٹھیں۔ وہ کہتا ہے کہ یہ اس انسان کا بنایا ہوا پروگرام ہے اس، قسم کا ہم بھی بنا سکتے ہیں۔

حضرت نبی اکرم ﷺ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی دعوت تمام اقوام میں پھیل جائے گی اور ان سب پر غالب آجائے گی اور یہی اس دعوت کی سچائی کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ یہ خدا کی جانب سے ہے لیکن مخالفین اس تحریک کو ایک عام وقتی تحریک کے طور پر پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عام بات ہے ایسی تحریکیں اٹھا ہی کرتی ہیں ہم بھی اس قسم کا پروگرام بنا سکتے ہیں یہ مخالف جب اس دنیا سے کوچ کرے گا تو سیدھا جہنم میں ڈالا جائے گا۔

(26) سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ (عنقریب اسے آگ میں ڈالوں گا)

ا۔ تجارع کا انجام : اس ارتجاعی (Reactionary) کے لئے اس ظلم اور بداخلاقی کی [illegible] سے بچنا محال ہے جو وہ اپنے لئے پیدا کر رہا ہے۔ وہ اس میں ڈالا جائے گا۔ ایسے ہی انقلاب لانے والی پارٹی اسے دنیا میں سزا دے گی۔ وہ زندہ رہا تو ان کے ہاتھوں سے بچ نہ سکے گا۔

(27) وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ (اور تو کیا سمجھے کہ آگ کیسی ہے)

انسان ابھی اس جہنم کی حقیقت سے واقف نہیں۔

(28) لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَرُ (وہ نہ باقی رکھے۔ نہ چھوڑے)

یہ آگ نہ تو میدان مقابلہ ہی میں رجعت پسندوں (Reactionaries) کو رہنے دے گی اور نہ آئندہ زندگی میں ان کا پیچھا چھوڑے گی۔

(29) لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (جھلس دینے والی آدمی کو)

جہنم کی حقیقت : یہ جہنم جس میں یہ سرمایہ پرست ڈالا جائے گا عجیب مقام ہے اس کی حقیقت سے انسان ابھی اچھی طرح واقف نہیں ہے اس میں جس آگ سے واسطہ ہوگا وہ انسان اپنے ساتھ اس دنیا سے لے جاتا ہے جس طرح بدن انسانی کے اندر صفراء، سودا، بلغم اور خون چار خلطیں ہیں اور انکی خرابی (سڑاند) سے بدن کے اندر حرارت پیدا ہو جاتی ہے جس سے انسان کا جسم جھلسا جاتا ہے ایسے ہی انسان کے نسمی جسم (Nismic Body)

میں جو اس مادی جسم کے اندر پرورش پا رہا ہے انسان کے برے اخلاق اور برے اعمال کے نتائج جمع ہو رہے ہیں وہ مختلف قسم کے "زہریلے مادے" جو انسان کے بدن میں اکٹھے ہو رہے ہیں جب یہ انسان جہنم میں جائے گا وہاں وہ خاص خاص قسم کے "آگ" کے ذخیروں کے پاس سے گزرے گا تو جس قسم کا زہر جس قسم کی "آگ" سے متاثر ہو سکتا ہے اس قسم کی "آگ" سے متاثر ہو کر اندر ہی اندر بھڑک اٹھے گا اور اس کی سوزش درونی کا اثر نسمہ انسانی پر ظاہر ہوگا۔ چنانچہ سورۃ الہمزۃ میں اس آگ کی طرف ان لفظوں میں ارشاد کیا گیا ہے نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝

یہ حوفناک حالت ہوگی جس سے بچنے کے لئے انسان سب کچھ کرنے کو تیار ہوگا لیکن وہاں کچھ نہ بن سکے گا اور اسے اپنے کئے کی پوری پوری سزا بھگتنی پڑے گی اور جس طرح بدن انسانی کے اندر سے سارا زہر خارج ہوئے بغیر صحت حاصل نہیں ہو سکتی ایسے ہی نسمہ انسانی میں سے زہریلے اخلاق کا اثرات خارج ہوئے بغیر صحت روحانی حاصل نہ ہو سکے گی۔

پس انسانیت کے مصالح کلیہ (Human Weal) اور رفاہ عامہ (Public Weal) کے مخالفین کے لئے قوانین انسانیت کی خلاف ورزی کرنا معمولی بات نہیں۔ جو لوگ فطرت انسانی کی خلاف ورزی کریں گے ان کو یہ آگ جلاتی رہے گی۔

(30) عَلَیْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ (اس پر انیس ہیں)

ایک نفسیاتی نکتہ : انسان کی روح میں انیس مرکز ہیں[1] جن کے ذریعے سے وہ اپنی تکمیل کرتی ہے جو لوگ روحانی سلوک کے عامل ہیں وہ انہیں خوب جانتے ہیں ان انیس مراکز کے مطابق جہنم میں بھی اصلاح کے انیس مراکز ہیں اور ہر ایک مرکز کا ایک جداگانہ "محکمہ" سمجھنا چاہئے۔ ہر روحانی "مرکز" کی خرابی کی جداگانہ سزا ہوگی۔

---

[1] انیس مراکز یہ ہیں (1-5) حواس خمسہ ظاہری (6-10) حواس خمسہ باطنی یعنی حس مشترک، واہمہ، متخیلہ، حافظہ اور قوت محرکہ (11) قلب (12) قوت مدرکہ (13) سر یعنی قلب اور حق کے [illegible] (14) روح (15) خفی یعنی بطن السر (16) اخفی یعنی بطن الخفی (17) انیہ کبریٰ (18) نور قدس (19) الحر ابحت یعنی انانیت کبریٰ اور نور القدس کا بطن جو تجلی الٰہی کا نمونہ ہے ان کی تفصیل کے لئے حجۃ الاسلام امام ولی اللہ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ یونس

امام ولی اللہ دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اُصول پر قرآنِ عظیم کی حکیمانہ انقلابی

بین الاقوامی تفسیر

اَز :- تالیف

مجاھد کبیر حضرت الحاج مجدد اعظم امام انقلاب

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

قرآن عظیم مع ترجمہ اُردو

املاء :- شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

بیت الحکمۃ امام ولی اللہ دھلوی

زیر اہتمام جھنگ روڈ ○ کبیر والا

(ضلع ملتان)

النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ

آگ اور کوئی نہیں تمہارا اللہ کے سوا مددگار پھر کہیں

لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ

مدد نہ پاؤ گے اور قائم کر نماز کو دونوں طرف دن کے

وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ

اور کچھ ٹکڑوں میں رات کے البتہ نیکیاں دور کرتی ہیں

السَّيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ ۚ فَاصْبِرْ ۣ فَاِنَّ

برائیوں کو یہ یادگاری ہے یاد رکھنے والوں کو اور صبر کر البتہ

ایمان ہے کہ دوزخ ایک دن ضرور فنا ہو جائے گی۔

آیت نمبر ۱۰۸:۔ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ۔ یہ ایک غیر منقطع عطیہ ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ یعنی وہ جنت میں فائدہ اٹھاتے رہیں گے جب تک کہ اس سطح (جنت والی سطح) کے زمین و آسمان قائم ہیں مگر جب یہ زمین ختم ہو جائے گی تو اس کو نعمت بدستور ملتی رہے گی۔ یعنی ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی اور اس کی نعمتوں میں ترقی ہوتی رہے گی۔ غرض ان دونوں آیات میں جنت اور دوزخ کا وقت معین کر دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں دوسری جگہ حکم کیا گیا ہے۔ کہ وہ جہنم میں رہیں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ اس کی تفسیر ان دونوں آیات سے کرنی چاہیئے۔ مسلمان متقدمین کو اب یہ دقت پیش آئی کہ وہ چاہتے تھے۔ کہ اسلام کی فلاسفی اور اسلام کے عقائد کے اعتبار سے ایسی بلند چیز پیش کریں جو دوسرے مذاہب میں نہ ہو۔ اسلام چونکہ بہت بلند فطرت ہے۔ اس واسطے متقدمین اسے فلسفیانہ خیال میں بہت بلندی پر لے جاتے ہیں۔ اب دقت پیش آئی کہ جس طرح کی جنت اور جہنم کی فلاسفی اسلام نے پیش کی ہے۔ دیگر مذہب بھی بعینہٖ یہی پیش کرتے ہیں۔ اگر مسلمان حکیم اسے تسلیم کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آریں اور اسلامی طریقے میں ایک قسم کا اشتراک ہو گیا۔ اور یہ اسے گوارا نہیں کر سکتے۔ ان کے نزدیک اس کے بعد اسلام کی کوئی خوبی ہی نہیں رہتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خیال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے دنیا میں آکر کوئی تعلیم نہیں دی۔ اس واسطے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال راسخ کیا گیا۔ کہ جنت میں جنتی اور دوزخ میں دوزخی ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی حکیم اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا۔ بہرحال یہ پیچیدگی اب تک قائم ہے۔

اسلام کی خوبی یہ ہے کہ پہلے انبیاء کوشش کرتے رہے۔ کہ انسانی جماعت میں ترقی کرے تاکہ ساری دنیا ایک نظام میں جکڑے جائیں گے پہلے انبیاء کی کوششیں کامیاب نہیں ہوئیں۔ اسلام نے اس کا نمونہ قائم کر دیا اور یہی اسلام کی خوبی ہے اور بے نظیر چیز ہے: دنیا میں اسلام سے پہلے دو زبردست بین الاقوامی طاقتیں (روما اور ایرانی شہنشاہیت) تھیں۔ اسلام نے ان دونوں کو ختم کر کے اتنے بڑے رقبے میں ایک بین الاقوامی نظام قائم کر دیا۔ یہ ایک بے نظیر خوبی ہے۔ اس کے برابر آج تک کوئی مذہب اس قدر کامیاب نہیں ہو سکا۔ اب اسلامی روح یہ ہے کہ نمونہ قائم کر دیا گیا ہے۔ اس پر عمل کر کے دوسرے حصے میں جو اسلام نے فتح نہیں کئے۔ ان کو اس بین الاقوامی نظام کے ماتحت کر دینا چاہیئے۔ اسلام کے بعد جو بین الاقوامی نظام پیدا ہو رہے ہیں۔ وہ اسلام کے سارے نظام کو نہیں چلا سکتے۔ انہوں نے اسلام کا صرف ایک ایک ٹکڑا لے کر اس پر اپنا

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے تم سب، پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۳۸﴾

انہیں جنّت سے نکال کر زمین پر رکھا گیا اور کہا گیا کہ محنت اور مشقّت کرو اور کھاؤ پیو اجـ ہے آدم علیہ السّلام اور اس کی زوجہ اور اس کی اولاد جو جنّت میں پیدا ہوئی۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى، اس قسم کی غلطیوں کے واسطے آئندہ کے لئے اس طرح ر جاتی ہے کہ تمہارے پاس ہماری طرف سے نبی آئیں گے۔ اگر ان کی پیروی کرتے رہو گے تو حسط کو از سرِ نو پاک کر کے بزرگی دی گئی اس طرح تمہارے مراتب بلند کئے جائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْ

ترجمہ: اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو وہ ہیں دوزخ میں جانے والے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں

اس کے بعد بھی جو قانونِ الٰہی کی پابندی نہیں کرے گا ان کے لئے دُنیا میں ذلّت اور آخر جہنم ہے۔ خَالِدُوْنَ۔ خلود بمعنی ٹھہرنا یا اقامت کرنا یا عرصۂ دراز تک اقامت کرنا اس لئے خَالِدُ ہوئے اقامت کرنے والے اور ابدالاباد تک اقامت کرنا مُراد نہیں جیسا کہ غلط خیال، عام ہو گیا ہے

اَصْحٰبُ النَّارِ۔ جب ایک قوم جہنم کو مانتی ہی نہیں تو اسے جہنم کا خوف دلانے سے کیا مطلب یہ ہے کہ انسان کو قانونِ الٰہی دیا گیا مگر اس نے اس اعلیٰ قانون کی نہ پیروی کی نہ قدر کی۔ یہ ہے کہ اسلامی قانون کی نگاہ میں اب وہ مامون و محفوظ نہیں ہے۔ ان کا مال، جان، عزّت ا نقطۂ نگاہ سے اب محفوظ نہیں۔ اب ان کی یہ تمام چیزیں خطرے میں ہیں اس لئے کہ اسلام آغوش میں وہ نہیں رہے۔ وہ ہر وقت اس خطرے کو محسوس کرتے ہیں۔ یہی آگ ہے جس میں ہیں۔ یعنی ان کو تسکینِ قلوب حاصل نہیں اور اس سے بھی ایک بڑی آگ ہے جو ان کے لئے ہیں ہے۔ مثلاً ایک امیر نے ایک محل بنایا اور باغ رکھا اور اس میں استراحت کے کمرے اور کھا اسباب رکھے اور اس کی رہائش عام کر دی گئی اور ایک قانون اس کی رہائش کے لئے لکھ کر دروا کہ فلاں جگہ سونا اور فلاں جگہ پاخانہ پھرنا اور فلاں رکابی میں جو طعام ہے وہ اوّل کھانا وغیرہ۔ تـ سہولت کے لئے لکھ کر لٹکا دیئے اور آخر میں لکھ دیا کہ جو شخص خلاف ورزی کرے گا اس کو یہا دیا جائے گا تو مثلاً ایک شخص استراحت کے کمرے میں پاخانہ پھرتا ہے تو ایسے شخص کو محل سے گا۔ اس دُنیائے جہان کو بھی اسی طرح خیال کرو کہ اس کے رہنے کے لئے قانونِ انبیاء علیہم السّا

خلود کا مفہوم

اصحاب النار کو دینا اور حقیقت دوزخ جہنم عذاب

مثال قانون کی وضاحت ایک مثال کے ذریعہ

۱؎ اس مسئلہ پر تفصیلی کلام حضرت امام سندھی رح نے تفسیر سورۃ الانشقاق از مقام محمود پارہ ۳۰ (عم) میں فرمایا ہے، ۱۲ ا

حوالہ نمبر 9

۴۶۰

یہ جو بتایا گیا ہے کہ کافر تا ابد دوزخ میں رہے گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہاں اس امر کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ کافر کے نفس کی وہاں کب اصلاح ہوگی اور اس کا نفس ناطقہ کس طرح نفس کی کدورتوں سے پاکیزہ ہو سکے گا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کے نفس ناطقہ کی کبھی اصلاح ہی نہ ہوگی۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

اس بنا پر ابن عربی کا یہ کہنا کہ آخر میں فرعون بھی نجات پا جائے گا صحیح ہے کیونکہ کبھی نہ کبھی تو فرعون کا نفس ناطقہ نفس کی آلائشوں سے پاک ہو کر اس قابل ہو جائے گا کہ وہ اپنے مرکز اصلی یعنی نفس کلیہ کی طرف انجذاب حاصل کرے۔

شریعت کو حکمت کے ساتھ سمجھنے کا یہ طریقہ ہے اور بغیر حکمت کے سمجھنے کا طریقہ دوسرا ہے۔

نفس کلیہ — وجود

یہ کائنات کس طرح موجود ہے اس کا سراغ لگاتے لگاتے انسان آخر کار اس حقیقت تک پہنچا کہ ایک وجود ہے، جس سے یہ ساری کائنات ظہور پذیر ہوئی ہے۔ یہ وجود واحد شخصی ہے اور تمام کثرتیں اسی سے نکلی ہیں۔ اسے نفس کلیہ بھی کہتے ہیں۔

ذات احدیت کی تجلی اسی نفس کلیہ پر ہوتی ہے۔ تمام چیزیں اسی سے نکلتی ہیں اور اسی میں فنا ہو جاتی ہیں۔ وحدت وجود کا تصور یہی ہے۔

بعض لوگ اسی وجود یا نفس کلیہ کو آخری و کلی حقیقت[1] سمجھ لیتے ہیں۔ انہیں "عینیہ" کہا جاتا ہے۔ یعنی ان کے نزدیک خدا ہے تو یہی کائنات کا مصدر و منبع ہے۔ تو یہی بعض وجودی صوفی قرآنی آیت اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ (ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی طرف لوٹنا ہے) کو انہی معنوں میں لیتے ہیں: عقل انسانی کی یہی معراج و کمال ہے اور یہیں رک

---

[1] ULTIMATE REALITY

کچھ سمجھا سکیں۔ جن لوگوں کی طبعیت میں اتنا نصاب نہیں ہے کہ جس سے جنت کا دروازہ کھلتا ہے یعنی وہ اتنے نمبر حاصل نہیں کرتے کہ وہ پاس ہوجائیں اور اتنی ترقی آگے جاری رکھ سکیں ان کو ایک عرصہ تک اعراف میں رکھا جائے گا یعنی جو قابل غور ہیں کہ ان کو موقع ملنا چاہیے کہ وہ جلدی سنبھل جائیں اور درست ہوجائیں۔ اور جو اس سے نیچے ہیں وہ سب جہنم میں داخل ہوجائیں گے۔ وہاں ان کے آپریشن ہوں گے ان کو داغ دیا جائے گا وہ بہت تکلیف اٹھائیں گے تب کہیں ان کے دماغ میں سمجھ کی بات پیدا ہوگی اور اسی طرح وہ جہنم میں ترقی کرتے رہیں گے یعنی وہ آہستہ آہستہ صحت کی طرف آتے جائیں گے۔

* جنت کے داخلے کے لیے جو درجہ ہے اس کو جو جماعت پورا کرلے گی وہ دوزخ سے نکال دی جائے گی۔ اسی طرح ہوتے ہوتے ایک ایسا زمانہ آجائے گا کہ دوزخ میں ایک آدمی بھی نہیں رہے گا اب دوزخ بالکل ختم کردی جائے گی اس لیے دوزخ کا وجود صرف اس لیے تھا کہ انسانیت کے نقائص یعنی جو بیماریاں ہیں ان کی صحت اور تندرستی کے لیے یہ ایک موقع تھا مگر دنیاوی حساب سے (یعنی اس دنیا کے سالوں کے حساب سے) یہ وقت (جس میں کہ جہنم میں صحت اور تندرستی ہوسکے) کتنے سالوں میں ہوگا کہ جہنم آخر ختم ہوجائے اس کا صحیح اندازہ لگانا آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لیے بہت بڑا زمانہ ہے سرسری طور پر کہا جاسکتا ہے کہ جب سے زمین و آسمان بنے اور پھر ان کا نظام قیامت کے دن ٹوٹے تو جتنا زمانہ زمین و آسمان کا ہے اتنا ہی زمانہ جہنم کی عمر کے لیے ضروری ہے۔ اس میں کسی قدر کمی بیشی ہوجائے تو وہ وقتی ضرورتوں کے مطابق ہوگی تو اب شرائع الٰہی میں کسی انسان کو رحمت الٰہی سے مایوس نہیں کیا جاتا اگرچہ وہ جہنمی ہی ہو۔ مگر یہ بھی مقصود نہیں ہے کہ اس کی مدت کو ہلکا دکھایا جائے اور اس طرح دنیا میں انسان کو اس کی ترقی سے پیچھے ڈال دیا جائے جہنم کی تکلیف کو جس قدر کم دکھایا جائے گا اتنا ہی ادنی طبعیت کے لوگ کم ترقی کریں گے اور یہ ان پر ظلم ہوگا۔ ان کو جہنم میں جو تکالیف پیش آئیں گی انکے متعلق صحیح علم دینا چاہیئے تاکہ وہ ان تکالیف سے بچنے کے لیے اسی دنیا میں سامان مہیا کریں۔ جہنم کی تکلیفیں اس قسم کی ہیں جس

مسلمانوں کو نہ بتلائیں۔ اس لئے کہ مسلمان ان سے فائدہ اٹھالیں گے۔ ان کے اس خیال کی اگلی آیت میں تردید کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سچ سچ ہی تھا خواہ اسے بنی اسرائیل ظاہر کریں یا پوشیدہ رکھیں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾

ترجمہ: اور بعض ان میں بے پڑھے ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور ان کے پاس کچھ نہیں مگر خیالات ﴿٧٨﴾

اب[۱۴۱] ان پڑھ لوگوں کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ اَمَانِیّ یعنی وہ لوگ جو صرف الفاظ پڑھتے ہیں مگر معنی نہیں سمجھتے نہ جانتے ہیں یعنی وہ صرف تلاوت کرنا ہی جانتے ہیں۔ بعینہٖ آج کل مسلمانوں کا یہی حال ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

ترجمہ: سو خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ لیویں اس پر تھوڑا سا مول سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو اپنی اس کمائی سے ﴿٧٩﴾

یہ علماء[۱۴۲] کا ذکر ہے جن کا پہلے آیت نمبر ۷۵ میں بھی ذکر ہوا ہے کہ وہ خدا کی کتاب کے معانی اپنے مطلب پر ڈھال لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کتاب کا مطلب درحقیقت یہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَاتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر چند روز گنے چنے کہہ دو کیا تم لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے قرار کہ اب ہرگز خلاف نہ کرے گا اللہ اپنے قرار کے یا جوڑتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے ﴿٨٠﴾

[۱۴۳] ولو کنا عاصین غایۃ العصیان الا ایاما معدودۃ ثم ندا خل الجنۃ۔ "یعنی یہود کہتے تھے کہ خواہ وہ کس قدر ہی گنہگار کیوں نہ ہونگے صرف چند روز ہی جہنم میں رہیں گے اس کے بعد جنت میں آجائیں گے۔" یہود کے اس خیال کی تردید کی جا رہی ہے اور لطف یہ ہے کہ آج کل مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مسلمان گنہگار چند دن

حوالہ نمبر 11

جہنم میں رہنے کے بعد جنت میں منتقل کر دیئے جائیں گے اور باقی اُمتیں جہنم میں رہیں گی۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۸۱﴾

یہود کے اس عقیدے کی تردید ہے۔ بُرے عمل کی سزا ضرور ملے گی۔ بُرے کام کا نتیجہ ہمیشہ بُرا ہوتا ہے اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جس کو اس کی خطاؤں نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہو۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک وہی ہیں جنت کے رہنے والے۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۸۲﴾

جو اللہ تعالیٰ کے قانون کو مانتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں وہ لوگ بہشت کے مالک ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے لیا قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک کرنا نیک اور کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے اور کہیو سب لوگوں سے نیک بات اور قائم رکھیو نماز اور دیتے رہیو زکوٰۃ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے سے تم میں اور تم ہو ہی پھرنے والے ﴿۸۳﴾

سلہ الفوز الکبیر میں اس خیال کو معنوی تحریفات میں شمار کیا ہے ملاحظہ ہو الفوز الکبیر فارسی، عربی اردو طبع قرآن محل کراچی ص ۱۴۳ ۱۲ منہ

مولانا کہتے تھے کہ علاوہ ازیں روسیوں نے اپنے آپ کو لادینی بنا کر ہزاروں بلاؤں سے بچا لیا۔ روسی اپنی نئی دنیا اور اس میں اپنے لیے نئی زندگی بنانا چاہتے تھے اب اگر وہ دین کا سرے سے انکار نہ کرتے تو ظاہر ہے انہیں کسی نہ کسی دین کو ضرور ماننا پڑتا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ اہل مذاہب کے کسی نہ کسی طبقے کو وہ اپنا سردار اور قائد بناتے اور پھر معاملہ وہی کا وہی رہتا۔

مولانا نے فرمایا۔ روسی ان معنوں میں لادینی نہیں جن معنوں میں ہم لادینی کو لیتے ہیں۔ ہم لادینی سے بالعموم یہ مراد لیتے ہیں کہ جس کے سامنے کوئی نصب العین نہ ہو۔ جو کسی مثبت اخلاقی قدر کو نہ مانتا ہو، جس کی زندگی محض اپنی مادی اور سفلی خواہشات ہوں۔ روسی ان معنوں میں ہرگز ہرگز لادینی نہیں۔ ان کے اپنے انسانی نصب العین ہیں، اپنی اخلاقی قدریں ہیں۔ ایک اعلیٰ مقصد کے لیے انہوں نے انقلاب کیا اور اب وہ اسی مقصد کو حاصل کرنے میں مصروفِ جدوجہد ہیں۔ تم یوں کہہ سکتے ہو کہ وہ ایک نئے دین کی طرح ڈال رہے ہیں۔ اگر وہ پرانے دینوں کو جس شکل میں کہ وہ ان کے سامنے موجود تھے، رہنے دیتے تو کیا ان کی زندگی اس پرانے ڈھرے پر بدستور نہ چلتی رہتی اور یہ جو نئی دنیا تعمیر کر رہے ہیں اس کا انہیں کہاں موقع ملتا۔

مولانا سندھی کی اسی بات کو علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں خاتونِ عجم طاہرہ کی زبان سے یوں کہلوایا ہے۔

از گناہِ بندۂ صاحب جنوں — کائناتِ تازہ آمد بیروں
شوخیِ بے حد پرِ دہ ہا را بردود — کہنگی را از تماشا می برد

(بندۂ صاحب جنوں کے گناہ سے تازہ کائنات وجود میں آتی ہے۔ بے حد شوخی پردوں کو چاک کرتا ہے اور فرسودگی اور پرانے پن کو سامنے سے ہٹا دیتا ہے۔)

اشتراکی نظام کی ان خوبیوں کے ذیل میں اسلام کا بھی ذکر آ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اسلام کا جو تصور ہے اس میں زیادہ زور آخرت پر ہے۔ اس کے

برعکس اشتراکی تصورِ حیات اسی دنیا کو عالمگیر جنت بنانا چاہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دونوں آئیڈیل کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور دونوں ارتقاء و ترقی کو مانتے ہیں۔ لیکن ایک کے سامنے ارتقاء و ترقی کا ایک موہوم تصور ہے۔ اور دوسرا ایک یقینی، قابلِ فہم، ٹھوس اور بہت افزا تصور کو مانتا ہے۔

اس پر مولانا دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ منجملہ اور باتوں کے آپ نے کہا: اسلام میں ایک دور وہ بھی آیا، جب علما نے یہ سلام ناکارہ ہو کر رہ گئے اور ان کا دائرۂ کار اور حلقۂ اثر محض قال و اقول تک محدود ہو گیا۔ تاریخ اسلام کے اس مرحلے میں اس دنیا کی تحقیر اور اس دنیا یعنی آخرت کی تعظیم و توقیر ان کا شیوہ بن گیا۔ میرے نزدیک یہ ان کی کم بینی اور کج فہمی تھی۔ اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ دراصل ہر اجتماع میں اعلیٰ سے اعلیٰ اور اسفل سے اسفل افکار اور رجحانات موجود رہتے ہیں اور وہ صرف محدود حلقے ہی میں پھلتے پھولتے ہیں۔ عام جمہور ان سے دور رہتے ہیں لیکن جب دور انحطاط گزر جاتے اور زوال شروع ہو تو قوم کا مزاج بگڑ جاتا ہے اس کے ذہنوں میں اعلیٰ افکار دھندلے پڑنے لگتے ہیں اور اسفل رجحانات ابھر آتے ہیں۔ اس لیے قوم یا مذہب کے صحیح افکار کی تشخیص کرنا بہت غور و فکر چاہتا ہے۔ میں، ماتا ہوں کہ مسلمانوں میں دینوی نکتہ نظر تنزل سے پہلے موجود تھا۔ اور تاریخ کے ہر دور میں اس کے آثار نظر آتے ہیں لیکن عام اسلامی اجتماع میں اس فکر کو غلبہ حالیہ صدیوں میں ہوا ہے۔ اس دور میں ہمارا تمام علمی و دینی اثاثہ اس سے متاثر ہوا۔ اس نے فقہ، کچھ نہ تصوف، نہ تفسیر، نہ فلسفہ اور اسی طرح عام زندگی بھی۔ غرضیکہ سب کچھ آخرت کے لیے ہو گیا۔

قرآن مجید میں کافروں، منافقوں اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کی مخالفت کرنے والوں کو جس عذاب سے بار بار ڈرایا گیا ہے، مولانا فرماتے تھے کہ آخرت میں تو انہیں لازماً یہ عذاب ہوگا ہی۔ لیکن اس کا اشارہ اس عذاب کی طرف بھی ہے جو خود مسلمانوں کے ہاتھوں کفار مکہ اور دوسرے مخالفین و معاندین کو پہنچے گا اور بعد میں وہ پہنچا بھی یعنی یہ عذاب اس مادی زندگی میں بھی ہوگا۔

حیات عیسیٰ علیہ السلام اور ظہور مہدی کے مسلمہ عقیدے سے صریح انکار

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع و نزول کا عقیدہ نصوص قرآنیہ، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ ابتدائے اسلام سے لے کر آج تک یہ عقیدہ تمام مسلمانوں کا مسلسل چلا آرہا ہے۔

قرآن پاک میں جو ہر قسم کے شبہات سے بالاتر ہے، اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے کہ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ قتل کیا ہے، نہ سولی دی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف آسمان پر اٹھالیا ہے:

﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَل رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ ﴾

ترجمہ: ''اور انہوں نے اس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کو قتل نہیں کیا یقیناً بلکہ اس کو اٹھالیا اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف۔''

سورۃ المائدہ اور سورۃ آل عمران میں بڑی وضاحت سے مسئلہ حیات مسیح بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث میں ان کی زندگی، نزول اور نزول کے بعد زمین میں قیام وغیرہ کی تفصیلات مذکور ہیں اور علماء امت نے ان احادیث کے مفاہیم کے قابل یقین ہونے اور ان پر ایمان لانے پر اجماع نقل کیا ہے۔ مختصراً یہ کہ یہ عقیدہ اب بلا اختلاف ضروریات دین میں شمار ہوتا ہے اور اس پر ایسے صریح شواہد اور واضح دلائل ہیں کہ کسی مسلمان کو ان سے آنکھ چرانے اور کسی تاویل و تحریف کی گنجائش نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی طرح امام مہدی کا ظہور بھی مسلمانوں

کے چودہ سو سالہ دور کے علماء، مفکرین، اساطین امت اور تمام مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ ہے۔ اہل سنت کے چاروں امام اور عہد حاضر میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر امام مہدی کی آمد پر متفق ہیں۔ احادیث کی معتبر کتابوں میں محدثین نے امام مہدی کی آمد پر مستقل ابواب باندھے ہیں، جن میں صحاح ستہ میں سے ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ ہیں۔ مجموعی طور پر ساٹھ سے زائد احادیث میں امام مہدی کی خبر دی گئی ہے۔

علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ ''العرف الوردی'' میں نوے احادیث کی تخریج کی ہے، جن میں ۳۳ احادیث میں مہدی کا نام صراحتاً موجود ہے اور دیگر احادیث میں خلیفہ کے لفظ اور ان اوصاف کے ساتھ ذکر ہے جو کہ امام مہدی کی احادیث میں مذکور ہیں۔ امام سیوطی، علامہ شوکانی، مصنف تعلیق الصبیح اور دیگر کئی معتبر علماء و محدثین کے ہاں مہدی کے بارے میں جو احادیث ہیں وہ متواتر ہیں۔

علامہ شوکانی نے اپنی کتاب ''الفتح الربانی'' میں کہا ہے کہ مہدی کی وہ احادیث جن پر واقف ہونا ان کے لئے ممکن ہوا ۵۰ مرفوع احادیث اور اٹھائیس آثار ہیں اور فرمایا کہ جتنی احادیث ہم نے نقل کی ہیں یہ تواتر کی حد تک پہنچتی ہیں۔

علامہ شوکانی کی اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ مہدی کی احادیث متواتر ہیں اور ان پر عقیدہ رکھنا واجب ہے۔

حافظ ابن حجر کی تحقیق کے مطابق صحیحین میں بھی مہدی کی احادیث موجود ہیں۔ (ظہور مہدی از نظام الدین شامزئی)

خلاصہ یہ کہ ظہور مہدی کا عقیدہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور چودہ سو سال سے تمام مسلمانوں میں مسلم اور مشہور ہے۔

قارئین کرام! اوپر نہایت ہی اختصار کے ساتھ جو کچھ ہم نے ذکر کیا، اس سے یقیناً آپ کو معلوم ہوا ہوگا کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام اور ظہور مہدی قرآن، احادیث اور اجماع امت کی روشنی میں ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، جس سے منہ موڑنا سورج پر

تھوکنے کے مترادف ہے۔ لیکن ..... آیئے ذرا دیکھتے ہیں کہ فکریوں کا اس بارے میں کیا نظریہ ہے؟ چنانچہ اس قدر ٹھوس اور صریح دلائل کے باوجود وہ قادیانیت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں کشمیر آئے اور وہیں وفات پا گئے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور مہدی کے ظہور کا عقیدہ اسلامی نہیں، انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ حیات عیسیٰ علیہ السلام یہودی اور صابی من گھڑت کہانی ہے اور امام مہدی کے ظہور کا عقیدہ غلط ذہنیت کا آئینہ دار ہے۔ قرآن وحدیث کو ٹھکرانے کے خوگر فکری حضرات قرآن وحدیث کے بخیے کیسے ادھیڑتے ہیں؟ اور کتنی دیدہ دلیری سے انہیں رد کرتے ہیں؟ لیجئے! ان کا یہ ''شاہکار'' آپ بھی ملاحظہ فرمالیں!

حیاتِ عیسیٰ کا انکار

فکریوں کی تفسیر ''الہام الرحمٰن'' میں لکھا ہے:

''قوله: ﴿ويكلم الناس في المهد وكهلا ومن الصالحين﴾ فضل الكلام في المهد ظاهر، وأما الكلام كهلا فلم يفهم الكثيرون حكمته، فلذلك حملوه على ما بعد النزول من السماء في آخر الزمان قرب القيامة، وهذا غير صحيح على نظريتنا، بل هو بقي في الدنيا إلى أن صار كهلا، وعلم الناس طريقته، وغفل عن ذلك كتب الأناجيل فلم يذكروه ..... ومات عيسىٰ وهو كهل ..... وأما ما يقال من أنه رفع إلى السماء، وهو شاب لم يبلغ سن الكهولة فذلك غير صحيح.'' (الہام الرحمٰن: ج۲ ص۴۴، ۴۵)

ترجمہ: ''گود میں باتیں کرنے کی فضیلت تو ظاہر ہے، رہی بات ادھیڑ عمری میں باتیں کرنے کی تو اکثر لوگ اس کی حکمت کو نہیں سمجھ سکے، اس لئے انہوں نے اس (یعنی ادھیڑ عمری کے کلام) کو آخری زمانے میں قیامت کے قریب اس کے آسمان سے نزول کے بعد پر حمل کیا ہے اور یہ ہمارے نظریئے کے مطابق صحیح نہیں ہے، بلکہ وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ادھیڑ عمری تک دنیا میں رہے اور لوگوں کو اپنی شریعت سکھائی۔ کتب اناجیل نے اس سے غفلت برتی اور اس بات کا ذکر نہیں کیا ..... اور عیسیٰ (علیہ السلام) نے ادھیڑ عمری میں وفات پائی ..... اور یہ جو کہا جا رہا ہے کہ وہ جوانی ہی میں آسمان کی طرف اٹھائے گئے اور اس وقت تک وہ ادھیڑ عمر تک نہیں پہنچے تھے، یہ صحیح نہیں ہے۔''

اسی تفسیر میں آگے ایک جگہ لکھا ہے:

"فإذا كان كذلك فلا حاجة إلى القول بنزول المسيح، وإنه يؤمن به أهل الكتب بعد، وإن ذلك نصا يتلى فى كتاب اللّٰه، بل إن ذلك من انستنباطات بعضهم أو رأى موافق لرواية فقط. فنحن ندع هؤلآء ورأيهم من غير معارضة، ولهم أن يعتقدوا ما شاء وا ..... لأننا نقول لهم: نعم تنتظر. طائفة من المسلمين نزول المسيح، ولكن ليس ذلك بحكم القرآن وأنا إنما أدعوكم اليه لا إلى غيره. وقد جربنا أنه إذا جوزنا انتظار نزول المسيح بنص القرآن

فإننا عند إذ لانقدر على دعوة الناس إلى القرآن لا للمسلمين ولا لغير هم. ونحن بحمد الله قدرنا على فهم القرآن، ولم نر فيه ذكر نزول المسيح، ونعد ذلك من فضل الله علينا." (الہام الرحمٰن: ج۲ص۲۳۱) ❷

ترجمہ: "جب واقعہ اس طرح ہے تو ہمیں نزول عیسیٰ کے قول [پر عقیدہ رکھنے] کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ کہ اس کے بعد اہل کتاب کا بھی یہی عقیدہ تھا اور اس کے کہنے کی کہ یہ نص ہے کتاب اللہ میں پڑھی جاتی ہے [ان باتوں کے کہنے کی ضرورت نہیں] بلکہ یہ بعض لوگوں کے استنباطات ہیں، یا یہ ایسی رائے ہے جو صرف ایک روایت کے موافق ہے، ہم انہیں اور ان کی رائے کو بغیر کسی بحث مباحثہ کے چھوڑتے ہیں اور وہ جو چاہیں اعتقاد رکھتے پھریں ..... اس لئے ہم ان سے کہتے ہیں: جی ہاں! مسلمانوں کا ایک گروہ عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کا انتظار کرتا ہے لیکن یہ [ان کا اعتقاد رکھنا اور انتظار کرنا] قرآن کے حکم کے مطابق نہیں ہے اور میں تمہیں قرآن کی طرف بلاتا ہوں نہ کہ کسی اور چیز کی طرف۔ ہمیں تجربہ ہے کہ جب ہم نزول مسیح کے انتظار کو قرآن کی نص سے جائز قرار دیں تو پھر ہم لوگوں کو قرآن کی طرف دعوت نہیں دے سکتے، نہ مسلمانوں کو اور نہ مسلمانوں کے علاوہ دوسروں کو۔ ہم بحمداللہ قرآن کے سمجھنے پر قادر ہیں اور ہم نے اس میں [قرآن میں] عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کا ذکر نہیں دیکھا اور ہم اسے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا احسان شمار کرتے ہیں۔"

تفسیر ''المقام المحمود'' (جو مکی دارالکتب نے شائع کی ہے اور اس پر تنظیم کے عبدالقدیر، عبدالخالق، سعید الرحمٰن اور عباس شاہ جیسے مرکزی عہدیداروں اور ذمہ داروں کے تبصرے موجود ہیں) میں عبدالقدیر صاحب نے اپنے تفسیری نکات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے:

''عیسیٰ کے اٹھائے جانے کی حقیقت اور اس کی تاریخی مثال۔''

آگے تفسیر میں درج ہے:

''﴿بل رفعه الله﴾ جس طرح تمام بزرگ اللہ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اسی طرح اللہ نے ان کو بھی اپنی طرف اٹھا لیا۔ یہ انسانیت کا عام قاعدہ ہے کہ جس بزرگ کی قبر مشتبہ ہو جائے (یعنی اس بزرگ کی قبر متعین نہ ہو اور لوگوں نے اس بزرگ کو کھلے طور پر دفن ہوتے نہ دیکھا ہو) تو اس کی متعدد جگہوں پر یا تو قبریں بنائی جاتی ہیں اور یا یہ کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان پر چلا گیا۔'' (القام المحمود: ج۱ص۶۵۱) ۳

قادیانیت کی تائید

''آدم کی جنت موجودہ کشمیر تھی اور حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل کی گمشدہ بھیڑوں کی تلاش میں کشمیر آئے'' (القام المحمود:۲۴۴) ۴

حیات عیسیٰ یہودی اور صابی من گھڑت کہانی ہے

"وأما ما شاع بين الناس من حياة عيسىٰ عليه السلام فهي أسطورة يهودية وصائبية. وقد شاعت بين

المسلمين بعد مقتل عثمان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه بواسطة أنصار بنی هاشم من الصابئة."

(الہام الرحمٰن: ج۲ص۴۹) ۵

ترجمہ: "یہ جو حیات عیسیٰ علیہ السلام لوگوں میں مشہور ہے، یہ یہودی اور صابی من گھڑت کہانی ہے۔ مسلمانوں میں شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد بواسطہ انصار بنی ہاشم یہ بات پھیلی اور یہ صابی تھے۔"

اسی تفسیر میں دوسری جگہ لکھا ہے:

"اس وفات کو اس پر حمل نہیں کر سکتے جیسا عام لوگوں کا وہم ہے کہ یہ وفات کئی ہزار سال بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کے بعد ہوگی، اس لئے کہ وفات کا مطلب یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نگرانی کو بنی اسرائیل سے ختم کر دے اور وہ مسئول نہ رہے۔ مسلمانوں میں یہ [نزول عیسیٰ کا] عقیدہ ۱۰۰ھ کے بعد پیدا ہوا اور یہ نصرانیوں سے لیا گیا اس لئے کہ یہ فاسد عقیدہ اس کے بعد پیدا ہوا۔"

اصل عبارت ملاحظہ کیجئے:

"وهذه الوفاة لا يمكن حملها أصلا على التي تتوهمها العامة أنها سوف تكون بعد مرور آلاف السنين، وبعد نزوله. فإن الوفاة ترفع مراقبته لبني إسرائيل، وعدم المسئولية عليه، وقد حدث ذلك بعد المأة الأولى من النصرانية، لأن تلك العقيدة الفاسدة إنما حدثت بعد ها."

(الہام الرحمٰن: ج۲ص۵۳) ۶

قرآن میں نزول عیسیٰ کا ذکر نہیں

ایک مقام پر لکھا ہے:

"ولا يخفى أن مرجع العلوم الإسلامية بأسرها ومنبعها هو القرآن العظيم، وليس فيه آية تدل على أن عيسىٰ لم يمت، وأنه حي سينزل، إلا الاستنباطات وتفسيرات من البعض، ولا يخلو ذلك من شكوك وشبه. وما كان بهذه المثابة كيف يمكن أن نتخذه مبنى عقيدة إسلامية؟ وأصح الكتب بعد كتاب الله عندنا على الصحيح هو موطا الإمام مالك، وليس فيه شيء يدل على ذلك."

(الہام الرحمٰن: ج۲ ص۴۹)

ترجمہ: "اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ تمام اسلامی علوم کا مرجع اور منبع قرآن پاک ہے اور اس میں کوئی بھی ایسی آیت نہیں ہے جو اس بات پر صراحتاً دلالت کرتی ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات نہیں پائے اور یہ کہ وہ زندہ ہیں اور عنقریب نازل ہوں گے، سوائے بعض لوگوں کے اپنے استنباط اور تفسیر کے جو کہ شک و شبہ سے خالی نہیں اور اس طرح کی چیزوں کو اسلامی عقیدے کی بنیاد کیسے قرار دیا جائے؟ قرآن پاک کے بعد سب سے صحیح کتاب ہمارے ہاں موطا امام مالک ہے اور اس میں بھی اس طرح کی کوئی دلیل نہیں ہے۔"

فکریوں کا یہ کہنا کہ قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جو حیات عیسیٰ اور نزول عیسیٰ علیہ السلام پر دلالت کرتی ہو بالکل نرا جھوٹ اور نصف النہار کو شب دیجور کہنے

کے مترادف ہے۔ قرآن کی کئی آیات سے حیات عیسیٰ اور نزول عیسیٰ علیہ السلام ثابت ہوتا ہے، جیسے کہ:

﴿وما قتلوه يقينا بل رفعه الله إليه﴾

﴿وإن من أهل الكتب الإ ليؤمنن به قبل موته.﴾

﴿وإنه لعلم للساعة.﴾

﴿يكلم الناس فى المهد وكهلا.﴾

جیسی آیات سے صاف ظاہر ہے اور جلیل القدر صحابہ اور تابعین سے بھی یہی تفسیر منقول ہے، چنانچہ انہی آیات کی یہ تفسیر ابن عباس، حضرت قتادہ، محمد بن الحنفیہ، حضرت ابن زید (جلیل القدر تابعی، امام مالک اور امام زہری کے استاد) حضرت حسن بصری، حضرت ابومالک (جلیل القدر تابعی) شہر بن حوشب، حضرت مجاہد، حضرت ابورافع حضرت ابوالعالیہ (جلیل القدر تابعی ہیں اور علم قرأت میں صحابہ کے بعد سب سے بڑے امام قرار دیئے گئے ہیں) حضرت عبدالجبار بن عبیداللہ (تابعی)، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ سے مروی ہے۔ (دیکھئے درمنثور، ابن جریر، عمدۃ القاری)

لیکن اگر بالفرض قرآن میں اس کا ذکر نہ ہوتا تو احادیث میں جو حیات عیسیٰ اور نزول عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے ان حادیث کو کیا اس وجہ سے ٹھکرا دیا جاتا کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں ہے؟

اور کیا احادیث کی ایک کثیر تعداد کو صرف اس بنیاد پر رد کرنا کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں، درست ہے؟

اور کیا کسی چیز کا ذکر اگر قرآن میں نہ ہو تو اسے نہیں مانا جائے گا؟

اگر یہی بات ہے تو پھر تعداد رکعات اور دیگر ان تمام چیزوں کا انکار کرنا چاہئے جو احادیث سے ثابت ہیں اور قرآن میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ رہی بات موطا امام

مالک کی! تو اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ جمہور کے ہاں اصح الکتب بعد کتاب اللہ بخاری ہے نہ کہ موطا، لیکن اگر موطا امام مالک کو اصح الکتب مان لیا جائے تب بھی یہ دلیل دینا کہ چونکہ موطا امام مالک میں اس کا ذکر نہیں ہے اس لئے ہم نہیں مانتے، بالکل غلط ہے، کیونکہ دین کے سینکڑوں مسائل و معتقدات ایسے ہیں جن کے متعلق موطا امام مالک میں کوئی حدیث نہیں ہے، لیکن آج تک بشمول مالکیہ کسی نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا ہے کہ فلاں مسئلے کو ہم نہیں مانتے، یا فلاں مسئلہ کمزور ہے اس لئے کہ موطا امام مالک میں اس کے متعلق کوئی حدیث نہیں ہے، کیوں کہ موطا امام مالک میں تو احادیث مرفوعہ کا ایک نہایت مختصر مجموعہ ہے، باقی مرسل روایات، آثار اور اقوال تابعین ہیں اور اقوال بھی صرف وہ جن کا تعلق فقہی احکام یعنی دین کے عملی حصے کے ساتھ ہے، نظری اور اعتقادی قسم کی احادیث تو موطا میں نہ ہونے کے برابر ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس قسم کی بات وہی آدمی کر سکتا ہے جس کا فن حدیث سے کوئی تعلق نہ ہو ورنہ حدیث کے کسی مجموعہ میں کسی حدیث کا نہ ہونا آج تک قابل اعتراض نہیں رہا۔ (حیات عیسیٰ)

امام مہدی کے ظہور اور عیسیٰ کے نزول کا عقیدہ اسلامی نہیں

فکری لکھتے ہیں:

"مہدی کے ورود اور عیسیٰ کے نزول کا عقیدہ نہ تو اسلامی ہے اور نہ محققین مثلاً صاحب موافق وغیرہ کی کتب میں ان کا تذکرہ ہوا ہے۔"

عربی عبارت ملاحظہ ہو:

"وعلاوة على هذا أن المحققين من الأشاعرة لم يعدوا نزول المسيح وإتيان المهدى من جملة ما يجب اعتقاده، على أهل السنة، فلم يذكر هما صاحب المواقف."

(فکری تفسیر الہام الرحمٰن: ج ۲ ص ۵۴ مطبوعہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد) ۸

اسی کے حاشیے میں لکھا ہے:

"إتيان المهدى ونزول عيسىٰ عليه السلام لم يكونا من عقيدة السلف." (ایضاً) ۹

ترجمہ: "مہدی کا آنا اور عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا سلف کا عقیدہ نہیں تھا۔"

مہدی اور عیسیٰ کے متعلق واضح موقف کے باوجود انکار

امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فکریت کا موقف بالکل واضح ہے۔ ان کی درجنوں کتابوں میں اس طرح کے خیالات موجود ہیں مگر وہ جب عوامی حلقوں میں آجاتے ہیں تو سخت قسم کے تقیہ کا مظاہرہ کرتے ہیں، مثلاً جب علماء کرام نے ان کے خلاف ردعمل دکھایا تو فکریوں نے اپنے "ماہنامہ ارگن عزم سیریز ۱۸۴ ماہ دسمبر ۲۰۰۰ جنوری ۲۰۰۱" میں ان تمام حقائق کی مصنوعی تردید کی، مثلاً مہدی کے متعلق لکھا ہے: "مہدی علیہ السلام کا ظہور مستند احایث سے ثابت ہے" جب کہ ان کی ایک بنیادی کتاب "شاہ ولی اللہ اور انکا فلسفہ" میں لکھا ہے کہ وہ مہدی جن کا تذکرہ احادیث میں ہوا ہے، وہ مہدی دراصل خلیفہ مہدی ہیں جو بنو عباس کے خلفاء میں سے گزرے ہیں لہٰذا مستقبل میں کسی مہدی کے لئے انتظار صحیح نہیں ہے جب کہ ان

کے رسالہ عزم میں بھی یہ صراحت موجود نہیں ہے آنے والے کل میں جب مسلمانوں کو سخت نامساعد حالات کا سامنا ہوگا تو اس وقت خدا کی طرف سے آنے والی مقدس نجات دہندہ ہستی حضرت مہدی جو مرسل ہوگی ان کو بھی وہ مانتے ہیں۔ جب کہ اس کی بھی کوئی گارنٹی نہیں کہ آنے والے کل میں وہ خود اپنے اندر میں سے کسی کو مہدی قرار نہ دیں، اس لئے کہ برصغیر کی تاریخ میں اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں کہ مہدی اور مسیح کا انکار کرنے والے خود مسیح اور مہدی بن بیٹھے۔

امام مہدی کے متعلق فکریوں کا اصلی نظریہ سمجھنے کے لئے درج ذیل بیان پر غور کیا جائے:

''شاہ ولی اللہ دراصل امام مہدی کے آنے کے عقیدے کو ختم کرنا چاہتے تھے اور بالواسطہ انہوں نے ایسا کیا بھی۔''

(افادات بلفوظات: ص ۳۵۱، ۳۵۲) ⑩

امام مہدی کا تصور غلط ذہنیت کا آئینہ دار ہے

''مسلمانوں کے دماغ میں یہ خیال راسخ ہو گیا ہے کہ قوم کو پستی سے نکالنے کے لئے کوئی غیر معمولی شخصیت چاہئے اور ضروری ہے کہ یہ شخصیت اعلیٰ طبقہ سے آئے۔ امام مہدی کا تصور دراصل اسی غلط ذہنیت کا آئینہ دار ہے، بدقسمتی سے ڈاکٹر اقبال بھی اس غلط فہمی کا شکار رہے۔'' (افادات وملفوظات: ۵۱۱) ⑪

ذٰلِكَ مِنْ أَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٤﴾ إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٥﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿٤٦﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ ۚ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضٰىٓ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٧﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيلَ ﴿٤٨﴾ وَرَسُولًا إِلٰى بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ۙ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ أَنِّيٓ أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللّٰهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللّٰهِ ۖ

نقص فى الأناجيل فإنها لم تذكر عن مريم شيئا، وهو خطأ أساسى فى تعليم النصارى.

قوله: (ويكلم الناس فى المهد وكهلا ومن الصالحين) فمحل الكلام فى المهد ظاهر. وأما الكلام كهلا فلم يفهم الكثيرون حكمته. فلذلك حملوه على ما بعد النزول من السماء فى آخر الزمان، قرب القيامة، وهذا غير صحيح على نظريتنا.

بل هو بقى فى الدنيا إلى أن صار كهلا، وعلم الناس طريقته، وغفل عن ذلك كتب الأناجيل فلم يذكروه. وما ذكروه من أن بولس رآه فى الرؤيا فذلك تحريف، والصحيح أنه رآه رأى العين فى اليقظة، وعلمه عيسى عليه السلام ما ينبغى تعليمه، ومات عيسى وهو كهل. وهذا من عجائب قدرة الله. فإنه لم يصل إليه

حوالہ نمبر ۹

يد خائنة، ولا استطاع أحد أن يناله بسوء. (١).

(١) فى قوله: (ويكلم الناس فى المهد وكهلا) بشارة لأمه أن يعيش إلى أن يصير كهلا لا تناله يد أثيمة، ولا يموت موتا طبيعيا فى صغره. وعلاوة على ذلك يكون كلامه فى المهد ككلامه، وهو كهل فيعظ الناس ويرشدهم إلى ما فيه صلاحهم، ولذلك قال: ويكلم الناس، ولم يقل. يتكلم فقط. وهذه هى الخصوصية التى يتميز بها عيسى من بين سائر الأطفال. راجع النسفى تحت هذه الآية.

وأما ما يقال من أنه رفع إلى السماء وهو شاب لم يبلغ سن الكهولة فذلك غير صحيح فقد جاء فى انجيل اوقا أصحاح ثالث آية ٢٤ إنه بلغ من العمر ثلاثين سنة حين بدأ يرشد الناس فلابد أنه عاش بعد ذلك أيضا، ويظهر واضحا من الجمل على الجلالين، أن سن الكهولة من الثلاثين إلى الأربعين. فيكون قد بلغ سن الكهولة قبل واقعة محاولة اليهود القبض به وصلبه. ولننقل عبارة الجمل لزيادة الفائدة. قال و سن الكهولة من الثلاثين إلى الأربعين. ووصف بهذه الصفات المتغايرة إشارة إلى أنه بمعزل عن الألوهية. ففيه رد على النصارى كأنه قال لو كان إلها كما زعمتم لما اعتراه هذا التغير من كونه صبيا وكهلا وغير ذلك. شيخنا.. وفى الكرخى وفائدة البشارة بكلامه كهلا والناس فى ذلك سواء البشارة بحياته إلى سن الكهولة، وعدم التفاوت بين كلامه كهلا وكلامه طفلا. فالمعجزة فى انتفاء التفاوت لا فى الكلام فى الكهولة فقط اهـ

وبهذا بطل قول من استدل بهذه الآية الكريمة على نزوله عليه السلام. وقد جاء فى البغوى أن رجلا سئل عن دليل نزوله من القرآن فاستدل بهذه الآية فقط. وقد رأيت أنه ليس فيها دليل على ذلك. وقال الشيخ انور شاه فى شرحه على البخارى ص ١٧٩ ج ٤ إن بعض التابعين (وهب بن منبه) قالوا إن عيسى قدمات. كتبه محمد نور مرشد.

وقد أرجع النسفى فى المدارك ضمير قوله تعالى (و يومنن به) إلى النبى. ومعنى ذلك أن جميع اليهود الموجودين بالحجاز يؤمنون بالنبى قبل وفاته أى يقبلون حكمه و يخضعون له طوعا أو كرها إخراجا أو إماتة.

فإذا كان كذلك فلاحاجة لنا إلى القول بنزول المسيح و إنه يؤمن به أهل الكتاب بعده و إن ذلك نصا يتلى فى كتاب الله بل إن ذلك من استنباطات بعضهم أو رأى موافق لرواية فقط. فنحن ندع هؤلاء ورأيهم من غير معارضة ولهم أن يعتقدوا ماشاؤا.

ولكن إذا قمنا فى مجتمع بين الأمم ندعو الناس إلى القرآن لايقدر أحد أن يقول لنا أنتم بحكم القرآن منتظرون للمسيح مثل انتظارنا له من قبل فانتظروه معنا، لأننا نقول لهم نعم تنتظر طائفة من المسلمين نزول المسيح ولكن ليس ذلك بحكم القرآن و أنا إنما أدعوكم إليه لا إلى غيره.

وقد جربنا أنه إذا جوزنا انتظار نزول المسيح بنص القرآن فإننا عندإذ لانقدر على دعوة الناس إلى القرآن لاللمسلمين ولالغيرهم. ونحن بحمدالله قدرنا على فهم القرآن، ولم نرفيه ذكر نزول المسيح، ونعد ذلك من فضل الله علينا. تمت النتمة.

الفصل العاشر من سورة النساء فى الإنذار بالإنقلاب لإنشاء الاجتماعية الصالحة للعالم. وذلك من آية (١٧٠) إلى آخر السورة.

قوله (يا أيها الناس قد جاءكم الرسول). يعنى أن النظام الذى تقرر فى حظيرة القدس و قضى به و إن الله قد رضيه لكم أخبركم به الرسول. فإن أصلحتم أنفسكم على وفقه وسرتم على منهاجه فإن الله يرحمكم برحمته، ولاتتعبوا أنفسكم إذا أخذتم بهذا التعليم و إن كان

سکیں گے اور ان کی اصلاح کرنا گوارہ نہیں کریں گے۔ {۱۵۱} **حوالہ نمبر 3**

عرض[۱۳۶] قانونِ الٰہی (قرآن) دیا گیا تو اس کے ساتھ حکمت بھی دی گئی، (یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ) تاکہ قانون کی رُوح کو سمجھ سکیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان اس قانون اور اس کی رُوح کو سمجھ کر اس پر عمل کرتے مگر جب حکومت عجمیوں کے ہاتھ آگئی تو صرف قانون رہ گیا اس کی حکمت کی رُوح سے غافل ہو گئے، صوفیاء کرام کی جماعت پیدا ہوئی انہوں نے حکمت کی رُوح کو دوبارہ زندہ کیا، قانون نگران فقہا نکلے، اور حکمت کی رُوح کے نگران صوفیاء کرام تھے، غرض اب یہود میں صرف فقیہ تھے جو قانون کی ظاہر صورت کو لیتے تھے اور قانون کی حکمت کی رُوح ان سے غائب ہو چکی تھی اس لئے وہ اس قانون کو سمجھ ہی نہ سکے۔

(۱۳۶ قانون کی رُوح (حکمت) کو دوبارہ زندہ کرنے کی اہمیت)

فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا يَفْهَمُوْنَ روح حكمة القانون۔

یعنی بہت قلیل یہود ایسے ہیں جو قانون کی حکمت کی رُوح سمجھتے ہوں۔

غرض[۱۳۷] اب مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم قانون کے ساتھ قانون کی رُوح کی حکمت کو بھی سمجھو ورنہ یہود کی طرح قانون کی حکمت کی رُوح نہ سمجھنے کی وجہ سے تم بھی برباد ہو جاؤ گے، سمجھایا جاتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اسی طرح حکیمانہ طور پر سمجھانے کے لئے آئے تاکہ یہود کو قانون کی رُوح بتلائیں مگر وہ نہ ماننے کے باعث راندے گئے۔

(۱۳۷ یہود کی علم و حکمت سے محرومی کی تعلیم "انکرات")

(۱۵۶) وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ الآية چاہیئے[۱۳۸] تو یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام پر بچپن میں الزام لگاتے، مگر ان کو اس وقت اس کی غیر فطرتی پیدائش کے متعلق تسکین ہو گئی، مگر اب جب اس نے نبی ہو کر ان کی اصلاح شروع کی تو اس پر بہتان باندھا۔

(۱۳۸ عیسیٰ پر بہتان کیوں)

(۱۵۷) وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ الآية[۱۳۹] اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام ان کی شریعت کے تبدیل کرنے کا حکم دیتے ہیں (یہ) اس کے قتل کا فتویٰ دیتے ہیں۔

(۱۳۹ یعنی کو سولی دینے کی حقیقت)

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ تاویلیں کر کے باتیں بناتے ہیں مگر کسی کو یقین نہیں ہے۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ یعنی یہود جو کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح جان سے مار ڈالا یہ بھی غلط ہے اور نصرانی جو کہتے ہیں کہ ان کو صلیب پر چڑھایا گیا یہ بھی غلط ہے۔

وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ بلکہ واقعات بے شبہ ایسے مشتبہ پیدا ہو گئے جس سے کہ یہ اس قسم کا خیال بنا سکتے تھے۔

اِخْتَلَفُوْا فِيْهِ الآية غرض شک میں یہود و نصاریٰ کے قول میں ہے

(۱۵۸) بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ :۔ جس[۱۴۰] طرح تمام بزرگ لوگ اللہ کی طرف اٹھائے جاتے ہیں اسی طرح اللہ نے ان کو بھی اپنی طرف اٹھا لیا۔ یہ انسانیت کا عام قاعدہ ہے کہ جس بزرگ کی قبر مشتبہ ہو جائے (یعنی اس بزرگ کی قبر معین نہ ہو اور لوگوں نے اس بزرگ کو کھلے طور پر دفن ہوتے نہ دیکھا ہو) تو اس کی متعدد جگہوں پر یا تو قبریں بنا لی جاتی ہیں اور یا کہا جاتا ہے کہ وہ آسمان پر چلا گیا۔ مسلمانوں کو اس کی مثال حضرت علیؓ امیر المومنین کی شہادت کے بعد اچھی طرح ملتی ہے، آپ کو ایک خارجی (فسادی) نے قتل کیا تھا اور مسلمانوں کو ڈر تھا کہ حضرت علیؓ

(۱۴۰ مسیح کے اٹھائے جانے کی حقیقت اور اس کی تاریخی مثال)

حوالہ نمبر 4

واسطہ بناتے ہیں۔ ہندوؤں سے مصریوں نے لیا، زر مصریوں سے یہود نے لیا۔ اب دوسرا خیال یہ ہندوؤں سے یہود نے لیا۔ ان قوموں کے اتصال کا کون سا مقام ہے۔ ہمیں ان کی کوئی بات نہیں ہے اور اگر یہ نظریہ صحیح بھی مان لیا جائے تو ہماری رائے میں مقام اتصال کشمیر ہو جاتا

(۱۲) ہندوؤں کی دونوں تہذیبوں کا (ویدک دھرم اور بدھ) اپنے اپنے زمانہ میں کشمیر میں بڑا مرکز ہندو لٹریچر میں "اندر" بہشت کے راجہ کا نام ہے۔ بعینہٖ جیسے اسلام نے "رضوان" نام کا فر جنت کا خادم مان رکھا ہے۔ تاریخی تحقیق یہ ہے کہ "اندر" جس کا ہندو لٹریچر میں نام ہے وہ کشمیر کا تھا اور کشمیر کو آج تک جنت نظیر کہا جاتا ہے۔

(۱۳) اسلامی لٹریچر میں بھی اس کے قریب قریب ملتی ہے کہ آدم جب جنت سے نکالے گئے تو روایت یہ ہے کہ وہ اس کے بعد سراندیپ پہنچے۔ "نسمۃ المرجان" میں آزاد بلگرامی نے تفسیروں کی روایات نقل ہیں اور اسی طرح ایک دوسری کتاب "آکام المرجان" ہے۔ ان دونوں کتابوں میں ایسی روایات ملتی ہیں کہ آدم فوت ہونے لگے تو ان کا جی چاہتا تھا کہ ان کو اس جنت کے باغ کا سیب ملے۔ غرض ان کی طبیعت کی خواہش دیکھ کر ان کی اولاد میں سے چند آدمی شمال کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں انہیں فرشتے نے بتلایا کہ تمہارا باپ فوت ہو گیا ہے۔ اس واسطے سیب کی تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ہندوستان میں کشمیر سے زیادہ بہتر سیب کہیں نہیں ملتا۔ اگرچہ ان روایات کو ہم خرافات کا درجہ دیتے ہیں مگر بعض اوقات ان کی تہ میں بڑی حقیقتیں آجاتی ہیں۔

(۱۴) جس وقت اسلام کشمیر میں آگیا اس وقت کشمیر میں بدھوں کی حکومت تھی اور یہی حالت سندھ کی تھی کہ وہاں جب اسلام آگیا۔ اس وقت وہاں زیادہ تر بدھ تھے اور یہ دونوں ملکوں اسلام سے معمور ہو گئے۔ بدھ میں اسلام قبول کرنے کی استعداد زیادہ تھی اور دونوں ملکوں (کشمیر اور سندھ) میں مسلمانوں کے بڑے بڑے صوفی پیدا ہوئے تو جو اسلام ایک مسلمان صوفی پیش کرے گا اسے ایک بدھ صوفی بہت جلد قبول کرے گا۔

اب اگر ہمارا یہ خیال صحیح مان لیا جائے تو مسیح علیہ السلام کی زندگی کا جو غائب حصہ ہے

اسے اس طرح حل کیا جائے کہ حضرت مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کی گم شدہ بھیڑوں کی تلاش میں کشمیر تک پہنچے اور اسی طرح ان دونوں مذاہب (ویدک دھرم اور بدھ مت) سے اتصال ہوا اور اس کے بعد مسیح علیہ السلام جو تعلیم یہود کی اصلاح کے لئے پیش کرتے ہیں وہ اسی طرح کی ہے جیسے کہ گوتم بدھ نے ہندوؤں کی اصلاح کے لئے پیش کی تھی۔ اسی طرح کی مناسبت پر نظر کرنے سے ایک قسم کا تخیل بن سکتا ہے۔ اس تفصیل کا اجمال سورۂ مائدہ آیت نمبر ۶۹ پ ۶ میں مل سکتا ہے۔ ۱۲

قوله : (و اذ قال الله يا عيسى انى متوفيک ورافعک الى ومطهرک من الذين كفروا) الاية(٥٥)

و معنى متوفيك مميتك. وأما ما شاع بين الناس من حياة عيسى عليه السلام فهى أسطورة يهودية و صابئية. و قد شاعت بين المسلمين بعد مقتل عثمان رضى الله عنه بواسطة أنصار بنى هاشم من الصابئة، و من اليهود الموالين لعلى بن أبى طالب لالحبه بل إنما أشاعوها بين المسلمين بغضا فى الإسلام و أهله، بين من لم يتدبر معنى قوله تعالى: (هو الذى ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله). واتخذها عقيدة ولايفهم معنى هٰذه الآية الكريمة إلا من يتقن الإجتماعية العامة، و يكون ما هرا فيها.

وأما من يؤمن بتلك الروايات، ويأتوننا بها فهم أبعد الناس من العلوم الإجتماعية، وإذا كانوا جاهلين بمعنى هٰذه الآية الشريفة، فإنهم يقبلون تلك الروايات، و يتأثرون بها.

ولا يخفى أن مرجع العلوم الإسلامية بأسرها، ومنبعها هو القرآن العظيم، وليس فيه آية تدل صراحة على أن عيسى لم يمت، وإنه حى سينزل إلا الاستنباطات، وتفسيرات من البعض، ولا يخلو ذلك من شكوك وشبه. وما كان بهٰذه المثابة كيف يمكن أن نتخذه مبنى عقيدة إسلامية؟

وأصح الكتب بعد كتاب الله عندنا على الصحيح هو موطا الإمام مالك (١) وليس فيه شىء يدل على ذلك. وإن كان عند عامة

(١) وممن قال إنه أصح الكتب بعد كتاب الله الإمام الشافعى

(البقية على الصفحہ

السوال يرجع إلى زمان قال الناس فيه إن عيسى أمرهم أن يتخذوه هو وأمه إلٰها. وهٰذا القول لم يحدث فى النصرانية إلا بعد المائة الأولى من تاريخها. فإن هٰذه العقيدة بهٰذه الصفة لم تكن من قبل.

وعيسى عليه السلام ينكر فى جوابه وقوع هٰذا الحادث فى حياته حيث يقول (وكنت عليهم شهيداً ما دمت فيهم). يعنى أن تبعة نشر هٰذه العقيدة لا تقع علىّ إلا إذا كان وقع ذلك فى حياتى ولكن لم يكن وقع شىء من ذلك فى حياتى. (فلما توفيتنى) معناه أن مسئولية تلك العقيدة مرفوعة عنى، وإنه إنما حدث ذلك بعد أن توفيتنى.

وبغير هٰذا التفسير فإن الجواب لا يطابق السوال.

نرجع إلى كتاب التفسير من البخارى فى تفسير سورة المائدة باب ما جعل الله من بحيرة ولا سائبة قبل باب وكنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم. الآية.

ذكر فى الباب الأول ثم قال ابن عباس متوفيك ممتك. جعله تفسيرا لقوله فلما توفيتنى. وهٰذه الوفاة لا يمكن حملها أصلا على التى تتوهمها العامة أنها سوف تكون بعد مرور الاف السنين وبعد نزوله. فإن الوفاة ترفع مراقبته لبنى إسرائيل، وعدم المسئولية عليه. وقد حدث ذلك بعد المائة الأولى من النصرانية. لأن تلك العقيدة الفاسدة إنما حدثت بعدها.

وهٰذا تفنن من الإمام البخارى بعد نقله ذلك التفسير من ابن عباس لافى ال عمران بل فى مكان اٰخر إذا الناس يؤولون قوله متوفيك على إماتته بعد النزول، وقد يجعلون الآية بغير ترتيبها فيقولون (رافعك

قوله : (و اذ قال الله يا عيسى انى متوفيك ورافعك الى ومطهرك من الذين كفروا) الاية(٥٥)

و معنى متوفيك مميتك. وأما ما شاع بين الناس من حياة عيسى عليه السلام فهى أسطورة يهودية و صابئية. و قد شاعت بين المسلمين بعد مقتل عثمان رضى الله عنه بواسطة أنصار بنى هاشم من الصابئة، ومن اليهود الموالين لعلى بن أبى طالب لالجبه بل إنما أشاعوها بين المسلمين بغضا فى الإسلام و أهله، بين من لم يتدبر معنى قوله تعالى: (هو الذى ارسل رسوله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله). واتخذها عقيدة ولايفهم معنى هٰذه الآية الكريمة إلا من يتقن الإجتماعية العامة، و يكون ما هرا فيها.

وأما من يؤمن بتلك الروايات، و يأتوننا بها فهم أبعد الناس من العلوم الإجتماعية، و إذا كانوا جاهلين بمعنى هٰذه الآية الشريفة، فإنهم يقبلون تلك الروايات، و يتأثرون بها.

ولا يخفى أن مرجع العلوم الإسلامية بأسرها، ومنبعها هو القرآن العظيم، وليس فيه آية تدل صراحة على أن عيسى لم يمت، و إنه حى سينزل إلا الاستنباطات، وتفسيرات من البعض، ولا يخلو ذلك من شكوك وشبه. وما كان بهٰذه المثابة كيف يمكن أن نتخذه مبنى عقيدة إسلامية؟

وأصح الكتب بعد كتاب الله عندنا على الصحيح هو موطا الإمام مالك (١) وليس فيه شيء يدل على ذلك. وإن كان عند عامة

(١) وممن قال إنه أصح الكتب بعد كتاب الله الإمام الشافعى كما

(البقية على الصفحة الآتية)

إلى و متوفيك) فأراد الإمام البخارى أن لا يحرفوا هٰذا التفسير. فنقل قول ابن عباس فى تفسير سورة المائدة حتى لا يمكن حمله على مابعد النزول. فصار معنى هٰذا الكلام أنه إشارة من الإمام البخارى إلى أن متوفيك مميتك. وقد وقع هٰذا فى المائة الأولى. وهل يعد روايته لحديث أبى هريرة الذى ذكرناه من جملة الأصول المتفق عليها؟ كلا بل هو مما ذكره وضعفه و إن كان هٰذا مما لا يتنبه له الورا قيون من أهل الحديث، و إنما يتنبه له من يجعل البخارى كشرح لموطا مالك. والإمام مالك لم يخرج فى الموطا أحاديث النزول، و إنما أخرج فيه حديث رؤيا رسول الله صلعم عيسى فى الطواف فقط لأنها ضعيفة فى المعنى.

وعلاوة على هٰذا أن المحققين من الأشاعرة لم يعدوا نزول المسيح و إتيان المهدى من جملة ما يجب اعتقاده على أهل السنة، فلم يذكرهما صاحب المواقف، ولم ينتقد عليه الشراح، وكذلك لم يذكرهما العضد، و لم ينتقد عليه المحقق الدوانى. اذاً فليست المسألة إلاّ ممن لم يتدبر فى العلوم كما حقه والله أعلم. (١)

قوله (انى متوفيك) قال ابن عباس مميتك ذكره البخارى فى المائدة كما مر ولا يمكن تاويله حسب ما يؤوله العامة.

قوله (ورافعك إلى) مثل قوله إليه يصعد الكلم الطيب و العمل

(١) إتيان المهدى و نزول عيسى عليه السلام لم يكونا من عقيدة السلف كما نبه على ذلك العلامة ابن بدران الدمشقى فى التمدخل إلى مذهب احمد بن حنبل عند ذكر كتب عقائد الحنابلة. فقد أنكر أن يكون إتيان المهدى من عقيدة السلف صراحة و نزول عيسى إشارة. كتبه محمد نور.

حوالہ نمبر 10

351.

جماعت یعنی پارٹی ہے۔ رسول اللہ صلعم کی حکومت محمد رسول اللہ والذین آمنوا معہ کی حکومت تھی۔ آپؐ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین "السابقون الاولون من المہاجرین والانصار" ہوئے۔ انہوں نے ابوبکرؓ کو امیرالمومنین چنا، وہ امیرالمومنین بن گئے۔ اگر وہ علیؓ کو چن لیتے تو وہ امیرالمومنین بن جاتے۔ میں فضیلت شخصی کا مسئلہ قائل نہیں۔

مولانا نے فرمایا:۔ امام مہدی کے آنے کا ذکر کتابوں میں تو صدیوں سے چلا ہی آتا ہے، سید احمد صاحب کے دعویٰ مہدیت کے بعد امام مہدی کا عوام میں بھی بڑے زوروں سے چرچا ہونے لگا۔ انگریز اس سے ڈرنے لگے۔ کیونکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جب امام مہدی آئیں گے تو تمام کافروں کا صفایا ہو جائے گا۔ مسلمان پہلے کی طرح سب پر غالب آئیں گے اور تمام دنیا پر ان کی حکومت ہوگی۔

مولانا کا کہنا تھا کہ ایک طرف سید احمد صاحب کی شہادت کے بعد مسلمانوں میں مایوسی پھیلی ہوئی تھی۔ دوسری طرف انگریز کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ کوئی اور مہدی بن کر ان کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکا دے گا۔ ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو اس گورکھ دھندے سے نکالا جاتا، سرسید نے امام مہدی کے آنے کے بارے میں روایات کی تنقید کی اور ثابت کیا کہ مہدی کے آنے کا عقیدہ بے سروپا اور غلط ہے۔ چنانچہ اب مسلمانوں کو کسی مہدی کے آنے کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔

اس قسم کے روایاتی ماحول اور امام مہدی کے انتظار کی فضا میں مرزا غلام احمد نے مہدی کے آنے اور نزول مسیح کے عقیدے پر بحث کی۔ اب بجائے اس کے کہ وہ سرسید کی طرح ان روایات کو موضوع قرار دیتے جیسی کہ وہ ہیں، وہ خود مہدی اور مسیح بن گئے اور اس طرح ایک لغویت کی جگہ دوسری لغویت پیدا ہو گئی۔

مولانا نے فرمایا:۔ پنجاب میں صحیح الفکری نہیں۔ اور اب تک جو یہاں فکر پیدا ہوئے ان میں بالعموم سلامت روی اور توازن کی کمی ہے۔ جیسے اہل قرآن، علامہ مشرقی، جماعت احمدیہ یہاں تک کہ علامہ اقبال بھی۔ جماعت اسلامی کو بھی فروغ یہیں ہوا۔

مولانا سندھی کی رائے میں شاہ ولی اللہ دراصل امام مہدی کے آنے کے عقیدے

کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اور بالواسطہ انہوں نے ایسا کیا بھی۔ لیکن ہوا یہ کہ ان کے ماننے والوں میں سے ایک بزرگ کو مہدی بنا دیا گیا۔ سچی بات یہ ہے کہ خود سید صاحب کی طبیعت میں یہ رجحان موجود تھا۔ میں تم سے کہوں، میں شاہ اسماعیل شہید کو اتنا بڑا آدمی نہیں سمجھتا بڑائی تو احساس عظمت کا نام ہے اور جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے، وہ کس طرح سید احمد صاحب کا اتنا نیاز مند اور عقیدت کیش ہو سکتا ہے۔ شاہ اسماعیل صاحب سید صاحب کا حد سے زیادہ احترام کرتے تھے۔ اور میرے خیال میں اسی بات سے سید صاحب میں مہدی و امام بننے کی تحریک ہوئی۔ اب میں ان بزرگوں کی مدافعت میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس زمانے میں عوام سیدوں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ اور چونکہ شاہ اسماعیل صاحب عوام میں کام کرتے تھے، اس لیے انہیں عوام کے جذبات و رجحانات کا خیال کرنا پڑتا تھا۔ یوں بھی دور زوال میں شخصی عقیدتوں پر زیادہ زور ہوتا ہے۔

مولانا نے ایک دفعہ فرمایا، میں نے اپنے بزرگوں (حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈی شریف والے) سے سنا ہے کہ سید صاحب اکثر نیچی نظریں رکھتے تھے۔ اور مراقبہ میں رہتے تھے۔ وہ چلتے پھرتے بھی تو ایک خاص کیفیت میں مستغرق ہوتے۔ بے شک وہ بڑے صاحب کشف بزرگ تھے اور ان میں غیر معمولی کشفی قوت تھی۔

ہمارے انہی بزرگوں کا بیان ہے کہ سید صاحب سندھ میں تھے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے ایک حدیث کی وضاحت چاہی۔ سید صاحب نے شاہ اسماعیل کو بلایا۔ وہ اس وقت اونٹوں کو چرا رہے تھے۔ شاہ صاحب آئے تو ان کے کندھوں پر اونٹوں کی مہاریں تھیں۔ انہوں نے مرشد کے ارشاد کی تعمیل کی اور پھر واپس اونٹوں کو چرانے چلے گئے۔

سید احمد صاحب کی شہادت کے بعد ان کی سرحد پار جو جماعت تھی اس کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے کہا:۔

سید صاحب بالاکوٹ میں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد مولانا ولایت علی نے یہ عقیدہ پھیلایا کہ وہ شہید نہیں ہوئے بلکہ روپوش ہو گئے ہیں۔ مولانا نے بتایا کہ کابل

511

اشراف پرستی

حوالہ نمبر 11

یہ ۱۹۴۲ء کا ذکر ہے۔ مولانا سندھیؒ لاہور آئے ہوئے تھے اور مولانا احمد علی صاحب کے ہاں قیام فرما تھے۔ ظہیر الدین صاحب، جنہوں نے انہی دنوں مولانا سندھی کی ایک کتاب[1] شائع کی تھی اور راقم الحروف نے صلاح کی کہ مولانا کی ایک بڑے سائز کی تصویر تیار کرائی جائے جس کے نیچے علامہ اقبال کے "مثنوی پس چہ باید کرد" میں "مرد حرّ" کے عنوان سے جو اشعار ہیں، ان میں سے چند شعر دیئے جائیں۔ اور تصویر کی اشاعت کی جائے۔ ہم دونوں اجازت لینے خدمت میں حاضر ہوئے۔ مولانا کی طبیعت ناساز تھی، بخار تھا اور ساتھ ہی بڑے زور کی کھانسی آ رہی تھی۔ اس کے باوجود سلسلۂ گفتگو شروع ہو گیا۔ اسی کے دوران میں ظہیر صاحب نے بڑی عقیدت و انکسار سے اس خیال کا اظہار کیا اور آپ سے اجازت چاہی۔ یہ سننا تھا کہ مولانا بگڑ گئے اور بڑے جوش میں کہنے لگے کہ میں اپنی تصویر ان اشعار کے ساتھ شائع کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔ مسلمانوں کے دماغ میں یہ خیال راسخ ہو گیا ہے کہ قوم کو پستی سے نکالنے کے لیے کوئی غیر معمولی شخصیت چاہیئے اور ضروری ہے کہ یہ شخصیت اعلیٰ طبقے سے آئے۔ امام مہدی کا تصور دراصل اسی غلط ذہنیت کا آئینہ دار ہے۔ بدقسمتی سے ڈاکٹر اقبال بھی اسی غلط فہمی کا شکار رہے[2]۔ یہ تصور بڑا مضرت رساں ہے اس سے قوم میں اپاہج پن پیدا ہوتا ہے اور وہ کسی آنے والے کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی رہتی ہے۔ میں اس ذہنیت کو ختم کرنا

---

[1] مولانا کی یہ کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" پہلی بار اردو بک سٹال لاہور سے ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی۔

[2] "ضرب کلیم" میں مہدی کے متعلق علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

مجذوب فرنگی نے بانداز فرنگی — مہدی کے تخیل سے کیا زندہ وطن کو
اے وہ کہ تو مہدی کے تخیل سے ہے بیزار — فردا نہ کر آجوئے شکیبی سے حزن کو
دنیا کو ہے اس مہدی برحق کی ضرورت — ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالم افکار

انکارِ حدیث کے جراثیم

حدیث سے انکار

حدیث وحی مستقل نہیں بلکہ پیغمبر کی ذہنی اختراع اور اجتہاد ہے۔ حدیث کو وحی بنا کر قرآن کی تحقیر کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"قرآن نے اجتماعی سیاست کے تناظر میں تدبیر منزل کے اساسی قوانین بدرجہ اتم و اوفر دیئے تھے۔ مسلمان اپنی فہم و فراست کے لحاظ سے ایک مصیبت میں پڑ گئے اور وہ یہ کہ انہوں نے وحی کو قرآن میں منحصر نہیں سمجھا اور قرآن کی متابعت رسول پر لازمی اور ضروری نہیں گردانی اور وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ پیغمبر جس چیز پر عمل کرتے وہ قرآن سے مستنبط اور مستخرج تھی [یعنی وہ قرآن سے استخراج کرتے تھے] اسی وجہ سے کہ مسلمانوں نے وحی کو قرآن میں منحصر نہیں سمجھا، ان کے افکار، خیالات اور علوم میں انتشار اور لامرکزیت پیدا ہوگئی۔ جب بھی وہ کوئی روایت دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور اس کو اپنی آخری سند سمجھ لیتے ہیں۔"

عربی متن ملاحظہ ہو:

"وأسس قانون السياسة الاجتماعية في أمور تدبير المنزل على أكمل.قانون وأوفر إتقان، ولكن البلاء الذى وقع فيه المسلمون فى تدبرهم هو أنهم ما

حصروا الوحی فی القرآن، وما جعلو اتباع هذا الکتاب فرضا علی النبی، وما فهموا أن کل ما عمل به النبی علیه الصلوة والسلام إنما کان مستنبطا من القرآن ومستخرجا، فحدث فی علمهم الفوضیة فإنهم کلما رأوا روایة ثابتة اوضعیفة جعلوها آخر مستند اتهم فی أمور هم" (الہام الرحمٰن: ج۱ص۲۶۶) ❶

یہ حوالہ تنظیم فکر ولی اللّٰہی کی بنیادی کتاب "تفسیر الہام الرحمٰن" سے پیش کیا گیا ہے۔ فکر ولی اللّٰہی کے تمام سالانہ دور ہائے تفسیر اس کتاب اور تفسیر "المقام المحمود" کے اردگرد گھومتے ہیں۔ ان جیسے نظریات کو ولی اللّٰہی علوم اور معارف کا نام دے کر مسلم نوجوانوں کو سکھانے کی تگ وتاز میں لگے رہتے ہیں۔

ایک اور مقام پر فکری لکھتے ہیں:

"مگر اہل علم کی ایک جماعت ہے جو اس آیت "وما ینطق عن الهوی" کو صرف قرآن سے مخصوص نہیں مانتی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال کو ایک طرح کی وحی ثابت کرنے پر زور دیتی ہے۔ اس کے نزدیک "وما ینطق عن الهوی" صرف قرآن کی نقل کرنے پر محدود نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول "وما ینطق عن الهوی" میں داخل ہے اور اس کے خیال میں اس کو "إن هو إلا وحی یوحی" میں وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک حدیث کی اصل بھی وحی ہی سے ثابت ہے۔ ان کے خیال میں قرآن اور حدیث میں اگر فرق ہے تو فقط الفاظ کا، قرآن کے الفاظ وحی سے معین ہیں اور حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے طبعی ملکہ کا نتیجہ ہیں لیکن جہاں تک دونوں کے
معانی کا تعلق ہے ان کے نزدیک وہ سب کے سب وحی ہیں"

(شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ:۱۰۴) ۴

اہل علم کی ایک جماعت کہاں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے لے کر آج تک تمام مسلمان اور موجودہ دور میں مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر (سوائے منکرین حدیث کے) اس بات پر متفق ہیں کہ احادیث وحی (خفی یا غیر متلو) ہیں، اس میں تو سرے سے کسی کا اختلاف ہی نہیں۔ پھر صحابہ کرام کے دور سے لے کر آج تک کے علماء وفقہاء اور محدثین کو اہل علم کی "ایک جماعت" کہہ کر مسلمانوں کو دھوکہ دیا جا رہا ہے کہ گویا اس "ایک جماعت" کے علاوہ باقی سب مسلمان احادیث کو وحی نہیں مانتے۔ فکریوں نے جس سفر کا آغاز احادیث کو اجتہاد قرار دینے سے کیا ہے دیکھتے رہیں کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے؟ آخر وہ کون سے عوامل ہیں جن کی بنیاد پر یہ احادیث کو اجتہاد قرار دینے پر مصر ہیں؟ افکار کی یہ شعاعیں کس مرکز فکر سے پھوٹتی ہیں؟ اور فکری کن کے خوشہ چین ہیں؟ یہ سمجھنا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔

کتب احادیث تورات وانجیل جیسی ہیں

مسلمانوں کی کتب احادیث اہل کتاب کی کتب تورات اور انجیل کی طرح ہیں۔ فکر ولی اللّٰہی کے کرتوں دھرتوں نے ہماری کتب حدیث اور اہل کتاب کی تورات، انجیل مساوی قرار دے دیئے۔ ملاحظہ فرمایئے:

"ہم نے بڑی محنت سے طرفین [مسلمانوں اور یہود ونصاریٰ]
کی کتابوں کا مطالعہ کیا، آخر کار اس نتیجہ پر پہنچے کہ کتب مقدسہ
کے ترجمے جو ہمارے شہروں میں ہیں وہ بمنزلہ ہماری احادیث
کی کتابوں کے ہیں۔ ان میں صحیح اور غلط دونوں ہیں لیکن تصحیح

ممکن ہے اور غلط الگ کیا جا سکتا ہے۔"

(الہام الرحمٰن: ج ۱ ص ۴۳۴، ناشر ادارہ بیت الحکمۃ جھنگ روڈ کبیر والا ملتان) ۳

مذکورہ بالا حوالے کے ضمن میں تھوڑے فاصلے کے ساتھ درج ہے:

"دوسری قوموں کی کتب الٰہیہ کا درجہ ہماری احادیث کی کتب سے کم بھی نہیں۔" (حوالہ بالا)

ان کی ایک اور کتاب میں لکھا ہے:

"عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ اس مذہب کے علماء اور ائمہ خود اپنے اجتہاد سے کتب الٰہیہ کو جمع کرتے تھے۔ ان میں نبی کی سیرت اور اس کے اقوال ہوتے، نیز ان کتابوں کے ضمن میں وہ باتیں آجاتی تھیں جو براہ راست لفظاً اور معناً وحی کی صورت میں اس نبی پر نازل ہوتیں۔ اس کی مثال میں توراۃ کے دس احکام اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض خطبے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ وحی کے ان ٹکڑوں کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا کتابوں میں وہ چیزیں بھی آجاتی تھیں جن کو نبی اپنے اجتہاد سے لوگوں کو تعلیم دیتا تھا اور یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ اگر نبی کے اجتہاد پر اللہ کی جانب سے گرفت نہ ہو تو نبی کا اجتہاد حکماً وحی سمجھا جائے گا۔ پہلے ادیان کی ان کتب مقدسہ کی مثال ہمارے ہاں کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم ایسی کتب احادیث کی سمجھئے۔"

(شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ: ۱۰۱) ۴

کتب احادیث کو اناجیل کے مساوی قرار دے کر کیا مقاصد حاصل کئے جا رہے ہیں؟ قارئین جان چکے ہوں گے!

واضح رہے کہ منکرین حدیث بھی حدیث کے انکار سے پہلے کتب احادیث کو

تورات و انجیل کے مساوی قرار دیتے ہیں اور پھر دوسرے مرحلے پر حدیث کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ فکری حضرات بھی یہی کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ پہلے انہوں نے احادیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد قرار دیا، اب انہیں تورات و انجیل کے مساوی قرار دے کر پورے ذخیرہ احادیث کو مشکوک ٹھہرا رہے ہیں اور بالآخر احادیث کا طوق ہی اپنی گردن سے اتار پھینکتے ہیں۔

چنانچہ اسی کتاب میں تھوڑا سا آگے چل کر لکھتے ہیں:

''قرآن اور حدیث میں الفاظ کے اس فرق کے علاوہ اہل علم کی یہ جماعت ایک اور فرق کو بھی مانتی ہے اور وہ یہ کہ ایک تو قرآن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مصحف میں لکھ کر محفوظ کر دیا گیا، دسرے اس کی روایت اور نقل میں اس قدر تواتر ہے کہ اس کی کسی آیت میں ادنی سے رد و بدل کا بھی شائبہ ممکن نہیں۔ لیکن اس کے برعکس جو وحی بقول ان کے احادیث میں صورت پذیر ہوئی اس کی ان اہل علم کے نزدیک بھی نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتابت ہوئی اور نہ اس کے بیان اور نقل میں تواتر قائم رہ سکا۔ الغرض اگر حدیث کو ان اہل علم کے دعوے کے مطابق براہ راست مستقل وحی کا حاصل مان بھی لیا جائے تو اس حالت میں بھی اگر سابقہ کتب مقدسہ یعنی تورات اور انجیل کو کتب حدیث کے درجے پر رکھا جائے تو یہ بات تسلیم کرنے میں ان کو تأمل نہیں ہونا چاہئے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہماری حدیث کی کتابوں میں بھی غیر صحیح روایات موجود ہیں بالاتفاق سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ نیز ان کتب حدیث میں ایک واقعہ کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے،

پھر ہماری کتب حدیث میں بھی کاتبوں سے غلطیاں ہوتی رہیں جن کو محققین علماء برابر درست کرتے رہے۔ ان باتوں کے پیش نظر اگر انجیل کی چار کتابوں کو صحاح اربعہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد اور ترمذی کے درجے پر مان لیا جائے تو ذرہ برابر اختلاف نظر نہ آئے گا۔" (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ: ۱۰۴، ۱۰۵) ۵

یعنی احادیث کی نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتابت ہوئی اور نہ ہی ان کے بیان میں نقل وتواتر قائم رہ سکا بلکہ ایک حدیث جب ہم تک پہنچتی ہے تو وہ اصل کی بجائے کچھ کی کچھ ہو چکی ہوتی ہے اور یہ کہ ہماری حدیث کی کتابوں (بشمول صحیحین) میں غیر صحیح روایات بھی ہیں، جس کی وجہ سے سارا کا سارا ذخیرۂ احادیث مشکوک، ناقابل اعتماد اور مردود ہے ع

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

حدیث وحی مستقل نہیں اور نہ شریعت کا مأخذ ہے

پروفیسر سرور صاحب لکھتے ہیں:

"دین صرف قرآن میں منحصر ہے اور قرآن ہی دین کا قانون اساسی ہے اور آیت "وما ینطق عن الھوی" سے مراد صرف قرآن مجید ہے۔ حدیث قرآن سے مستنبط ہے اور فقہ حدیث سے استنباط کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید سے خود سمجھ کر (جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں) یا مستقل وحی سے اخذ کر کے (جیسا عام اہل علم کہتے ہیں) قرآن پر عمل کرنے کا مفصل پروگرام بنایا جسے علماء حدیث نے بڑی محنتوں سے دوسو برس کے عرصہ میں جمع کیا۔ مولانا کا کہنا

یہ ہے کہ اسلام کی اساسی تعلیم قرآن شریف میں منضبط ہے اور وہ غیر متبدل رہے گی لیکن جہاں کہیں کسی تعلیم پر عمل ہوتا ہے تو مخاطبین کی حالت کے مطابق چند تمہیدی قوانین بنائے جاتے ہیں۔ تعلیم اساسی تو غیر متبدل ہوتی ہے لیکن تمہیدی قوانین ضرورت کے وقت بدل سکتے ہیں۔"

(حالات، تعلیمات، سیاسی افکار: ۲۶۸، ۲۶۹) ⑥

گویا حدیث نہ تو وحی مستقل ہے اور نہ ہی اساسی تعلیم ہے بلکہ یہ چند تمہیدی قوانین تھے جن کی حیثیت اب تاریخی مثالوں سے زیادہ نہیں۔ اور موجودہ دور میں بعینہٖ ان پر عمل کرنا ضروری نہیں بلکہ حالات اور وقت کے تقاضوں کے پیش نظر ان میں رد و بدل اور قطع و برید ہو سکتی ہے۔

حدیث کو قرآن جیسا ماننے والے تحریف میں مبتلا ہیں

فکریوں کا نظریہ ہے کہ حدیث قرآن کے حواشی ہیں، جو لوگ حدیث کو قرآن کی طرح مانتے ہیں وہ تحریف میں مبتلا ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

"تمام مسلمانوں کے نزدیک اصل دین صرف قرآن ہے، احادیث قرآن کے لئے حواشی اور شرح کے درجے میں ہیں، اسی طرح منطق، صرف، علم معانی، بیان و اصول فقہ اور حدیث سب کے سب وسائل اور ذرائع قرآن ہیں مگر مسلمانوں نے ان چیزوں کو مقصد بنا لیا ہے اور قرآن کو چھوڑ دیا البتہ ایک گروہ جو تعداد میں بہت کم شاہ ولی اللہ کے متبعین [فکری] ہیں صرف وہ اس مرض سے مستثنیٰ ہیں اور مرض کتمان حق اور تلبس حق بالباطل ہے۔" (الہام الرحمٰن: ج ۱ ص ۱۰۲) ⑦

ابتداء میں قانون صرف قرآن تھا، سنت کی وجہ سے قرآن کا بہت سا حصہ مسلمانوں سے چھوٹ گیا

''غرض اس مجلس میں (خطیرۃ القدس) قرآن کے نازل ہونے کا فیصلہ ہوا تو قرآن مجید کا اثر شخصی (لفظی یعنی اس کی صورت کا اثر) ایک ہزار ماہ تک دنیا میں قطعی طور پر کامل ہوکر رہے گا (یعنی یوں تو یہ کتاب ہمیشہ کے لئے دنیا میں رہے گی مگر صحیح لفظوں میں اس پر عمل ایک ہزار ماہ تک کامل ہو کر رہے گا) ہماری سمجھ میں ایک سال دس ماہ کا ہوتا ہے، رمضان اور ذی الحجہ کے دو ماہ اس عملی وقت میں شمار میں نہیں آتے۔ انہیں چھٹی کے دو ماہ سمجھنے چاہیئے اور عملی مہینے دس ماہ سمجھنے چاہئیں۔ تو اس طرح ایک ہزار مہینے ایک سو سال کے برابر ہو جائیں گے، جیسا کہ سورۃ ''ق والقرآن مجید'' میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے اور اسی کے مساوی یوں سمجھئے کہ ۸۶ھ میں یہ سو برس پورے ہوتے ہیں۔ اسی سال ولید نے عمر بن عبدالعزیز کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کیا اور انہوں نے مدینہ کے علماء کو جمع کر کے سنت [حدیث] کے لکھنے کی بنیاد ڈالی۔ اس قت تک مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے سواء کوئی اور قانون نہیں تھا۔ اب یہ قانون اقصائے چین سے لے کر مغرب تک پہنچ گیا، متمدن اقوام عالم نے اس قانون کو اپنا دستور العمل بنا لیا اور اپنا سمجھا۔ شروع میں سنت کو قرآن مجید کا ایک شارح بنا دیا گیا یعنی اساسی قانون تو

قرآن مجید ہے اور یہ سنت اس کی شارح ہے، مگر آگے چل کر قرآن مجید کا صرف اتنا حصہ مسلمانوں میں باقی رہا جو اس سنت کے مطابق تھا اور بہت سا حصہ چھوٹ گیا۔ اس سنت میں عربی قومیت کے خواص خاص طور پر نمایاں ہیں۔ دوسری صدی میں قرآن مجید عربی قومیت کا ایک قسم کا قانون تھا اور سنت اس کی پوری شارح۔ قرآن مجید کی بین الاقوامی روح اس دوسری صدی میں اتنی نمایاں نہیں رہی جتنی پہلی صدی میں تھی۔ تیسری صدی میں جب بنو ہاشم کی سرپرستی میں عجمی قومیں آگے بڑھیں تو قرآن مجید کی انٹرنیشنل روح زیادہ نمایاں ہونے لگی۔"

(المقام المحمود: ۱۶۶، ۱۶۷، جزعم پارہ، صفہ اکیڈمی) ۸

گویا احادیث کی بنیاد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں ڈالی گئی، اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے دور میں "سنت" نامی کوئی چیز ہی نہیں تھی۔ اس وقت تک صرف قرآن تھا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی یہ "ایجاد کردہ" "سنت" اقصائے چین سے لے کر مغرب تک پہنچ گئی۔ جسے شروع میں تو قرآن کی شارح مانا جاتا تھا مگر آگے چل کر ایک دور ایسا آیا کہ قرآن مجید کا صرف وہ حصہ مسلمانوں میں باقی رہا جو اس سنت کے مطابق تھا اور باقی حصہ چھوٹ گیا اور وہ سنت بھی کیسی تھی؟ گویا عربی قومیت کی تاریخ کا ایک مجموعہ! لہٰذا دوسری صدی میں قرآن عربی قومیت کا ایک قسم کا قانون تھا کیونکہ عربی قومیت کے خواص جو حدیث میں تھے وہ اب قرآن کا بھی حصہ بن گئے اور یوں یہ قرآن وہ قرآن نہیں رہا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا بلکہ عربی قومیت کے خواص اور ان کی تاریخ کا ایک مجموعہ بن گیا۔ "قاتلهم الله أنى يؤفكون."

فکریوں نے اس عبارت میں مسلمانوں کے حفاظت قرآن اور حجیت احادیث جیسے بنیادی عقائد کے بخیئے ادھیڑ دیئے۔ انکا کہنا کہ: ''حدیث کے لکھنے کی بنیاد عمر بن عبدالعزیز نے ڈالی اور اس وقت تک مسلمانوں کے پاس قرآن کے علاوہ اور کوئی قانون نہ تھا'' یہ خالص پرویزی ذہنیت کی ترجمانی ہے۔ ہم فکریوں سے پوچھتے ہیں کہ اگر احادیث کی بنیاد عمر بن عبدالعزیز نے ڈالی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا کیا مطلب ہے جو انہوں نے فرمایا تھا: "ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما." اور "ألا إني أوتيت الكتاب و مثله معه."

اور ذرا یہ بھی بتایا جائے کہ:

(۱) صحیفہ صادقہ (جو عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتب کیا اور ایک ہزار احادیث پر مشتمل تھا)۔

(۲) صحیفہ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جس میں صدقات و زکوٰۃ کے احکامات درج تھے)۔

(۳) صحیفہ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جس میں زکوٰۃ کے تمام احکام درج تھے)۔

(۴) صحیفہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جس میں زکوٰۃ، صدقات، دیت، قصاص، حرمت مدینہ، خطبہ حجۃ الوداع اور اسلامی دستور کے نکات درج تھے)۔

(۵) صحیفہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جسے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کر اس کی تصویب فرمائی تھی)۔

(۶) خطبہ فتح مکہ (جو حقوق انسانی کی اہم تفصیلات پر مشتمل تھا)۔

(۷) مسند ابوہریرہ۔

(۸) صحیفہ ہمام ابن منبہ (جو ۱۳۸ احادیث کا مجموعہ ہے)۔

(۹) صحیفہ بشیر بن نہیک۔

(۱۰) صحیفہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرویات جو ان کے شاگرد عروۃ بن الزبیر نے قلم بند کی تھیں۔

(۱۲) ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرویات (جنہیں سعید بن زبیر تابعی نے مرتب کیا)۔

(۱۳) صحیفۂ عمر بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۴) رسالۂ سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۵) صحیفۂ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۱۶) رسالۂ سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ۔

ان مجموعوں میں احادیث نہیں تھیں تو کیا تھا؟

اور یہ کہ یہ دور عمر بن عبدالعزیز سے پہلے کا تھا یا بعد کا؟

انکار حدیث اور فکریوں کے دلائل

''عام مسلمانوں میں قرآن مجید کی نسبت علم حدیث کی زیادہ محبت ہے۔ وہ قرآن مجید میں تھوڑی سی توجہ عربی لٹریچر کے ذریعہ قائم کر سکے۔ یعنی قرآن مجید کو تمام دنیا میں اعلیٰ درجہ کی ادبی کتاب ثابت کرنے میں مسلمان لگے رہے اور اس سے جو مدعا اور مطلب و مقصد حاصل کرنا تھا اس کی طرف توجہ کم کر دی۔ مسلمانوں میں ایک جملہ مشہور ہے کہ مسلمانوں کی آخری زمانہ کی مصیبتیں اس علاج سے دور ہوں گی جس سے پہلے زمانہ میں مسلمانوں نے ترقی کی تھی۔ اس کا درحقیقت مطلب تھا قرآن مجید کی طرف توجہ کرنا مگر لوگوں نے اس کا مطلب بھی حدیث کی طرف توجہ کرنا لے لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت شروع ہوئی۔ ابتداء میں عرب کی بغاوت عام کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس سے فارغ ہو کر روم اور ایران کی مہمیں شروع ہو گئیں اور ابوبکر کی مختصر خلافت میں حدیثوں کی چنداں اشاعت نہ ہو سکی۔ حضرت عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سات برس خلافت کی اور ملک میں نہایت امن و امان رہا، لیکن وہ دیدہ دانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے رہے۔ علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر اس خوف سے کہ حدیث بیان کرنے والا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط روایت منسوب نہ کر دے صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کریں۔ حضرت ابوہریرہ سے ابوسلمہ صحابی نے پوچھا کہ آپ حضرت عمر کے زمانہ میں بھی اس طرح حدیثیں روایت کرتے تھے؟ بولے کہ نہیں، اگر کرتا تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ درے مارتے۔

ایک دفعہ گروہ انصار کو کوفہ بھیجا اور چلتے وقت کہا کہ تم لوگ کوفہ جا رہے ہو وہاں ایک قوم سے ملو گے جو بڑی رقت سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ تمہارے آنے کا حال سن کر شوق سے تمہیں ملنے آئیں گے اور حدیثیں سننی چاہیں گے تو زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنا۔ اسی طرح جو جماعت عراق کو جانے والی تھی، ان کی مشایعت کر کے یہ فرمایا کہ میں نے کیوں تمہاری مشایعت کی؟ تو انہوں نے فرمایا: "تکرمة علینا" (عزت افزائی کے لئے) کہا ہاں! لیکن مقصد اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں تم جا رہے ہو وہاں لوگ اکثر قرآن مجید کی تلاوت

کرتے ہیں تو ان کو حدیثوں میں نہ پھنسانا۔ چنانچہ وہ جماعت
عراق کو گئی تو لوگ حدیثیں سننے آئے لیکن انہیں جماعت نے
اس بناء پر انکار کر دیا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منع کیا ہے۔"

(القام المحمود: ۷۶، ۷۷، جزء عم، صفہ اکیڈمی) ❾

یعنی فکریوں کے ہاں احادیث کا وجود نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں تھا اور نہ ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی احادیث بیان کرنے سے روکتے تھے۔ گویا احادیث اس وقت نہیں تھیں بلکہ یہ بعد کے دور کی پیداوار ہے، اس لئے نہ تو یہ کوئی قانون کا درجہ رکھتی ہیں اور نہ ہی ان پر عمل کرنا ضروری ہے، بلکہ احادیث کو بیان ہی نہیں کرنا چاہئے۔ اس کی تائید میں انہوں نے چند روایات نقل کی ہیں۔ فکریوں کی پیش کردہ یہ روایات کوئی نئی چیز نہیں بلکہ ان کے پیشوا منکرین حدیث بھی بعینہٖ یہی دلائل پیش کرتے رہتے ہیں، لیکن افسوس کہ اہل فکر اور منکرین حدیث دونوں ان روایات کی تو بڑے زور وشور سے تشہیر کرتے ہیں لیکن ان کی علمی دیانت ملاحظہ کیجئے کہ وہ جس کتاب سے ان روایات کو لیتے ہیں اس میں سے یہ روایات تو وہ لے لیتے ہیں، لیکن بقیہ آدھی بات ذکر کرنا وہ گوارا نہیں فرماتے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق جامع بیان العلم کے جس باب سے یہ روایات لی گئی ہیں اس کا عنوان ہے:

"باب ذكر من ذم الاكثار من الحديث دون التفهم له والتفقه فيه"

ترجمہ: "ان لوگوں کا بیان جنہوں نے حدیث کو سمجھنے اور اس میں غور کرنے کے بغیر زیادہ حدیثیں بیان کرنے کی مذمت کی۔"

اب دیکھئے! اس عنوان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں ایسی

احادیث ہیں جن میں کثرت روایات جو بغیر سوچے سمجھے بیان کی جائیں ان کی مذمت ہے۔ فکریوں نے ان روایات کو اٹھا کر مطلق احادیث بیان کرنے پر چسپاں کر دیا۔ اس باب کے ابتداء میں اس واقعہ سے متعلق تین روایات بیان کی گئی ہیں:

① پہلی روایت کے الفاظ ہیں: "فلا تصدوهم بالحديث" کہ ان کو حدیث کے سبب (قرآن سے) نہ روکنا۔

② دوسری روایت میں ہے: "وأقلوا الرواية" کہ احادیث کم بیان کرنا، کیونکہ بلا سوچے سمجھے احادیث زیادہ بیان کرنا کوئی قابل مدح فعل نہیں (جیسا کہ باب کے عنوان سے واضح ہے)۔

③ تیسری روایت ہے: "فشغلوهم، وجودوا بالقرآن وأقلوا الرواية" یعنی قرآن کی طرف خوب توجہ کرنا اور احادیث کم بیان کرنا۔

ان تین روایات میں سے فکریوں نے دوسری اور تیسری روایت کو چھوڑ کر صرف پہلی روایت لی ہے اور اس کا بھی وہی ترجمہ کیا جو منکرین حدیث کرتے ہیں کہ ان کو حدیثوں میں نہ پھنسانا۔ حالانکہ "فلا تصدوهم بالحديث" کا یہ ترجمہ نہیں۔ بلکہ یہ فکریوں کے پرویزی ذہنیت کا آئینہ اور ان کے حدیث سے بغض کی کیفیت ظاہر کر رہا ہے۔ صحیح ترجمہ وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دیا۔

اس باب میں یہ روایات نقل کرنے کے بعد حافظ ابن عبدالبر صاحب فرماتے ہیں:

> "ان روایات سے بعض جاہل اہل بدعت نے احادیث سے بے نیازی کا مطلب نکالا ہے، حالانکہ ان کی یہ ہدایت محض اس لئے تھی کہ یہ لوگ نئے مسلمان ہوئے تھے اور ابھی قرآن کی تعلیم سے نابلد تھے۔"

اس کے بعد چند مثالیں اور واقعات بیان کئے ہیں جن سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا احادیث سے احتجاج ثابت کیا ہے اور آخر میں حضرت عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

"سیاتی قوم یجادلونکم بشبهات القرآن فخذوهم بالسنن، فإن أصحاب السنن أعلم بکتاب الله عزوجل"

ترجمہ: "عنقریب ایک ایسی قوم پیدا ہوگی جو تم سے قرآن کی متشابہہ آیات کے ساتھ جھگڑا کرے گی، تم ان پر سنن (احادیث) کے ذریعہ گرفت کرنا، کیونکہ اہل سنن اللہ عزوجل کی کتاب کو سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔" (جامع بیان العلم:۱۴)

یہ حافظ صاحب کا ان روایات پر تبصرہ تھا، لیکن درحقیقت علماء نے اس روایت کو ہی ضعیف قرار دیا ہے، کیونکہ شعبی نے اس کو قرظہ سے روایت کیا ہے جب کہ دونوں کی ملاقات ثابت نہیں ہوتی۔ (آئینہ پرویزیت:۴۶۱)

اہل فکر اور منکرین حدیث اس طرح کی روایات سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ احادیث بیان کرنے کے خلاف تھے، اس لئے وہ ان روایات کی خوب تشہیر کرتے ہیں اور اس کے لئے وہ سیاق وسباق کو کاٹ کر بعض صحیح اور بعض غیر صحیح روایات پیش کرتے ہیں اور پھر اس سے اپنے لئے انکار حدیث کی راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ کون نہیں جانتا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایات سننے اور بیان کرنے کے لئے اپنی معاشی جدوجہد کا نصف حصہ قربان کر دیا تھا اور انہوں نے خود بہت سی احادیث متعلقہ شفاعت، عذاب قبر، دجال اور رجم وغیرہ کا برسر منبر خوب پرچار کیا تھا۔

إلهام الرحمن في تفسير القرآن

الجزء الأول

من أمالي مفسر العصر الأستاذ الكبير
العلامة عبد الله السندي

بتقدمة وتحقيق
غلام مصطفى القاسمي

إلهام الرحمن
في
تفسير القرآن

على أصول الإمام شاه ولي الله الدهلوي

من إفادات الإمام السندي عبيد الله ابن الإمام

التي تلقاها منه

العلامة موسى جار الله

نشره وحققه
أبو سعيد غلام مصطفى القاسمي السندي
بحيدر آباد السند

وقد رأينا بعد ذلك جماعة من السياسيين بعد سقوط الدولة العثمانية قاموا بدعاية ان النبي صلى الله عليه وسلم لم يترك لنا نظاما لحكومة الاسلامية والمسلمون مختارون الآن[1] فخطر لي فكري ذلك ورأيت انهم اساءوا في فهم تاريخ الاسلام فقد ذكر القرآن اشياء من ادارة بعض العظماء في العالم فاذا جمعنا تلك الاشياء ونظمناها فانها تنتج لنا مثلا اعلى لاعظم الدول واقوى الحكومات في العالم.

واسس قانون السياسة الاجتماعية في امور تدبير المنزل على اكمل قانون واوفر اتقان — ولكن البلاء الذي وقع فيه المسلمون في تدبرهم هو انهم ما حصروا الوحي في القرآن[2]. وما جعلوا اتباع هذا الكتاب فرضا على النبي وما فهموا ان كل ما عمل به النبي عليه السلام انما كان مستنبطا من القرآن و مستخرجا منه[3] فحدث في علمهم الفوضوية فانهم كلما رأوا رواية ثابتة او ضعيفة جعلوها آخر مستند انتهم في امورهم.

وقد نبه الامام ولي الله على كون هذا النحو من الفكر غلطا ويقول انه تتبع الاحاديث الواردة في ابواب الصلاة فوجدها كله مستنبطة من القرآن. ولكن طريقة استنباط النبي غير طريقة استنباط امته. وقد ذكر امثلة لتلك الاستنباطات في بعض كتبه.

[1] اي مختارون في مصالحهم ۱۲ — [2] الوحي محصور في القرآن فقط بدليل قول عائشة رضي لو راى رسول الله ما احدثته النساء الحديث مع ملاحظة قوله تعالى (وما كان ربك نسيا) و حديث قصة تأبير النخل وقوله انما انا بشر وحديث زيد بن ثابت حين دخل عليه نفر و قالوا حدثنا بحديث رسول الله وقوله لهم كنا اذا ذكرنا الطعام ذكره معنا واذا ذكرنا الدنيا ذكرها معنا الحديث ونهى ابي بكر وعمر عن كثرة رواية الحديث. وقول سفيان الثوري لو كان في الحديث خير لذهب كما ذهب الخير الى غير ذلك وهنا جماعة يردون قول من يقول الحديث من الوحي ۱۲ — [3] وممن قال ان الاحاديث مستنبطة من القرآن الامام الشافعي كما في مقدمة تفسير ابن كثير ومن علمائنا العلامة ابو بكر الرازي الجصاص الحنفي في احكامه في مواضع كثيرة والامام ولي الله الدهلوي في الخير الكثير. وكتبه محمد نور شيخ

شاہ ولی اللہ اور اُن کا فلسفہ

یعنی

امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف

از

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ

ترتیب و تدوین

محمد سرور

سابق استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

سندھ ساگر اکادمی ۲۱-عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور

حوالہ نمبر 2

طرف ہے۔ مگر اہلِ علم کی ایک جماعت ہے جو اس آیت کو صرف قرآن سے مخصوص نہیں مانتی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال کو ایک طرح کی وحی ثابت کرنے پر زور دیتی ہے۔ اس کے نزدیک "وما ینطق عن الھوی" صرف قرآن کی نقل کرنے پر محدود نہیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول "وما ینطق عن الھوی" میں داخل ہے۔ اور اس کے خیال میں اس کے "ان ھو الا وحی یوحی" میں وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک حدیث کی اصل بھی وحی ہی سے ثابت ہے۔ ان کے خیال میں قرآن اور حدیث میں اگر فرق ہے تو فقط الفاظ کا۔ قرآن کے الفاظ وحی سے معین ہیں۔ اور حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے طبعی ملکہ کا نتیجہ ہیں۔ لیکن جہاں تک دونوں کے معانی کا تعلق ہے، ان کے نزدیک وہ سب کے سب وحی ہیں۔

قرآن اور حدیث میں الفاظ کے اس فرق کے علاوہ اہلِ علم کی یہ جماعت ایک اور فرق کو بھی مانتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک تو قرآن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مصحف میں لکھ کر محفوظ کر دیا گیا۔ دوسرے اس کی روایت اور نقل میں اس قدر تواتر ہے کہ اس کی کسی آیت میں ادنیٰ سے ردّ و بدل کا بھی شائبہ ممکن نہیں۔ لیکن اس کے برعکس جو وحی بقول ان کے احادیث میں صورت پذیر ہوئی، اس کی ان اہلِ علم کے نزدیک بھی نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتابت ہوئی۔ اور نہ اس کے بیان اور نقل میں تواتر قائم رہ سکا۔ الغرض اگر حدیث کو ان اہلِ علم کے دعوے کے مطابق برائے راست مستقل وحی کا حاصل مان بھی لیا جائے تو اس حالت میں بھی اگر سابقہ کتبِ مقدسہ یعنی تورات اور انجیل کو کتبِ حدیث کے درجہ پر رکھا جائے تو یہ بات تسلیم کرنے میں ان کو تامل نہیں ہونا چاہیئے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہماری حدیث کی کتابوں

قولہ (۴۰) سمّٰعُوْن الخ یعنی دین حق انسان کو اخذ بالصدق کی دعوت دیتا ہے۔ اکل حلال کی دعوت دیتا ہے۔ مگر وہ چند پرلے درجے ہوئے ہیں تیرے پاس فیصلہ کرانے آتے ہیں ان کی غرض سوائے مسلمانوں میں فساد مچانے کے اور کوئی نہیں تو انہیں اخذ تورات کی دعوت دیتا ہے۔ اور وہ تورات سے باطل معنی لیتے ہیں۔ حرام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے ساتھیوں کو وصیت کرتے ہیں کہ اس کے علاوہ اور مفہوم نہ لیں۔ پس ان پر فیصلہ کرنا اخذ بالحق کا موصل نہیں بلکہ امر متردد ہے ممکن ہے کہ ان میں کوئی آدمی ہو جو حق پہنچاتا ہو۔ اس حالت کی نفی ان کے قبول تحاکم کی علامت نہیں۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔ فان جاءُوْکَ او اعرض عنہم (۴۲) میں ہے۔ اس تحاکم سے ان کی منشا اتباع حق نہیں۔ اگر یہ منشا ہوتی تو اتباع تورات کرتے اس کی طرف اشارہ کیف یُحَکِّمُوْنَکَ الخ میں ہے۔ حقیقت تورات کا اثبات ہے۔ نیز یہ کہ اس پر انبیائے ربانیون اور احبائے نے عمل کیا ہے۔ ان میں کتاب متواتر ہے۔ تینوں طبقات ان میں محفوظ ہیں۔ اس کے معانی جانتے ہیں اور فساد ترک تورات سے پیدا ہوا۔ اسکی طرف اشارہ اِنَّا اَنْزَلْنَا التوراۃ الخ میں ہے۔

تنبیہ:۔ مناظرین متکلمین کے طفیل مسلمانوں میں مشہور ہے کہ تورات اہل کتاب کے پاس محفوظ نہیں۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے بہت جھگڑے سے کام لیا۔ ملحدوں اور ناقدین کی باتوں سے مدد لی۔ اس میں ایک قسم کا فائدہ بھی ہے۔ مگر سچ یہ ہے مسلمان ہمارے ملک میں مبشرین پر غالب آگئے۔ جب ان کی سلطنت ختم ہوگئی تو ایسا ہوا مگر ساتھ ساتھ اس سے نقصان عظیم بھی حاصل ہوا: ملحدوں سے احتراز جیسے تورات کے معاملہ میں ضروری ہے۔ قرآن کے بارہ میں بھی ضروری ہے۔ نوجوانوں کو جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے ملحدوں کے کلام سے تورات کے رد کرنے کے لئے تعلق والتزام پیدا کر لیا ہے تو ملحدوں کی کتابوں کا رد بھی ہونے لگا۔ مگر الحاد کے جراثیم سے جوانوں کے دل زیادہ خراب ہوئے۔ ہم نے بڑی محنت سے طرفین کی کتابوں کا مطالعہ کیا آخر کار اس نتیجہ پر پہنچے کہ کتب مقدسہ کے ترجمے جو ہمارے شہروں میں ہیں وہ بمنزلہ ہماری احادیث کی کتابوں کے ہیں ان میں صحیح وغلط دونوں ہیں لیکن تصحیح ممکن ہے۔ اور غلط الگ کیا جا سکتا ہے۔ مگر اسکے لئے فہم کتب کا ملکہ ہونا چاہیئے۔ جیسے کہ علمائے حدیث نے صحاح حدیث سے تمیز اغلاط کی ہے۔ یہ بات عام کتب احادیث کے بارے میں ہے۔ لیکن ام الکتب موطا مالک، اس کی حدیثیں محفوظ ہیں۔ اور اکثر اہل حق میں معمول ہیں۔ عام مسلمانوں کے

۱۰۱ حوالہ نمبر 4

قصہ مختصر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن عظیم سے خود سمجھ کر جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے ہے، یا مستقل وحی سے اخذ کر کے جیسا کہ عام اہل علم کہتے ہیں، قرآن کی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے ایک مفصل نظام مرتب فرمایا۔ اس نظام کی تفصیلات کو جسے ہم سنت کہتے ہیں، علمائے حدیث نے بڑی محنتوں کے بعد دو سو برس کے عرصے میں احادیث کی کتابوں میں جمع کر دیا۔ اس طرح انبیاء کے حالات زندگی جمع کرنا پہلے زمانے میں بھی رائج رہا ہے۔ اس سلسلے میں سطعات میں شاہ صاحب تصریح کرتے ہیں کہ ایسی وحی جس کے الفاظ اور معانی دونوں کے دونوں جس شکل میں کہ وہ نازل ہوئے تھے، قطعی طور پر محفوظ رہے ہوں کسی مذہب کی کتاب الٰہی میں سوائے چند ٹکڑوں کے کہیں موجود نہیں ہے۔

عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ اس مذہب کے علماء اور ائمہ خود اپنے اجتہاد سے کتب الٰہی کو جمع کرتے تھے۔ ان میں نبی کی سیرت اور اس کے اقوال ہوتے نیز ان کتابوں کے ضمن میں وہ باتیں آجاتی تھیں، جو براہ راست لفظاً اور معناً وحی کی صورت میں اس نبی پر نازل ہوتیں۔ اس کی مثال میں تورات کے دس احکام اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض خطبے پیش کئے جا سکتے ہیں۔ وحی کے ان ٹکڑوں کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا کتابوں میں وہ چیزیں بھی آجاتی تھیں، جن کو نبی اپنے اجتہاد سے لوگوں کو تعلیم دیتا تھا۔ اور یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ اگر نبی کے اجتہاد پر اللہ کی جانب سے گرفت نہ ہو، تو نبی کا یہ اجتہاد حکماً وحی سمجھا جائے گا۔ پہلے ادیان کی ان کتب مقدسہ کی مثال ہمارے ہاں کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم ایسی کتب احادیث کی سمجھئے۔

○ سطعات صفحہ ۱۶

طرف ہے۔ مگر اہلِ علم کی ایک جماعت ہے جو اس آیت کو صرف قرآن سے مخصوص نہیں مانتی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال کو ایک طرح کی وحی ثابت کرنے پر زور دیتی ہے۔ اس کے نزدیک: وما ینطق عن الھوی۔ صرف قرآن کی نقل کرنے پر محدود نہیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول: ما ینطق عن الھوی میں داخل ہے۔ اور اس کے خیال میں اس کو ان ھو الا وحی یوحی میں وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک حدیث کی اصل بھی وحی ہی سے ثابت ہے۔ ان کے خیال میں قرآن اور حدیث میں اگر فرق ہے تو فقط الفاظ کا۔ قرآن کے الفاظ وحی سے معین ہیں۔ اور حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے طبعی ملکہ کا نتیجہ ہیں۔ لیکن جہاں تک دونوں کے معانی کا تعلق ہے، ان کے نزدیک وہ سب کے سب وحی ہیں۔

قرآن اور حدیث میں الفاظ کے اس فرق کے علاوہ اہلِ علم کی یہ جماعت ایک اور فرق کو بھی مانتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک تو قرآن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مصحف میں لکھ کر محفوظ کر دیا گیا۔ دوسرے اس کی روایت اور نقل میں اس قدر تواتر ہے کہ اس کی کسی آیت میں ادنیٰ سے ردّ و بدل کا بھی شائبہ ممکن نہیں۔ لیکن اس کے برعکس جو وحی بقول ان کے احادیث میں صورت پذیر ہوئی، اس کی ان اہلِ علم کے نزدیک بھی نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتابت ہوئی۔ اور نہ اس کے بیان اور نقل میں تواتر قائم رہ سکا۔ الغرض اگر حدیث کو ان اہلِ علم کے دعوے کے مطابق براہِ راست مستقل وحی کا حاصل مان بھی لیا جائے تو اس حالت میں بھی اگر سابقہ کتبِ مقدسہ یعنی تورات اور انجیل کو کتبِ حدیث کے درجہ پر رکھا جائے تو یہ بات تسلیم کرنے میں ان کو تامل نہیں ہونا چاہیئے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہماری حدیث کی کتابوں

میں بھی غیر صحیح روایات موجود ہیں۔ بالاتفاق سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ نیز ان کتبِ حدیث میں ایک واقعہ کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ پھر ہماری کتبِ حدیث میں بھی کاتبوں سے غلطیاں ہوتی رہیں، جن کو محققین علماء برابر درست کرتے رہتے۔ ان باتوں کے پیشِ نظر اگر انجیل کی بیان کردہ صحاح اربعہ یعنی صحیح بخاری صحیح مسلم، ابوداؤد اور ترمذی کے درجہ پر مان لیا جائے تو ذرا برابر اختلاف نظر نہ آئے گا۔

ایک عرصہ ہوا میری نظر سے مسٹر ہنری اسکاٹ کی شرح انجیل اردو میں گزری تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس میں انجیل کی چار کتابوں کے باہمی اختلافات کو اسی طرح جمع کرنے اور ان میں سے کسی ایک روایت کو دوسری روایتوں پر ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے جیسے ہم کتبِ حدیث کی مختلف روایتوں میں جمع کرتے ہیں۔ اس دن سے سابقہ کتبِ مقدسہ کے متعلق تحریف کا وہ الزام جو عموماً ہم تورات اور انجیل کے سلسلے میں اہلِ کتاب پر عاید کرتے ہیں۔ اور جسے مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی نے اپنی کتاب "اظہار الحق" میں بڑے شد و مد سے ثابت کیا تھا، میری نظروں میں کمزور ہوتا چلا گیا۔ اور امام بخاری شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ولی اللہ ایسے محقق عالموں کی تحقیق، جو تورات میں تحریف کا انکار کرتے ہیں، میری سمجھ میں آنے لگی لیکن اس ضمن میں جب تک ہم سابقہ کتبِ مقدسہ کو کتبِ حدیث کے درجہ پر نہ مانیں، یہ مسئلہ صاف نہیں ہوتا۔ جب میں نے امام ولی اللہ کی کتاب "سطعات" میں اس مضمون کو صراحتاً مذکور پایا تو اطمینان کا سانس لیا۔

کتبِ حدیث کے طبقات

حدیث کی کتابیں دو طرح پر مرتب کی گئی ہیں۔ پہلی قسم تو وہ ہے، جس

اسلامی افکار میں قومی اور ملکی رجحانات — حوالہ نمبر 6

دین اسلام کسی ایک ملک، قوم یا زمانہ کے لیے مخصوص نہیں۔ اسلام تمام انسانیت کا دین ہے اور قرآن کریم انسانیت کے اسی دین کا ترجمان ہے۔ قرآن کی تعلیم عالمگیر اور ہمہ گیر ہے جتنی کہ خود انسانیت ہے۔ مشیت ایزدی کا ظہور انسانیت کے تقاضوں کی صورت ہی میں ہوتا ہے۔ قرآن چونکہ انسانیت کے انہی تقاضوں کا آئینہ دار ہے اس لئے وہ خدا کا قانون ہے۔

اس عالمگیر قانون کو حجاز میں عملی جامہ پہنایا گیا۔ یہ جامہ اس عالمگیر قانون کی ایک تعبیر ہے جو زمانہ، ماحول اور اہل حجاز کی طبیعت کے مطابق کی گئی۔ اس تعبیر کو اصل قانون کی طرح عمومی اور ابدی سمجھنا ٹھیک نہیں لیکن اس تعبیر کو عالمگیر قانون کے خلاف یا اس پر زائد جاننا بھی غلط ہے۔ سنت اسی عالمگیر قانون کے حجازی جامہ کی ایک تصویر ہے اور اس سے قرآن کے عالمگیر قانون کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ بعد ازاں جب اسلام کی سلطنت میں توسیع ہوئی اور عربوں کے علاوہ غیر عرب قومیں بھی مسلمان ہو گئیں تو قرآن کی عمومی تعلیم اور اس کی حجازی تعبیر کی روشنی میں فقہ کے دوسرے مذاہب وجود میں آئے۔ اب اسلام ایک قوم تک محدود نہ رہا تھا۔ بلکہ دنیا کی دوسری بڑی بڑی قومیں بھی مسلمان ہو چکی تھیں۔ اس لیے ہر قوم اور ملک میں وہاں کے خاص حالات اور طبعی رجحانات کے مطابق فقہ کے مذاہب بنے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ دین صرف قرآن میں منحصر ہے۔ اور قرآن ہی دین کا قانونِ اساسی ہے۔ اور آیت "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى" سے مراد صرف

قرآن مجید ہے۔ حدیث قرآن سے مستنبط ہے۔ اور فقہ حدیث سے استنباط کی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید سے خود سمجھ کر (جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں) یا مستقل وحی سے اخذ کر کے (جیسا عام اہل علم کہتے ہیں) قرآن پر عمل کرنے کا مفصل پروگرام بنایا، جسے علمائے حدیث نے بڑی محنتوں سے دو سو برس کے عرصہ میں جمع کیا۔ مولانا کا کہنا یہ ہے کہ اسلام کی اساسی تعلیم قرآن شریف میں منضبط ہے۔ اور وہ غیر متبدل اور یکساں ہے لیکن جہاں کہیں کسی تعلیم پر عمل ہوتا ہے، تو مخاطبین کی حالت کے مطابق چند تمہیدی قوانین بنائے جاتے ہیں۔ تعلیم اساسی تو غیر متبدل ہوتی ہے۔ لیکن تمہیدی قوانین ضرورت کے وقت بدل سکتے ہیں۔ ہم سنت ان تمہیدی قوانین کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء ثلاثہ نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے مشورے سے تجویز کیے۔ مولانا کے نزدیک یہ سنت قرآن ہی سے مستخرج ہے۔

الغرض دین کا اصل اساس قرآن ہے۔ قرآن نے جس قسم کی زندگی پیدا کی۔ اور اس سلسلے میں جو تمہیدی قوانین بنے اس کی صحیح ترین تصویر امام مالک کی کتاب مؤطا میں ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجاز کی رجعت پسند قوتوں کو زیر کیا۔ حضرت ابوبکر کا عہد عرب قبائل کی رجعت پسند طاقتوں کو ختم کرنے میں گزرا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں وہ ترقی یافتہ لیکن زوال پذیر دشمن سلطنتوں کو ختم کیا گیا اور ایک نیا نظام معرض وجود میں آیا۔ بنو امیہ کے زمانے میں گو حکومت پر عربی رنگ غالب آگیا لیکن مسلمانوں کا علمی و مذہبی مرکز بدستور مدینہ

للتغلب عليهم ولكن الناس تسوا ذلك وجعلوه كالفرض والواجب.

مثال آخر:- اصل الدين عند جميع المسلمين هو القرآن والاحاديث بمثابة الشروح والحواشي له وكذلك المنطق والنحو والصرف والمعاني والبديع والبيان وغيرها كاصول الفقه والحديث كلها وسائل وذرائع الى الوصول الى القرآن ولكن الناس جعلوا هذه الاشياء كلها مقصودة بالذات وتركوا القرآن الافئة قليلة من اتباع الامام ولي الله. وهذا كتمان للحق ولبسه بالباطل. وقد كانت اليهود في عهد النبي صلى الله عليه وسلم على هذه الصفة[1]

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۴﴾

الانبياء عليهم السلام يأتون بشرائع وقوانين للحصول على مقاصد الدين ويكون أساسها شيئين. الاول اقامة الصلوٰة لتمكين التوجه الى حظيرة القدس من كل فرد وللتدبر في الكتاب النازل اليهم.

الأساس الثاني هو ايتاء الزكوٰة ومقصده الاشتراك في الارتفاقات الضرورية فان كل رجل لديه مال فاضل عن حاجاته يجب عليه ان ينفق من ذلك المال على المحتاجين وبالعمل بهذين الاصلين وتعميمها يصير محل الاجتماع معينًا.

المساجد والكنائس يصطف الناس فيها صفوفًا لاداء الفرائض

---

[1] ذكر الامام ولي الله في فوز الكبير بعد بيان قبائح اليهود "وبالجملة فان شئت أن ترى انموذج اليهود فانظر الى علماء السوء من الذين يطلبون الدنيا وقد اعتادوا تقليد السلف واعرضوا عن نصوص الكتاب والسنة وتمسكوا بتعمق عالم وتشدده واستحسانه فاعرضوا عن كلام الشارع المعصوم وتمسكوا بالحاديث موضوعة وتأويلات فاسدة كانت سبب هلاكهم. راجع الفوز الكبير صفحہ ۹ طبع المنيرية بمصر ابو سعيد السندھی

حوالہ نمبر 8

سورۃ القدر مکیہ

* قرآن مجید کی پہلی سورت "اقرء باسم ربک الذی خلق" لیلۃ القدر میں نازل ہوئی۔ لیلۃ القدر کا اگر آج کی زبان میں ترجمہ کیا جائے تو کہا جائے گا کہ بجٹ کی میٹنگ میں حظیرۃ القدس میں ایک کام پیش ہوتا ہے اور پھر اس پر فیصلہ ہوتا ہے۔ تو یہ کام جو حظیرۃ القدس میں پیش ہوا ایک ہزار ماہ کے لیے ہوا ہے۔ غرض اس مجلس میں (حظیرۃ القدس) قرآن کے نازل ہونے کا فیصلہ ہوا تو قرآن مجید کا اثر شخصی (لفظی یعنی اس کی صورت کا اثر) ایک ہزار ماہ تک دنیا میں قطعی طور پر کامل ہو کر رہے گا۔ (یعنی یوں تو یہ کتاب ہمیشہ کے لیے دنیا میں رہے گی مگر صحیح لفظوں میں اس پر عمل ایک ہزار ماہ تک کامل ہو کر رہے گا) ہماری سمجھ میں ایک سال دس ماہ کا ہوتا ہے۔ رمضان اور ذی الحج کے دو ماہ اس عملی وقت میں شمار میں نہیں آتے۔ انہیں چھٹی کے دو ماہ سمجھنے چاہئیں۔ اور سال میں عملی مہینے دس ماہ سمجھے جائیں تو اس طرح ایک ہزار مہینے ایک سو سال کے برابر ہو جائیں گے۔ جیسا کہ سورۃ ق والقرآن المجید میں پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اور اسی کے مساوی یوں سمجھیے کہ سنہ ۸۶ ہجری میں یہ سو برس پورے ہوتے ہیں۔ اسی سال ولید نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو مدینہ منورہ کا حاکم مقرر کیا۔ اور انہوں نے مدینہ کے علماء کو جمع کر کے سنت (حدیث) کے لکھنے کی بنیاد ڈالی۔ اس وقت تک مسلمانوں کے پاس قرآن مجید کے سوائے کوئی اور قانون نہیں تھا۔ اب یہ قانون اقصائے چین سے لے کر مغرب تک پہنچ گیا متمدن اقوام عالم نے اس قانون کو اپنا دستور العمل بنالیا اور اپنا سمجھا۔ شروع میں سنت کو قرآن مجید کا ایک شارح (Bye-laws) بنا دیا گیا۔ یعنی اساسی قانون تو قرآن مجید ہے اور یہ سنت اس کی شارح ہے۔ مگر آگے چل کر قرآن مجید کا صرف اتنا حصہ مسلمانوں میں باقی رہا جو اس سنت کے مطابق تھا اور بہت سا حصہ چھوٹ گیا۔ اس سنت میں عربی قومیت کے خواص خاص طور پر نمایاں ہیں۔ دوسری صدی میں قرآن مجید عربی قومیت کا ایک قسم کا قانون تھا اور سنت اس کی

پوری شارح۔ قرآن مجید کی بین الاقوامی روح اس دوسری صدی میں اتنی نمایاں نہیں رہی جتنی پہلی صدی میں تھی۔ تیسری صدی میں جب بنو ہاشم کی سرپرستی میں عجمی قومیں آگے بڑھیں تو قرآن مجید کی انٹرنیشنل روح (۱) زیادہ نمایاں ہونے لگی۔

* آیت ۱ انا انزلناہ فی لیلۃ القدر (۲) ہم نے اس قرآن مجید کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ یعنی جس رات انسانی فطرت کا بجٹ تیار ہوا تھا اس رات یہ پروگرام منظور ہوا ہے۔ آیت ۲ و ماادراک ما لیلۃ القدر اس آیت میں لیلۃ القدر کی تفصیل ہے۔ آیت ۳ لیلۃ القدر خیر من الف شھر وہ لیلۃ القدر ایک ہزار مہینے سے اچھی ہے۔ انسان جب کسی کام کے کرنے کا مصمم ارادہ کر لے تو وہ کام نصف (۳) سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ اب صحیح فیصلہ کے بعد اس کا صحیح دور شروع ہوگا تو اس میں وہ مجموعی طاقت کے کچھ حصہ کا مالک ہے یعنی اس حصہ میں پورے کام کے آدھے سے بھی کچھ کام رہ جاتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس لیلۃ القدر کی رات میں سو سال کے کام کا فیصلہ تھا تو فیصلہ کی رات اس زمانہ سے بہتر ہونی چاہیئے۔ یعنی پروگرام بنانے والی رات اس زمانے سے تو اچھی ہے جس زمانے میں یہ کام عملی طور پر شروع کر دیا جائے۔ (کیوں کہ مصمم ارادہ کرنے سے آدھے سے زیادہ کام ہو جاتا ہے) غرض کہ جس وقت یہ فیصلہ رسول کریم ﷺ پر نازل ہوا تو آپ نے اپنی فطرت کے مطابق عمل کیا۔ آپ کی فطرت یہ تھی کہ جب علم ہو جائے کہ اللہ کی طرف سے فلاں فیصلہ ہے تو آپ اپنی پوری قوت اس کام کے سرانجام دینے میں صرف کر دیتے تھے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے جھک جاتے تھے۔ غرض یہ رات زمین پر بھی ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ کیوں کہ رسول کریم ﷺ کا فیصلہ بھی اسی طرح مکمل ہے جس طرح ملاء اعلیٰ میں مکمل فیصلہ ہوا۔

---

(۱) روح کا اقتضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت اور اس کے دیدار کا اشتیاق ہو اور ملکیت کا تقاضا، طہارت اور نظام احسن ہے۔

(۲) خظیرۃ القدس اسی رات کے مانند ہے۔

(۳) نصف سے کم باقی رہتا ہے جو عمل کرنے سے پورا ہو جاتا ہے یعنی عملی دور آئے گا وہ نصف سے کم وقت لے گا۔ ایسے وقت میں علم اور اس کا پروگرام بنا کر اس پر اجتماع کر

حوالہ نمبر 9

کر سکتی۔ اگر دوسری زبان سے اس کا مقابلہ کیا جائے جیسے سنسکرت یا عبرانی تو یہ دعوی اتنا روشن نہیں رہتا جتنا خالی عربی پڑھنے والوں کے دماغ میں قائم ہے۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے عبرانی یا سنسکرت کا قطعاً مطالعہ نہیں کیا ورنہ ان کو علم ہوجاتا کہ یہ زبانیں بھی کم نہیں ہیں) اس لیے ہم فصاحت اور بلاغت کا یہ مطلب نہیں لیتے۔ آخرت کے امور کو دنیاوی زبان میں بیان کرنا آسان بات نہیں۔ قرآن مجید نے اس میں اس قدر فصاحت استعمال کی ہے کہ جو بھی مطلب ہے وہ ٹھیک سمجھا دیتا ہے۔ اور انسانیت کے تمام طبقوں کے دماغ تک صحیح بات پہنچا دیتا ہے۔ طبقوں سے مراد ہیں اعلی طبقہ، اوسط طبقہ، ادنی طبقہ اور یہ طبقے فقط محنت کے اعتبار سے پیدا ہوتے ہیں۔ اعلی طبقے کو ذرا کم محنت کرنی پڑتی ہے۔ متوسط کو ان سے زیادہ اور ادنی طبقے کو سب سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس محنت سے قطع نظر کر کے دیکھیں تو بات یکساں ہی نظر آئے گی اور یہ بلاغت کا صحیح درجہ ہے۔ قرآن مجید کی عربی زبان بھی نہایت فصیح ہے یعنی دنیا کے باقی لٹریچر سے ممتاز ہے اور عربی زبان کی کوئی کتاب (نثر یا نظم) اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تو زبان دانی کے لحاظ سے ہم اس کو عربی لٹریچر میں اعلی درجہ دیتے ہیں اور آخرت کو دنیا بھر کی زبانیں (جیسے سنسکرت وغیرہ) اس قدر آسانی سے نہیں سمجھا سکتیں جس قدر آسانی سے قرآن مجید سمجھا دیتا ہے۔ اس میں قرآن مجید کا درجہ نہایت اعلی ہے۔ ہمارا دعوی ہے کہ دنیا کوئی کتاب اس قدر فصاحت و بلاغت کے ساتھ لوگوں تک مسائل کو نہیں پہنچا سکتی۔

* ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ مسیحی دنیا نے کفارہ کا مسئلہ ایجاد کر دیا اور آخرت کے ذکر سے جو فوائد حاصل ہو سکتے تھے اس کی قوت کو کم کر دیا۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی شفاعت کے مسئلہ میں غلط فہمیاں پیدا کر کے قرآن کے ان بیانات سے جو

افادہ حاصل ہو سکتا تھا اسے بہت کمزور کر دیا۔ عام مسلمانوں میں قرآن مجید کی نسبت علم حدیث کی زیادہ محبت ہے۔ وہ قرآن مجید میں تھوڑی سی توجہ عربی لٹریچر کے ذریعہ قائم کر سکے یعنی قرآن مجید کو تمام دنیا میں اعلی درجہ کی ادبی کتاب ثابت کرنے میں مسلمان لگے رہے۔ اور اس سے جو مدعا اور مطلب و مقصد حاصل کرنا تھا اس کی طرف توجہ ہم

کردی۔ مسلمانوں میں ایک جملہ مشہور ہے کہ مسلمانوں کی آخری زمانہ کی مصیبتیں اس علاج سے دور ہوں گی جس سے پہلے زمانہ میں مسلمانوں نے ترقی کی تھی۔ اس کا درحقیقت مطلب تھا قرآن مجید کی طرف توجہ کرنا۔ مگر لوگوں نے اس کا مطلب بھی حدیث کی طرف توجہ کرنا لے لیا ہے۔ رسول کریم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت شروع ہوئی۔ ابتدا میں عرب کی بغاوت عام کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس سے فارغ ہو کر روم اور ایران کی مہمیں شروع ہو گئیں اور ابوبکر کی مختصر خلافت میں حدیثوں کی چنداں اشاعت نہ ہو سکی۔ حضرت عمر الفاروقؓ نے سات برس خلافت کی اور ملک میں نہایت امن و امان رہا۔ لیکن وہ دیدہ و دانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے رہے۔ علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اس خوف سے کہ حدیث بیان کرنے والا آنحضرت ﷺ کی طرف غلط روایت منسوب نہ کردے صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کریں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ابوسلمہ صحابی نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے؟ بولے کہ نہیں، اگر کرتا تو عمرؓ درے مارتے۔ ایک دفعہ گروہ انصار کو کوفہ بھیجا اور چلتے وقت کہا کہ تم لوگ کوفہ جا رہے ہو وہاں ایک قوم سے ملو گے جو بڑی رقت سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ تمہارے آنے کا حال سن کر شوق سے تمہیں ملنے آئیں گے اور حدیثیں سننی چاہیں گے تو زیادہ حدیثیں نہ بیان کرنا۔ اسی طرح جو جماعت عراق کو جانے والی تھی، ان کی مشایعت کرکے فرمایا کہ میں نے کیوں تمہاری مشایعت کی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ تکرمة علینا (عزت افزائی کے لیے) کہا ہاں لیکن مقصد اور بھی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں تم جا رہے ہو وہاں لوگ اکثر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو ان کو حدیثوں میں نہ پھنسانا چنانچہ وہ جماعت جب عراق کو گئی تو لوگ حدیثیں سننے آئے لیکن انہیں جماعت نے اسی بنا پر انکار کردیا کہ عمرؓ نے منع کیا ہے۔

*

امور آخرت کے سمجھنے کے لیے قوی فلسفی دماغ چاہیے۔ معلوم نہیں کیوں مسلمانوں کے عام دماغ کسی منظم عملی نظریہ کی طرف کم متوجہ ہوتے ہیں۔ ہمارا یہ خیال ہے کہ مخالف لوگوں کے پروپیگنڈے نے مسلمانوں پر بہت برا اثر کیا۔ انہوں

اسلامی قوانین کی تنقیص

دور جدید میں فقہ اسلامی اور اسلامی قانون ناقابل عمل ہے

فکریوں کا نظریہ ہے کہ دور جدید میں فقہ اسلامی اور اسلامی قانون ناقابل عمل ہے۔ چنانچہ ان کی مایہ ناز کتاب ''خطبات و مقالات'' (جو ان کی نہایت اعلیٰ کلاس ''رکنیت'' میں سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہے اور اس کے ایک ایک لفظ کو حرز جاں سمجھ کر اپنے متعلقین اور تربیتی مراحل سے گزرنے والوں کے رگ و ریشے میں رچانے بسانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے) میں اسلامی قانون کے متعلق یوں معنی خیز انداز میں درج ہے:

> ''لیکن ایک ایسے انسان کے لئے جو مذہبی جماعتوں کی تمائندگی کرتا ہے یہی مصیبت ایک اور راستے سے آتی ہے۔ سائنس کی ترقی کے ساتھ مذہبی قانون تو الگ رہا، سرے سے خدا کا انکار بھی عام طور پر ضروری ہو گیا۔'' (خطبات و مقالات: ۱۱۰، ۱۱۱) ❶

مذکورہ بالا عبارت میں نوشتہ دیوار کی طرح پڑھا جا سکتا ہے کہ فکریوں کے نظریہ کے مطابق سائنسی ترقی نے مذہبی قانون (مثلاً عبادات، حدود، عائلی زندگی، نکاح، طلاق، نفقہ، پردہ، شادی بیاہ وغیرہ) معاشرتی اور اخلاقی احکام کے نظام کو سرے سے ناممکن بنا دیا ہے، بلکہ خود ذات خداوندی کا انکار بھی عام طور پر ضروری ہو گیا۔

علماء کرام ان جملوں کی اہمیت کو سمجھیں کہ کیا واقعی سائنسی ترقی نے مذہبی قانون

کو کنارے پہنچا دیا؟ عام مسلم نوجوان دینی مدارس یا اسکول و کالج کے طلبہ جب اس طرح کی عبارات پڑھیں گے تو ان کی ذہنی کیفیت کیا ہوگی؟ یہ اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں۔

مذکورہ عبارت میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ اسلامی قانون کے نفاذ کا تو سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ زمانہ اور حالات اس سے آگے نکل گئے ہیں۔ کیا یہ دین کے خلاف بغاوت اور ارتداد پھیلانے کی کوشش نہیں ہو رہی ہے؟ اس پر نہایت سنجیدگی اور فراست سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

کتاب کے مکمل پیراگراف پر ایک نظر ڈالیں تاکہ تمام مطالب سامنے آسکیں:

> "لیکن ایک ایسے انسان کے لئے جو مذہبی جماعتوں کی نمائندگی کرتا ہے یہی مصیبت ایک اور راستہ سے آتی ہے۔ سائنس کی ترقی کے ساتھ ساتھ مذہبی قانون تو الگ رہا سرے سے خدا کا انکار بھی عام طور پر ضروری ہو گیا۔ میں چونکہ مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا اسلئے اس مشکل کا حل برابر سوچتا رہا۔ مجھے اس سلسلے میں مسئلہ وحدۃ الوجود کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ملا، جس سے کہ ایک سائنس دان کو خدا کے وجود کا یقین دلایا جا سکے۔ چونکہ یہ مسئلہ (وحدۃ الوجود) ہندو فلاسفی کا اصل اصول ہے، ایسے ہی امام ولی اللہ اس کو مان کر حکمت اور فلسفہ کا ایسا اسکول قائم کرتے ہیں جس سے تمام مذاہب اپنی تشنگی رفع کر سکتے ہیں۔" (ایضاً)

اس پیراگراف میں اسلامی قانون کی ناکامی تسلیم کرتے ہوئے یہ الارم بھی سنایا گیا کہ جدید میکینکل ازم، مشینی نظام اور سائنسی ارتقاء نے (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) خود خدائے بزرگ کے انکار کو ضروری کر دیا اور انہوں (فکریوں) نے اپنی طرف سے جو متبادل تجویز کیا ہے وہ بھی وحدۃ الوجود کا نظریہ ہے جو خود ان کے الفاظ میں ہندو

فلاسفی (ویدانت) کا اصل اصول ہے۔

سائنسی ترقی کے ساتھ مذہبی قوانین بے اثر ہو گئے ہیں

''جب اقتصادیات پر قومی اور سیاسی زندگی کو مرتکز کیا جائے گا تو اس کا امکان ہے کہ ہمارے ہاں بھی لامذہبیت کا دور دورہ ہو۔ سائنس کی ترقی کے ساتھ مذہبی قوانین کا بے اثر ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ لوگ تو سائنس کے اثر میں خدا کا ہی سرے سے انکار کر دیتے ہیں۔'' (حالات تعلیمات: ۴۱۲) ❷

گویا مذہبی قوانین (فقہ وغیرہ) تو بے اثر ہو ہی گئے ہیں مگر آگے چل کر سائنسی ترقی کے ساتھ خدا کے وجود کا بھی انکار ہو جائے گا۔

دین کے معاشرتی نظام اور سماجی قانون کی ناکامی پر دوسری جگہ یوں اظہار خیال کیا ہے:

''اس میں شک نہیں کہ اورنگزیب کے بعد سے ہماری قومی تاریخ میں ایک بہت بڑا فصل پیدا ہو گیا، ہمارے سیاسی شیرازہ کے بکھرنے سے ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون بے کار ہو گئے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم شکست کھا گئے۔ اگر ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون ناقص نہ ہوتے تو ہمارا سیاسی وجود کیوں بگڑتا؟ ظاہر ہے اب تو زمانہ اور بھی بدل چکا ہے، اس لئے ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور

ہمارا قانون اب بجنسہ نہیں چل سکتے۔''

(حالات تعلیمات: ۴۲۵) ۳

فکریوں کی ایک اور نصابی کتاب میں مسلمانوں کے قانون کی ناکامی پر یوں اظہار خیال کیا گیا ہے:

''القصہ ہمارا تمدن، ہمارا نظام زندگی اور ہمارا قانون جو ہم نے ابھی اس سیلاب کی نذر کیا ہے، اب بجنسہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے، ان کی حیثیت اب ایک تاریخی واقعہ کی ہے۔''

(فکری نصاب رکنیت کی کتاب شعور وآگہی: ۴۲) ۴

فقہ لوگوں کا اپنا اختراع ہے

فکریوں کی نصابی کتاب ''قرآنی شعور انقلاب'' میں لکھا ہے:

''ہمارے لوگوں نے چند خاص ملکوں میں بیٹھ کر اور ان کے اندر رہ کر قوانین بنائے ہیں، وہ ان ملکوں کی فقہ ہے۔ یہ فقہ ساری کی ساری قرآن حکیم میں نہیں آسکتی۔ پس بغداد کی فقہ ہندوستان میں نہیں لائی جاسکتی اور انگلستان کا قانون پاکستان میں نہیں چل سکتا۔ بخارا کے بادشاہ ہندوستان پر حاکم ہو جاتے ہیں اور انگلستان کے تاجر ہندوستان میں آتے ہیں، دونوں اپنے اپنے ملکوں کے قانون یہاں جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ ان قوانین کے سمجھنے سے عاجز آجاتے ہیں۔'' (قرآنی شعور انقلاب: ۲۴۴، ۲۴۵) ۵

مذکورہ عبارت میں فکری یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فقہ کا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ لوگوں کی اپنی اختراع ہے اور مختلف ملکوں کے رہنے والوں نے اپنے

اپنے ملکوں اور حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ قوانین بنائے۔ گویا فقہ کا سارا کا سارا سرمایہ یہی ملکی حالات اور ان کا تقاضا تھا۔

فقہ زندگی پر حاوی ہو تو دماغ جامد اور ترقی ناممکن ہو جاتی ہے

ایک اور مقام پر لکھا ہے:

"حکمت محرک ہوتی ہے، حکمت فعال ہوتی ہے۔ یہ انسان کو آگے بڑھنے پر اکساتی ہے اور اس کے اندر ہل چل پیدا کرتی ہے۔ دین کا ایک اہم جزء یہی حکمت ہوتی ہے لیکن جب دین سارے کا سارا فقہ بن جائے اور یہ فقہ زندگی پر حاوی ہو جائے تو دماغ جامد ہو کر رہ جاتا ہے اور انسان کی ترقی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔" (افادات وملفوظات: ۱۲۳، ۱۲۴) ❻

اس ترقی یافتہ یورپ کو ہم ایک مصیبت میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ یورپ کی جس قدر قومیں جمہوریت پسند ہیں۔ اور مشین کے استعمال سے دنیا پر برتری حاصل کر چکی ہیں۔ اگر ان کی پارلیمنٹ میں محافظین اور لبرل کی اکثریت ہے تو ان قوموں کو ایک خطرناک انقلاب ڈرا رہا ہے۔ ان کی پارلیمنٹ میں کارپردوں کا غلبہ ہو رہے گا۔ چونکہ یہ کارپرداز اور مزدور ایک طویل زمانہ سے کنزرویٹو اور لبرل کے ظلم کا شکار ہوتے رہے ہیں، اس لیے ان سے انتقام کا جذبہ مزدوروں میں پیدا ہونا ضروری ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جن ملکوں میں مشین پر کام کرنے والے انقلاب پیدا کریں گے۔ اس وقت اگر ملک کے کاشت کار بھی منظم ہو چکے ہوں تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔

اس لیے اس قسم کے انقلاب کا اثر پہلے درجے پر تو نہیں البتہ دوسرے یا تیسرے درجہ پر ہمارے ملک میں بھی آئے گا۔ اگرچہ ہم انقلاب کے (۱) میں آج پہلی صف میں کھڑے نہیں ہو سکتے۔ مگر دوسرے یا تیسرے دن ہم پر سب کچھ عائد ہو سکتا ہے۔ جو یورپ کی جمہوریت پسند اقوام پر آج وارد ہو گا۔

اس قدر جان لینے کے بعد ہماری رائے میں اب کوئی تذبذب نہیں رہا ہم "مکینکل ازم" کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ ورنہ مالی ترقی سے ہمارا ملک محروم ہو گا۔ اور وہ دوسروں کا اچھوت غلام بن کر رہ جائے گا۔ البتہ یورپین قوموں کے لیے جو مصیبت آ رہی ہے اس سے ہم کسی قدر ماموں ہیں۔

لیکن ایک ایسے انسان کے لیے جو مذہبی جماعتوں کی نمائندگی کرتا ہے۔

یہی مصیبت ایک اور راستہ سے آتی ہے۔ سائنس کی ترقی کے ساتھ مذہبی "فاقون" تو الگ رہا سرے سے خدا کا انکار بھی عام طور پر ضروری ہو گیا ہے۔ میں چونکہ مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لیے اس مشکل کا علاج ہمارا سوچتا رہا ہوں۔ مجھے اس سلسلہ میں مسئلہ وحدت الوجود کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ملا جس سے کہ ایک سائنس دان کو خدا کے وجود کا یقین دلایا جا سکے۔

چونکہ یہ مسئلہ ہندو فلاسفی کا بھی اصل اصول ہے۔ ایسے ہی امام ولی اللہ اسی کو مان کر حکمت اور فلسفہ کا ایسا اسکول قائم کرتے ہیں جس سے تمام مذاہب اپنی تشنگی فرو کر سکتے ہیں۔ اس لیے میری مستقل رائے یہ ہے کہ

(۱) مادی ترقی کے لیے ہمیں یورپ کے لبرل ازم اور مکینکل ازم دونوں کو بخوشی قبول کر لینا چاہیئے۔ جیسے ترکی وغیرہ ممالک میں ہو رہا ہے۔ میں بس مجموعہ کو یورپین ازم کہتا ہوں۔ جیسے کہ کمال پاشا نے اپنے دیہاتیوں کو انتینولیوں کے برابر بنا دیا۔ میں اسی طرح اپنے کاشت کاروں کو ملی گڑھ سوسائٹی کے اعلیٰ درجہ پر لانا چاہتا ہوں۔

جب امیروں کی اولاد نے یورپین ازم سیکھا۔ تو گھر بیچ کر یورپ سے عیاشی کا سامان خرید لائے۔ نہ انہوں نے علم سیکھا نہ فن جس سے قوم میں ترقی پیدا ہوتی۔ ادنیٰ طبقہ اگر یورپین معاشرت اختیار کرے گا تو زیادہ کمائے گا اور اپنی کمائی خود کھائے گا۔ اگرچہ اعلیٰ طبقہ کو یہ امر ناپسند ہو گا۔ مگر اس انقلابی دور میں انہیں سب کچھ مان لینا چاہیئے۔

(۲) روحانی یا مذہبی حفاظت کے لیے امام ولی اللہ کی فلاسفی پڑھانی چاہیئے۔

۴۱۲

حوالہ نمبر 2

مولانا سندھی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے ہمیں یہ کرنا چاہیئے کہ کانگرس کو خالص ایک سیاسی جماعت قرار دیں اور اقتصادیات کو سیاسی زندگی کی بنیاد سمجھیں۔

جب اقتصادیات پر قومی اور سیاسی زندگی کو مرتکز کیا جائے گا۔ تو اس کا امکان ہے کہ ہمارے ہاں بھی لامذہبیت کا دور دورہ ہو۔ سائنس کی ترقی کے ساتھ مذہبی توانین کا بے اثر ہونا تو ظاہر ہی ہے۔ لوگ تو سائنس کے اثر میں خدا کا ہی سرے سے انکار کر دیتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں مذہبی آدمی ہوں۔ میرے نزدیک مذہب ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ خدا کا انکار زندگی کے کمال کی نہیں، بلکہ نقص کی دلیل ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ ہمارے لیے سائنس کا انکار بھی ممکن نہیں۔ اگر ہم نے مشینی دور کی مخالفت کی صنعتی انقلاب کے دور رس نتائج کو اپنی قومی زندگی میں نہ سمویا تو ہم مادی ترقی سے بالکل محروم ہو جائیں گے۔ اور دنیا میں ہماری حیثیت اچھوتوں کی سی ہو گی۔ مولانا کے خیال میں نہ مذہب کا انکار ممکن ہے اور نہ سائنس کے ٹھوس حقائق کو رد کیا جا سکتا ہے۔ اب اس کا حل کیا ہو؟ اس ضمن میں مولانا فرماتے ہیں: "گو یورپ نے مذہب کا استعمال سیاسیات میں چھوڑ دیا ہے لیکن وہ مجبور ہے کہ کسی نہ کسی فلسفہ کو اپنی اجتماعی زندگی کی اساس بنائے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے ملک کی ہندو، مسلمان اور سکھ جماعتوں میں ایسے عالموں کی کمی نہیں کہ وہ اپنی مذہبی روایات کے ساتھ ساتھ یورپ کے اقتصادی نظریات کو تطبیق دے لیں۔ اس سے وہ اپنے عوام کو جلد بیدار کر سکیں گے۔ مگر مذہبی مراسم کو نیشنل تحریک کا جزو بنانا خواہ وہ کسی نیک نیتی کی بنا پر ہو۔ ملک کو تباہی سے نہیں بچا سکتا۔"

۴۲۵

حوالہ نمبر 3

مولانا کی رائے میں ہندوستانی مسلمانوں کے انتشار اور بے عملی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اُن کا قومی وجود اپنے ماضی سے بالکل منقطع کر دیا گیا ہے۔ ہم خیالی باتوں کے پیچھے پڑ کر عملی دُنیا اور اس کے لوازمات سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ ضرورت اب اس امر کی ہے کہ ہماری قومی تاریخ کا جہاں سلسلہ ٹوٹا تھا، اسے پھر از سرِ نو جوڑا جائے اور موجودہ زمانے کے تقاضوں کی مناسبت سے قومی فکر کی نئی تشکیل ہو۔

اس میں شک نہیں کہ اورنگ زیب کے بعد سے ہماری قومی تاریخ میں ایک بہت بڑا فصل پیدا ہو گیا۔ ہمارے سیاسی شیرازہ کے بکھرنے سے ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون بے کار ہو گئے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہم شکست کھا گئے۔ اگر ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون ناقص نہ ہوتے تو ہمارا سیاسی وجود کیوں بگڑتا۔ ظاہر ہے۔ اب تو زمانہ اور بھی بدل چکا ہے، اس لیے ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون اب بجنسہٖ نہیں چل سکتے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہمارا فکر بھی ناکارہ ہو گیا ہے۔ اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے ایک دفعہ مولانا نے فرمایا:۔

"ہندوستان میں مسلمان آئے تو ہندو قوم کی حکومت تھی۔ ہندوؤں کا اپنا قانون تھا۔ اور اُن کا اپنا ایک خاص فلسفہ تھا۔ ہندوؤں کی حکومت گئی۔ حکومت کے ساتھ ان کا قانون بھی رخصت ہوا لیکن فلسفہ باقی رہا۔ اس ہندو فلسفہ کا باہر کی انقلابی قوت سے تصادم ہوا۔ یہ انقلابی قوت اسی قسم کے ایک فلسفہ (تصوف) اور ایک بین الاقوامی

انقلاب نہ تھا۔ ہم شکست کھا گئے اور ہمیں اس شکست کا کھلے دل سے اعتراف کر لینا چاہئے لیکن یہ شکست ہمارے تمدن اور نظام کی شکست ہے' ہمارے فکر کی شکست نہیں' اس فکر نے ایک زمانے میں وہ ڈھانچہ اختیار کیا' اب وہ ڈھانچہ ٹوٹ چکا ہے۔ جہاز ڈوبنے کے بعد محض اس خیال سے کہ کبھی یہ جہاز ہمارا تھا اور اس کے بل پر ہم سمندر کے سینہ پر دوڑتے پھرتے تھے۔ جہاز کے تختوں سے چمٹے رہنا دانشمندوں کا طریقہ نہیں۔ جہاز ڈوب گیا۔ ہم نے بس بھر کوشش کی کہ وہ نہ ڈوبے۔ ہمارے ساتھیوں نے تو اس جہاز کو بچانے کے لئے اپنی جان تک دینے میں بھی دریغ نہ کیا اور آخر وقت تک اس کی خاطر سمندر کی موجوں اور آندھیوں کے جھکڑوں سے لڑتے رہے۔ لیکن اب جب کہ یہ جہاز سمندر کے نیچے جا چکا ہے اور اس کے تہ آنے کی امید موہوم تک باقی نہیں رہی۔ اس جہاز پر آنسو بہاتے رہنا فہم و فراست کے دیوالئے پن کے مترادف ہے' عقل اور ہمت تو یہ تقاضا کرتی ہے کہ جس طرح ہم نے پہلے جہاز بنایا تھا' اب ایک دوسرا جہاز بنا کر کھڑا کر لیں۔ لیکن جب بھی ہم نیا جہاز بنائیں گے تو ظاہر ہے اس کے بنانے میں پچھلے جہاز کے فن' مہارت اور نمونہ سے بڑی مدد لی جائے گی۔

القصہ ہمارا تمدن' ہمارا نظام زندگی اور ہمارا قانون جو ہم نے ابھی اس سیلاب کی نذر کیا ہے اب بجنسہٖ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے۔ ان کی حیثیت اب ایک تاریخی واقعہ کی ہے لیکن اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ایک عرصہ تک ہماری قومی اور ملی شخصیت نے اپنے وجود کو ان مظاہر میں جلوہ گر کیا تھا اور یہ چیزیں ہمارے باطنی وجود کے لئے علامات سی بن گئی ہیں' اس لئے ان کا کلی انکار بھی کسی طرح ممکن نہیں۔ زندگی کا سلسلہ اٹوٹ ہے اور جس طرح پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے زندگی بھی ہمیشہ اپنا تسلسل قائم رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ قوم زندگی کے جن مراحل کو طے کر چکی ہوتی ہے' نیا نظام بشرطیکہ وہ صالح ہو' ان مراحل سے آگے کی طرف بلندی کی راہ دکھاتا ہے لیکن وہ ان مراحل سے کلیتہً انکار نہیں کرتا' البتہ ان کے برے اجزاء کو ضرور الگ

حوالہ نمبر 5

(۲) مالی حقوق کی حفاظت

ولا یسرقن کسی کا مال نہیں چرائیں گی لوگوں کے جو مالی حقوق مسلمہ ہوں گے ان کی خلاف ورزی نہیں کریں گی مالی حقوق پر کم سے کم درجے کا حملہ چوری ہے وہ یہ نہیں کریں گی چہ جائیکہ اس سے بالاتر کسی اور ذریعے سے کسی کا مال ہضم کرنے کی کوشش کریں۔

(۳) حفاظت عزت

ولا یزنین وہ زنا نہیں کریں گی

انسان کی عزت عصمت کے ساتھ نکاح کی پابندی میں، ظاہر ہوتی ہے وہ وعدہ کرتی ہیں کہ کسی کی عزت برباد نہ کریں گی۔

(۴) اولاد کا قتل نہ کرنا

ولا یقتلن اولادھن اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے اپنی عزت بچانے کے لئے اور زنا کاری چھپانے کے لئے اولاد کو قتل نہیں کریں گی۔

(۵) نیوگ کا انکار

ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ایک کا بچہ دوسرے کے نام نہ لگائیں گی۔ ایک عورت ایک مرد سے بچہ لے کر دوسرے کے نام لگا دیتی ہیں یہ بہتان ہے پہلے لوگوں میں رواج رہا ہے کہ ایک مرد سے کام نہ چلے تو عورت دوسرے مرد سے بچہ لے آتی ہے اسے نیوگ کہتے ہیں یہ حرام ہے عورت ایسی حرکت نہ کرے۔ بچہ پیدا کرنے کی خواہش اور نسل بڑھانے کا جذبہ بے شک تقاضائے فطرت انسانی ہے مگر ایک مصنوعی طریقے کو فطرت کا قائم مقام بنانا بہتان ہے جس کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

ہمارے لوگوں نے چند خاص ملکوں میں بیٹھ کر اور ان کے اندر رہ کر قوانین بنائے ہیں وہ ان ملکوں کی فقہ ہے یہ فقہ ساری کی ساری قرآن حکیم میں نہیں آسکتی پس بغداد کی فقہ ہندوستان میں نہیں لائی جا سکتی اور انگلستان کا قانون پاکستان میں نہیں چل سکتا بخارا

کے بادشاہ ہندوستان پر حاکم ہو جاتے ہیں اور انگلستان کے تاجر ہندوستان میں آتے ہیں دونوں اپنے اپنے ملکوں کے قانون یہاں جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ ان قوانین کے سمجھنے سے عاجز آجاتے ہیں انہی میں سے نیوگ کا مسئلہ ہے لوگ اسے زنا میں داخل کرتے ہیں یہ غلط ہے یہ ایک قانون کے تحت ہے اس لئے اسے زنا نہیں کہا جا سکتا زنا سے مراد ہے کسی قسم کا نکاح نہ ہونا اور نیوگ ایک قسم کا نکاح ہے کہ اسے زنا کے تحت نہیں لایا جا سکتا اس لئے قرآن حکیم کو اسے جداگانہ طور پر منع کرنا پڑا۔

اب تک جو چیزیں تھیں وہ منفی حیثیت میں تھیں اب ایک مثبت چیز سے اس قانون کی تکمیل کر دی جاتی ہے ولا یعصینک فی معروف

معروف کا معنی

جو چیز کسی ملک میں عقلاء کی مجاریٹی (اکثریت) میں معقول مانی جائے اسے معروف کہا جاتا ہے جب بیعت معروف پر ہو گی تو گویا ساری شریعت کو تسلیم کر لیا گیا۔

فبایعھن ان کی بیعت قبول کر لو

واستغفرلھن اللہ اگر وہ غلطی سے خلاف ورزی کر بیٹھیں تو اللہ سے ان کے لئے مغفرت طلب کرو۔

ان اللہ غفور رحیم حزب اللہ کی کمزور حالت میں عورتیں اس کی ممبر بنتی ہیں مگر وہ سیاسیات میں بڑی طاقت نہیں مانی جاتیں اس سے انہیں مایوس نہیں ہونا چاہئے اللہ ان کی کمزوری دور کر دے گا اور یہ چھوٹی طاقت بھی بہت بڑا کام کر سکتی ہے۔

آیت نمبر ۱۳ یایھا الذین امنوا لا تتولوا قوما غضب اللہ علیھم قد یئسوا من الاخرۃ کما یئس الکفار من اصحاب القبور

ترجمہ۔ اے ایمان والو اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا وہ تو آخرت سے ایسے ناامید ہو گئے جیسے کافر اہل قبور سے ناامید ہو گئے۔

زندگی پر مایوسی کا اثر نہ ہونے دو

[illegible] سے نہیں ہیں اہل قبور سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں یہ مایوسی

حوالہ نمبر 6

کو یورپ کے اونچے طبقوں کی تقلید کرنے کو کہا ہے۔ اس کے برعکس میں چاہتا ہوں کہ میرے ہاں کا مزدور، کسان اور عام طبقہ یورپ کے مزدور، کسان اور عام طبقے کی طرح ہو اور اس جیسی زندگی بسر کر سکے۔ میرے مخاطب عوام ہیں۔ سرسید کے مخاطب خواص تھے۔ مولانا نے اپنے ٹھٹھہ کے خطبہ میں اس نقطہ نظر کی یوں وضاحت کی۔

"..... کمال پاشا نے اپنے دیہاتیوں کو استنبولیوں کے برابر بنا دیا۔ میں اسی طرح اپنے کاشتکاروں کو علی گڑھ سوسائٹی کے اعلیٰ درجہ پر لانا چاہتا ہوں۔ جب امیروں کی اولاد نے یورپین ازم[1] سیکھا تو گھر بیچ کر عیاشی کا سامان خرید لائے۔ نہ انہوں نے علم سیکھا نہ فن، جس سے قوم میں ترقی ہوتی۔ ادنیٰ طبقہ اگر یورپین معاشرت اختیار کرے گا تو زیادہ کمائے گا۔ اور اپنی کمائی خود کھائے گا۔ اگرچہ اعلیٰ طبقہ کو یہ امر ناپسند ہوگا۔ مگر اس انقلابی دور میں انہیں سب کچھ مان لینا چاہیئے۔"

مولانا کی ان باتوں سے علماء بہت ناراض تھے۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ آپ جو علماء کی مخالفت کرتے ہیں تو ان کی تو ہندوستان میں بڑی طاقت ہے اور اگر یہ طاقت حرکت میں آجائے اور فعال ہو جائے تو ہندوستان کے مسلمان سنبھل سکتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا، یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ ان کے دماغوں میں کوئی چیز محرک ہے ہی نہیں۔ اب حرکت ہو تو کیسے، اور یہ ماحول کو بدلیں تو کس طرح۔ جمود سے کبھی حرکت پیدا نہیں ہوا کرتی۔ دین جامع ہے حکمت اور فقہ یعنی قانون کا۔ حکمت تلاش و تفحص، فکر و نظر اور تقدم و تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔ دماغ حکمت کے اثر سے حرکت میں آجاتا ہے۔ اور کچھ نہ کچھ سوچتا اور زندگی کی نئی راہیں ڈھونڈتا ہے۔ حکمت محرک ہوتی ہے — حکمت فعال ہوتی ہے۔ یہ انسان کو آگے بڑھنے پر اکساتی ہے۔ اور اس کے اندر ہل چل پیدا کرتی ہے۔ دین کا ایک اہم جزو یہی حکمت ہوتی ہے لیکن جب دین سارے

[1] سرسید کے دور کی طرف اشارہ ہے۔

کا سارا فقہ بن جائے اور یہ فقہ زندگی پر حاوی ہو جائے تو دماغ جامد ہو کر رہ جاتا ہے اور انسان کی ترقی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم حکیم تھے۔ اور مولانا رشید احمد گنگوہی فقیہ۔ نہ اول الذکر فقہ کی اہمیت کے منکر تھے۔ اور نہ آخر الذکر حکمت کی افادیت سے انکاری کیونکہ زندگی میں تقدم و تبدیل اور تسلسل و اثبات دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اب جو یہ دیوبندی علماء ہیں، ان پر جمود اس طرح مسلط ہے کہ ان سے حرکت کی توقع کرنا خیال خام ہے۔ ماضی صرف ماضی، روایت صرف روایت اور تقدس محض تقدس، اس سے مستقبل کے لیے راہ کیسے نکلے گی۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔ ان کو تم "خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ" (دیوار سے لگی ہوئی لکڑی) سمجھو[1]۔ یہ قوم کو نئی زندگی نہیں دے سکتے۔

ایک روز عام علماء کا ذکر ہو رہا تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر کوئی مولوی مجھے کافر کہے تو میں کہوں گا کہ کافر وہ خود ہے کیونکہ وہ جن عقائد و مبادی کی بنا پر مجھے کافر ٹھہراتا ہے، وہ ان عقائد و مبادی کو عملی شکل دینے کے لیے کچھ نہیں کرتا۔ اس کے برخلاف میں جس چیز کو حق سمجھتا ہوں، اُسے اس زندگی میں بروئے کار لانے کے لیے سرگرم کار ہوں لیکن وہ مولوی جس بنا پر مجھ پر کفر کا حکم لگاتا ہے، وہ اُسے نافذ کرنے کے لیے ذرا بھی کوشش نہیں کرتا۔ مولانا نے فرمایا، مثلاً میں یہ مانتا ہوں کہ قرآن مجید میں جو تعزیراتی احکام ہیں یا حدیث و سنت میں بعض انتظامی، معاشرتی اور معاشی امور کی جس طرح تعیین اور تحدید کی گئی ہے، وہ ابدی اور غیر متبدل نہیں۔ ان کی حیثیت عملی

---

[1] قرآن مجید کی آیت ہے:۔ وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ ۔ ۶۳-۴۔ اور جب تو دیکھے ان کو تو اچھے لگیں تجھ کو ان کے ڈیل اور اگر بات کہیں سنے تو ان کی بات، کیسے ہیں جیسے لکڑی لگا دی دیوار سے، جو کوئی چیخے جانیں ہم ہی پر بلا آئی۔

قرآن اور قرآنی نظام کے متعلق فکریوں کا نظریہ

بے سوچے سمجھے قرآن پڑھنا شرک اور بت پرستی ہے

"جو شخص قرآن کو بغیر سمجھے پڑھتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اس طرح پڑھنے سے اسے ثواب حاصل ہوگا، وہ بت پرستوں سے کم نہیں۔ ایک نے بت کو خدا بنا لیا اور ایک نے کتاب کو خدا مانا، بت بھی ساکت اور جامد ہے، اسی طرح یہ کتاب بھی اس کے لئے ایک بت ہی ہے، کیونکہ وہ اسے سمجھتا نہیں اور بغیر سمجھے اس کو پڑھتا ہے۔ اب تم ہندوؤں کو تو بت پرست کہتے ہو اور اپنی طرف دیکھتے نہیں، حالانکہ بت پرستی میں تم اور وہ یکساں ہو۔" (افادات وملفوظات: ۳۰۲، ۳۰۳) ❶

فکریوں کی ایک اور اہم کتاب میں اس مسئلہ پر یوں رائے زنی کی گئی ہے:

"مسلمانوں کی تباہی اور قرآن فہمی سے دوری میں اساسی کردار اس فکر کی اشاعت کا ہے کہ سمجھے بغیر قرآن پڑھنے سے ثواب ملتا ہے، حالانکہ یہ فکر قرآنی نصوص سے معارض ہے۔"

اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے:

"ولا أخّر المسلمين عن التدبر فی القرآن إلاشيوع فكرأن

قارئ القرآن يؤجر ولو لم يتدبر فيه، وهو فكر مناقض لما ثبت في القرآن." (الہام الرحمٰن: ج۱ص۲۶۷ برحاشیہ) ❷

قرآن بغیر سمجھے پڑھنے سے روح انقلاب فنا ہو جاتی ہے

فکریوں کی نصابی کتاب ''قرآنی شعور انقلاب'' میں باقاعدہ ایک عنوان قائم کیا گیا ہے کہ ''بے سمجھے پڑھنے سے روح انقلاب فنا ہو جاتی ہے'' اس عنوان کے تحت لکھا ہے:

''سمجھ کر پڑھنے کی اتنی تاکیدوں کے باوجود مسلمان صرف بے سمجھے پڑھنے کو کافی سمجھنے لگ گیا ہے۔ معلوم نہیں کس زمانے میں مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا کہ قرآن کا مطلب سمجھے بغیر صرف شین قاف درست کر کے پڑھنے کا نام ترتیل ہے اور صرف یہی کافی ہے۔'' (قرآنی شعور انقلاب:۳۲۱) ❸

اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک کے الفاظ اور اس کے مفہوم کو سمجھ کر پڑھنا بہت بڑی سعادت اور فضیلت کی بات ہے جس سے انکار کی گنجائش ہی نہیں، لیکن اس کی آڑ لے کر یہ کہنا کہ سمجھے بغیر پڑھنے کا کوئی فائدہ اور ثواب نہیں اور یہ کہ یہ شرک اور بت پرستی کی طرح ہے، کس قدر باطل اور گمراہ کن نظریہ اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے صریح روگردانی ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"من قرء حرفا من كتاب الله فله به حسنة، والحسنة بعشر أمثالها، لا أقول "الم" حرف، ولكن ألف حرف ولام حرف و ميم حرف." (ترمذی: ج۲ص۱۱۵)

ترجمہ: ''جس نے قرآن کا ایک حرف پڑھا اس کے لئے
اس کے بدلے ایک نیکی ہے اور وہ نیکی دس کے برابر ہوگی۔
میں یہ نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے بلکہ ''الف'' حرف ہے
اور ''لام'' حرف ہے اور ''میم'' حرف ہے۔ (یعنی یہ تینوں الگ
الگ حروف ہیں اور ''الم'' پڑھنے سے تیس نیکیاں ملیں گی۔'')

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ حدیث شریف میں مثال ''الم'' کی دی گئی ہے جو حروف متشابہات میں سے ہے اور حروف متشابہات کے بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی اس کا معنی نہیں جانتا۔ اسی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے کہ جو انہیں پڑھے گا اسے تیس نیکیاں ملیں گی (اگرچہ وہ اس کا معنی نہ سمجھے)۔ حدیث میں اس قدر وضاحت کے بعد بھی فکریوں کا اس پر اصرار کرنا صریح گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟

قرآنی احکام کو ابدی اور عالمگیر ماننا صحیح نہیں

قرآن اور قرآنی احکام پر فکری اپنی یلغار برابر جاری رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

''قرآن میں کہیں کہیں جو احکام ہیں وہ دراصل ایک مثال کی
حیثیت رکھتے ہیں۔ ان احکام کو اپنی مخصوص شکل میں ابدی اور
عالمگیر ماننا صحیح نہیں۔ عرب کے خاص حالات میں قرآن کے
عمومی پیغام کو صرف ان احکام کے ذریعے ہی عملی صورت دی جا
سکتی تھی۔'' (حالات تعلیمات: ۲۸۱) ۴

معلوم ہوا کہ فکریوں کے ہاں قرآنی احکام عالمگیر ہیں نہ ابدی۔ اشتراکیت کے غلام کس بے دردی سے اسلامی احکام کو ایک ایک کر کے دین سے نکال رہے ہیں۔ قرآنی احکام کو اپنی مخصوص شکل میں ابدی اور عالمگیر ماننے کو غلط قرار دینے کا مطلب

اس کے سوا اور کیا ہے کہ ابتداء سے لے کر آج تک امت مسلمہ اس غلطی کا شکار رہی اور اب چودہ سو سال کے بعد قرآنی تعلیمات و احکام کی حقیقت اور فلسفہ کے یہ ''مفکرین'' اس راز کو پا گئے کہ نئے زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اسلامی تعلیمات اور پیغمبر اسلام کے پیش کردہ دین کے اصل نقشے کو جہاں جہاں سے بگاڑنے اور کٹوتی کی ضرورت ہو وہاں وہاں سے اس میں قطع و برید کر کے عہد جدید کے مطابق اسلام کا ایک محرف ایڈیشن تیار کر دیا جائے۔

قرآن پاک میں تعزیراتی احکام اور حدود مخصوص وقت کے لئے تھے

ایک مقام پر پروفیسر سرور صاحب لکھتے ہیں:

''قرآن مجید میں جو تعزیراتی احکام ہیں یا حدیث و سنت میں بعض انتظامی، معاشرتی اور معاشی امور کی جس طرح تعیین اور تحدید کی گئی ہے وہ ابدی اور غیر متبدل نہیں، ان کی حیثیت عملی مثالوں کی ہے۔'' (افادات وملفوظات: ۱۲۴، ۱۲۵) ❺

قرآنی احکام میں تبدیلی کا یہ نعرہ کوئی نیا نہیں، آج سے چودہ سو سال پہلے مشرکین مکہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا: ﴿ائت بقرآن غير هذا أو بدله﴾ (کوئی اور قرآن لاؤ یا اسے بدل دو) وہ بھی قرآن کو اپنے ''زمانے''، ''حالات'' اور ''نظریات'' کے مطابق نہیں سمجھتے تھے، ان کا بھی نظریہ تھا کہ قرآن غیر متبدل نہیں، اس لئے انہوں نے تبدیلی کا مطالبہ کیا، اللہ تعالی نے اپنے پیغمبر سے کہا، تم انہیں کہہ دو: ﴿ما يكون لي أن أبدله من تلقاء نفسي، إن أتبع إلا ما يوحى إلي﴾ (میں اسے اپنی طرف سے نہیں بدل سکتا، میں تو وحی ہی (نہ کہ حالات

اور زمانہ) کی اتباع کرتا ہوں)

جس نعرے کو قرآن نے اٹھتے ہی دفن کیا آج پھر اسے زندہ کرنے کی کوششیں پوری آب و تاب کے ساتھ جاری ہیں، کبھی جدت پسندی اور روشن خیالی کے نام سے اور کبھی ''فکر ولی اللّٰہی'' کے عنوان سے، لیکن یہ کوششیں ریت کے گھروندے ثابت ہوں گی، قرآن نے واضح لفظوں میں بتا دیا کہ قرآن ابدی اور غیر متبدل ہے اور اس میں تا قیامت تبدیلی کا کوئی تصور نہیں۔

قرآنی احکام کے ابدی نہ ہونے پر فکریوں کے پروفیسر سرور صاحب کا اصرار

پروفیسر سرور صاحب لکھتے ہیں:

''شیخ محمد نور مکی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یکم دسمبر ۱۹۴۳ کا ذکر ہے، وہ اور میں دونوں جامعہ نگر میں مقیم تھے۔ ایک دن ان سے یہ بحث ہوئی کہ آیا قرآن کی مقرر کردہ حدود اور دوسرے قوانین ابدی ہیں یا نہیں؟ شیخ کا اصرار تھا کہ چوری، زنا اور میراث وغیرہ کے احکام کسی زمانے میں بھی تبدیل نہیں کئے جا سکتے۔ راقم الحروف اس کی مخالفت کر رہا تھا، میرا کہنا یہ تھا کہ کسی قانون کی جو اشکال ہوتی ہیں، وہ خاص ماحول کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ بے شک اس ماحول میں وہ قانون ان اشکال کے بغیر متعین نہیں ہوسکتا تھا اور جب تک وہ ماحول تھا اس قانون کی ابدیت، دوام اور اس کا حق ہونا مسلم، لیکن جب وہ ماحول بدل

جائے اور لوگوں کی وہ ضرورتیں نہ رہیں جن کو وہ مخصوص قانون پورا کرتا تھا تو پھر قانون کی اس خاص شکل پر اڑے رہنا اور اسے ابدی سمجھنا درست نہیں۔ مثال کے طور پر قرآن میں جنگ کے نتیجے میں مال غنیمت ہاتھ آنے کے جو احکام ہیں اب ان کی کسی مسلمان کو ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اسی طرح کسی اسلامی ملک میں ماسوا سعودی عرب کے چوری پر ہاتھ نہیں کاٹے جاتے اور فقہ میں غلاموں اور لونڈیوں کے جو ابواب ہیں وہ بھی اب بے کار ہو گئے ہیں کیونکہ غلام، لونڈی رکھنا اقوام متحدہ کی طرف سے ممنوع قرار دے دیا گیا ہے اور کوئی ملک اس کی اجازت دے کر عالمی برادری کا رکن نہیں رہ سکتا۔ ایسے ہی کوئی مسلمان ریاست اپنی غیر مسلم رعایا پر قرآن کے حکم کے مطابق جزیہ عائد کرنے کا آج نہیں سوچتی۔

راقم الحروف کا کہنا تھا کہ بے شک زنا اور چوری حرام ہیں اور یہ اللہ کا حکم ہے لیکن ان جرائم کو خاص اس صورت میں روکنے کی کوشش کرنا جو ابتدائے اسلام کے بدوی معاشرے میں قانونی طور پر معین ہوئی یہ ابدی اور دائمی نہیں۔'' (افادات:۲۹۰،۲۹۱) ❻

مذکورہ عبارت جہاں فکریوں کے غلط اور باطل نظریات کی نشان دہی کرتی ہے وہاں یہ پروفیسر سرور صاحب کی ذہنیت کی بھی ترجمان ہے۔ ذرا اندازہ لگائیں کہ ان نظریات کے حامل نے ہمارے اکابر کی تعلیمات کے ساتھ کیا حشر کیا ہوگا؟ ان اکابر کی تعلیمات کا مطالعہ کرنے سے قبل اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ وہ اسی ذہنیت سے گزر کر صفحۂ قرطاس پر آئی ہیں۔ پروفیسر سرور صاحب کا شیخ نور محمد مکی

صاحب کے سمجھانے کے باوجود اس غلط نظریئے پر ڈٹے رہنا ظالمانہ سلوک کا ایسا ٹھوس ثبوت ہے جس کا فکریوں کے پاس کوئی جواب نہیں۔

قانون ابدی نہیں ہوتا، ابدیت صرف حکمت کو ہے

حدود اور دیگر قوانین کے بارے میں فکریوں کی نصابی کتاب ''شعور آگہی'' میں لکھا ہے:

> ''چونکہ قانون کا قوم کے مزاج اور حالات سے متاثر ہونا ضروری ہوتا ہے اس لئے قانون [یعنی قرآن میں جو قوانین موجود ہیں] ابدی اور سرمدی نہیں ہوسکتا۔ ابدیت صرف حکمت کو ہے اور قانون [یعنی حدود، تعزیرات وغیرہ اور دیگر قوانین] کی حیثیت ایک نمونے اور مثال کی ہوتی ہے۔ الغرض قرآن نے جو حکمت پیش کی ہے وہ ابدی ہے [قانون ابدی نہیں]۔''
>
> (شعور آگہی: ۲۴) ۷

فکریوں کے ہاں قرآنی تعلیمات سے ہر زمانے میں مختلف نتائج ظاہر ہونے چاہئیں اور یہ تبھی ہوسکتا ہے کہ ہر زمانے میں ان کی الگ تعبیر کی جائے اور حالات کے تقاضوں کے مطابق انہیں جدا شکل دی جائے، بالفاظ دیگر قرآن کی روح اور حکمت ابدی ہے نہ کہ اس میں ذکر کردہ قوانین، حالانکہ تمام امت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قرآن نے جو قوانین پیش کئے ہیں وہی ہر زمانے کے لئے متعین ہیں اور انہی کے مطابق زندگی گزارنے کا انسان مکلّف ہے۔ قرآن کے چشمۂ فیض سے مستفیض ہونا صرف انہی احکام و قوانین پر منحصر ہے جو اس نے بتلائے ہیں ایسا نہیں کہ قرآن کو منبع تو مانا جائے مگر اس سے کچھ حاصل کرنے کے لئے ہر زمانے میں نئے قوانین کو تراشا جائے جس طرح قرآن کی روح و حکمت ابدی اور عالمگیر ہے اسی طرح اس

کے پیش کردہ احکام، قوانین وطرق عبادت بھی ابدی اور ہمہ گیر ہیں۔

قرآنی قانون کو ابدی اور عمومی سمجھنا ٹھیک نہیں

اسی مسئلے پر پروفیسر سرور صاحب یوں لکھتے ہیں:

''اس عالمگیر قانون کو حجاز میں عملی جامہ پہنایا گیا۔ یہ جامہ اس عالمگیر قانون کی ایک تعبیر ہے، جو زمانہ، ماحول اور اہل حجاز کی طبیعت کے مطابق کی گئی۔ اس تعبیر کو اصل قانون کی طرح عمومی اور ابدی سمجھنا ٹھیک نہیں۔'' (حالات تعلیمات:۲۶۸) ۸

قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ایک خاص مظہر میں جلوہ گر ہوا، ضروری نہیں کہ دوسرے زمانے میں بھی اسی صورت میں ظاہر ہو

فکری حضرات قرآنی تعلیمات کو ابدی اور عالمگیر ماننے کے لئے کسی صورت میں تیار نہیں۔ ان کے ہاں چونکہ یہ قانون ایک خاص زمانے اور ایک خاص ماحول میں ایک مخصوص قوم کے لئے نازل ہوا ہے اس لئے اس زمانے کے بعد اور کسی دوسرے ماحول میں یہ قانون جاری نہیں ہوسکتا۔ ملاحظہ کیجئے:

''قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ایک زمانے میں ایک خاص مظہر میں جلوہ گر ہوا۔ اب ضروری نہیں کہ دوسرے زمانے میں وہ پھر بعینہٖ اسی صورت میں ظاہر ہو۔'' (حالات تعلیمات:۵۵) ۹

فکری حضرات قرآنی تعلیمات کو موجودہ دور میں غیر قابل العمل قرار دے کر

کس نظام کو لانا چاہتے ہیں؟ آئندہ صفحات میں یہ بات بھی بخوبی واضح ہو جائے گی۔

ایک خاص زمانے میں جو نظام بنتا ہے وہ فائنل نہیں ہوتا

اسلامی نظام کے بارے میں فکری اپنے اشتراکیت زدہ افکار کا یوں اظہار کرتے ہیں:

> ''ایک خاص زمانے میں جو نظام بنتا ہے وہ آخری یعنی (Final) نہیں ہوتا۔ وہ انسان کو زندگی کے ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں لے جانے کے قابل کرتا ہے۔ (تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں) ..... لوگ غلطی یہ کرتے ہیں کہ اس مثال کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کل حقیقت کے مرادف سمجھ لیتے ہیں اور ہر زمانے اور ہر قوم و ملک میں اس نظام کو بجنسہ نافذ کرنا چاہتے ہیں۔'' (حالات، تعلیمات: ۲۸۷) ⓭

فکریوں کے ہاں اسلامی نظام اس لئے قابل عمل نہیں کہ یہ تو چودہ سو سال پہلے کا فرسودہ نظام ہے اور یہ اس زمانے، اس ماحول اور اس قوم کے لئے نازل ہوا تھا۔ ہمارے آج کے اس دور میں اب یہ کیسے نافذ ہوگا؟ زمانہ اب بہت ترقی کر چکا ہے، اسلامی نظام اور قرآنی تعلیمات کا زمانہ آجکل نہیں۔

قرآن وسنت کے کسی ''فوجداری'' اور ''سول'' قانون کو دائمی اور ابدی سمجھنا ٹھیک نہیں

فکری مزید وضاحت کرتے ہیں:

''وہ قرآن وسنت کے کسی ''فوجداری'' اور ''سول'' قانون کو شکلاً
دائمی اور ابدی نہیں مانتے تھے۔'' (برحاشیہ افادات: ۲۹۰) (۱۱)

یعنی قرآن کا ''فوجداری'' قانون ہو یا ''سول'' وہ ابدی نہیں۔

قرآنی نظام فکریوں کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹک رہا ہے۔ ان کی ان عبارتوں کو ایک ادنی شعور کا حامل شخص بھی پڑھ کر اس نتیجے پر پہنچے گا کہ یہ لوگ اس آسمانی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ ایک طرف اسلامی انقلاب کا نعرہ اور دوسری طرف لکھ رہے ہیں کہ قرآنی نظام دائمی نہیں، جب قرآنی نظام دائمی نہیں تو پھر وہ کون سا ''دائمی اسلامی انقلاب'' ہے جسے آپ فکری اور انقلابی بن کر نافذ کرنا چاہتے ہیں؟

یہ نعرے، یہ دعوے کسی تیسری چیز کی تمہید ہیں۔ ان کی یہ سوچ یورپ سے مرعوبیت کا شاخسانہ ہے، اصل کہانی کچھ اور ہے۔ فکری حضرات اسلامی قانون کے نفاذ کے بجائے مساویانہ انسانی حقوق کی بنیاد پر ایک نئی قانون سازی چاہتے ہیں، جس کی بنیاد سیکولرازم اور نیشنلزم ہو۔ ان کی یہ ساری تگ و دو، یہ تمام محنت اور کوشش یہ سارے دعوے اور نعرے اسی مقصد کے لئے ہیں۔

لیکن اسلامی نظام ان کی منزل میں ''سنگ گراں'' بن جاتا ہے اس لئے وہ اول تو اپنی مسلمانی کا بھرم رکھتے ہوئے اس نظام کے قلادے کو اپنے گلے سے اتارتے ہیں اور پھر دوسرے مرحلے پر وہ اشتراکیت کے جذام زدہ نظام سے نئی نوجوان نسل کے ذہنوں کی آبیاری کرتے ہیں۔

آپ فکریوں کا تمام لٹریچر، ان کی تمام نصابی کتب کھنگال لیں، ان میں آپ کو صحیح اسلامی نظام کے نفاذ کا کوئی مطالبہ نہیں ملے گا، قرآنی قانون کا کوئی ذکر نہیں ہوگا۔ ان کے افکار کی تمام سوتیں اشتراکیت اور لادینیت کے چشمے سے پھوٹتی ہیں۔ ان کا مرکز فکر یورپ کا مخرب اخلاق نظام اور ان کی سوچ کا منبع روس کا سیکولرازم

ہے۔ یہ اپنے معاشی نظام کو جس بنیاد پر استوار کرنا چاہتے ہیں وہ ناکام اشتراکی نظام ہے۔

قرآن میں جو سزائیں وغیرہ مذکور ہیں وہ محض مثالی ہیں

حدود کے بارے میں لکھتے ہیں:

''قرآن مجید میں بعض جرائم کی جو سزائیں مذکور ہیں، ان کی حیثیت محض مثال کی ہے اور لازمی نہیں کہ ہر زمانے میں ان کو اسی شکل میں نافذ کیا جائے۔'' (افادات، ملفوظات: ۲۷۹) ۱۲

حد ارتداد کے نفاذ سے معاشرے میں ابتری پھیلے گی

فکریوں کی کتابوں سے جب حوالہ دیا جاتا ہے تو ایسے موقع پر لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے تقیہ پرستی سے کام لیتے ہوئے یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ باتیں اگرچہ ہماری کتابوں میں موجود ہیں لیکن یہ ہمارا نظریہ نہیں، یہ تو لکھنے والے کا نظریہ ہے۔ ہمارے تمام نظریات وہی ہیں جو علماء دیوبند کے ہیں، جیسا کہ رائے پوری صاحب نے اپنی ایک تحریر میں اور تنظیم کے ناظم عمومی عبدالمتین نعمانی نے شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب کو اپنے ایک خط میں لکھا ہے:

''حدود کا ثبوت قطعی نصوص سے ہے، ان کا نفاذ قیام عدل میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور ان ہی سے صحیح معنوں میں جرائم کی بیخ کنی ہوگی۔''

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اصلیت واضح کرنے کے لئے تنظیم کے ترجمان رسالہ ''عزم'' کا ایک حوالہ پیش کیا جائے۔ چنانچہ سعید اعوان لکھتے ہیں:

''اسی طرح تنگ نظری اور کافر سازی کے ماحول میں حد ارتداد کے نفاذ سے معاشرہ میں جو ابتری پھیلے گی اس کے تصور سے ہی

رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔" (سیریز:۱۲۶ص۴)

آپ نے ملاحظہ فرمالیا! ایک طرف کہہ رہے ہیں کہ حدود کا ثبوت قطعی نصوص سے ہے اور دوسری طرف حدود کے نفاذ سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں حدود کا جبری اقرار جب لیا جارہا تھا اس وقت نعمانی صاحب کے رونگٹے کیوں نہیں کھڑے ہوئے؟

انبیاء کے وہ احکام وقوانین جو خاص قوم اور خاص زمانے کے خیال سے مرتب ہوئے وہ ابدی اور دائمی نہیں

"وہ علماء جن کے پیش نظر عام انسانیت کی مجموعی ترقی اور بہبود ہوتی ہے وہ انبیاء کی تعلیمات کے عمومی پہلو پر زیادہ زور دیتے ہیں اور ان کے نزدیک انبیاء کے وہ احکام اور قوانین جو کسی خاص قوم اور ایک خاص زمانے کے مخصوص حالات کے خیال سے مرتب ہوتے ہیں، عالمگیر اور دائمی نہیں ہوتے۔"

(حالات، تعلیمات:۲۸۲) ۱۳

گویا فکریوں کے ہاں قرآنی قوانین حدود وغیرہ کے ساتھ ساتھ انبیاء کے "احکام" بھی دائمی نہیں۔ یعنی انبیاء کے احکام بھی ایک خاص زمانے تک محدود تھے۔ ہر دور میں ان پر عمل کرنا ضروری نہیں ع

کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

قانون ابدی نہیں ہوتا، اس کی حیثیت نمونہ اور مثال کی طرح ہے

ایک اور مقام پر اہل فکر حدود اور تعزیرات کے بارے میں یوں اظہار خیال

کرتے ہیں:

''مولانا نے فرمایا: ''مثلاً میں یہ مانتا ہوں کہ قرآن مجید میں جو تعزیراتی احکام ہیں یا حدیث وسنت میں بعض انتظامی، معاشرتی اور معاشی امور کی جس طرح تعیین اور تحدید کی گئی ہے وہ ابدی اور غیر متبدل نہیں۔ ان کی حیثیت عملی مثالوں کی ہے کہ اس زمانے میں قرآن کی عمومی و ہمہ گیر ہدایت صرف انہی صورتوں میں متشکل ہوسکتی تھی اور وہ ہوئی، اب وہ ہمارے لئے قانونی نظائر ہیں۔'' (افادات وملفوظات: ۱۲۴، ۱۲۵) [۱۴]

یعنی فکریوں کے ہاں قرآن کی عمومیت اور ہمہ گیریت کا اطلاق و انطباق ہر زمانے میں الگ اور نئے قوانین سے ہوگا۔ اس زمانے میں آسمانی ہدایت سے مستفید ہونا قرآن میں ذکر کردہ انہی صورتوں میں منحصر تھا، جب کہ آج کے جدید دور میں نئی صورتیں درکار ہوں گی جن سے دین کی عالمگیریت متحقق ہو سکے۔ غرضیکہ جو شرعی نظام ہے اب وہ نہیں چل سکتا اور اس زمانے میں اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنا دین کی عمومیت کی مخالفت ہے کیونکہ ان کے زعم میں دین کی عالمگیریت تب ثابت ہوسکتی ہے جب ہر زمانے میں اس کے تحت قابل عمل قوانین ہوں اور موجودہ قوانین قابل عمل نہیں۔ لیکن کیا فکری یہ بتا سکتے ہیں کہ قرآنی نظام جو بقول ان کے ایک خاص زمانے اور خاص ماحول میں ایک خاص اور محدود قوم کے لئے نازل ہوا تھا تو خلافت راشدہ کے دور میں جب اسلامی مملکت کا رقبہ پھیل گیا تو ظاہر ہے کہ اس میں عرب ممالک کے علاوہ عجم ممالک بھی شامل تھے۔ اس دور میں بھی معاشرتی اور طبقاتی اونچ نیچ تھی، ان ممالک میں بھی بعض ترقی یافتہ اور بعض غیر ترقی یافتہ تھے، پھر یہ خاص زمانے اور خاص ماحول اور ایک محدود قوم کیلئے نازل ہونے والا نظام ان تمام ممالک میں اس قدر تفاوت کے باوجود بغیر کسی کمی بیشی کے کس طرح نافذ ہوا؟

عرب کے ایک خاص طبقے کے لئے بننے والا قانون ایران اور فارس میں کیسے نافذ ہوا؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بننے والا قانون حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور تک اور اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک کیوں لاگو ہوتا رہا؟

اس دور کے علماء تو قرآنی قانون اور نظام کے ابدی ہونے کا انکار تو کجا قرآنی الفاظ (حروف) کو ''حادث'' کہنے کو بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ جلیل القدر ائمہ اور بڑے بڑے علماء ان لوگوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے جو قرآن کے حروف کو ''حادث'' کہتے تھے یا انہیں قدیم نہیں مانتے تھے۔

امام احمد بن حنبل اس قافلہ میں سپہ سالار کی حیثیت رکھتے ہیں، ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، محض اس بناء پر کہ وہ قرآنی حروف کو ''مخلوق'' یا حادث نہیں مانتے تھے۔ ان کی پیٹھ پر اس قدر کوڑے برسائے گئے کہ راوی کا کہنا ہے کہ اگر طاقتور اور مضبوط ترین ہاتھی کی پیٹھ پر یہ کوڑے لگائے جاتے تو وہ بھی اس کی تاب نہ لاسکتا۔ مگر آفرین کہ اس عظمت کے پہاڑ کے سامنے ظلم و ستم کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے اور یہ عظیم امام اپنے اس دعوے پر آخر دم تک ڈٹے رہے۔

آج اپنے آپ کو اسی قافلے کے کہلانے والے چند افراد یورپ سے مرعوب اور اشتراکیت کے نشے میں چور ہو کر قرآن کے حروف سے ایک قدم آگے بڑھ کر قرآنی نظام کو بھی متبدل اور غیر دائمی کہتے ہیں اور بڑی ڈھٹائی سے اسے نمونہ اور مثال کہہ کر موجودہ دور کے لئے ناقابل عمل قرار دیتے ہیں۔

چنانچہ ایک اور کتاب میں لکھتے ہیں:

''چونکہ قانون کا قوم کے مزاج اور حالات سے متاثر ہونا ضروری ہوتا ہے اس لئے قانون ابدی اور سرمدی نہیں ہوسکتا۔ ابدیت صرف حکمت کو ہے اور قانون کی حیثیت ایک نمونہ اور

مثال کی ہوتی ہے۔'' (حالات، تعلیمات:۵۳) ⑮

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قانون نافذ کیا بجائے اس کے کہ اسے وحی خداوندی سمجھا جائے اور اسے سینے سے لگایا جائے، یہ کہا جا رہا ہے کہ وہ قوم کے مزاج اور حالت سے متاثر تھا اس لئے اسے محض ایک نمونہ، مثال اور نظیر سمجھا جائے، نہ یہ کہ اس کی اسی شکل کو ابدی اور سرمدی سمجھ کر اس کے نفاذ کی کوشش کی جائے کیونکہ نہ قوموں کے وہ مزاج رہے اور نہ وہ حالات! اب کسی ایسے قانون کی ضرورت ہے جو قوموں کے مزاج کے بھی موافق ہو اور حالات کے بھی۔ وہ کونسا قانون ہے؟ لیجئے آپ بھی ملاحظہ فرمالیں!

قرآنی حکومت کی بجائے سیکولر حکومت کی ضرورت ہے

قرآنی نظام، اسلامی حکومت، انبیاء کے احکام اور حدود و تعزیرات وغیرہ کو غیر دائمی اور متبدل قرار دے کر فکری اب اپنے اصل مقصد کی طرف آ رہے ہیں، گویا اب تک کہ یہ ساری تقریریں اسی بات کی تمہید تھیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''ہمارا ایک عالم دین خواہ وہ مولانا مودودی صاحب جیسا کتنا بھی روشن خیال کیوں نہ ہو صحیح معنوں میں ایک جمہوری حکومت کے قیام پر کبھی راضی ہو ہی نہیں سکتا اور تو اور غلام احمد پرویز جیسے صاحب قلم بھی جو بہت سی مروجہ اعتقادی بندھنوں اور مروجہ روایتی زنجیروں کو توڑ چکے ہیں اور آزاد ذہن کے ساتھ سوچتے اور دیکھتے ہیں، لیکن چونکہ ان کے پیش نظر بھی ایک

اسلامی حکومت ہے جسے وہ ''قرآنی حکومت'' کا نام دیتے ہیں تو وہ بھی جمہوری نظام حکومت کے شدید ترین مخالف ہیں اور وہ یہ برداشت کرنے کو تیار نہیں کہ ایک وطن میں رہنے والے لوگ بلا تمیز مذہب ایک جمہوری اور سیکولر حکومت بنا کر رہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج اسلام کے نام سے جو بھی حکومت بنے گی وہ غیر جمہوری ہوگی۔ موجودہ مذہبی اور اسلامی ذہن جمہوریت کو مع اس کے جملہ لوازم کے اپنانے کو تیار نہیں۔ [لہٰذا جمہوری اور سیکولر حکومت ہونی چاہئے]۔'' (افادات ملفوظات:۱۶۶) ⑯

فکری حضرات غلام احمد پرویز کو بھی پیچھے چھوڑ گئے۔ مذکورہ عبارت میں واضح طور پر لکھا ہے کہ غلام احمد پرویز بھی سیکولر حکومت کے قائل نہیں لیکن فکری حضرات قرآنی حکومت کو بڑی دیدہ دلیری کے ساتھ مسترد کرتے ہوئے سیکولر حکومت کے قیام کا مطالبہ کر رہے ہیں۔

سیاسی نظام ایسا جمہوری اور سیکولر ہونا چاہئے جس کی بنیاد سوشلزم ہو

اسی کتاب میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''ان کے پیش نظر طویل المیعاد حل یہ تھا کہ ہندوستان کو ایک براعظم سمجھا جائے جس میں مختلف قومیں آباد ہیں اور قوم سے مراد ایک مخصوص خطے میں ایک زبان بولنے والی آبادی ہے۔ ہر قوم اپنی جگہ آزاد ہو اور ان کے درمیان فیڈریشن، کانفیڈریشن

یا اور کسی طرح کا مشترک ربط ہو سب کا سیاسی نظام جمہوری اور سیکولر ہو جس کی اساس ایسا سوشلزم ہو جو ہمارے ملک کے موجودہ حالات میں قابل عمل ہے" (افادات، ملفوظات:۱۴۳) ۱۷

اس دور میں خلافت راشدہ جیسی حکومت کے قیام کی کوشش کرنے والے قرآن کے صحیح مفہوم کو نہیں جانتے

فکریون کے نزدیک خلافت راشدہ جیسی حکومتیں آج کے زمانہ میں خواب دیوانہ ہیں، اس لئے کہ آج کل کے حالات میں وہ نظام خلافت قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ فرمایئے:

"جو زمانہ گزر گیا وہ پھر واپس نہیں آیا کرتا، جو پانی بہہ جاتا ہے وہ لوٹتا نہیں۔ قرآن پر عمل کر کے خلافت راشدہ کے دور اول میں صحابہ نے جو حکومت بنائی اب بعینہٖ ویسی حکومت نہیں بن سکتی۔ جو لوگ قرآن کو اس طرح سمجھتے ہیں وہ قرآن کے صحیح مفہوم کو نہیں جانتے۔ بے شک خلافت راشدہ کی حکومت قرآنی حکومت کا ایک نمونہ ہے لیکن یہ نمونہ ہر دور میں منتقل نہیں ہو سکتا۔"

(حالات تعلیمات:۵۵) ۱۸

اسلامی حکومت ایک خواب ہے کیونکہ زمانہ اب ان چیزوں کا نہیں

فکریوں کے نظریئے کے مطابق اسلامی حکومت ایک خواب ہے، ان کے خیال

میں زمانہ اب ترقی کر چکا اس لئے اب یہ چیزیں نہیں چل سکتیں۔ یہ زمانہ ایسی حکومتوں کا ہے جن کی بنیاد سیکولرازم اور سوشلزم پر ہو۔ ملاحظہ فرمائیں:

''اب قومی جمہوریتوں کا زمانہ ہے، ایسی قومی جمہوریتوں کا جن کی بنیاد سیکولرازم اور سوشلزم ہو۔ میں اور میرے بزرگ، تم میں سے بعض خوش عقیدہ لوگ اب جو خواب [اسلامی حکومت کا] دیکھ رہے ہیں اسی خواب کو حقیقت بنانے کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ وہ تم سے کہیں زیادہ مخلص تھے اور انہیں اچھے سے اچھے ساتھی بھی ملے لیکن وہ ناکام رہے۔ کیونکہ زمانہ اب ان چیزوں کا نہیں۔'' (افادات وملفوظات:۱۶۴) ⑲

آج سیکولر اور سوشلسٹ نظام کی ضرورت ہے

فکریوں کے نقطۂ نظر سے آج صرف اور صرف سیکولر (لادین) اور ڈیموکریٹک نیشنلسٹ اور سوشلسٹ نظام حکومت کی ضرورت ہے۔

فکریوں کی پسندیدہ اور دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق ضروری حکومت ملاحظہ فرمایئے:

''آج ہم صرف سیکولر جمہوریت اور سوشلسٹ جمہوریت سے ہی اسے توڑ سکتے ہیں۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا اسلامی ذہن صدیوں کی فرقہ پرستی، تنگ نظری، جمود اور عقلی غلامی، جذبات پرستی اور آگے کے بجائے ہمیشہ پیچھے دیکھنے کی عادت سے نہیں نکل سکتا۔ اس ذہن کو اپیل کر کے اور اسے متحرک بنا کر جو نظام حکومت بھی بروئے کار آئے گا وہ مزاجاً شاہی اور شخصی ہوگا، جمہوری نہیں۔ ہمیں جمہوری نظام حکومت کی طرف جانے

کے لئے نیا راستہ اختیار کرنا ہوگا اور نئے راستے کے لئے پچھلے راستے کو ترک کرنا پڑتا ہے۔" (افادات: ۱۶۵) (۲۰)

ہمارا نظام فرسودہ ہو چکا اس لئے یورپی طرز معاشرت اختیار کی جائے

فکریوں کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والا آسمانی نظام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین کے اوضاع و اطوار فرسودہ ہو چکے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ یورپی طرز معاشرت اختیار کی جائے۔ ملاحظہ ہو:

"ہماری یہ چیزیں اس زمانے کی یادگار ہیں جب زندگی دوسرے ڈھنگ پر تھی۔ اب چونکہ زندگی یکسر بدل گئی ہے اس لئے یہ اوضاع و اطوار بھی فرسودہ ہو چکے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ یورپی معاشرت اختیار کی جائے۔"

(حالات، تعلیمات: ۴۱۵) (۲۱)

فکریوں کے ہاں موجودہ اسلام "یادگار زمانہ" ہے، اب چونکہ زندگی بدل گئی ہے اس لئے یہ اسلام اور اسلامی نظام زندگی کی حرارت سے یکسر محروم، فرسودگی کا شکار، قدامت پرستی کے اطوار کا شاہکار، روشن ضمیری سے محروم، ہر تمدنی ڈھانچہ کے لئے تباہ کن ہے، لہٰذا جلد از جلد اس زوال پذیر اسلام اور اس کے نظام سے گلو خلاصی کر کے یورپی طرز معاشرت اختیار کی جائے۔

قارئین کرام! آپ خود ہی فیصلہ کریں کہ جن کے ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے اسلام کی اصل روح پہلی ہی صدی میں ختم ہو گئی تھی اور اس کے بعد خدا اور رسول کے وہ فیصلے اور قوانین امت کے لئے ناقابل عمل اور فرسودگی کا شکار ہو چکے

تھے، کیا وہ مسلمان کہلانے کے لائق ہیں؟

قرآن و حدیث اور اصول کفر و ایمان کی روشنی میں مندرجہ بالا نظریات کے حاملین کس لقب کے مستحق ہیں؟

ہمارا تمدن، ہمارا قانون، ہمارا فلسفہ ناقص ہیں، اس لئے اب یہ نہیں چل سکتے

فکری مزید لکھتے ہیں:

"ہمارے سیاسی شیرازہ کے بکھرنے سے ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ، ہمارا قانون بے کار ہو گئے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم شکست کھا گئے۔ اگر ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون ناقص نہ ہوتے تو ہمارا سیاسی وجود کیوں بگڑتا۔ ظاہر ہے اب تو زمانہ اور بھی بدل چکا ہے اس لئے ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ، ہمارا قانون اب بجنسہ نہیں چل سکتے۔"

(حالات تعلیمات: ۴۲۵) ۲۲

اسلام جیسے حقیقی و واقعاتی اور صدیوں تک نافذ العمل رہ کر عدل و انصاف کے جھنڈے لہرانے والے مشاہداتی نظام اور اس کے قانون کو فکری حضرات کتنی بے دردی سے ناقص ٹھہرا رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ خلفائے راشدین نے اس (بقول آپ کے) ناقص قانون کو اپنا کر اتنی کامل و کامیاب اور شاندار حکومت کیسے قائم کی کہ تاریخ بھی اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ کیا یورپی نظام میں اس قدر عدل و انصاف اور کامیابی سے بھرپور حکومت کی کوئی مثال ہے؟

فکری اگر تھوڑا سا سوچ لیں تو انہیں معلوم ہوگا کہ ہمارے ناکام ہونے کا سبب

ہیں کہ ہمارا قانون ناقص تھا کہ ہم نے اس قانون پر عمل کرنا ترک کر دیا۔ اور ہم ہیں آپ اپنے اوپر ایسا ہو گئے ہو دوسروں کے نظام سے متاثر ہو کر اپنا نظام گنوا بیٹھے۔

ہمارا قانون زمانہ کا ساتھ نہ دے سکا اس لئے فنا ہوا

ایک اور مقام پر اسی بات کی یوں وضاحت کی گئی ہے:

"انگریز آئے تو مسلمانوں کی حکومت بھی پاش پاش ہو گئی، اس حکومت کا قانون زمانہ کا ساتھ نہ دے سکتا تھا وہ فنا ہوا۔"

(مقالات تعلیمات: ۴۲۶) ۲۳

یعنی مسلمانوں کی شکست سے یہ نتیجہ نکالا جا رہا ہے کہ ان کا قانون ناقص تھا اور زمانے کا ساتھ نہ دے سکتا تھا اس لئے فنا ہوا۔ ع

آسماں را حق بود گر خون ببارد برزمیں

جلد از جلد یورپین ازم اپناؤ

یورپ کے بظاہر خوش نما درحقیقت جذام زدہ نظام کے سامنے فکریوں کی آنکھیں خیرہ، ان کا دماغ مسحور اور ان کا شعور مفلوج اور مکمل مفلوج ہو چکا ہے۔ وہ بڑی بے دردی سے اسلام کی ابدی تعلیمات، قرآنی نظام اور اسلام کی شاندار لہلہاتی تاریخ کو پس پشت ڈال کر یورپ اور اس کے پر از مفاسد نظام کو اپنا نجات دہندہ تصور کرتے ہیں اور خالق کائنات، علام الغیوب اور انسانی خصلتوں اور طبیعتوں پر سب سے زیادہ واقف اللہ جل جلالہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ نظام کو جو صدیوں نافذ رہ کر اپنی دائمی اور ابدی صداقتوں کو مسلم اور غیر مسلم دونوں سے تسلیم کروا چکا ہے، اس نظام کے لئے کوشش اور اس کے قیام کے تصور کو فکری

حضرات تاویلات کی اندھی قینچی چلاتے ہوئے بڑی مہارت سے مسلم نوجوانوں کے ذہن سے نکال کر انہیں یورپین ازم کی آغوش میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ انہیں بڑی شدت سے اصرار ہے کہ یورپین ازم اپنایا جائے، اس میں ذرا سی تاخیر بھی وہ روا نہیں گردانتے، ملاحظہ ہو:

> ''میں چاہتا ہوں، کہ میری قوم جلد سے جلد یورپین ازم کو اپنائے، تاکہ وہ شاہ پرستی کی اس دلدل سے نکل سکے۔ شاہ پرستی کی ذہنیت کو چھوڑے بغیر کسی قوم کی ترقی ممکن نہیں۔''
>
> (افادات، ملفوظات: ۴۲۲) (۲۴)

اس میں شک نہیں کہ شاہ پرستی ایک لعنت اور برائیوں کی دلدل ہے لیکن اس کا یہ نتیجہ نکالنا کہ یورپین ازم اپنایا جائے، یہ بھیڑیئے کی روایتی منطق نہیں تو اور کیا ہے؟ اسلامی نظام کو آخر فکری حضرات کیوں نظر انداز کر رہے ہیں؟

کیا دنیا میں شاہ پرستی اور یورپین ازم یہی دو نظام ہیں؟

فکری حضرات اسلامی نظام کو ''شاہ پرستی'' کے مذموم نام سے تعبیر کر رہے ہیں اور پھر اس کا تقابل یورپین ازم سے کرتے ہوئے اسلامی نظام کو ''دلدل'' قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں ''شاہ پرستی'' (اسلامی نظام) کو چھوڑے بغیر کسی قوم (مسلمانوں کی) ترقی ممکن نہیں۔

''حسنة فی الدنیا'' سے محروم

پروفیسر سرور لکھتے ہیں:

> ''وہ [مسلمان] یورپ کی معاشی اور مادی تنظیم کو قبول نہ کریں گے تو ''حسنة فی الدنیا'' سے محروم ہو جائیں گے۔''
>
> (حالات تعلیمات: ۱۸۲) (۲۵)

یورپ کے مادی اور معاشی نظام اپنائیں تو ہم ریت کے ذروں کی طرح ہوا میں اڑتے نظر آئیں گے

"مولانا کا کہنا ہے کہ یورپ کے مادی اور معاشی نظام کو ہمیں اپنا لینا چاہئے۔ ان کے خیال میں مادی نظام سارے کا سارا انسان یورپ کی اپنی تخلیق ہے۔ ہزارہا سال سے انسان دنیا سے اسباب کی تسخیر کے لئے تگ و دو کرتا چلا آرہا ہے۔ ہر قوم نے اپنے اپنے وقت میں تسخیر کے اس عمل کو آگے بڑھایا۔ اس زمانے میں اسباب کی دنیا میں یورپ سب کا امام ہے، اس لئے ہمیں یورپ کی سائنس اس کی تنظیم اور صنعت کو اپنانا ہوگا۔ خدانخواستہ اگر ہم نے یہ نہ کیا تو ہمارا وجود اس دنیا میں باقی نہیں رہ سکتا اور ہم ریت کے ذروں کی طرح ہوا میں اڑتے نظر آئیں گے۔" (حالات تعلیمات: ۱۳۶) (۲۶)

اسلام کے نظام کی ظاہری ٹھوس صورت جو مرور زمانہ سے بن گئی ہے وہ غیر متبدل نہیں

"زندگی کی ابتداء معدنیات، نباتات اور حیوانات سے ہوئی پھر انسان کا وجود عمل میں آیا۔ انسان کی مذہبی فکر کی ابتدائی صورت صابئیت تھی۔ اس کے بعد حنیفیت کی منزل آئی اور یہودیت، عیسائیت اور اسلام نے جنم لیا۔ اسلام کے نظام کی ظاہری ٹھوس

صورت جو مرور زمانہ سے بن گئی ہے غیر متبدل نہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ اس نظام کو ہر زمانے کے مطابق اعلیٰ سے اعلیٰ جامہ میں پیش کیا جائے، ورنہ جس طرح اور مذاہب کے نظام پرانے ہو گئے نعوذ باللہ اگر اسلام کو بھی اسی طرح ایک خاص نظام کا پابند بنایا گیا تو اس کے پرانے ہونے میں کیا کسر رہ جائے گی۔" (حالات تعلیمات: ۲۸۸) (۲۷)

یعنی فکری موجودہ اسلام کے سرے سے قائل ہی نہیں بلکہ وہ اسے قرون وسطی کی ایجاد اور مرور زمانہ کا نتیجہ سمجھتے ہیں، مزید برآں کہ یہ جو "مسخ شدہ" اسلام ہم تک پہنچا اس کا ہر دور میں شکلیں بدلنے کا سلسلہ ابھی رکا نہیں بلکہ اس میں مزید قطع و برید کر کے اسے زمانے اور حالات کے مطابق تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ چونکہ یہ چودہ سو سالہ پیر کہن اسلام تجدد پسند فکریوں کے نزدیک "آزاد بہیمانہ زندگی" میں حارج ہوتا ہے اس لئے زندگی پر سے اسے اپنی گرفت ڈھیلی کر کے اسے زمانہ کے مطابق اعلیٰ سے اعلیٰ جامہ پہنانے کا مشورہ دیا جاتا ہے، ورنہ یہ اسلام اس قابل نہیں کہ اسے قابل عمل مانا جائے بلکہ یہ بھی دوسرے مذاہب کے نظاموں کی طرح قصہ پارینہ بن جائے گا۔

پھر ان کو سوشلسٹ انٹرنیشنلزم اپنی طرف نہیں کھینچ سکا۔

مولانا سندھی اپنی اس قوم پرستی، بین الاقوامیت اور ہمہ گیر انسانیت دوستی کی مثال مذہبی اصطلاحات میں کبھی کبھی یوں دیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے، میرے نزدیک قرآن پوری انسانیت کے لیے عمومی پیام ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث کل دنیائے اسلام کی مشترکہ چیز ہے۔ اور فقہ حنفی قرآن اور احادیث کی قومی تعبیر ہے۔ اب میں حنفی ہوں اور اپنی حنفیت پر زور دیتا ہوں لیکن میری یہ برابر کوشش رہتی ہے کہ میری حنفیت احادیث کی صحیح ترجمان ہو۔ دونوں میں پوری ہم آہنگی ہو اور کسی طرح کا تضاد نہ رہے۔ پھر میں یہ کوشش کرتا ہوں کہ احادیث اور قرآن کی ہمہ گیر انسانیت کی روح اور اس کے عمومی پیغام کے درمیان مطابقت پیدا کروں۔ اس طرح میری حنفی فقہ اور میرا احادیث و قرآن کو ماننا ایک نصب العین تک پہنچنے کی سیڑھیاں ہو جاتی ہیں۔ اور ان میں کہیں تعارض یا تضاد نہیں پایا جاتا۔ مولانا کی قوم پرستی، بین الاقوامیت اور ہمہ گیر انسانیت کو بھی اسی طرح سمجھنا چاہیے۔

راقم السطور مولانا کی زندگی کے آخری ساڑھے پانچ سالوں میں کافی عرصہ ان کی خدمت میں رہا ہے۔ جب کبھی میں ان کی خدمت میں موجود ہوتا تو کئی کئی گھنٹے مسلسل ان کی باتیں سننے کا موقع ملتا۔ اکثر یوں ہوتا کہ صبح کے وقت چائے پر گفتگو کا سلسلہ شروع ہوتا اور دوپہر تک جاری رہتا۔ پھر نماز ظہر کے بعد سے نماز مغرب تک اور بعد ازاں شام کے کھانے پر باتیں ہوتیں۔ بارہا ایسا بھی ہوا کہ انہوں نے کسی نازک مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار کیا، جو ظاہر ہے، بلکہ نئی تھی اور لوگوں کی برہمی اور جوش و غضب کا باعث بن سکتی تھی مولانا نے اپنی یہ رائے ظاہر کی اور ساتھ ہی فرمادیا کہ اسے جب مناسب حالات دیکھنا شائع کرنا۔ وہ بلا وجہ ہنگامہ کھڑا کرنے کے حامی نہ تھے۔

مثال کے طور پر ایک دفعہ فرمانے لگے: میں یہ بات برملا طور پر نہیں کیا کرتا لیکن یہ ایک عقیدہ ہے کہ جو شخص قرآن کو سمجھے بغیر پڑھتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اس طرح پڑھنے سے اسے ثواب حاصل ہوگا، وہ بت پرستوں سے کم نہیں۔ ایک نے بت کو خدا

بنالیا۔ اور ایک نے کتاب کو خدا مانا۔ بت بھی ساکت اور جامد ہے، اسی طرح یہ کتاب بھی اس کے لیے ایک بت ہی ہے۔ کیونکہ وہ اسے سمجھتا نہیں! اور بغیر سمجھے اس کو پڑھتا ہے

اب تم ہندوؤں کو تو بت پرست کہتے ہو اور اپنی طرف دیکھتے نہیں حالانکہ بت پرستی میں تم اور وہ یکساں ہو۔ قرآن تفکر و تدبر کے لیے اترا ہے۔

اسی قسم کی ایک اور مثال سنئے، مولانا نے فرمایا:

میں عام طور پر یہ بات کہتا نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کے آلہۃ (الہ کی جمع، یعنی دیوتا) ہمارے ملائکہ ہیں۔ خدا ہندوؤں کے نزدیک الٰہ الا آلہۃ ان دیوتاؤں کا معبود ہے۔ ہم نے غلطی سے ان کے دیوتاؤں کو خدا سمجھ لیا اور اس طرح ان کے مذہب کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔ دراصل تعبیرات الگ الگ ہیں۔ اصل حقیقت ایک ہے۔ ان کے نام بھی خدا سب سے ماورا ہے۔

مختصراً حضرت مولانا کی خدمت میں اتنا عرصہ رہنے اور ان کی اس قدر طویل گفتگوؤں کے دوران میں میں نے ان کی زبان سے سوشلزم، کمیونزم یا اشتراکیت کی اس حیثیت سے کہ وہ سوشلزم، کمیونزم یا اشتراکیت ہے، کبھی مذمت نہیں سنی[1] البتہ یہ واقعہ ہے

---

[1] ۲۱ اپریل ۱۹۴۴ء کو یعنی انتقال سے صرف چار ماہ قبل حیدرآباد میں جمعیت العلماء سندھ کے اجلاس میں اپنے خطبۂ صدارت میں مولانا نے فرمایا تھا:

"..... ہم کمیونزم کے حقوق سے دست بردار ہونے والے نہیں، مگر بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں روس سے آئی ہوئی ایک تحریک چل رہی ہے۔ اس تحریک میں کام کرنے والے کامریڈ کسان کو زمیندار سے لڑانا چاہتے ہیں۔ ہم بھی چونکہ روس سے ہو کر آئے ہیں، اس لیے ممکن ہے بعض لوگوں کا خیال ہو کہ ہم بھی کسان کو زمیندار سے لڑانے کے داعی ہوں گے۔ ہمارے متعلق یہ سمجھنا ٹھیک نہیں ہمارا پروگرام وقتی نہیں۔ ہم ایک طویل راہ عمل کی طرف بلاتے ہیں۔ آج یہ ممکن نہیں کہ ہم اپنے طالب علموں کو اپنا سارا پروگرام پڑھادیں....."

ولو تمسك طالب العلم بهذا الفكر وعض عليه بنواجذه وراى كل ما ثبت عن النبيؐ يجب ان يكون مستنبطا من القرآن لا نفتح عليه ابواب من العلم.

ولكن المسلمين اعرضوا عن التدبر فى القرآن الا ما شاء الله فلم يبق من عظمتهم التاريخية بايديهم الا شيئ قليل[1].

والنعمة العظمى التي بايدينا هي كون القرآن محفوظا من التحريف اولا ثم وجود جميع الوسائل اللازمة لمن يريد التدبر فيه ثانيا.

وقد استهزأ بنا على عملنا هذا بعض من لم يبتل ببليتنا تلك ولذلك نراه معذورا ولنشرح الآن في استنباط الاحكام.

قوله:- وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۗ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٢١﴾

حرم الله نكاح المؤمن بالمشركة والمؤمنة بالمشرك وبين حكمة ذلك ان امامهم الدعوة الى النار.

والمؤمن لا يتبع الا دعوة الله الى الجنة والمغفرة. ومعنى ذلك ان وجهة احدهما الى حظيرة القدس والآخر وجهته الى خلافها.

---

[1] ولا اخر المسلمين عن التدبر فى القرآن الا شيوع فكر ان قارئ القرآن يؤجر ولو لم يتدبر فيه وهو فكر مناقض لما ثبت فى القرآن وقد اسهب فى بيان ذلك شيخ الاسلام ابن تيمية في تفسيره سورة الاخلاص والقرطبي فى التذكار بافضل الاذكار وغيرهما. وكتبت في ذلك رسالة جمعت فيها اقوال العلماء في ان قراءة القرآن من غير فهم ممنوعة. كتبه محمد نو

حضرت نے جواب دیا کہ نہیں پہلے ذات حق سبحانہ تعالیٰ کا ذکر تھا اب صفات حق سبحانہ تعالیٰ کا بیان ہے۔

پھر فرمایا کہ اگر یہ دوسری حالت بھی میسر نہ ہو تو پڑھنے والے کو چاہئے کہ جو کچھ پڑھے اس کا مطلب اپنے دل میں بٹھائے۔

(8) خود قرآن حکیم فرماتا ہے کہ:

(ا) اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (سورہ یوسف 2:12) یعنی ہم نے (تم عربوں کی خاطر) قرآن عربی زبان میں اتارا ہے تاکہ تم اسے پڑھو اور اس سے عقل سیکھو۔

ظاہر ہے کہ سمجھے بغیر عقل کس طرح سیکھی جا سکتی ہے؟

(ب) پھر ایک جگہ ارشاد ہے کہ: لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ (النساء 43:4) (یعنی مدہوشی کی حالت میں نماز مت پڑھو' بلکہ اس وقت پڑھو۔ جب تم اپنے منہ سے نکلنے والے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کے قابل ہو جاؤ)

بے سمجھے پڑھنے سے روح انقلاب فنا ہو جاتی ہے: سمجھ کر پڑھنے کی اتنی تاکیدوں کے باوجود مسلمان صرف بے سمجھے پڑھنے کو کافی سمجھنے لگ گیا ہے۔ معلوم نہیں کس زمانے میں مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کر دیا گیا کہ قرآن کا مطلب سمجھے بغیر صرف ثین قاف درست کر کے پڑھنے کا نام ترتیل ہے اور صرف یہی کافی ہے۔ چنانچہ آج لروڑوں مسلمان اس پر جمے بیٹھے ہیں خصوصاً" لڑکیوں کی تعلیم تو اسی پر ختم ہو جاتی ہے کہ انہیں ناظرہ پڑھا دیا جائے باوجودیکہ ہر ایک مسلمان کو قرآن حکیم سے اتنی محبت ہے کہ وہ اس پر اپنی جان تک دینے کو تیار ہے۔ مگر ہمارے غفلت مآب استادوں نے ہماری ذہنیت کو تباہ کر دیا ہے آج کلام الٰہی کو بے سمجھے پڑھنے کا مادہ جتنا مسلمانوں میں ہے کسی میں نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ اس استعداد والی قوم یوں برباد ہو رہی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس میں سے انقلابی روح فنا ہو رہی ہے۔

انقلاب کے رفقاء کو سمجھانا ضروری ہے: حقیقت یہ ہے کہ کوئی انقلابی تحریک اس وقت تک کامیاب ہو ہی نہیں سکتی جب تک اس کے ارکان اس تحریک کے اصولوں

حوالہ نمبر 4

کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ہر قوم اور ہر پیشوائے قوم کو ہر زمانے میں اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنی شریعت آپ بنا لیں۔ اس سے تو شریعت کا جو مقصود ہے وہ بھی فوت ہو جائے گا۔ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر قوم کی عادات اور خصوصیات کا پتہ لگایا جائے اور ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت بنائی جائے۔ اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان کوئی اور طریقہ نہیں کہ خاص اس قسم کی عادات، شعائر، تعزیرات اور انتظامات کا لحاظ کیا جائے، جن میں یہ اقوام پیدا ہوا ہو، اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چنداں سخت گیری نہ کی جائے۔

اس کے بعد مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ اس اصول سے یہ بات ظاہر ہو گی کہ شریعت اسلامی میں چوری، زنا، قتل وغیرہ کی جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں، ان میں کہاں تک عرب کی رسم و رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ کہ ان سزاؤں کا بعینہا اور بخصوصہا پابند رہنا کہاں تک ضروری ہے۔ یہاں مولانا شبلی کا بیان ختم ہوتا ہے۔

یقیناً قرآن نے جس قوم میں کہ وہ نازل ہوا، اس قوم کی عادات، شعائر، تعزیرات اور انتظامات کا لحاظ رکھا ہے لیکن اس سے قرآن کی عمومیت اور ہمہ گیریت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کیونکہ بقول مولانا شبلیؒ "جو احکام ان عادات اور حالات کی بنا پر قائم ہوتے ہیں۔ ان کی پابندی مقصود بالذات نہیں ہوتی اور نہ اس پر چنداں زور دیا جاتا ہے۔ مولانا کے نزدیک بھی قرآن میں کہیں کہیں جو احکام ہیں دراصل ایک مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان احکام کو اپنی مخصوص شکل میں ابدی اور عالمگیر ماننا صحیح نہیں۔ عرب کے خاص حالات میں قرآن کے عمومی پیغام کو صرف ان احکام کے ذریعہ ہی عملی صورت دی جا سکتی تھی۔

کا سا ماحول بن جائے اور یہ فقہ زندگی پر حاوی ہو جائے تو دماغ جامد ہو کر رہ جاتا ہے اور انسان کی ترقی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم حکیم تھے۔ اور مولانا رشید احمد گنگوہی فقیہ۔ نہ اول الذکر فقہ کی اہمیت کے منکر تھے۔ اور نہ آخر الذکر حکمت کی افادیت سے انکاری کیونکہ زندگی میں تقدم و تبدیلی اور تسلسل و اثبات دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اب جو یہ دیوبندی علماء ہیں، ان پر جمود اس طرح مسلط ہے کہ ان سے حرکت کی توقع کرنا خیال خام ہے۔ ماضی روایت صرف روایت اور تقدس محض تقدس رہا، اس سے مستقبل کے لیے راہ کیسے نکلے گی۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔ ان کو تم "خشب مسندة" (دیوار سے لگی ہوئی لکڑی) سمجھو[1]۔ یہ قوم کو نئی زندگی نہیں دے سکتے۔

ایک روز عام علماء کا ذکر ہو رہا تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر کوئی مولوی مجھے کافر کہے تو میں کہوں گا کہ کافر وہ خود ہے کیونکہ وہ جس عقائد و مبادی کی بنا پر مجھے کافر ٹھہراتا ہے وہ ان عقائد و مبادی کو عملی شکل دینے کے لیے کچھ نہیں کرتا۔ اس کے برخلاف میں جس چیز کو حق سمجھتا ہوں، اسے اس زندگی میں بروئے کار لانے کے لیے سرگرم کار ہوں لیکن وہ مولوی جس بنا پر مجھ پر کفر کا حکم لگاتا ہے، وہ اسے نافذ کرنے کے لیے ذرا بھی کوشش نہیں کرتا۔ مولانا نے فرمایا، مثلاً میں یہ مانتا ہوں کہ قرآن مجید میں جو آیات، احکام، جملہ یا حدیث و سنت میں بعض انتظامی، معاشرتی اور معاشی امور کی جس طرح تعیین اور تحدید کی گئی ہے، وہ ابدی اور غیر متبدل نہیں، ان کی حیثیت عملی

---

[1] قرآن مجید کی آیت ہے:۔ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۔ ۶۳-۴۔ اور جب تو دیکھے ان کو تو اچھے لگیں تجھ کو ان کے ڈیل اور اگر بات کہیں سنے تو ان کی بات، کیسے ہیں جیسے لکڑی لگادی دیوار سے، جو کوئی چیخے جانیں ہم ہی پر بلا آئی۔

شانوں کی ہے کہ اس زمانے میں قرآن کی عمومی و ہمہ گیر ہدایت صرف اپنی صورتوں میں متشکل ہو سکتی تھی اور وہ ہوئی۔ اب ہمارے لیے وہ قانون نظائر[1] نہیں، جنہیں سامنے رکھ کر ہم ہر دور میں قرآن و سنت کی ابدی و لازوال حکمت کی روشنی میں اپنے لیے نئے قانون بنا سکتے ہیں۔ مولوی اس بنا پر مجھے کافر کہتا ہے اس کے نزدیک قرآن مجید کے تعزیراتی احکام جیسے قطع ید وغیرہ اور حدیث میں جو رجم یعنی زانی اور زانیہ کو سنگسار کرنے کی سزا دی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی جو شرح معین کی گئی ہے۔ وہ منزل من اللہ ہونے کی حیثیت سے ابدی ہیں۔ اور انہیں اسی شکل میں نافذ کرنا اسلام کا حکم ہے۔ اب اس مولوی سے کوئی پوچھے کہ آپ نے ان احکام کے نفاذ کو ممکن بنانے کے لیے کیا عملی جدوجہد کی تو اس کا جواب صفر ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ سب سے بڑا کافر یہ مولوی ہے جو ایک چیز کو مانتا ہے لیکن اسے قابل عمل بنانے کے لیے کچھ نہیں کرتا۔

ایک صاحب جو برسوں سے قرآن مجید کا درس دے رہے تھے۔ اور انہوں نے قرآن مجید پر بڑی بڑی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے سالہا سال تک قرآن اور اسلام کے نام سے مولانا ابوالکلام آزاد کے خلاف بڑی بڑی مہمیں چلائیں اور جب مولانا سندھی واپس وطن آئے تو ان کی مخالفت میں بھی جی بھر کر لکھا۔ ایک دفعہ ان صاحب کی مولانا سے جامعہ نگر میں ملاقات ہو گئی۔ اور آپس میں باتیں ہونے لگیں۔ موصوف بات بات پر قرآن کی کسی آیت کا حوالہ دیتے۔ مولانا نے انہیں کہا کہ اپنی بات کیجئے اور قرآن کے حوالے نہ دیجئے۔ وہ پھر کسی آیت کا حوالہ دے دیتے اس پر مولانا بگڑ گئے اور بڑے غصے میں کہنے لگے کہ تم ایسی غیر مؤثر کتاب کا حوالہ کیوں دیتے ہو کہ اسے تم برسوں سے پڑھ رہے ہو اور اس کا درس دے رہے ہو۔ وہ تم سے انگریز کی نوکری تک نہیں چھڑا سکی۔ وہ بات جس کو تم حق سمجھو اور اسے سمجھنے کی بنا پر دوسروں کو گمراہ اور کافر قرار دو اور تمہاری زندگی میں اس کا کوئی عمل

---

[1] نظیر کی جمع PRECEDENT

اور اس وقت اور ہوں گے۔ ان میں زمانے کی ضرورتوں کے مطابق فروعی تبدیلیاں ہوتی رہیں گی۔ اور نئی پیش آنے والی صورتوں کے متعلق پہلے احکام سے مزید قاعدوں کا استخراج ہوتا رہے گا۔[1]

شیخ محمد نور کی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یکم دسمبر ۱۹۴۳ء کا ذکر ہے، وہ اور میں دونوں جامعہ نگر میں مقیم تھے۔ ایک دن ان سے یہ بحث ہوئی کہ آیا قرآن کی مقررہ کردہ حدود اور دوسرے قوانین ابدی ہیں یا نہیں؟ شیخ کا اصرار تھا کہ چوری، زنا اور میراث وغیرہ کے احکام کسی زمانے میں بھی تبدیل نہیں کئے جا سکتے۔ راقم الحروف اس کی مخالفت کر رہا تھا۔ میرا کہنا یہ تھا کہ کسی قانون کی جو اشکال ہوتی ہیں، وہ خاص ماحول کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ بے شک اس ماحول میں وہ قانون ان اشکال کے بغیر متعین نہیں ہو سکتا تھا۔ اور جب تک وہ ماحول تھا اس قانون کی ابدیت، دوام اور اس کا حق ہونا مسلم، لیکن جب وہ ماحول بدل جائے۔ اور لوگوں کی وہ ضرورتیں نہ رہیں، جن کو وہ مخصوص قانون پورا کرتا تھا۔ تو پھر قانون کی اس خاص شکل پر اڑے رہنا اور اسے ابدی سمجھنا درست نہیں۔ مثال کے طور پر قرآن میں جنگ کے نتیجے میں، مال غنیمت ہاتھ آنے کے جو احکام ہیں، اب ان کی کسی مسلمان کو ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس طرح کسی اسلامی ملک میں ماسوا سعودی عرب کے چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جاتے اور فقہ میں غلاموں اور لونڈیوں کے جو ابواب ہیں، وہ بھی اب بے کار ہو گئے ہیں کیونکہ غلام لونڈی رکھنا اقوام متمدنہ کی طرف سے ممنوع قرار دے دیا گیا ہے اور کوئی ملک اس کی اجازت نہ دے کر اس عالمی برادری کا رکن نہیں رہ سکتا۔ ایسے ہی کوئی مسلمان ریاست اپنی غیر مسلم رعایا پر قرآن کے حکم کے مطابق جزیہ عائد کرنے کا آج نہیں سوچتی۔

راقم الحروف کا کہنا تھا کہ بے شک زنا اور چوری حرام ہیں اور یہ اللہ کا حکم ہے لیکن ان جرائم کو خاص اس صورت میں روکنے کی کوشش کرنا جو ابتدائے اسلام کے ہمدردی معاشرے میں قانونی طور پر معین ہوئی، یہ ابدی اور دائمی نہیں۔

شیخ موصوف کا برابر اصرار رہا کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس ضمن میں شیخ محمد نور نے بیان کیا کہ البتہ مولانا کے نزدیک اجماع سے سنت[1] میں تبدیلی کی جا سکتی ہے اس کی تائید میں میں نے بہت سے شواہد بھی جمع کئے تھے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اگر رسول اللہ صلعم نے عورتوں کو مسجدوں میں جانے کی اجازت دی تھی، لیکن اب جو حالت ہو گئی ہے اگر آپ موجود ہوتے تو انہیں مسجدوں میں جانے سے ضرور منع کر دیتے۔

مذہب کے معاملے میں ایک اور دقت یہ ہے کہ اس کے ہاں "حق" یعنی جس چیز میں قانون اور جس نظام کو بھی وہ حق سمجھتا ہے، قطعی یعنی FINAL ہے اور مارکسیت کے نزدیک جیسے جیسے معاشرہ بدلتا ہے، حق کی قدریں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ مثلاً مذہب شخصی ملکیت کو مقدس سمجھتا ہے۔ یہ اس کی نظر میں حق ہے۔ اور اس کی کبھی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیئے۔

مولانا سندھی نے یہ مضمون جسے بعد میں کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ" کی صورت میں چھاپا گیا، ایک خاص دینی رسالہ "الفرقان" بریلی کے لیے لکھا تھا جو کافی سے زیادہ قدامت پسند تھا اور اب بھی ہے۔ اس لیے مولانا نے اس طرح کی محتاط زبان استعمال کی، ورنہ جیسے کہ اوپر گزر چکا ہے، وہ قرآن اور سنت کے کسی "نوجلدی" "اور سول" قانون کو شکلاً دائمی اور ابدی نہیں مانتے تھے۔ البتہ قرآنی حکمت کی جس روح کا وہ عملی مظہر تھا اسے وہ لازماً دائمی اور ابدی مانتے ہیں۔ یوں بھی ایک معین قانون مظہر ہوتا ہے ایک تصور اور حالات گرد و پیش سے ان کے عمل سمجھوتے کا اور جب حالات گرد و پیش بدلتے رہتے ہیں تو کسی قانون کا اپنی معینی شکل میں علی حالہ قائم رہنا کیسے ممکن ہے۔

---

[1] مولانا نے لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ سنت کو قرآن سے مستنبط مانتے ہیں۔ اگر شاہ صاحب کے اس نظریے کو تسلیم کر لیا جائے تو سنت قرآن ہی کی تشریح اور تفصیل بن جاتی ہے۔ وہ اصل خلافا کے نزدیک اجماع سے قرآنی احکام کی بھی نئی تعبیر کی جا سکتی ہے، بات یہ ہے کہ بامعنی مذہبی ذہنوں کو بہانے راست جھٹکا نہیں دیتے تھے۔ ایسے مقامات میں وہ گھما پھرا کر بات کرتے تھے۔ خود شاہ ولی اللہ کا بھی یہی انداز بیان ہے۔

حوالہ نمبر 7

انکار ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے قرآن کی تعلیم کا صحیح تجزیہ کیا۔ حکمت جو دائمی' سرمدی اور عالمگیر ہے۔ اس کو قانون سے نمایاں کر کے دکھایا۔ چونکہ قانون کا قوم کے مزاج اور حالات سے متاثر ہونا ضروری ہوتا ہے اس لئے قانون ابدی اور سرمدی نہیں ہو سکتا۔ ابدیت صرف حکمت کو ہے اور قانون کی حیثیت ایک نمونے اور مثال کی ہوتی ہے۔ الغرض قرآن نے جو حکمت پیش کی ہے وہ ابدی ہے۔

اب اگر قرآن کو یوں سمجھا جائے تو آدمی ہر عامی و فاضل (عام و خاص) کو قرآن کا مفہوم ذہن نشین کرا سکتا ہے اپنے مذہب والے کو بھی سمجھا سکتا ہے اور غیر مذہب والے اور لا مذہب کو بھی قائل کر سکتا ہے۔ میرے خیال میں ہر وہ شخص جو سوچتا ہے اور سوچ سمجھ کر دنیا میں چلنے کا خیال رکھتا ہے وہ کسی مذہب کا ہو' یا اس کا کوئی مذہب نہ ہو وہ قرآن کے اس مفہوم کو ضرور مانے گا۔ مقصد یہ ہے کہ زمانے کے ساتھ ساتھ لازماً زندگی کے مظاہر بدلتے جاتے ہیں لیکن مظاہر کی تبدیلی کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اب زندگی کی اصلیت میں بھی کوئی فرق آ گیا ہے بے شک قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ایک زمانے میں ایک خاص مظہر میں جلوہ گر ہوا' اب ضروری نہیں کہ وہ دوسرے زمانے میں پھر بعینہٖ اسی صورت میں ظاہر ہو۔ صحابہؓ کے زمانے میں تیر و کمان تلوار اور ڈھال سے جہاد ہوتا تھا۔ اور مجاہدین اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کو نکلتے تھے اب قرآنی تعلیم نے اگر کبھی اپنے پیروکاروں کو جہاد پر آمادہ کیا تو ضروری نہیں کہ پھر تلوار' ڈھال اونٹ اور گھوڑوں کی نوبت آئے۔ اسی طرح خلافت راشدہؓ کے دور میں مساوات اور انصاف کا اصول ایک خاص نہج پر نافذ ہوا۔ اب زندگی بہت کچھ بدل گئی ہے اور اس کے ساتھ زندگی کی ضرورتیں بھی بدل گئی ہیں۔ اس لئے مساوات اور انصاف کا جلتہء اثر بھی بہت وسیع ہو گا۔ یعنی مقاصد تو وہی رہیں گے لیکن ان کی عملی شکل حالات و اسباب کی تبدیلی کی وجہ سے پہلی سی نہ ہو گی۔ اصل مقصد کا تعلق حکمت سے ہے اور عملی شکل کا نام قانون ہے۔

اسلامی افکار میں قومی اور ملکی رجحانات

حوالہ نمبر 8

دین اسلام کسی ایک ملک، قوم یا زمانہ کے لیے مخصوص نہیں۔ اسلام تمام انسانیت کا دین ہے اور قرآن کریم انسانیت کے اسی دین کا ترجمان ہے۔ قرآن کی تعلیم عالمگیر اور ہمہ گیر ہے حتیٰ کہ خود انسانیت بھی مشیتِ ایزدی کا ظہور انسانیت کے تقاضوں کی صورت ہی میں ہوتا ہے۔ قرآن چونکہ انسانیت کے انہی تقاضوں کا آئینہ دار ہے اس لئے وہ خدا کا قانون ہے۔

اس عالمگیر قانون کو حجاز میں عملی جامہ پہنایا گیا۔ یہ جامہ اس عالمگیر قانون کی ایک تعبیر ہے جو زمانہ، ماحول اور اہلِ حجاز کی طبیعت کے مطابق کی گئی۔ اس تعبیر کو اصل قانون کی طرح عمومی اور ابدی سمجھنا ٹھیک نہیں لیکن اس تعبیر کو عالمگیر قانون کے خلاف یا اس پر زائد جاننا بھی غلط ہے۔

سنت اسی عالمگیر قانون کے حجازی جامہ کی ایک تصویر ہے اور اس سے قرآن کے عالمگیر قانون کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ بعد ازاں جب اسلام کی سلطنت میں توسیع ہوئی اور عربوں کے علاوہ غیر عرب قومیں بھی مسلمان ہو گئیں تو قرآن کی عمومی تعلیم اور اس کی حجازی تعبیر کی روشنی میں فقہ کے دوسرے مذاہب وجود میں آئے۔ اب اسلام ایک قوم تک محدود نہ رہا تھا۔ بلکہ دنیا کی دوسری بڑی بڑی قومیں بھی مسلمان ہو چکی تھیں۔ اس لیے ہر قوم اور ملک میں وہاں کے خاص حالات اور طبعی رجحانات کے مطابق فقہ کے مذاہب بنے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ دین صرف قرآن میں منحصر ہے۔ اور قرآن ہی دین کا قانونِ اساسی ہے۔ اور آیت "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى" سے مراد صرف

حوالہ نمبر 9

55

ویٹے، دوسرے کو گوشت پسند ہے، اس نے ذبیحہ سے مہمان کی تواضع کی۔

ان مثالوں سے مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ زمانے کے ساتھ ساتھ زندگی کے مظاہر بدلتے جاتے ہیں لیکن مظاہر کی تبدیلی کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اب اصلیت میں کوئی فرق آگیا ہے۔ قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ایک زمانہ میں ایک خاص مظہر میں جلوہ گر ہوا۔ اب ضروری نہیں کہ دوسرے زمانہ میں وہ پھر بعینہٖ اسی صورت میں ظاہر ہو۔ صحابہ کے زمانہ میں تیر و کمان، نیزے، تلوار اور ڈھال سے جہاد ہوتا تھا۔ اور مجاہدین اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کو نکلتے تھے۔ اب قرآنی تعلیم نے اگر کبھی اپنے پیروؤں کو جہاد پر آمادہ کیا تو ضروری نہیں کہ پھر تلوار، ڈھال اور اونٹ اور گھوڑوں کی نوبت آئے۔ اسی طرح خلافتِ راشدہ کے دور میں انسانی مساوات و انصاف کا اصول ایک خاص نہج پر نافذ ہوا۔ اب زندگی بہت کچھ بدل گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ زندگی کی ضرورتیں بھی بدل گئی ہیں۔ اس لیے انسانی مساوات و انصاف کا دائرۂ کار بھی بہت وسیع ہوگا۔ یعنی مقاصد تو وہی رہیں گے۔ لیکن ان کی عملی شکل حالات و اسباب کی تبدیلی کی وجہ سے پہلی سی نہ ہوگی۔

اسی سلسلہ میں مولانا نے ایک دفعہ قرآنی حکومت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "جو زمانہ گزر گیا۔ وہ پھر واپس نہیں آیا کرتا۔ جو پانی بہہ جاتا ہے وہ لوٹتا نہیں۔ قرآن پر عمل کر کے خلافتِ راشدہ کے دورِ اول میں صحابہ نے جو حکومت بنائی، اب بعینہٖ ویسی حکومت نہیں بن سکتی۔ جو لوگ قرآن کو اس طرح سمجھتے ہیں وہ حکمتِ قرآنی کے صحیح مفہوم کو نہیں جانتے۔ بے شک خلافتِ راشدہ کی حکومت قرآنی حکومت کا ایک نمونہ ہے۔ لیکن یہ نمونہ بعینہٖ ہر دور میں منتقل نہیں ہو سکتا۔

حوالہ نمبر 10

287

بنانا یہ دستور جو وضع کیا جاتا ہے اس میں ماحول کی ضروریات کی مطابقت لازمی ہوتی ہے۔ مولانا نے ایک دفعہ شاہ صاحب کے رسالہ "سطعات" کو پڑھاتے ہوئے فرمایا کہ ایک خاص زمانے میں جو نظام بنتا ہے وہ آخری یعنی Final نہیں ہوتا۔ وہ انسان کو زندگی کے ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں لے جانے کے قابل کرتا ہے۔ جہاں تک اس خاص مرحلہ کا تعلق ہوتا ہے، اس کے اعتبار سے تو اس نظام کی حیثیت آخری نظام کی ہوتی ہے۔ لیکن مجموعی انسانیت کے لیے یہ ایک مثال یا نمونہ کا کام دیتا ہے۔ لوگ غلطی یہ کرتے ہیں کہ اس مثال کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کل حقیقت کے مرادف سمجھ لیتے ہیں اور ہر زمانے اور ہر قوم و ملک میں اس نظام کو بجنسہٖ نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ اور گو حالات بدل جائیں وہ اس نظام میں کسی قسم کی تبدیلی گوارا نہیں کرتے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کے ذہین طبقے میں اس نظام سے بے دلی پیدا ہونے لگتی ہے۔ چونکہ اسے قطعی اور آخری سمجھا جاتا ہے اور بعض ذہین طبقے بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ یہ نظام اور اصل حقیقت جس کا یہ نظام ایک پرتو تھا، دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ چنانچہ جب اس نظام کے خلاف جو عارضی ہوتا ہے، بغاوت ہوتی ہے تو انسانیت کے اصل مبادی سے بھی جو دائمی حیثیت رکھتے ہیں، انکار کر دیا جاتا ہے۔ مولانا کے خیال میں تبدیلی کا یہ طریقہ انتشار اور فساد کا باعث ہوتا ہے۔ اس کے بجائے اگر یہ ہوتا کہ نظام کو ایک مثال کی حیثیت دی جاتی اور افراد کو اجازت ہوتی کہ وہ اس نظام کے اندر رہ کر اس کو ضرورتوں کے مطابق بدلتے رہتے اور زمانے کی ترقی کے ساتھ

اور اس وقت اور ہوں گے۔ ان میں زمانے کی ضرورتوں کے مطابق فروعی تبدیلیاں ہوتی رہیں گی۔ اور نئی نئی پیش آنے والی صورتوں کے متعلق پہلے احکام سے مزید قاعدوں کا استخراج ہوتا رہے گا۔[1]

شیخ محمد نور کی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یکم دسمبر ۱۹۴۳ء کا ذکر ہے، وہ اور میں دونوں جامعہ نگر میں مقیم تھے۔ ایک دن ان سے یہ بحث ہوئی کہ آیا قرآن کی مقررہ کردہ حدود اور دوسرے قوانین ابدی ہیں یا نہیں؟ شیخ کا اصرار تھا کہ چوری، زنا اور میراث وغیرہ کے احکام کسی زمانے میں بھی تبدیل نہیں کئے جا سکتے۔ راقم الحروف اس کی مخالفت کر رہا تھا۔ میرا کہنا یہ تھا کہ کسی قانون کی جو اشکال ہوتی ہیں، وہ خاص ماحول کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ بے شک اس ماحول میں وہ قانون ان اشکال کے بغیر متعین نہیں ہو سکتا تھا۔ اور جب تک وہ ماحول تھا اس قانون کی ابدیت، دوام اور اس کا حق ہونا مسلم، لیکن جب وہ ماحول بدل جائے۔ اور لوگوں کی وہ ضرورتیں نہ رہیں، جن کو وہ مخصوص قانون پورا کرتا تھا۔ تو پھر قانون کی اس خاص شکل پر اڑے رہنا اور اسے ابدی سمجھنا درست نہیں۔ مثال کے طور پر قرآن میں جنگ کے نتیجے میں مال غنیمت ہاتھ آنے کے جو احکام ہیں، اب ان کی کسی مسلمان کو ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس طرح کسی اسلامی ملک میں ماسوا سعودی عرب کے

---

[1] مولانا سندھی نے یہ مضمون جسے بعد میں کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ" کی صورت میں چھاپا گیا، ایک خاص دینی رسالہ "الفرقان" بریلی کے لیے لکھا تھا جو کافی سے زیادہ قدامت پسند تھا اور اب بھی ہے۔ اس لیے مولانا نے اس طرح کی محتاط زبان استعمال کی، ورنہ جیسے کہ اوپر گزر چکا ہے، وہ قرآن اور سنت کے کسی "فوجداری" اور "سول" قانون کو شکلاً دائمی اور ابدی نہیں مانتے تھے۔ البتہ قرآنی حکمت کی جس روح کا وہ عملی مظہر تھا اسے وہ لازماً دائمی اور ابدی مانتے ہیں۔ یوں بھی ایک معین قانون مظہر ہوتا ہے ایک تصور اور حالات گرد و پیش سے ان کے عمل سمجھوتے کا اور جب حالات گرد و پیش بدلتے رہتے ہیں تو کسی قانون کا اپنی معین شکل میں علی حالہ قائم رہنا کیسے ممکن ہے۔

حوالہ نمبر 12

مزید برآں اسلام کے احکام بھی جن سے عبارت شریعت یعنی قوانین وضوابط ہیں، جس شکل میں کہ وہ ایک زمانے میں تھے، اسی شکل میں ہمیشہ نہیں رہیں گے اور تو اور شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں مولانا سندھی یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں بعض جرائم کی جو سزائیں مذکور ہیں ان کی حیثیت محض مثال کی ہے اور لازمی نہیں کہ ہر زمانے میں ان کو اسی شکل میں نافذ کیا جائے۔

غرض کیمونسٹوں کا یہ الزام کہ مذہب کے عقائد و احکام زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتے اور جہاں زمانہ برابر بدل رہا اور آگے بڑھ رہا ہے، وہاں مذہبی عقائد و احکام اپنے تصور اور عملی نفاذ میں ایک مخصوص و معین شکل میں منجمد ہو کر رہ جاتے ہیں، مولانا کے نزدیک اسلام پر یہ الزام عائد نہیں ہوتا۔ اسلام کے عقائد و احکام کے بارے میں مولانا نے یہ جو نقطۂ نظر پیش کیا ہے، شاہ صاحب کی کتابیں اس سے بھری پڑی ہیں۔

حجۃ اللہ البالغہ میں ایک "باب التیسیر" ہے، جس میں مذہبی آسانیوں کا بیان ہے۔ اس کے چند اندراجات ملاحظہ ہوں:-

مذہب میں آسانی چند وجوہ سے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ کسی دشوار امر کو عبادت کا رکن یا شرط نہ بنایا جائے ..... عبادات میں سے بعض امور کو ایسی رسومات بنا دیا جائے،

کرتے ہیں اور اس طرح انہوں نے خدا کو ایک جسم بنا دیا۔ بعض تنزیہہ میں اس حد تک گئے کہ انہوں نے خدا کی صفات کو اس کی ذات سے الگ کر کے خدا کو بس ایک نظریاتی "قدر" بنا دیا۔ وحدت الوجود میں بھی ایک گروہ عینیہ وجودیہ کا تھا۔ ایک دوائیہ کا، ایک ذات الٰہی کو وجود سے "وراء" ثم الوراء، ثم الوراء (پرے اس سے پرے اور اس سے پرے) لے گیا اور وحدت الشہود کا تصور پیش کیا۔

وحی میں بھی بعض بلکہ اکثر مسلمان نبی کی ذات سے وحی کو بالکل الگ مانتے ہیں۔ ان کے ہاں وحی کے الفاظ و معانی دونوں نبی کی ذات سے ماوراء تھے۔ اور حکما کا گروہ اس بارے میں "از دل خیزد بر دل ریزد" (دل سے اٹھتی تھی اور دل پر نازل ہوتی تھی) کا قائل ہے۔

۲۸۲ حوالہ نمبر 13

مولانا نے ایک دفعہ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ علماء جن کے پیش نظر عام انسانیت کی مجموعی ترقی اور بہبود ہوتی ہے وہ انبیاء کی تعلیمات کے عمومی پہلو پر زیادہ زور دیتے ہیں اور ان کے نزدیک انبیاء کے وہ احکام اور قوانین جو کسی خاص قوم اور ایک خاص زمانے کے مخصوص حالات کے خیال سے مرتب ہوتے ہیں، عالمگیر اور دائمی نہیں ہوتے

مولانا کے خیال میں شاہ صاحب کی حکمت آفرین طبیعت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے انبیاء کی تعلیمات کی اساس متعین کی۔ اور اس اساس کو انسانیت عامہ اور فطرت کے اصولوں کے ساتھ مطابقت دی۔ پھر اپنی حکمت کے اصول وضع فرمائے۔ چنانچہ شاہ صاحب کی حکمت انبیاء کی تعلیمات اور انسانیت عامہ کے اصولوں دونوں پر شامل اور جامع ہے اور وہ دونوں کو باہم دگر اس طرح سمو دیتی ہے کہ انبیاء کی تعلیمات اور انسانیت عامہ کے اصولوں میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں رہتا۔ شاہ صاحب کی اس حکمت کو ماننے سے میرے دل پر یہ اثر ہوا ہے کہ اگر میں کسی دوسرے مذہب کے آدمی کو یا اس شخص کو جو کسی مذہب کو بھی سرے سے نہیں مانتا، انسانی فلاح و بہبود کا کام کرتا دیکھوں تو میرے دل میں اس کی عزت اور محبت جاگزیں ہوتی ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب کی حکمت سے میں یہ سمجھا ہوں کہ انبیاء کی تعلیم کا اصل مقصد انسانیت کی ترقی اور تقدم ہے۔ اب اگر کوئی شخص انسانیت کے ارتقاء کے لیے کوشاں ہے تو میں اسے کیسے انبیاء کے مقاصد کا مخالف سمجھوں۔ اور اس سے نفرت کروں۔

کا سارا فقہ بن جائے اور یہ فقہ زندگی پر حاوی ہو جائے تو دماغ جامد ہو کر رہ جاتا ہے اور انسان کی ترقی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم حکیم تھے۔ اور مولانا رشید احمد گنگوہی فقیہ۔ نہ اول الذکر فقہ کی اہمیت کے منکر تھے۔ اور نہ آخر الذکر حکمت کی افادیت سے انکاری کیونکہ زندگی میں تقدم و تبدیلی اور تسلسل و اثبات دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اب جو یہ دیوبندی علماء ہیں، ان پر جمود اس طرح مسلط ہے کہ ان سے حرکت کی توقع کرنا خیال خام ہے۔ ماضی صرف ماضی، روایت صرف روایت اور تقدس محض تقدس، اس سے مستقبل کے لیے راہ کیسے نکلے گی۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔ ان کو تم "خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ"[1] دیوار سے لگی ہوئی لکڑی) سمجھو۔ یہ قوم کو نئی زندگی نہیں دے سکتے۔

ایک روز عام علماء کا ذکر ہو رہا تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر کوئی مولوی مجھے کافر کہے تو میں کہوں گا کہ کافر وہ خود ہے کیونکہ وہ جن عقائد و مبادی کی بنا پر مجھے کافر ٹھہراتا ہے، وہ ان عقائد و مبادی کو عملی شکل دینے کے لیے کچھ نہیں کرتا۔ اس کے برخلاف میں جس چیز کو حق سمجھتا ہوں، اُسے اس زندگی میں بروئے کار لانے کے لیے سرگرم کار ہوں لیکن وہ مولوی جس بنا پر مجھ پر کفر کا حکم لگاتا ہے، وہ اُسے نافذ کرنے کے لیے ذرا بھی کوشش نہیں کرتا۔ مولانا نے فرمایا، مثلاً میں یہ مانتا ہوں کہ قرآن مجید میں جو تعزیراتی احکام ہیں یا حدیث و سنت میں بعض انتظامی، معاشرتی اور معاشی امور کی جس طرح تعیین اور تحدید کی گئی ہے، وہ ابدی اور غیر متبدل نہیں۔ ان کی حیثیت عملی

[1] قرآن مجید کی آیت ہے:۔ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ۔ ۶۳-۴۔ اور جب تو دیکھے ان کو تو اچھے لگیں تجھ کو ان کے ڈیل اور اگر بات کہیں سنے تو ان کی بات کیسے ہیں جیسے لکڑی لگادی دیوار سے جو کوئی پہنچے جائیں ہر ہی پر بلا آئی۔

شانوں کی ہے کہ اُس زمانے میں قرآن کی عمومی و ہمہ گیر ہدایت صرف انہی صورتوں میں متشکل ہو سکتی تھی اور وہ ہوئی۔ اب ہمارے لیے وہ قانونی نظائر[1] ہیں، جنہیں سامنے رکھ کر ہم ہر دور میں قرآن و سنت کی ابدی و لازوال حکمت کی روشنی میں اپنے لیے نئے قانون بنا سکتے ہیں۔ مولوی اس بنا پر مجھے کافر کہتا ہے اس کے نزدیک قرآن مجید کے تعزیراتی احکام جیسے قطع ید وغیرہ اور حدیث میں جو رجم یعنی زانی اور زانیہ کو سنگسار کرنے کی سزا مروی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی جو شرح معین کی گئی ہے۔ وہ منزل من اللہ ہونے کی حیثیت سے ابدی ہیں۔ اور انہیں اسی شکل میں نافذ کرنا اسلام کا حکم ہے۔ اب اس مولوی سے کوئی پوچھے کہ آپ نے ان احکام کے نفاذ کو ممکن بنانے کے لیے کیا عملی جدوجہد کی تو اس کا جواب صفر ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ سب سے بڑا کافر تو یہ مولوی ہے، جو ایک چیز کو مانتا ہے لیکن اسے قابل عمل بنانے کے لیے کچھ نہیں کرتا۔

ایک صاحب جو برسوں سے قرآن مجید کا درس دے رہے تھے۔ اور انہوں نے قرآن مجید پر بڑی بڑی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے سالہا سال تک قرآن اور اسلام کے نام سے مولانا ابوالکلام آزاد کے خلاف بڑی بڑی مہمیں چلائیں اور جب مولانا سندھی واپس وطن آئے تو ان کی مخالفت میں بھی جی بھر کر لکھا۔ ایک دفعہ ان صاحب کی مولانا سے جامعہ نگر میں ملاقات ہو گئی۔ اور آپس میں باتیں ہونے لگیں۔ موصوف بات بات پر قرآن کی کسی آیت کا حوالہ دیتے۔ مولانا نے انہیں کہا کہ اپنی بات کیجئے اور قرآن کے حوالے نہ دیجئے۔ وہ پھر کسی آیت کا حوالہ دے دیتے اس پر مولانا بگڑ گئے اور بڑے غصے میں کہنے لگے کہ تم ایسی غیر موثر کتاب کا حوالہ کیوں دیتے ہو کہ اسے تم برسوں سے پڑھ رہے ہو اور اس کا درس دے رہے ہو۔ وہ تم سے انگریز کی نوکری تک نہیں چھڑا سکی۔ وہ بات جس کو تم حق سمجھو اور اُسے حق سمجھنے کی بنا پر دوسروں کو گمراہ اور کافر قرار دو اور تمہاری زندگی میں اس کا کوئی عملی اثر نہ

[1] نظیر کی جمع PRECEDENT

ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مذہب نے اپنی ایک ملّت بنائی اور اس ملّت کو اپنے لئے شریعت یعنی قانون بنانے کی ضرورت پڑی۔ ایک ملّت نے ایک وضع اختیار کی اور دوسری ملّت نے دوسری وضع۔ ایک کی شریعت کچھ اور تھی اور دوسری کی کچھ اور۔ اب اگر ہم ان تمام ادیان کی وحدت مان لیں تو شریعتوں کے ان اختلافات کا کیا جواب ہے؟

مولانا فرماتے ہیں کہ قانون نتیجہ ہوتا ہے ایک خاص قوم کے خاص حالات اور خاص زمانے کے تقاضوں کا۔ زمانہ بدلتا ہے اس کے ساتھ اس کے تقاضے بھی بدلتے ہیں اور حالات میں بھی تبدیلی ہوتی ہے۔ "کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَاْنٍ" ہر نیا زمانہ "شان اللہ" ہے۔ اور اللہ کے "شوؤن" کی نہ کوئی حد ہے اور نہ حساب۔ نئے زمانے کو نہ ماننا اور اس کے تقاضوں کا انکار کرنا "شوؤن اللہ" کا انکار ہے۔ شاہ ولی اللہ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے قرآن کی تعلیم کا صحیح تجزیہ کیا۔ حکمت جو دائمی سرمدی اور عالمگیر ہے، اُس کو قانون سے نمایاں کر کے دکھایا۔

چونکہ قانون کا قوم کے مزاج اور حالات سے متاثر ہونا ضروری ہوتا ہے، اس لیے قانون ابدی اور سرمدی نہیں ہو سکتا۔ ابدیت صرف حکمت کو ہے اور قانون کی حیثیت ایک نمونہ اور مثال کی ہوتی ہے۔

اب اگر قرآن کو یوں سمجھا جائے تو آدمی ہر عامی و فاضل کو قرآن کا مفہوم ذہن نشین کرا سکتا ہے۔ اپنے مذہب والے کو بھی سمجھا سکتا ہے اور غیر مذہب اور لامذہب والے کو بھی قائل کر سکتا ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ میرے خیال میں ہر وہ شخص جو سوچتا ہے اور سوچ سمجھ کر دنیا میں چلنے کا خیال رکھتا ہے، وہ

عمل اور ساری اسلامی تاریخ کو اسی رنگ میں صدیوں سے پیش کر رہے ہیں۔ انکی تمام دینی روایات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ ان حالات میں اور اس ذہنی و تاریخی ماحول میں ان کی اسلامی حکومت کا جمہوری حکومت ہونا ناممکنات میں سے ہے۔

مولانا سندھی کے اس خیال کی تائید جماعت اسلامی اور دوسرے علماء کی تحریروں اور بیانات سے ہوتی ہے کہ وہ جس قسم کی اسلامی حکومت کا برابر مطالبہ کرتے آرہے ہیں، وہ کسی اعتبار سے بھی جمہوری نہیں۔ ہمارا ایک عالم دین خواہ وہ مولانا مودودی صاحب جیسا کتنا بھی روشن خیال کیوں نہ ہو، صحیح معنوں میں ایک جمہوری حکومت کے قیام پر کبھی راضی ہو ہی نہیں سکتا۔ اور تو اور غلام احمد پرویز جیسے صاحب قلم جو بہت سی مروجہ اعتقادی بندھنوں اور روایاتی زنجیروں کو توڑ چکے ہیں اور آزاد ذہن کے ساتھ سوچتے اور دیکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کے پیش نظر بھی ایک اسلامی حکومت ہے جسے وہ "قرآنی حکومت" کا نام دیتے ہیں تو وہ بھی جمہوری نظام حکومت کے شدید ترین مخالف ہیں اور وہ یہ برداشت کرنے کو تیار نہیں کہ ایک وطن میں رہنے والے لوگ بلا تمیز مذہب ایک جمہوری اور سیکولر حکومت بنا کر رہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج اسلام کے نام سے جو بھی حکومت بنے گی، وہ غیر جمہوری ہوگی۔ موجودہ مذہبی اور اسلامی ذہن جمہوریت کو مع اس کے جملہ لوازم کے اپنانے کو تیار نہیں۔

مولانا سندھی نے ایک دفعہ بڑے دکھ سے فرمایا۔ حضرت سید احمد شہید کتنے بڑے بزرگ تھے لیکن دیکھو وہ بھی اسی رو میں بہہ گئے۔ بجائے اس کے کہ وہ افغان نمائندوں پر مشتمل ایک جمہوری نمائندہ حکومت بناتے، وہ خود امام اور مہدی بن گئے اور اس طرح سارا معاملہ غدر بود ہوگیا۔ تقریباً اسی زمانے میں مہدی سوڈانی ہوئے (۱۸۴۳ء) ۱۸۸۵ء) ان کی بغاوت سوڈانی عوام کی بغاوت تھی لیکن وہ بھی اسے جمہوری رنگ نہ دے سکے اور وہ مہدی بن گئے۔ اب ان کے نام پر ایک گدی ہے جس کے نام لیوا رجعت پسندی کے سب سے بڑے نقیب ہیں۔ خود ہندوستان میں اس طرح کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔ ہمارا مذہبی ذہن جمہوریت کا سوچ ہی نہیں سکتا۔

مولانا سندھی نے اپنی تقریر میں اس افسوس ناک صورت حال کا فوری حل تو یہ بتایا اور یہ حل اگر اس وقت ہو جاتا تو شاید حالات زیادہ نہ بگڑتے۔

"مسلمانوں کو اپنی اکثریت کے صوبوں میں مطمئن کرنا نیشنل کانگرس کا فرض تھا اور فرض ہے۔ یہ کام بہت پہلے ہونا چاہیئے تھا۔

ان کے پیش نظر طویل المیعاد حل یہ تھا کہ ہندوستان کو ایک براعظم سمجھا جائے۔ جس میں مختلف قومیں آباد ہیں اور قوم سے مراد ایک مخصوص خطے میں ایک زبان بولنے والی آبادی ہے۔ ہر قوم اپنی جگہ آزاد ہو اور ان کے درمیان فیڈریشن، کانفیڈریشن یا اور کسی طرح کا مشترک ربط ہو۔ سب کا سیاسی نظام جمہوری اور سیکولر ہو جس کی اساس ایسا سوشلزم ہو جو ہمارے ملک کے موجودہ حالات میں قابل عمل ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ مسلم لیگ برملا طور پر کہتی تھی کہ وہ مسلمانوں کی جماعت ہے اور وہ عملاً مسلمانوں کی جماعت تھی بھی۔ کانگرس کہتی تھی کہ وہ قومی جماعت ہے۔ اور اس میں ہندو مسلم، سکھ، عیسائی سب شریک ہو سکتے ہیں لیکن عملاً وہ ہندو جماعت بن کر رہ گئی تھی۔ کانگرس اپنے قومی ہونے کی جو بھی دلائل دیتی اور اس کے لیے کوشش کرتی، مسلم لیگ کو اس سے اور تقویت ہوتی اور مسلمان اور زیادہ تعداد میں اس میں جاتے۔ اب یہ گورکھ دھندا پیدا ہو گیا تھا۔ اس سے نکلنے کی راہ مولانا سندھی کے نزدیک یہی تھی، جمہوریت، سیکولرزم، سوشلزم۔ ہندوستان کی ہر قوم اپنے اپنے خطے میں آزاد ہو

اسے تاریخ کا ایک حادثہ سمجھئے، سردار پٹیل کی صحت نے جواب دے دیا اور وہ انتقال کر گئے۔ ورنہ پنڈت نہرو شاید زیادہ دن برسر اقتدار نہ رہ سکتے۔ سردار پٹیل کی موت کے بعد اس کے جانشین پنڈت جی کو برابر تنگ کرتے رہے۔ انہیں ان لوگوں نے کبھی اطمینان کا سانس نہیں لینے دیا۔ اور اب کہیں جا کر پہلی دفعہ اندرا گاندھی نے انہیں شکست دی ہے اور کانگرس سے ان کا عمل دخل ختم ہوا ہے ــــ ۱۹۴۷ء سے کچھ پہلے اور اس کے بعد تو خاص طور سے گاندھی جی سردار پٹیل سے خوش نہ تھے۔ نیز انکی موت یا شہادت میں سردار پٹیل کی بھی کچھ ذمہ داری ہے کیونکہ وہ وزیر داخلہ

حوالہ نمبر 18

۵۵

دیئے، دوسرے کو گوشت پسند ہے، اس نے ذبیحہ سے مہمان کی تواضع کی۔

ان مثالوں سے مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ زمانے کے ساتھ ساتھ زندگی کے مظاہر بدلتے جاتے ہیں لیکن مظاہر کی تبدیلی کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ اب اصلیت میں کوئی فرق آگیا ہے۔ قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ایک زمانہ میں ایک خاص مظہر میں جلوہ گر ہوا۔ اب ضروری نہیں کہ دوسرے زمانہ میں وہ پھر بعینہٖ اسی صورت میں ظاہر ہو۔ صحابہ کے زمانہ میں تیر و کمان، نیزے، تلوار اور ڈھال سے جہاد ہوتا تھا۔ اور مجاہدین اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جہاد کو نکلتے تھے۔ اب قرآنی تعلیم نے اگر کبھی اپنے پیروؤں کو جہاد پر آمادہ کیا تو ضروری نہیں کہ پھر تلوار، ڈھال اور اونٹ اور گھوڑوں کی نوبت آئے۔ اسی طرح خلافتِ راشدہ کے دور میں انسانی مساوات و انصاف کا جو اصول ایک خاص نہج پر نافذ ہوا۔ اب زندگی بہت کچھ بدل گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ زندگی کی ضرورتیں بھی بدل گئی ہیں۔ اس لیے انسانی مساوات و انصاف کا دائرہ کار بھی بہت وسیع ہوگا۔ یعنی مقاصد تو وہی رہیں گے لیکن ان کی عملی شکل حالات و اسباب کی تبدیلی کی وجہ سے پہلی سی نہ ہوگی۔

اسی سلسلہ میں مولانا نے ایک دفعہ قرآنی حکومت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: "جو زمانہ گزر گیا۔ وہ پھر واپس نہیں آیا کرتا۔ جو پانی بہہ جاتا ہے وہ لوٹتا نہیں۔ قرآن پر عمل کر کے خلافتِ راشدہ کے دورِ اول میں صحابہ نے جو حکومت بنائی، اب بعینہٖ ویسی حکومت نہیں بن سکتی۔ جو لوگ قرآن کو اس طرح سمجھتے ہیں وہ حکمتِ قرآنی کے صحیح مفہوم کو نہیں جانتے۔ بے شک خلافتِ راشدہ کی حکومت قرآنی حکومت کا ایک نمونہ ہے۔ لیکن یہ نمونہ بعینہٖ ہر دور میں منتقل نہیں ہو سکتا۔

حوالہ نمبر 19

جمہوریتوں کا زمانہ ہے۔ ایسی قومی جمہوریتوں کا جن کی بنیاد سیکولرزم اور سوشلزم ہو۔ میں اور میرے بزرگ، تم میں سے بعض خوش عقیدہ لوگ اب جو خواب دیکھ رہے ہیں اسی خواب کو حقیقت بنانے کے لیے جد و جہد کرتے رہے۔ وہ تم سے کہیں زیادہ مخلص تھے۔ اور انہیں اچھے سے اچھے ساتھی بھی ملے، لیکن ہم ناکام رہے۔ کیونکہ زمانہ ان چیزوں کا نہیں۔ مجھ سے عبث لو۔ مسلم لیگ کے لیڈروں کے پروپیگنڈے میں نہ آؤ لیکن کسی نے ان کی نہ سنی۔ مولانا سندھی اپنے رب کی بارگاہ میں حضرت نوحؑ کی زبان میں یہ عرض کر سکتے ہیں اور اس میں وہ بالکل حق بجانب ہوں گے۔

اے رب! میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن۔ پھر میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگنے لگے اور میں نے جب کبھی ان کو بلایا تاکہ تو ان کو بخشے، ڈالنے لگے انگلیاں اپنے کانوں میں اور لپیٹنے لگے اپنے اوپر کپڑے اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور۔ پھر میں نے ان کو بلایا برملا۔ پھر میں نے ان کو کھول کر کہا اور چھپ کر کہا چپکے سے، تو میں نے کہا گناہ بخشواؤ اپنے رب سے۔ بے شک وہ ہے بخشنے والا۔ (سورۂ نوح)

مولانا سندھی جب مدراس سے واپس دہلی آ رہے تھے تو احمد آباد (گجرات) کی ایک مسجد میں جب وہ اسی موضوع پر گفتگو فرما رہے تھے، انہیں زدوکوب کیا گیا۔ اور برا بھلا کہا گیا۔ اس فقیر کو جو صرف حق بات کہتا تھا اور جس کا کوئی سیاسی دھڑا نہ تھا۔ وہ سیاست کے اس دیرانے میں اکیلا تھا۔ اور اپنی قوم کو آنے والے خطرات سے ڈرا رہا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ انقلاب جب آتا ہے تو وہ کسی پر رحم نہیں کھاتا۔ میں طوفان کو آتے دیکھ رہا ہوں۔ تم اس سے غافل ہو للہ سمجھو اور وقت کو پہچانو۔

مولانا کا کمبا کونم کا یہ خطبۂ صدارت جو اس وقت زیر بحث ہے، ایک جگہ اس میں لکھا ہے اور اس کا حوالہ بھی اوپر دیا گیا ہے "اگر کوئی ہندوستانی مسلمان (عالم ہو یا سیاسی لیڈر) آپ سے یہ کہے کہ ہند کے جس قطعہ میں ہماری فعّال اکثریت ہے، کیوں نہ وہاں ہم اپنا شاہی نظام جاری کرنے کی کوشش کریں ....." یہاں یہ کہا جائے گا

کہ مسلم لیگ ہندوستان کے مسلم اکثریت کے علاقوں میں شاہی نظام نہیں بلکہ جمہوری نظام قائم کرنے کی دعوت دے رہی تھی۔ سو عرض یہ ہے کہ مولانا سندھی ہمیشہ کہا کرتے تھے اور اس پر انہیں بڑا اصرار تھا کہ اس دور میں اسلام کے نام اور اس کی دعوت پر مسلمانوں کی جو بھی حکومت بنے گی وہ مزاجاً شاہی حکومت ہوگی، جمہوری نہیں۔ اس لیے کہ صدیوں سے مسلمانوں کے ذہنوں میں اسلامی حکومت مرادف بن کر رہ گئی ہے ایک مسلمان بادشاہ کی حکومت کی۔ اور جب آپ اسلامی حکومت کو خیال سے عملی زندگی میں لائیں گے تو وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی حکومت نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ حکومت ہوگی جو ایک ہزار برس مع اپنی تمام روایات کے مسلمانوں کے ہاں چلی آتی ہے۔ کیونکہ ہمارے ذہنی، جذباتی، عملی اور تاریخی روابط اس آخرالذکر حکومت سے قائم ہیں[1] اول الذکر حکومت سے نہیں۔ اور انسانی عمل تاریخی خلا میں واقع نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کے لیے تاریخی تسلسل ضروری ہوتا ہے۔ اس تاریخی تسلسل کو توڑنے کے لیے ماحول کا بدلنا ناگزیر ہوتا ہے۔ آج ہم صرف سیکولر جمہوریت اور سوشلسٹ جمہوریت سے ہی اسے توڑ سکتے ہیں۔ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا اسلامی ذہن صدیوں کی فرقہ پرستی، تنگ نظری، جمود اور عقلی غلامی، جذبات پرستی اور آگے کے بجائے ہمیشہ پیچھے دیکھنے کی عادت سے نہیں نکل سکتا۔ اس ذہن کو اپیل کر کے اور اسے متحرک بنا کر جو نظام حکومت بھی بروئے کار آئے گا، وہ مزاجاً شاہی اور شخصی ہوگا، جمہوری نہیں۔ ہمیں جمہوری نظام حکومت کی طرف جانے کے لیے نیا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ اور نئے راستے کے لیے پچھلے راستے کو ترک کرنا پڑتا ہے۔

مولانا سندھی جوش میں آ کر کبھی کبھی تو یہ بھی کہہ دیتے تھے کہ مسلمانوں کے ہاں صدیوں سے خدا کا جو تصور چلا آتا ہے، وہ بھی ایک مستبد بادشاہ کا ہے۔ ایک حکیم، علیم پروردگار کا نہیں۔ پھر مسلمان نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت، خلفائے راشدین و صحابہؓ کے

---

[1] اقبال کا اپنی نظم "گورستان شاہی" میں ایک شعر ہے ؎

دل ہمارے یادِ عہدِ رفتہ سے خالی نہیں اپنے شاہوں کو یہ امت بھولنے والی نہیں

حوالہ نمبر 21

۴۔ ہندوستانی اقوام میں سے ہر قوم اپنے اپنے رقبے میں با اختیار اور آزاد ہو۔ اس کو پورا حق ہو کہ وہ اپنی زبان اور اپنے تمدن اور اپنے قومی وجود کو استحکام اور ترقی دے سکے۔

۵۔ ہندوستان کی ان با اختیار اور آزاد اقوام کی ایک وحدت ہو۔ اس وحدت کی حیثیت قومی نہیں بلکہ بین الاقوامی ہوگی۔

۶۔ ہندوستانی اقوام کی اس وحدت کے یہ بنیادی اصول ہوں:۔

۱۔ سیاست: اپنی رائے سے اپنے اوپر حکومت کرنے کا حق، جسے عرف عام میں جمہوریت کہتے ہیں۔ قوم کے ہر فرد کی خواہ وہ مرد ہو یا عورت مساوی حیثیت۔ نسل، مذہب یا قدامت کی بنا پر کسی کو کوئی تفوق نہ ہو۔

۲۔ اقتصادیات: صنعتی انقلاب کا مکمل نفاذ۔ سب کے لیے ایک سی اقتصادی سہولتیں۔ محنت کش طبقوں کا معیار زندگی دوسروں سے کم نہ ہو۔ سیاسی آزادی، اقتصادی آزادی کے بغیر بے معنی ہے۔ اقتصادی آزادی ایک گروہ یا جماعت تک محدود نہ ہو، بلکہ ملک کی عام آبادی بلا تمیز مذہب و ملت اس سے بہرہ اندوز ہو۔

۳۔ معاشرت: صنعتی انقلاب کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے پرانے اوضاع و اطوار کو بدلا جائے۔ ہماری یہ چیزیں اس زمانے کی یادگار ہیں۔ جب زندگی دوسرے ڈھنگ پر تھی۔ اب چونکہ زندگی یک سر بدل گئی ہے۔ اس لیے یہ اوضاع و اطوار بھی فرسودہ ہو چکے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ یورپی معاشرت اختیار کی جائے۔

مولانا کی رائے میں ہندوستانی مسلمانوں کے انتشار اور بے عملی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اُن کا قومی وجود اپنے ماضی سے بالکل منقطع کر دیا گیا ہے۔ ہم خیالی باتوں کے پیچھے پڑ کر عملی دُنیا اور اس کے لوازمات سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ ضرورت اب اس امر کی ہے کہ ہماری قومی تاریخ کا جہاں سلسلہ ٹوٹا تھا، اسے پھر از سرِ نو جوڑا جائے اور موجودہ زمانے کے تقاضوں کی مناسبت سے قومی فکر کی نئی تشکیل ہو۔

اس میں شک نہیں کہ اورنگ زیب کے بعد سے ہماری قومی تاریخ میں ایک بہت بڑا فصل پیدا ہو گیا۔ ہمارے سیاسی شیرازہ کے بکھرنے سے ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون بے کار ہو گئے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہم شکست کھا گئے۔ اگر ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون ناقص نہ ہوتے تو ہمارا سیاسی وجود کیوں بگڑتا۔ ظاہر ہے۔ اب تو زمانہ اور بھی بدل چکا ہے، اس لیے ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون اب بجنسہٖ نہیں چل سکتے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہمارا فکر ہی ناکارہ ہو گیا ہے۔ اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے ایک دفعہ مولانا نے فرمایا:۔

"ہندوستان میں مسلمان آئے تو ہندو قوم کی حکومت تھی۔ ہندوؤں کا اپنا قانون تھا۔ اور اُن کا اپنا ایک خاص فلسفہ تھا۔ ہندوؤں کی حکومت گئی۔ حکومت کے ساتھ ان کا قانون بھی رخصت ہوا لیکن فلسفہ باقی رہا۔ اس ہندو فلسفہ کا باہر کی انقلابی قوت سے تصادم ہوا۔ یہ انقلابی قوت اسی قسم کے ایک فلسفہ (تصوف) اور ایک بین الاقوامی

حوالہ نمبر 23

۴۲۶

تحریک (اسلام) کی حامل تھی۔ اس انقلابی قوت نے ہندوؤں کے فلسفہ کی تصحیح کی۔ اور اس میں ترقی پسند رجحان کا عنصر داخل کیا۔ اسی وجہ سے ہندوستان عزلت سے نکل کر پھر باہر کی دنیا میں بین الاقوامیت حاصل کر سکا۔

"انگریز آئے تو مسلمانوں کی حکومت بھی پاش پاش ہو گئی۔ اس حکومت کا قانون زمانے کا ساتھ نہ دے سکتا تھا۔ وہ فنا ہوا اللہ

اُن کا فلسفہ باقی رہا۔ اس فلسفہ میں غلط کاروں کی غلط تعبیرات سے بہت کچھ فساد پیدا ہو چکا ہے لیکن اس کے باوجود اس کی رُوح اب تک اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ یہ فلسفہ آج کی ترقی یافتہ طاقتوں سے کلی طور پر ہم نوا ہو سکتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کی صحیح تعبیر ہو اور اس کی بنیادوں پر اسلامی ہندوستان کی نئی عمارت اُٹھائی جائے۔"

مولانا فرماتے ہیں کہ اس کو تسلیم کرنے میں ہمیں باک نہیں ہونا چاہیئے کہ ہماری سیاست۔ ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون ایک زبردست قوت سے شکست کھا چکے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ عرصۂ دراز تک ہماری قومی شخصیت نے اپنے آپ کو ان علمی اور عملی مظاہر میں جلوہ گر کیا ہے اور یہ چیزیں ہمارے قومی وجود کے لیے ایک حد تک لازمی ہو چکی ہیں۔ اس لیئے اُن کا کلی انکار کسی طرح ممکن ہی نہیں۔ یہ علمی و عملی آثار ہماری قومی تاریخ کا ایک حصّہ بن چکے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ماضی کی اس وراثت کا پورا پورا جائزہ لیں۔ کھوٹے

اب ان کے پاس سوائے دربار داری کے طریقوں کے اور رکھا ہی کیا ہے۔ یہ لوگ مجلسی آداب کے علاوہ اور کیا جانیں۔ اونچی باتیں اور تکلفات، یہ ان کی زندگی ہے۔

مولانا سندھی کو یہ عام شکایت تھی کہ مسلمانوں کی نس نس میں شاہ پرستی سرایت کئے ہوئے ہے ایک دفعہ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:۔

میری قوم کے دماغ میں شاہ پرستی گھسی ہوئی ہے۔ ہمارا مذہب، ہمارے علوم و افکار، ہمارا سماج، ہماری سیاست غرض ہماری پوری زندگی شاہ پرستی سے متاثر ہے۔ بے شک اب ہمارے ہاں بادشاہ نہیں رہے لیکن ہماری شاہ پرست ذہنیت نے ان کی جگہ نوابوں، راجاؤں، پیروں، بزرگوں، استادوں یہاں تک کہ سیاسی لیڈروں کو بادشاہ بنا لیا ہے[1]۔ مسلمان یورپینزم کو اختیار کئے بغیر شاہ پرستی کی چنگل سے نہیں نکل سکیں گے۔

یورپینزم کا پہلا اثر تو یہ ہوگا کہ لوگ ووٹ کی حکومت کی اہمیت کو سمجھیں گے۔ ووٹ کے معنی یہ ہیں کہ جس کو میں اپنا ووٹ دوں، وہی میرا حاکم ہوگا یعنی حکومت کسی شاہی خاندان کی نہیں جو پہلے سے چلا آتا ہے۔ بلکہ ووٹ ڈالنے والے کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری قوم جلد سے جلد یورپینزم کو اپنائے تاکہ وہ شاہ پرستی کی اس دلدل سے نکل سکے۔ شاہ پرستی کی ذہنیت کو چھوڑے بغیر کسی قوم کی ترقی ممکن نہیں۔

یورپینزم کا دوسرا اثر یہ ہوگا کہ ہم میں صاف رہنے کا احساس پیدا ہوگا۔ ہم

---

[1] اس زمانے میں مسلم لیگ کا بڑا زور تھا۔ اور قائداعظم کی مقبولیت عوام میں روز افزوں تھی۔ جامع مسجد دہلی کے ارد گرد کی دوکانوں اور چھوٹے چھوٹے ہوٹلوں میں قائداعظم کی رنگین تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ ان میں انہیں گھوڑے پر سوار فوجی لباس پہنے ہوئے ترک بادشاہ سلطان عبدالحمید خاں کے انداز میں دکھایا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ عام مسلمان کا آئیڈیل (مثال) حکمران اب بھی بادشاہ ہے۔ اور وہ صدر جمہوریہ کو بھی جوش عقیدت میں بادشاہ کہنا پسند کرتا ہے۔ مسلمانوں نے ذہناً اور جذباتی طور پر اب تک جمہوریت کے فکر و نظام کو قبول نہیں کیا۔

حوالہ نمبر 25

اپنے دین کو بھی بچا سکتے ہیں۔ وہ یورپ کی معاشی اور مادی تنظیم قبول نہ کریں گے تو "حسنۃ فی الدنیا" سے محروم ہو جائیں گے اور فلسفہ ولی اللہی ساتھ نہ ہوگا تو "حسنۃ فی الآخرۃ" کا حصول ممکن نہیں۔ اسلام نہ محض "حسنۃ فی الدنیا" ہے اور نہ صرف "حسنۃ فی الاخرۃ" وہ دونوں کا جامع ہے۔ یہ ہے مولانا عبید اللہ صاحب کی دعوت۔

یورپ کی مادی ترقی اور معاشی تنظیم کا سفینہ اب کنارِ آمد ہونا تو اب کسی دلیل کا محتاج نہیں رہا۔ اس مادی ترقی کے طفیل افرنگ کا ہر قریہ فردوس کے مانند بن گیا ہے۔ قدرت کے سارے دفینے انسان کی دسترس میں آ گئے ہیں۔ اور خشکی تری اور ہوا پر اس کا سکہ رواں ہے۔ معاشی تنظیم کے سلسلہ میں بہت کچھ ہو چکا ہے اور بہت کچھ اس جنگ کے بعد لازمی طور پر ہوگا۔ مادی ترقی نے فراوانی بہم کر دی۔ اب معاشی تنظیم اس فراوانی کو سب کے لیے عام کرنے میں لگی ہوئی ہے۔

باقی رہا فلسفہ ولی اللہی۔ جہاں تک اس کے مبادی اور اصولوں کا تعلق ہے، یورپ کے بڑے بڑے اہل فکر و علم اور سائنس دانوں کے انکشافات ان کی تائید کرتے ہیں اور نفس انسانی کائنات اور زندگی کے متعلق جو فلسفہ ولی اللہی کے نظریات ہیں، کم و بیش وہی نظریے آج علمی دنیا میں تسلیم کیے جاتے ہیں اور خاص بات یہ ہے کہ یہ فلسفہ ولی اللہی اسلام سے پوری مطابقت رکھتا ہے اور اس کا ثبوت خود شاہ صاحب کی اپنی عظیم المرتبت اور جامع علم و فضل شخصیت ہے۔

کئی طریقے ہیں اور ہر قوم نے اپنے اپنے رنگ میں جذب وسلوک کے قواعد وضع کئے ہیں۔ مولانا کے نزدیک فلسفہ ولی اللہی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے جذب وسلوک کی ایک ایسی راہ بتائی ہے، جو سب قوموں کے طُرقِ جذب وسلوک کی جامع ہے۔ اس میں اور اسلام میں تضاد بھی نہیں۔ نیز سارے ادیان اور مذاہب کا بھی اس پر اتفاق ہو سکتا ہے۔

مولانا کا کہنا یہ ہے کہ یورپ کے موجودہ مادی اور معاشی نظام کو ہمیں لابدی طور پر قبول کر لینا چاہیئے۔ ان کے خیال میں یہ مادی نظام سارے کا سارا محض یورپ کی اپنی تخلیق نہیں۔ ہزارہا سال سے انسان دنیائے اسباب کی تسخیر کے لیے تگ و دو کرتا چلا آرہا ہے۔ ہر قوم نے اپنے اپنے وقت میں تسخیر کے اس عمل کو آگے بڑھایا۔ اس زمانے میں اسباب کی دنیا میں یورپ سب کا امام ہے اس لیے ہمیں یورپ کی سائنس اس کی تنظیم اور صنعت کو اپنانا ہوگا۔ خدانخواستہ اگر ہم نے یہ نہ کیا تو ہمارا وجود اس دنیا میں باقی نہیں رہ سکتا۔ اور ہم ریت کے ذرّوں کی طرح ہوا میں اُڑتے نظر آئیں گے۔

دوسری طرف مولانا کا یہ ارشاد ہے کہ زندگی کے مادی پہلو کی طرح اس کے باطنی پہلو کی ترقی کا سلسلہ بھی ابتدائے آفرینش سے جاری ہے۔ ہر قوم نے نفسِ انسانی کے باطنی شعور کو تہذیب اور ترقی دینے کے لیے طریقے سوچے۔ باطنی شعور کے تصفیہ اور ترقی کے طریقہ کو ہم تصوف کہتے ہیں۔ مغربی اسے "مسٹسزم" کا نام دیتے ہیں۔ ہندوؤں نے اسے ویدانت کہا۔ قدیم مصری ایرانی اور یونانی اسے دوسرے ناموں سے پکارتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ شاہ

ساتھ اس کو بھی ترقی دیتے جاتے تو انسانیت آسانی سے راہِ ترقی پر گامزن ہوتی اور یہ ضرورت نہ پڑتی کہ پہلے کے نظام کو سرے سے مٹا کر اس کی جگہ بالکل نیا نظام بنایا جاتا۔ یقیناً زندگی ایک حد تک تسلسل چاہتی ہے اور اگر تغیر و تبدل کا یہ راستہ اختیار کیا جائے تو زندگی کا تسلسل بھی قائم رہتا ہے اور ترقی کی رفتار بھی نہیں رُکتی۔ ہر خرابی پر از سرِ نو نیا نظام بنانا نہ مفید ہے اور نہ مؤید ترقی۔

مولانا کے نزدیک زندگی کی ابتداء معدنیات نباتات اور حیوانات سے ہوئی۔ پھر انسان کا وجود عمل میں آیا۔ انسان کی مذہبی فکر کی ابتدائی صورت صابئیت تھی۔ اس کے بعد حنیفیت کی منزل آئی۔ اور یہودیت، عیسائیت اور اسلام نے جنم لیا۔ اسلام کے نظام کی ظاہری ٹھوس صورت جو مرورِ زمانہ سے بن گئی ہے غیر متبدل نہیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ اس نظام کو زمانے کے مطابق اعلیٰ سے اعلیٰ جامہ میں پیش کیا جائے، ورنہ جس طرح اور مذاہب کے نظام پرانے ہو گئے۔ نعوذ باللہ اگر اسلام کو بھی اسی طرح ایک خاص نظام کا پابند بنا دیا گیا تو اس کے پرانے ہونے میں کیا کسر رہ جائے گی۔

مولانا نے فرمایا کہ روٹی پکانے کے لیے اُپلے جلائے جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اُپلے کیوں بیکار جلائے جا رہے ہیں تو اس کا جواب کیا ہو سکتا ہے؟ اسی طرح نوعِ انسانی کو اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے ہزارہا وجودوں کو فنا کرنا ہو گا۔ لیکن تکمیل کے لیے یہ فنا ضروری ہے۔ ایک مرحلہ فنا ہوتا ہے تو اس سے دوسرے مرحلہ کا ظہور ہوتا ہے۔ انسان کی ترقی کی کوئی حد نہیں۔ اسے اپنے اصلی مقام پر پہنچنے کے لیے معلوم نہیں ابھی کتنے مراحل سے گزرنا ہے۔

عقیدۂ شفاعت سے انکار

(مسلمانوں کے آخری سہارے پر حملہ)

مسلمانوں کا آخری سہارا یہ ہے کہ چاہے ہم جتنے بھی گناہ گار ہیں مگر کلمہ پڑھنے کی وجہ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری شفاعت کریں گے۔

فکریوں نے شفاعت کے اس مفہوم سے انکار کر کے مسلمانوں کو بے سہارا کر دیا۔ ان کے نزدیک انسان کو صرف اور صرف اپنا کیا دھرا ملے گا۔ کسی کی سفارش اور شفاعت سے کچھ نہ بگڑے گا اور نہ بدلے گا۔ ملاحظہ کیجئے!

عقیدۂ شفاعت اخلاق کو برباد کر دیتا ہے

"ولا یقبل منها شفاعة" ہمارے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت بالاذن وہ اعمال انسانی کا نتیجہ ہے تو شفاعت کی نفی اس کے ظاہر پر ہے۔ شفاعت کے معنی میں تحریف اخلاق بگاڑ دیتی ہے۔" (الہام الرحمٰن: ج۱ ص۱۰۶) ❶

اصل عبارت اس طرح ہے:

"فقوله "لا یقبل منها شفاعة." عندنا الشفاعة بالإذن إنما هی نتیجة أعمال الإنسان فنفی الشفاعة یکون علی ظاهره، وتحریف معنی الشفاعة یفسد أخلاق الإنسان"

شفاعت اور کفارہ کے ضمن میں احادیث کو بھی تسلیم نہ کیا جائے

''شفاعت بالاذن ہمارے نزدیک انسان کے اپنے کئے ہوئے اعمال کا نتیجہ ہے تو شفاعت کی نفی ظاہر اور عموم پر مبنی ہے۔ شفاعت کے معنی میں تحریف کرنے سے اخلاق فاسد ہو جاتے ہیں اس لئے کہ اخلاق کی اساس مسئولیت شخصی پر ہے۔ سارے وہ نظریات جو مذہبی لوگ کفارہ، شفاعت وغیرہ کے نام سے پیش کرتے ہیں وہ اس آیت کی رو سے مردود اور باطل ہیں۔ وہ تمام صحیح احادیث جو اس آیت کے مفہوم کے خلاف وارد ہیں سنجیدہ لوگوں کو چاہئے کہ وہ آیت کے مفہوم کے تحت لائیں اور میری دلی خواہش ہے کہ طلبہ اس بابت ثابت قدم رہیں۔ اگر وہ ان روایات کو تطبیق نہ دے سکیں تو توقف کریں مگر اس آیت کے مفہوم کو باطل نہ کریں۔''

(الہام الرحمٰن: ج ۱ ص ۱۰۶، طبع شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد) ❷

عربی عبارت ملاحظہ فرمائیے:

"عندنا الشفاعة بالإذن إنما هي نتيجة أعمال الإنسان، فنفي الشفاعة يكون على ظاهره، وتحريف معنى الشفاعة يفسد أخلاق الإنسان، لأن المسئولية الشخصية هي أساس الأخلاق. كل ماجاء به المتشرعون من الكفارة والشفاعة وغيرها مردود بنص هذه الآية. ولايسأم الرجل الحصيف الفطين من تاويل الروايات الصحيحة

الواردة على خلاف مفهوم الأية إلى مفهومها وتطبيقها.
وإني أحب أن يكون طالب العلم متثبتًا في ذلك، فإن لم يمكنه تأويل تلك الروايات فليتوقف من قبولها ولا يجوزله ان يبطل مفهوم هذه الاية من الوجوه."

ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

"چونکہ فطرت مسخ ہو چکی ہے اور انسانیت کے اصلی جوہر خراب ہو چکے ہیں اس لئے جب وہ تمام زہر جو نسمے میں گھس گیا ہے خارج نہ کیا جائے ترقی محال ہے، اس سلسلے میں کسی کی سفارش بھی کام نہیں دیتی۔" (قرآنی شعور انقلاب: ۳۹۵) ۳

عقیدۂ شفاعت میں مسلمانوں نے غلط فہمیاں پیدا کیں

فکریوں کی تفسیر "المقام المحمود" میں ہے:

"ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ مسیحی دنیا نے کفارہ کا مسئلہ ایجاد کر دیا اور آخرت کے ذکر سے جو فوائد حاصل ہو سکتے تھے اس کی قوت کو کم کر دیا۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی شفاعت کے مسئلہ میں غلط فہمیاں پیدا کر کے قرآن کے ان بیانات سے جو افادہ حاصل ہو سکتا تھا اسے بہت کمزور کر دیا۔"

(المقام المحمود: ۷۶ جزء عم صفہ اکیڈمی) ۴

عقیدۂ شفاعت عیسائیوں کے عقیدۂ کفارہ کی نقل ہے

"امت کے بخشوانے کا مسئلہ زیادہ تر مسیح علیہ السلام کے کفارہ کی نقل ہے اور یہ دوسری صدی کے بعد ہوا جب مسلمان عیسائی

قوموں سے ملے۔'' (المقام المحمود: ۱۳۵، جزء عم صفہ اکیڈمی) (۵)

فکریوں کی اسلام پر چومکھی یلغار کا سلسلہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا! اسلامی اقدار کو ایک ایک کر کے تباہ کرنے سے بھی جب ان کی تسلی نہ ہوئی تو اب اہل فکر یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کے عقائد العیاذ باللہ کفار اور عیسائیوں سے ماخوذ ہیں، گویا ان کے ہاں اسلام عیسائیت اور اس جیسے دیگر ادیان باطلہ کا ملغوبہ ہے، غضب بالائے غضب یہ کہ اس قدر گمراہ کن نظریات اور صریح کفریات کو یہ حضرات ''فکر ولی اللّٰہی'' جیسے دلفریب عنوان کے حسین پردوں میں لپیٹ کر نئی نوجوان نسل کے سامنے پیش کرتے ہیں جنہیں وہ ولی اللّٰہی فکر سمجھ بلا چوں وچرا تسلیم کرتے ہیں اور نتیجۃً دین اسلام سے برگشتہ اور بدظن ہو جاتے ہیں۔

اہل فکر کا طریقۂ واردات یہ ہے کہ یہ ''فکر ولی اللّٰہی'' کے نام سے اسلام پر طرح طرح کے کچوکے لگاتے ہیں اور ان نوجوانوں کو فکری اور نظریاتی مغالطوں میں الجھاتے رہتے ہیں اور پھر آخر میں انہیں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اسلام اوہام وظنون کا ڈھیر، قدامت پسندی کا ڈسا ہوا، نقصان رسیدہ اور تحریف شدہ ہے اور اشتراکیت اور لادینیت تمام دکھوں کا مداوا ہے۔

قارئین کرام! آپ بتائیں کہ کیا ایسے لوگوں کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اسلام کو دل سے قبول کیا ہوا ہے؟ اور کیا ایک مسلمان کا اسلام اسی نوعیت کا ہوتا ہے؟ ان تحقیقات کو بھی اگر اسلام میں جگہ دی جائے اور یہ نظریات بھی قابل تاویل سمجھے جائیں تو کفر وایمان کی تفریق کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے۔

حوالہ نمبر 1 **تنبیہ** حوالہ نمبر 2

ثم ازيد على ذلك واقول لم تقم امة بعد بني اسرائيل في تحقيق الاديان — وانا نتأسف على حالة بلادنا عموماً فانهم لا يتوجهون الى تحقيق التاريخ ولا الى تفسير الكتاب واهميته هذين الامرين في تحقيق الملة وتقويتها لا تخفى — ونحمد ربنا على وجود بذور صالحة لرقي هذين الامرين بوجود الامام ولي الله واتباعه. قوله تعالى:- وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٨﴾

معنى. واتقوا. عندنا قدموا تقولكم ليوم لا يظهر فضلكم فيه الا على قدر التقوى. والتقوى هو اقامة العدل والاحسان وايتاء ذي القربى

وقد علمنا بذلك ان مقصود الشرائع كلها هو امر واحد وهو اقامة العدل والتقوى هذه الآية مشتبة في القرآن ومكررة وجرت مباحث

في ملتنا للاختلاف في تفسيرها فقوله لا يقبل منها شفاعة. عندنا الشفاعة بالاذن انما هي نتيجة اعمال الانسان فنفي الشفاعة يكون على ظاهره. وتحريف معنى الشفاعة يفسد اخلاق الانسان لان المسئولية الشخصية هي اساس الاخلاق. كل ماجاء به المتشرعون من الكفارة والشفاعة وغيرها مردود بنص هذه الآية. ولا يسأم الرجل العميق الفطين من تأويل الروايات العصيمة الواردة على خلاف مفهوم الآية الى مفهومها وتطبيقها. واني احب ان يكون طالب العلم متيقظا في ذلك فان لم يمكنه تأويل تلك الروايات فليتوقف من قبولها ولا يجوز له ان يبطل مفهوم هذه الآية بوجه من الوجوه فانها من

بیکار مباحثے : ہم انسانیت کی خدمت کرنے کے بجائے فلسفیانہ موشگافیوں اور دوراز کار بحثوں میں پڑ گئے اور کمزوروں کو کمزور رکھ کر ان کا خون چوسنے کے فلسفے کے جواز میں بڑی بڑی بحثیں کرنے لگ گئے۔ حالانکہ چاہئے یہ تھا کہ بیکاروں (unemployed The) کو کام پر لگانے کے ذرائع پر غور کرتے اور جو لوگ خدا سے تعلق جوڑنا بھول گئے ہیں ان کو اس طرف متوجہ کرتے اور انہیں علم دیتے۔

(46) وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ (اور ہم جزاء اعمال کے وقت کا انکار کرتے تھے)

(3) **اعمال کی ذمہ داری سے انکار** : یہ سب کچھ اس لئے کر گزرتے تھے کہ ہم اس کمزور محتاج اور مظلوم کی اپیل کے نتائج اور آخری فیصلے کے دن کا یقین نہ رکھتے تھے اور ہم اپنے آپ کو اپنے اعمال کے لئے کسی کے آگے جواب دہ نہ سمجھتے تھے اگر کوئی ہم سے اس ذمہ داری اور جوابدہی کا ذکر کرتا اور یاد دلاتا تو ہم اسے جھٹلاتے تھے۔

(47) حَتّٰٓى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ (یہاں تک کہ آگئی یقینی بات)

ہم سمجھتے تھے کہ یہ لوگ ہمارے پنجے میں ہیں ان سے جس طرح چاہیں کام لیں اور ہماری اس حالت میں کبھی انقلاب نہ آئے گا لیکن انقلاب تو یقینی تھا مگر ہم اسے یقینی نہ جانتے تھے آخر موت و ہلاکت کے انقلاب نے ہماری آنکھیں کھول دیں۔

(48) فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ : (ایسے لوگوں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت فائدہ نہیں دیتی)

چونکہ فطرت مسخ ہو چکی ہے اور انسانیت کے اصلی جوہر خراب ہو چکے ہیں اس لئے جب تک وہ تمام زہر جو نسمے میں گھس گیا ہے خارج نہ کیا جائے ترقی محال ہے اس سلسلے میں کسی کی سفارش بھی کام نہیں دیتی۔

دوبارہ انذار : اب پھر انقلاب کے مخالفوں کو غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے کہ وہ سوچیں اور سمجھیں اور اس انقلاب کو قبول کریں۔

(49) فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ؟ (پھر کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ اس یاددہانی (قرآن حکیم) سے روگردانی کر رہے ہیں)

پہلی آیت میں جو آیا تھا کہ قُمْ فَاَنْذِرْ اس کے مطابق یہ انذار (ڈراوا) ہے اور

حوالہ نمبر 4

کر سکتی۔ اگر دوسری زبان سے اس کا مقابلہ کیا جائے جیسے سنسکرت یا عبرانی تو یہ دعوی اتنا روشن نہیں رہتا جتنا خالی عربی پڑھنے والوں کے دماغ میں قائم ہے۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے عبرانی یا سنسکرت کا قطعاً مطالعہ نہیں کیا ورنہ ان کو علم ہوجاتا کہ یہ زبانیں بھی کم نہیں ہیں) اس لیے ہم فصاحت اور بلاغت کا یہ مطلب نہیں لیتے۔ آخرت کے امور کو دنیاوی زبان میں بیان کرنا آسان بات نہیں۔ قرآن مجید نے اس میں اس قدر فصاحت استعمال کی ہے کہ جو بھی مطلب ہے وہ ٹھیک سمجھا دیتا ہے۔ اور انسانیت کے تمام طبقوں کے دماغ تک صحیح بات پہنچا دیتا ہے۔ طبقوں سے مراد ہیں اعلیٰ طبقہ، اوسط طبقہ، ادنی طبقہ اور یہ طبقے فقط محنت کے اعتبار سے پیدا ہوتے ہیں۔ اعلیٰ طبقے کو ذرا کم محنت کرنی پڑتی ہے۔ متوسط کو ان سے زیادہ اور ادنی طبقے کو سب سے زیادہ محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس محنت سے قطع نظر کر کے دیکھیں تو بات یکساں ہی نظر آئے گی اور یہ بلاغت کا صحیح درجہ ہے۔ قرآن مجید کی عربی زبان بھی نہایت فصیح ہے یعنی دنیا کے باقی لٹریچر سے ممتاز ہے اور عربی زبان کی کوئی کتاب (نثر یا نظم) اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ تو زبان دانی کے لحاظ سے ہم اس کو عربی لٹریچر میں اعلیٰ درجہ دیتے ہیں اور آخرت کو دنیا بھر کی زبانیں (جیسے سنسکرت وغیرہ) اس قدر آسانی سے نہیں سمجھا سکتیں جس قدر آسانی سے قرآن مجید سمجھا دیتا ہے۔ اس میں قرآن مجید کا درجہ نہایت اعلیٰ ہے۔ ہمارا دعوی ہے کہ دنیا کوئی کتاب اس قدر فصاحت و بلاغت کے ساتھ لوگوں تک مسائل کو نہیں پہنچا سکتی۔

---

* ہمیں اس بات کا افسوس ہے کہ مسیحی دنیا نے کفارہ کا مسئلہ ایجاد کر دیا اور آخرت کے ذکر سے جو فوائد حاصل ہو سکتے تھے اس کی قوت کو کم کر دیا۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی شفاعت کے مسئلہ میں غلط فہمیاں پیدا کر کے قرآن کے ان بیانات سے جو افادہ حاصل ہو سکتا تھا اسے بہت کمزور کر دیا۔ عام مسلمانوں میں قرآن مجید کی نسبت علم حدیث کا زیادہ محبت ہے۔ وہ قرآن مجید میں تھوڑی سی توجہ عربی لٹریچر کے ذریعہ قائم کر سکے یعنی قرآن مجید کو تمام دنیا میں اعلیٰ درجہ کی ادبی کتاب ثابت کرنے میں مسلمان لگے رہے۔ اور اس سے جو مدعا اور مطلب و مقصد حاصل کرنا تھا اس کی طرف توجہ کم

حوالہ نمبر 5

نسل نقل کرتے چلے آئے ہیں بعینہ اسی طرح جس طرح آج کل مسلمان حضرت مہدی کا انتظار کر رہے ہیں۔ غرض اس میں وعدہ دیا گیا ہے کہ اے رسول! تیری حالت میں ارتقا ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ تیرا مطلب پورا ہوجائے۔ دوسری قوموں سے مباحثہ کرنے والے مسلمانوں نے نبوت کے یہ معنی مقرر کیے ہیں کہ نبی کے دل میں کوئی خیال نہیں ہوتا۔ اور خدائے تعالیٰ اپنی طرف سے نبی کے دل میں زبردستی ایک بات ڈال دیتا ہے۔ ان مباحثہ کرنے والے مسلمانوں کے اس قاعدہ کا لحاظ رکھ کر ان کے مقلد یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے سامنے کوئی مقصد نہیں تھا اب اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے سامنے ایک اعلیٰ مقصد تھا۔ اس واسطے وہ اب اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ مقصد یہ تھا کہ آپ قیامت کے دن اپنی امت کو بخشوالیں گے۔ مناظرہ کرنے والے اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ جو آدمی کوئی کام کرے اس میں پہلے اس کام کرنے کی استعداد ہونی چاہیے۔ اسی طرح نبی جو نبوت کا کام سرانجام دے گا اس کے لیے سوت کی استعداد ضروری چیز ہے۔ تو رسول کریم ﷺ کی طبیعت میں طبعی طور پر یہ بات آئے گی۔ کہ ان کی قوم ذلت سے بچے۔ اور ان کی قوم میں جو تاریخی فخر رکھا گیا ہے وہ قوم کو حاصل ہو۔ امت کے بخشوانے کا مسئلہ زیادہ تر مسیح علیہ السلام کے کفارہ کی نقل ہے اور یہ دوسری صدی کے بعد ہوا، جب مسلمان عیسائی قوموں سے ملے۔

* آیت۶ الم یجدک یتیماً فاوی آپ کی زندگی کا ابتدائی واقعہ ہے کہ آپ کے لیے بچپن ہی میں مصیبت پڑ گئی۔ آپ بچپن ہی میں یتیم ہوگئے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ایسا سامان پیدا کردیا کہ آپ کے خاندان کا سب سے بڑا آدمی (عبدالمطلب) آپ کی تربیت پر لگ گیا۔ لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اب نبوت کی تعلیم ختم ہوجائے گی۔ یعنی آپ چونکہ خاتم الانبیاء ہیں اور نبوت کے خاتمے کی طرح اب نبوت کی تعلیم بھی پوری ہوجائے گی۔ اس واسطے اب یہاں سمجھایا جارہا ہے کہ لوگوں کو ایسا خیال نہیں کرنا چاہیے ان کو رسول کریم ﷺ کی ابتدائی زندگی پر غور کرنا چاہیے کہ آپ بچپن ہی میں یتیم ہوگئے اور آپ کا یتیم ہونا ایک قدرتی واقعہ تھا۔ اللہ

فکریوں کے نزدیک وحی کی حقیقت

وحی پیغمبر کی نفسیاتی قوت اور داخلی استعداد کی پیداوار ہے

ملاحظہ فرمائیں:

''مذہب اسلام کا بنیادی اور مقدم ترین عقیدہ ایک خدا کو ماننا ہے لیکن تاریخ گواہ ہے کہ زمانے اور عقلی ترقی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ہاں خدا کا تصور بھی بدلتا رہا ہے۔ توحید کے بعد دوسرا بنیادی عقیدہ رسالت کا ہے اور رسالت میں سب سے اہم سوال وحی کا ہے، چنانچہ وحی کے بارے میں ایک عام مسلمان کا تصور اور ہے اور مثال کے طور پر ایک معتزلی متکلم اور حکیم و فلسفی کا تصور اور رہا ہے ..... (اس کے حاشیے میں پروفیسر سرور صاحب لکھتے ہیں): وحی میں بھی بعض بلکہ اکثر مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وحی کو بالکل الگ مانتے ہیں۔ ان کے ہاں وحی کے الفاظ اور معانی دونوں نبی کی ذات سے ماوراء تھے اور حکما کا گروہ اس بارے میں ''از دل خیزد بر دل ریزد'' (دل سے اٹھتی تھی اور دل پر نازل ہوتی تھی) کا قائل ہے۔''

(افادات وملفوظات: ۲۷۹) (۱)

علماء کرام کو غور کرنے کی ضرورت ہے کہ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ نبوت پیغمبر کی

داخلی استعداد کا نام ہوجائے تو دین کا کتنا حصہ ان کے ہاتھ لگے گا اور خود خدائے تعالیٰ کی حیثیت کیا رہے گی؟

وحی تک محدود ہونے والی اقوام کی ترقی مشکوک اور موہوم ہو جاتی ہے

''جس قوم کا یہ عقیدہ ہو کہ علم کا آخری، قطعی اور یقینی ذریعہ صرف وحی ہے اور وحی میں عقل کو کوئی دخل نہیں، ڈاکٹر صاحب! اس قوم کا کیا بنے گا میں اس کے مستقبل سے خائف ہوں۔''

(افادات وملفوظات: ۷۸) ❷

اس پیراگراف میں بڑے دوٹوک پیرائے میں واضح کر دیا گیا کہ نبوت یا وحی علم کا آخری، قطعی اور یقینی ذریعہ نہیں ہے، جو اقوام اس پر انحصار رکھیں ان کی تباہی یقینی ہے۔

جبرئیل فرشتہ نہیں بلکہ نفسیاتی کیفیت کا نام ہے

فکریوں کی کتاب ''افادات ملفوظات'' میں بعض علماء کے حوالے سے لکھا ہے:

''جبرئیل جو انبیاء علیہم السلام کو نظر آتے ہیں اور خدا کی طرف سے وحی لاتے ہیں، وہ حقیقت جبرئیلیہ ہے جو انبیاء کی قوتوں میں سے ایک قوت کا نام ہے یہی قوت صورت بن کر عالم مثال میں انبیاء کو محسوس ہوتی ہے اور خدا کی طرف سے قاصد بن کر پیغام لاتی ہے، تو انبیاء اپنے آپ ہی سے مستفید ہوتے ہیں نہ کسی اور سے، جو کچھ ان کو نظر آتا ہے وہی ہے جو ان کے خزانہ میں مخزون تھا۔''

(افادات وملفوظات: ۲۲۸) ❸

حوالہ نمبر ۹

مزید برآں اسلام کے احکام بھی جن سے عبارت شریعت یعنی قوانین وضوابط ہیں، جس شکل میں کہ وہ ایک زمانے میں تھے، اسی شکل میں ہمیشہ نہیں رہیں گے اور تو اور شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں مولانا سندھی یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید میں بعض جرائم کی جو سزائیں مذکور ہیں ان کی حیثیت محض مثال کی ہے۔ اور لازمی نہیں کہ ہر زمانے میں ان کو اسی شکل میں نافذ کیا جائے۔

غرض کمیونسٹوں کا یہ الزام کہ مذہب کے عقائد واحکام زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتے اور جہاں زمانہ برابر بدل رہا اور آگے بڑھ رہا ہے، وہاں مذہبی عقائد واحکام اپنے تصور اور عملی نفاذ میں ایک مخصوص ومعین شکل میں منجمد ہو کر رہ جاتے ہیں، مولانا کے نزدیک اسلام پر یہ الزام عائد نہیں ہوتا۔ اسلام کے عقائد واحکام کے بارے میں مولانا نے یہ جو نقطۂ نظر پیش کیا ہے، شاہ صاحب کی کتابیں اس سے بھری پڑی ہیں۔

حجۃ اللہ البالغہ میں ایک "باب التیسیر" ہے، جس میں مذہبی آسانیوں کا بیان ہے۔ اس کے چند اندراجات ملاحظہ ہوں:۔

مذہب میں آسانی چند وجوہ سے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ کسی دشوار امر کو عبادت کا رکن یا شرط نہ بنایا جائے..... عبادات میں سے بعض امور کو ایسی رسومات بنا دیا جائے،

کرتے ہیں اور اس طرح انہوں نے خدا کو ایک جسم بنا دیا۔ بعض تنزیہہ میں اس حد تک گئے کہ انہوں نے خدا کی صفات کو اس کی ذات سے الگ کر کے خدا کو بس ایک نظریاتی "قدر" بنا دیا۔ وحدت الوجود میں بھی ایک گروہ عینیہ وجودیہ کا تھا۔ ایک دائرہ کا، ایک ذات الٰہی کو وجود سے "وراء" ثم الوراء، ثم الوراء (پرے اس سے پرے اور اس سے پرے) لے گیا اور وحدت الشہود کا تصور پیش کیا۔

وحی میں بھی بعض بلکہ اکثر مسلمان نبی کی ذات سے وحی کو بالکل الگ مانتے ہیں۔ ان کے ہاں وحی کے الفاظ ومعانی دونوں نبی کی ذات سے ماوراء تھے۔ اور حکما کا گروہ اس بارے میں "از دل خیزد بر دل ایزد" (دل سے اٹھتی تھی اور دل پر نازل ہوتی تھی) کا قائل ہے۔

حوالہ نمبر 2

۷۸

خاص طور پر ان کے اعلیٰ و پاکیزہ اخلاق کو نمایاں کیا جائے۔ باقی رہا اعتقادیات کا مسئلہ اس معاملے میں چند بنیادی اصولوں پر اکتفا کیا جائے اور انہیں ذہن نشین کرنے اور ان کو منوانے کے لیے بھی عملی زندگی میں ان کے اچھے نتائج پر زور دیا جائے۔

کافی دنوں بعد کی بات ہے۔ ایک روز مولانا کو سخت بخار ہو گیا۔ انہیں بڑی تشویش آئی۔ جس سے وہ بہت زیادہ نڈھال ہو گئے۔ شام کو شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں خیریت پوچھنے آئے۔ باوجود اس کے کہ مولانا کو اتنی ناتوانی تھی۔ کہ وہ بات بھی مشکل سے کر سکتے تھے۔ آپ نے ذاکر صاحب کو مخاطب کیا اور زبان سے ایک ایک لفظ ادا فرماتے ہوئے کہا:

ڈاکٹر صاحب! جس قوم کا یہ عقیدہ ہو کہ علم کا آخری، قطعی اور یقینی ذریعہ صرف وحی ہے۔ اور وحی میں عقل کو کوئی دخل نہیں، ڈاکٹر صاحب! اس قوم کا کیا بنے گا۔ میں اس کے مستقبل سے خائف ہوں۔

شاہ ولی اللہ اپنی کتاب "الخیر الکثیر" میں لکھتے ہیں:۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے حکیم، معصوم اور قطب بنائے گئے تھے۔ حکیم پر حقائق علمیہ اور دقائق علمیہ کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ وہ معاد کی حقیقت سمجھنے لگتا ہے اور اس کو وہ علوم حاصل ہوتے ہیں، جن کا بیان قرآن مجید میں ہے، یا جس کا اشارہ اس حدیث میں ہے، اُوتیتُ القرآن و مثلہ معہ (مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اس کے مثل علوم دیئے گئے) نیز جن کا اشارہ قرآن کی اس آیت میں ہے۔ "ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ" وہ (رسول) ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اسی کتاب میں اور جگہ ہے:۔

نبوت عقل بالفعل سے حکما کے مذہب کی اصل یہ ہے کہ ہم تجلی ذاتی کے بعد عقل مضاعف (وافر) کو رسول اللہ کا زیور سمجھیں۔

اور سب اُسے آپؐ کی زبان سے ادا ہوتا دیکھتے اور اُس کو سنتے تھے اب یہ کہنا کہ وہ رسول اللہ کا کلام نہیں، اللہ کا کلام ہے۔ عقلاً کیسے مانا جا سکتا ہے جب کہ مشاہدہ اُس کے خلاف ہے۔

مولانا سندھی اس وقت بڑی پُرسکون کیفیت میں تھے اور جسے تصوف کی اصطلاح میں "بسط" کہتے ہیں، وہ اُس وقت ان کی کیفیت تھی۔ انہوں نے اکبر صاحب کا سوال سُنا اور اسی طمانیت و سکون کے ساتھ جس کیفیت میں کہ وہ اُس وقت تھے بڑی ملائمت اور آہستگی سے فرمایا کہ جب رسولؐ کی زبان سے قرآن ادا ہو رہا تھا، اللہ آپ کے اندر تھا۔ اکبر صاحب نے مولانا کی بات سنتے ہی کہا کہ حضرت! میں سمجھ گیا۔

یہاں دو اقتباسات دیئے جاتے ہیں۔ مولانا شبلی نے "سوانح مولانا روم" میں مولانا عبدالعلی بحرالعلوم کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

پس جبرئیل کہ مشہور رسل علیہم السلام است وحی از جانب حق سبحانہ می رساند آں حقیقت جبرئیلیہ است کہ قوتے از قوائے رسل بود متصور شدہ در عالم مثال بہ صورتے کہ مکنون بود در رسل مشہود می شود و رسل می گردد و پیغام حق می رساند۔ پس رسل مستفیض از خود اند نہ از دیگرے۔ پس ہر چہ کہ رسل مشاہدہ می کنند مخزون در خزانۂ جناب ایشاں بود۔

(تو جبرئیل جو انبیاء علیہم السلام کو نظر آتے ہیں اور خدا کی طرف سے وحی لاتے ہیں، وہ حقیقت جبرئیلیہ ہے جو انبیاء کی قوتوں میں سے ایک قوت کا نام ہے۔ یہی قوت صورت بن کر عالم مثال میں انبیاء کو محسوس ہوتی ہے اور خدا کی طرف سے قاصد بن کر پیغام لاتی ہے۔ سو انبیاء اپنے آپ ہی سے مستفید ہوتے ہیں نہ کسی اور سے جو کچھ ان کو نظر آتا ہے، وہی ہے، جو ان کے خزانہ میں مخزون تھا۔ صد ۱۱۱)

شاہجہان کے دور میں الہ آباد میں ایک بزرگ شیخ محب اللہ تھے۔ انہوں نے اپنے رسالہ تسویۃ میں لکھا ہے:۔

جبرئیل محمدؐ در ذات محمد بود صلی اللہ علیہ وسلم و ہمچنیں جبریل باہر پیغمبرے در ذات دے بود و آں قوت باطنی ایشاں بود کہ در غلبۂ آں قوت وحی بر ایشاں نازل می گردید لہذا جبریل باہر پیغمبرے بزبان دے سخن گفتہ۔

شاہ صاحب کی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم "المقامات والاحوال" میں ہے۔

اصحاب فکریہ کے ہاں کافر اور مسلمان کی تعریف

فکریت کے ہاں سرمایہ پرست کافر ہے

فکریوں کے ہاں سرمایہ دار اور سرمایہ پرست کافر ہیں ملاحظہ ہو:

''اب اگر کوئی سرمایہ پرست جماعت اس سرمایہ شکن [سوشلسٹ] فکر کو اپنے سرمایہ پرستانہ فائدوں [سرمایہ دارانہ نظام] کے خلاف پاکر اس فکر کے فنا کرنے کی کوشش کے لئے اٹھے، تو سرمایہ شکن قرآنی جماعت کی اصطلاح میں اسے کافر کہا جائے گا۔ اور یہ جماعت اپنا فرض سمجھتی ہے کہ وہ کافر گروہ کے ہاتھ سے طاقت چھین کر اسے اتنا کمزور کر دے کہ وہ سر نہ اٹھا سکے۔'' (قرآنی شعوری انقلاب: ۴۲۲ فکری نصاب رکنیت کی کتاب) ❶

انقلاب کا مخالف کافر ہے اور غیر مخالف کافر نہیں

''(۱) قرآن کے انقلاب کو سمجھ کر اس کا انکار کر دینا۔ (۲) اس انقلاب کو کامیاب بنانے والی جماعت سے لڑائی مول لینا تاکہ وہ جماعت اسے کامیاب نہ بنا سکے۔ اب ایک شخص ہے جو قرآن کے انقلاب کو نہیں سمجھتا یا وہ اس جماعت کو قرآن کے انقلاب کو ذمہ داری سے کامیاب بنانے والی جماعت نہیں مانتا

یا وہ ان سے لڑائی نہیں کرتا تو ایسا شخص مذکورہ بالا تعریف کے مطابق کافروں کی فہرست میں شامل کئے جانے کا مستحق نہیں سمجھا جائے گا۔" (قرآنی شعور انقلاب: ۲۳۲ فکری نصاب رکنیت کی کتاب، شائع کردہ مکی دارالکتب فکریوں کا نمائندہ ادارہ) ۲

آج کے مسلمان مسلمان نہیں، کافر کافر نہیں

فکریوں کے نظریہ کے مطابق انقلابی مؤمن ہے اور غیر انقلابی رجعت پسند اور کافر ہے۔ ان کے نزدیک آج کے مسلمان موروثی اور رسمی مسلمان تو ہیں مگر انقلابی نہیں اس لئے اصلی اور حقیقی مسلمان نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک انقلاب کا مخالف اور ترقی پسند خیالات کو نہ ماننے والا کافر ہے۔ فکریوں کی اساسی تفسیر الہام الرحمٰن میں درج ہے:

"یراد بالکافر الرجعی المعاند بارتجاعه."

ترجمہ: "کافر سے مراد رجعت پسند اور وہ جو اپنی رجعت پسندی میں سخت ضدی ہو۔" (فکری تفسیر الہام الرحمٰن: ج۱ص۸۶) ۳

فکری موجودہ مسلمانوں کو مسلمان نہیں مانتے اور موجودہ کافروں کو کافر نہیں مانتے ملاحظہ ہو:

"آج کل عام مسلمانوں کی ذہنیتیں تو وہی ہیں جو پہلے زمانے کے مسلمانوں نے اپنے مخالف لڑنے والوں کے لئے قائم کی تھیں، مگر وہ لڑنے والے آدمی [مخالف انقلاب] مر چکے، ان کے نام سے یا ان کی وراثت سے جو قومیں پیدا ہوئیں ہم لوگ ان کو بھی ان کے آباء و اجداد کی طرح لڑنے والا [انقلاب مخالف] فرض کر لیتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ مفروضہ صحیح نہیں

ہے۔ یہ مفروضہ اس طرح غلط ہے جس طرح یہ مفروضہ غلط ہے کہ آج کے مسلمان [غیر انقلابی] ان مسلمانوں [انقلابیوں] کے قائم مقام ہیں جنہوں نے قرآن کے جہاد یا انقلاب کو کامیاب بنایا تھا، اگرچہ ایک مسلمان اپنے آپ کو طبعی [نسلی اور رسمی] طور پر ان مسلمانوں [انقلابیوں] کا جائز وارث بتاتا ہے مگر یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ وہ باتیں ان مسلمانوں میں نہیں ہیں اس لئے ان کی طرح کامیابیوں کے مالک نہیں ہیں۔ ہماری سمجھ میں ان کافروں کے قائم مقام بھی حقیقت میں ان لڑنے والے کافروں کے پورے پورے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔" (قرآنی شعور انقلاب: ۲۳۲، ۲۳۳) ۴

انقلاب کو چھوڑنے والے کافر ہیں

"إن الذین کفروا اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو قانون کی ظاہری اور رسمی طور پر اتباع کرتے ہیں مگر جو قانون کا مقصد اصلی ہے [انقلاب اور سپر پاورز کا خاتمہ] اس کو چھوڑ دیتے ہیں سو ایسے لوگ کفار میں شمار کئے جائیں گے۔"

(المقام المحمود: ج ۱ ص ۴۳۵) ۵

نماز، روزوں کے باوجود مسلمان مرتد ہیں

"وہ لوگ جنہوں نے قرآن حکیم کو سمجھا اور اس میں یہ بات [انقلاب اور سپر پاورز کا خاتمہ] پائی تو ان میں سے اکثر پیچھے ہٹ کر فقط نماز، روزہ وغیرہ اچھے اخلاق کی تلقین پر قناعت کر

کے بیٹھ گئے ..... اگر یہ لوگ اس بات پر اڑے رہے اور ظلم کو دور کرنے کے لئے جنگ نہ کریں یا کم سے کم اس کی تیاری نہ کریں اور اس کا راستہ صاف نہ کریں تو قرآن حکیم کی زبان میں وہ مرتد ہیں، گویا وہ اپنے نماز روزے کے باوجود اسلام کو چھوڑے ہوئے ہیں۔" (قرآنی شعور انقلاب: ۴۷۰) ۶

موجودہ مذہب ناکام ہے مگر فکریوں کے مذہب سے ہندو ہندو نہ رہے گا، مسلمان مسلمان نہ رہے گا

موجودہ رائج الوقت مذہب کی ناکامی اور فکریوں کے تراشیدہ انوکھے مذہب کے بال و پر ملاحظہ فرمائیں:

"ہم اس وقت جس مذہبیت کا شکار ہو رہے ہیں یہ مذہبیت روگی [بیمار] ہو چکی ہے، یہ سنی کو شیعہ سے لڑاتی ہے، اہل حدیث کا دل حنفی سے میلا کرتی ہے، احمدی اور غیر احمد میں نفرت ڈالتی ہے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کا جانی دشمن بناتی ہے، اس روگی مذہبیت کے طفیل انسان انسان کے خون کا پیاسا ہو گیا۔ میں اس روگی مذہبیت کو مٹانا چاہتا ہوں۔ (تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں) ہمارے موجودہ مذہبی طبقے ناکارہ ہو چکے ہیں وہ آسانی سے رجعت پسندی کے آلہ کار بن جاتے ہیں، نیز اب تک مذہب کے نام سے ہمارے ہاں جو تحریکیں چلیں ان سے خود مسلمانوں کے اندر افتراق اور جھگڑے پیدا ہو گئے۔"

(حالات تعلیمات سیاسی افکار: ۴۲۹) ۷

فکری خود بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے تصور خدا سے مسلمان مسلمان نہ

رہے گا ملاحظہ ہو:

''اس میں شک نہیں کہ تصور خدا کے میرے اس فکر کو مان کر ہندو ہندو نہیں رہے گا اور سلمان بھی جن معنوں میں کہ وہ آج مسلمان سمجھا جاتا ہے، مسلمان نہیں رہے گا۔''

(افادات ملفوظات: ۲۱۲) ۸

آج تم جسے دین اور جسے لادین کہتے ہو یہ اصطلاحات تمہاری اپنی ہیں

پروفیسر سرور صاحب لکھتے ہیں:

''میں نے عرض کیا حضرت! ہم لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں مذہب کا جو تصور نقش ہے اسے کھرچے بغیر نئی دنیا کی تعمیر میرے نزدیک ناممکن ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس تصور کو کیسے کھرچا جائے؟ تو اس کی صورت کیا صرف یہی نہیں کہ لادینی تصور کو اپنایا جائے۔ اس کے بعد ہی کہیں ہمارے ذہنوں اور دماغوں سے ماضی کے تمام فرسودہ، جمود پسند اور ترقی دشمن اثرات نکل سکیں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ دین جسے تم دین کہتے ہو اور لادینی جسے تم لادینی کا نام دیتے ہو یہ اصطلاحات تمہاری اپنی ہیں۔''

(افادات ملفوظات: ۲۲۳) ۹

فکریوں کے ہاں نئی دنیا کی تعمیر کے لئے مذہب کے موجودہ مسلمہ تصور کا انکار اور اس کو ذہنوں سے کھرچنا نہ صرف یہ کہ ضروری ہے بلکہ اس کے ہوتے ہوئے ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونا سرے سے ممکن ہی نہیں لہٰذا نئی دنیا کی تعمیر کی واحد صورت یہی ہے کہ اس تصور کا قصہ ہی پاک کر کے لادینیت کو اپنایا جائے ع

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

فکری حضرات صرف اسی پر بس نہیں کرتے، ستم بالائے ستم یہ کہ وہ دین اور لادین کی اصطلاح ہی کو سرے سے اختراع اور بالکل غلط ٹھہرا رہے ہیں۔

اب وہ کفر اور اسلام کا معیار کس چیز کو قرار دیتے ہیں؟ مسلمان آخر کس بنیاد پر مسلمان اور کافر کس وجہ سے کافر ہو جاتا ہے؟ اس کے لئے پروفیسر سرور صاحب کی درج ذیل عبارت ملاحظہ فرمایئے!

''اب اگر ہم اسلام کو ان معنوں میں لیں اور یہ مانیں کہ اسلام کے آنے کا ایک مقصد اور یہ بڑا اہم اور بنیادی مقصد ہے یہ بھی تھا کہ وہ قیصریت اور کسرویت کو ختم کر کے معاشی استحصال کا سدباب کرے تو ہماری کفر اور اسلام کی رائج الوقت اصطلاحیں کافی بدل جائیں گی۔ چنانچہ جو لوگ موجودہ سامراج کے خلاف ہمارے ساتھ مل کر لڑ رہے ہوں گے خواہ وہ ہمارے ہم مذہب نہ بھی ہوں ہم انہیں اپنا ساتھی سمجھیں گے اور ان کے بارے میں کفر کی اصطلاح نہیں برتیں گے، جو سامراج کے حامی ہوں گے خواہ وہ ہمارے ہم مذہب ہی کیوں نہ ہوں ہم انہیں مسلمان کہنے کو تیار نہ ہوں گے اور جو لوگ کسی مذہب کو بھی نہ ماننے والے ہوں گے اور وہ سامراج کے خلاف جدوجہد کرتے ہوں گے ہم انہیں اپنا ساتھی سمجھیں گے۔

شرط یہ ہے کہ ہم یہ مانیں کہ جس طرح اسلام نے اپنے ابتدائی دور میں قیصریت اور کسرویت کو ختم کیا تھا اسی طرح اس دور میں اسلام کو آج کی قیصریت اور کسرویت یعنی سامراج کو ختم کرنا ہے۔'' (افادات وملفوظات: ۲۳۰، ۲۳۱) ⑩

یعنی اسلام اور کفر کا دارومدار معاشی استحصال کے سد باب کی کوشش کرنے اور نہ کرنے پر ہے۔

اس عبارت پر پروفیسر سرور صاحب نے حاشیہ چڑھاتے ہوئے ایک واقعہ (اللہ جانتا ہے کہ اس میں صداقت کتنی ہے) بیان کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عیسائی قبطی لیڈر ویصا واصف جنت میں جائے گا۔ چنانچہ مذکورہ عبارت میں جہاں یہ جملہ لکھا ہے ''ہم انہیں اپنا ساتھی سمجھیں گے'' اس کے حاشیے میں پروفیسر سرور صاحب لکھتے ہیں:

''۱۹۳۰ کے اوائل میں راقم الحروف قاہرہ پہنچا۔ وہاں گئے کوئی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ میں نے ایک ایسا منظر دیکھا جس نے مجھے مصر میں پہلا ایک زبردست ذہنی جھٹکا دیا۔ وفد پارٹی کے ایک عیسائی قبطی لیڈر ویصاواصف کا انتقال ہوا۔ موصوف سعد زغلول پاشا کے ساتھیوں میں سے تھے اور مصر کی جدوجہد آزادی میں قید بھی ہوئے تھے۔ ان کا جنازہ نکلا تو اس میں ہزارہا مصری شریک تھے اور سب کی زبانوں پر ایک ہی نعرہ تھا ''اِلی الجنۃ'' یعنی تجھے بہشت نصیب ہو۔ ایک عیسائی کا جنازہ اور اس میں شریک ہونے والے مسلمان بھی یہی نعرہ لگا رہے تھے، میں یہ دیکھ کر اور سن کر ہکا بکا رہ گیا، کیونکہ میں ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہبی جھگڑے دیکھ کر نیا نیا مصر گیا تھا اور پھر میرے ذہن میں یہ بھی نقش تھا کہ کوئی ہندو، سکھ اور عیسائی خواہ وہ کتنا ہی بھلا آدمی کیوں نہ ہو اور اس سے خلق خدا کو کسی قدر بھی فیض پہنچا ہو، وہ مرنے کے بعد آنجہانی ہی ہوگا اور مسلمان خواہ برے سے برا ہو اس کو لازماً مرحوم لکھنا

چاہئے۔ میں مصر میں نیا نیا تھا، میں نے ایک مصری دوست سے اس پر اپنے تعجب بلکہ برہمی کا اظہار کیا، وہ حیران ہو گیا اور غصے میں کہنے لگا اگر ویسا واصف جنت میں نہیں جانے کا جس نے دو کروڑ مصریوں کی آزادی کے لئے جن میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے، جدوجہد کی اور سختیاں جھیلیں، تو کیا تمہارے خیال میں شیخ الازہر جنت میں جائے گا جو انگریزوں کے ہاتھوں کا بکا ہوا ہے۔" (افادات ملفوظات: برحاشیہ ص ۲۳۰) (۱۱)

فکری حضرات حقائق کو جانتے ہوئے بھی اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے کہیں گے پروفیسر سرور صاحب نے تو ایک واقعہ ہی بیان کیا ہے، کون سا گناہ کیا؟ کیا قیامت ٹوٹ پڑی؟ اس سلسلے میں "گر تجھ کو برا نہ لگے" یہ عرض کرنا ہے کہ جہاں آپ کفر اور اسلام کی اصطلاحیں بدل رہے ہیں اور آپ اپنا نظریہ بیان کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں "جو لوگ موجودہ سامراج کے خلاف ہمارے ساتھ مل کر لڑ رہے ہوں گے، خواہ وہ ہمارے ہم مذہب بھی نہ ہوں ہم انہیں اپنا ساتھی سمجھیں گے۔" اس کے حاشیے میں اس واقعہ کا ذکر آخر کس چیز کی عکاسی کرتا ہے؟ اور یہ اپنے نظریئے کی تائید نہیں تو اور کیا معنی رکھتا ہے؟ قارئین کرام! یہ روایتی الزام تراشی نہیں، سیاق و سباق کے رد و بدل اور عبارت کے الفاظ میں کاٹ پیٹ کی خیانتوں سے ہٹ کر یہ عبارتیں ہم نے آپ کے سامنے رکھ دی ہیں، فیصلہ آپ پر ہے کہ جو گروہ کفر و اسلام کی بنیاد چودہ سو سال سے آج تک جن چیزوں پر رکھی جاتی ہے اس کا انکار کرے اور اس کی جگہ مسلمان اور کافر کی ایسی اختراعی اور من مانی تعریف کرے جو آج تک کسی سے منقول نہیں اور اسی اختراعی تعریف کو بنیاد بنا کر وہ مسلمان کو کافر اور کافر کو مسلمان کہتا ہو، ایسے گروہ یا ایسے شخص کا کیا حکم ہو سکتا ہے؟

جس کی انانیت بیدار ہو وہ مسلمان ہے، اگرچہ لوگ اسے کافر سمجھتے ہوں

فکریوں کا نظریہ ہے کہ جس کی انانیت بیدار ہو وہ مسلمان ہے یعنی مسلمان ہونے کے لئے اسلام کے بنیادی ارکان کی تصدیق ضروری نہیں، بلکہ ''انانیت کا بیدار ہونا'' مسلمان ہونے کی شرط ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''انانیت کا بیدار نہ ہونا مولانا کے نزدیک کفر ہے اور جس کی انانیت بیدار ہو جائے گو رسمی طور پر اسے لوگ کافر کہتے ہوں، وہ حقیقت میں مسلمان ہوتا ہے۔'' (حالات تعلیمات:۱۱۴) ۱۲

گویا فکریوں کے ہاں مسلمان ہونے کے لئے صرف انانیت کا بیدار ہو جانا کافی ہے اور اسلام کے بنیادی ارکان (کلمہ، نماز، روزہ، زکوۃ، حج) ضروری نہیں، جب کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

"بنی الإسلام علی خمس: شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله وإقام الصلوة وإيتاء الزكوة، والحج، وصوم رمضان" (بخاری:۱۲)

تَرجَمَہ: ''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، حج کرنا اور رمضان شریف کے روزے رکھنا۔''

اسی طرح حدیث جبرئیل میں ہے:

"كان النبی صلی الله علیه وسلم بارزاً يوماً للناس، فأتاه رجل فقال: ما الإيمان؟ فقال: "الإيمان أن تؤمن بالله،

وملائكته وبلقائه ورسله وتؤمن باالبعث" فقال: ما الإسلام قال: "أن تعبدالله ولا تشرك به وتقيم الصلوة وتؤدى الزكوة المفروضة، وتصوم رمضان."

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مجلس میں تشریف فرما تھے، ایک آدمی آیا، انہوں نے پوچھا: ایمان کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایمان یہ ہے کہ آپ ایمان لائیں اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اللہ سے ملاقات کرنے پر، اللہ کے رسولوں پر اور قیامت پر۔" اس آدمی نے پوچھا اسلام کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اسلام یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور نماز قائم کریں، فرض زکوٰۃ ادا کریں اور رمضان شریف کے روزے رکھیں"۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن میں ایمان اور اسلام کی بنیاد اور مسلمان ہونے کی شرط یہی کلمہ، نماز، روزہ، حج زکوۃ وغیرہ قرار دی گئی ہے، لیکن فکری ان تمام احادیث کو بالائے طاق رکھ کر مسلمان ہونے کے لئے "انانیت بیدار ہونے" کو شرط قرار دے رہے ہیں۔

ہوسکتا ہے کہ فکری کہیں کہ "انانیت کے بیدار" ہونے سے ہماری مراد یہی کلمہ نماز، روزہ وغیرہ کا اقرار ہے۔ لیکن یہ بات اس لئے بالکل غلط ہوگی کہ جب انہی چیزوں کا اقرار مراد ہے تو پھر "اگرچہ لوگ اسے رسمی طور پر کافر کہتے ہوں" اس جملے کا کیا مطلب ہے؟ کیونکہ ان کے اقرار کے بعد تو کوئی کافر نہیں رہتا اور نہ ہی لوگ اسے رسمی طور پر کافر سمجھتے ہیں بلکہ "رسمی طور" پر کافر اسی کو سمجھا جاتا ہے جو حدیث میں ذکر کردہ چیزوں کا اقرار نہ کرتا ہو۔

حوالہ نمبر 1 / 422

انسانیت کے سب پہلو آ جاتے ہیں ۔ اس کے ذریعے سے انسانی سوسائٹی کی معاشی اصلاح بھی ہوتی ہے اور میعادی تیاری بھی ۔ اس فکر کو ماننے والی جماعت دنیا میں سربلند ہو کر انسانی سوسائٹی میں عدل قائم کرتی ہے۔ وہ غریبوں اور بے کسوں کی ہر قسم کی انسانی ضرورتیں پوری کرنے کا ذمہ لیتی ہے اور انہیں تمام معاشی مصیبتوں سے بچاتی ہے۔ تاکہ انسان کا خدا تک پہنچنے کا راستہ آسان ہو جائے۔ اس انصاف اور خدا پرستی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کا رستہ صاف ہو جاتا ہے اور اس کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔ یہ جماعت اتنی بڑی ذمہ داری صرف اس لئے اپنے سر لیتی ہے کہ وہ سمجھتی ہے کہ انسانیت کی خدمت خدا پرستی کا جزو ہے اور خدا دوستی کا لازمی نتیجہ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس خدمت کا بدلہ دنیا کے مال و دولت یا عزت کی شکل میں لینا اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتیں۔

کافر کون ہے ؟

اب اگر کوئی سرمایہ پرست جماعت اس سرمایہ شکن فکر کو اپنے سرمایہ پرستانہ فائدوں کے خلاف پا کر اس فکر کے فنا کرنے کی کوشش کے لیے اٹھے ' تو سرمایہ شکن قرآنی جماعت کی اصطلاح میں اسے کافر کہا جاتا ہے اور یہ قرآنی جماعت اپنا فرض سمجھتی ہے کہ کافر گروہ کے ہاتھ سے طاقت چھین کر اسے اتنا کمزور کر دے کہ وہ سر نہ اٹھا سکے ۔ قرآن حکیم کافروں سے جنگ اس لیے ضروری قرار نہیں دیتا کہ وہ اس کے فکر کو نہیں مانتے ' بلکہ صرف اس لیے کہ وہ طاقت پیدا کر کے لوگوں کو انسانیت کے راستے پر چلنے سے نہ روکیں ' جس کی دعوت قرآن دیتا ہے اور اپنے راستے پر چلنے کے لیے کسی کو مجبور نہ کر سکیں۔

اسلامی انقلاب کے اس دور میں جب یہ فکر غالب حیثیت سے دنیا میں حکمران

ان تومنوا باللہ ربکم تم نے اس انقلاب کو کامیاب بنانے کا ذمہ اٹھایا۔ (حوالہ نمبر 2)

انسان اپنے رب کے سوا کسی کا حکم مان ہی نہیں سکتا یہ طبعی حقیقت ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے خدا کے حکم کے سوا اور سب حکموں کے ماننے سے انکار کر دیا۔

یخرجون الرسول وایاکم "اس جرم" کی پاداش میں کہ تم اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں مانتے انقلاب کے مخالفین رسول اللہ کو اور تمہیں وطن سے خارج کر دیتے ہیں وہ مار نہیں سکتے رشتہ داری ہے اور ڈرتے ہیں کہ اس وجہ سے خود ان کے اندر شدید اختلافات پیدا نہ ہو جائیں اس لئے وہ گھر سے نکال ڈالنے پر اکتفا کرتے ہیں حقیقت میں انسان کی جلاوطنی بھی موت کے قریب ہے یہ ہے دشمن طاقت

دشمن کون ہے؟

اس قسم کی جماعت جب کبھی پیدا ہو گی دشمن کہلائے گی اس میں ہم دو چیزوں کو اساس قرار دیتے ہیں۔

(۱) قرآن کے انقلاب کو سمجھ کر اس کا انکار کر دینا۔
(۲) اس انقلاب کو کامیاب بنانے والی جماعت سے لڑائی مول لینا تاکہ وہ جماعت اسے کامیاب نہ بنا سکے۔

اب ایک شخص ہے جو قرآن حکیم کے انقلاب کو نہیں سمجھتا یا وہ اس جماعت کو قرآن کے انقلاب کو ذمہ داری سے کامیاب بنانے والی جماعت نہیں مانتا یا وہ ان سے لڑائی نہیں کرتا تو ایسا شخص مذکورہ بالا تعریف کے مطابق کافروں کی فہرست میں شامل کئے جانے کا مستحق نہیں سمجھا جائے گا۔

جو شخص ان شرطوں کو پورا کرتا ہے اور قرآنی جماعت کے بالمقابل میدان میں آتا ہے اور پھر ایک ایسی جماعت اس کی حلیف ہو کر لڑتی ہے جس میں یہ تفصیلی اجزا نظر نہیں آتے تو عملی طور پر اس حلیف کو بھی کافر ہی تصور کیا جائے گا۔

آج کل عام مسلمانوں کی ذہنیتیں تو وہی ہیں جو پہلے زمانے کے مسلمانوں نے اپنے

يعرفون فائدة ذكر الاشياء الحقيرة فيما بعد لان الامثال تكشف الحقائق
ثم في مخالفة عرف الناس فائدة اخرى ايضا وذلك ان
المنافقين يبيحون بانكارهم في كتاب الله ويظهرونه فيظهر للناس
نفاقهم. وتمييزهم من بين المؤمنين من اهم الاجتماعية المؤمنة
قوله تعالى:- وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا
أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا

المراد بالكافر هنا هو المنافق كما ورد عن بعض التابعين
رضي الله عنهم. وفي هذا اشارة الى ما مر وهو ظهور نفاق المؤمنين وتميزهم
من بين المؤمنين بانكارهم ذكر الاشياء الخسيسة في القرآن بين المؤمنين
لأن سؤالهم بقولهم ماذا اراد الله بهذا مثلا كان على سبيل الانكار
وقد بين الله فائدة ذلك وهو اضلال كثيرين وهداية كثيرين به
هو معنى قوله:- يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا
قوله:- وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾

في هذا تعيين من الله جل وعلا الذين يضلون.
والمراد بالفاسق في القرآن هو الذي لديه برنامج للرقي مخالف
لبرنامج القرآن. ويراد بالكافر الرجعي المعاند بارتجاعه.

ثم ان من كان برنامجه على خلاف برنامج القرآن وضده فان
ذلك البرنامج يحتوي على ثلاثة امور قبيحة جدا وهي (۱) ان نقض
العهد من بعد ميثاقه. وذلك انهم يدخلون في حزب الله

المراد بالفاسق والكافر في القرآن على الاصطلاح الجديد الرجعي المعاند

ان تومنوا باللہ ربکم تم نے اس انقلاب کو کامیاب بنانے کا ذمہ اٹھایا۔

انسان اپنے رب کے سوا کسی کا حکم مان ہی نہیں سکتا یہ طبعی حقیقت ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم نے خدا کے حکم کے سوا اور سب حکموں کے ماننے سے انکار کر دیا۔

یخرجون الرسول وایاکم "اس جرم" کی پاداش میں کہ تم اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں مانتے انقلاب کے مخالفین رسول اللہ کو اور تمہیں وطن سے خارج کر دیتے ہیں وہ مار نہیں سکتے رشتہ داری ہے اور ڈرتے ہیں کہ اس وجہ سے خود ان کے اندر شدید اختلافات پیدا نہ ہو جائیں اس لئے وہ گھر سے نکال ڈالنے پر اکتفا کرتے ہیں حقیقت میں انسان کی جلاوطنی بھی موت کے قریب ہے یہ ہے دشمن طاقت

دشمن کون ہے؟

اس قسم کی جماعت جب کبھی پیدا ہو گی دشمن کہلائے گی اس میں ہم دو چیزوں کو اساس قرار دیتے ہیں۔

(۱) قرآن کے انقلاب کو سمجھ کر اس کا انکار کر دینا۔

(۲) اس انقلاب کو کامیاب بنانے والی جماعت سے لڑائی مول لینا تاکہ وہ جماعت اسے کامیاب نہ بنا سکے۔

اب ایک شخص ہے جو قرآن حکیم کے انقلاب کو جنہیں سمجھتا یا وہ اس جماعت کو قرآن کے انقلاب کو ذمہ داری سے کامیاب بنانے والی جماعت نہیں مانتا یا وہ ان سے لڑائی نہیں کرتا تو ایسا شخص مذکورہ بالا تعریف کے مطابق کافروں کی فہرست میں شامل کئے جانے کا مستحق نہیں سمجھا جائے گا۔

جو شخص ان شرطوں کو پورا کرتا ہے اور قرآنی جماعت کے بالمقابل میدان میں آتا ہے اور پھر ایک ایسی جماعت اس کی حلیف ہو کر لڑتی ہے جس میں یہ تفصیلی اجزا نظر نہیں آتے تو اجمالی طور پر اس حلیف کو بھی کافر ہی تصور کیا جائے گا۔

آج کل عام مسلمانوں کی ذہنیتں تو وہی ہیں جو پہلے زمانے کے مسلمانوں نے اپنے

مخالف لڑنے والوں کے لئے قائم کی تھیں مگر وہ لڑنے والے آدمی مر چکے۔ ان کے نام سے یا ان کی وراثت سے جو قومیں پیدا ہوئیں ہم لوگ ان کو بھی ان کے آباء واجداد کی طرح لڑنے والا فرض کر لیتے ہیں ہمارے نزدیک یہ مفروضہ صحیح نہیں ہے یہ مفروضہ اس طرح غلط ہے جس طرح یہ مفروضہ غلط ہے کہ آج کے مسلمان ان مسلمانوں کے قائم مقام ہیں جنہوں نے قرآن کے جہاد یا انقلاب کو کامیاب بنایا تھا اگرچہ ایک مسلمان اپنے آپ کو طبعی طور پر ان مسلمانوں کا جائز وارث بناتا ہے مگر یہ حقیقت کے خلاف ہے وہ باتیں ان مسلمانوں میں نہیں ہیں اس لئے ان کی طرح کامیابیوں کے مالک نہیں ہیں۔ ہماری سمجھ میں ان کافروں کے قائم مقام بھی حقیقت میں ان لڑنے والے کافروں کے پورے پورے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

لڑائی قائم ہو جانے کے بعد حزب اللہ کا فرض

اس کی طرف آیت کے اس حصے میں ارشاد ہے ان کنتم خرجتم جہادا فی سبیلی وابتغاء مرضاتی یہ الذین امنوا سے خطاب ہے۔

پہلے درجے پر ایمان کا مطلب یہ تھا کہ ایمان لانے والا قرآن حکیم کو صحیح مانتا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کا عزم بالجزم کر چکا ہے اور اس کے مخالف قانون کو نہ ماننے کا بھی عزم مصمم کر چکا ہے اب وہ مجمل ایمان ذرا مفصل ہو جاتا ہے۔

سبیل اللہ کیا ہے؟

حزب اللہ کے پروگرام کو سبیل اللہ کہا جاتا ہے۔

جہاد کیا ہے؟

حزب اللہ کے پروگرام کو کامیاب بنانے کی ہر ایک جدوجہد کو جہاد کہا جاتا ہے۔

جہاد کی غرض وغائیت

اس جدوجہد کی عملی صورت قانون متعین کرتا رہے گا قانون کی روح ہمیشہ قائم رکھنی چاہئے تو قانون ٹھیک نتیجہ پیدا کرے گا کیونکہ جب قانون کی روح نظرانداز ہو جاتی

حوالہ نمبر 5

یوں اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عظیم الشان مقصد میں کامیاب نکلے۔ ایک حدیث[1] میں آتا ہے کہ پہلے نبی اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے گئے، اور میں تمام لوگوں کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ باقی انبیاء بھی اس مشن کو لے کر آئے۔ مگر ان کی کامیابی ان کی قوم تک محدود تھی، اور آپؐ کی کامیابی مکمل کامیابی تھی۔ وھذا مثل قولہ ھدًی للمتقین[2] یعنی یہ آیت فرقانِ الٰہی ھدی للمتقین (سورۂ بقرہ آیت ۲) کی مثل ہے

وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ۔ "فرقان"

اس سمجھ کا نام ہے جس سے

(۱) قانون کا مشتبہ حصّہ معین کر سکے۔

(۲) قانون سے جو باہر چیز ہو اس میں صحیح حل نکال سکیں۔

(۳) قوم کو اس صحیح حل پر راضی کر سکیں، مگر دھوکہ سے نہیں، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر اصحاب میں اختلاف رائے ہو گیا، حضرت عمرؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ جو کہے آپؐ وفات پا گئے ہیں اس کی گردن اُڑا دوں گا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ میں سمجھا دیا۔ غرض پہلی امتوں میں جس امت کو کتاب دی گئی، اسے فرقان یعنی یہ سمجھ بھی دی گئی کہ کتاب کو طوطے کی طرح نہ پڑھیں، بلکہ فرقان سے اس پر غور و خوض بھی کر سکیں، مسلمانوں نے آج کل قرآن پر غور و خوض کرنا چھوڑ دیا ہے صرف طوطے کی طرح پڑھنا رہ گیا ہے۔

(۴) اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا:۔ المراد بھم الذین اتبعوا القانون فی الظاھر وترکوا الذی ھو المقصد الاصلی فھم عُدّوا فی الکفار ومن الناس من یہ می فی ان لا تحدث فی الناس قوۃ یفقھون بھا روح القانون فھو ایضا من اعداء اللہ عن الکفار۔ (اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ (۱) اس[3] سے مراد وہ لوگ ہیں جو قانون کی ظاہری اور رسمی طور پر اتباع کرتے ہیں۔ مگر (جو قانون کے مقصدِ اصلی ہے) کو چھوڑ دیتے ہیں، سو ایسے لوگ کفار میں شمار کئے جائیں گے۔ (۲) دوسرے کچھ ایسے لوگ جن کی یہ کوشش رہتی ہے کہ لوگوں میں ایسی

کفر کی حقیقت

---

[1] ملاحظہ ہو بخاری شریف باب التیمم صفحہ ۴۸ طبع دہلی ۱۲ ع۔ ق

[2] اس تشبیہ کا مطلب یہ ہو سکتا ہے آنحضرتؐ کی رسالت کی حقانیت اور قرآن کی صداقت و اعجاز پر غور اسی حد تک تعلیم کی تاثیر ہے کہ جس سے صحابہؓ جیسی متقی اور بین الاقوامی عدل قائم کرنے والی اعلیٰ جماعت تیار ہو گئی۔ پہلی کتب سے ایسی خدا پرست انسانیت دوست جماعت تیار نہ ہو سکی گو وہ بھی انسانیت کی ہدایت کے لئے نازل ہوئی تھیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو الہام ارحمان جزو اول صفحہ ۱۲ ع۔ ق

[3]

حوالہ نمبر 6

470

سے ظلم دور کیا جائے ۔ وہ چاہے کسی شکل میں ہو اور اسے دور کر کے قرآن حکیم کی حکومت پیدا کی جائے مثلاً" ہمارے زمانے میں معاشی ظلم انتہاء کو پہنچ چکا ہے اور یہاں عدم توازن کی وجہ سے عام لوگوں کی یہ حالت ہے کہ اکثر لوگ غذا نہ ملنے یا ناقص غذا ملنے کی وجہ سے کمزور ہو رہے ہیں اور صحیح تعلیم نہ ہونے کے سبب سے اپنے انسانی فرائض ادا نہیں کر رہے اور نہ ادا کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں ۔ انہیں اس حالت سے نکال کر ایسے حالات پیدا کرنا کہ وہ فکر معاش سے نجات پا کر اللہ کی یاد میں لگ سکیں ۔ ہر ایک اس شخص کا فرض ہے ۔ جو قرآن حکیم کی تعلیم کو مانتا ہے

اور ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ جان اور مال کی قربانی کے بغیر نہیں ہو سکتا جب وہ لوگ جنہوں نے قرآن حکیم کو سمجھا اور اس میں یہ بات پائی تو ان میں سے اکثر پیچھے ہٹ کر فقط نماز ' روزہ وغیرہ اچھے اخلاق کی تلقین پر قناعت کر کے بیٹھ گئے ۔ انہیں چاہیے تھا کہ وہ قرآن حکیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر غور کرتے اور آگے بڑھنے کا راستہ نکالتے مگر یہ لوگ لڑائی کا نام تک نہیں سن سکتے اگر یہ لوگ اس بات پر اڑے رہیں اور ظلم کو دور کرنے کے لیے جنگ نہ کریں یا کم سے کم اس کی تیاری نہ کریں اور اس کا راستہ صاف نہ کریں تو قرآن حکیم کی زبان میں وہ مرتد ہیں گویا وہ اپنے نماز روزے کے باوجود اسلام کو چھوڑے ہوئے ہیں ان کے یہ عمل بھی کام نہ دیں گے اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے جیسے کوئی کاشتکار زمین میں ہل چلائے اور بیج ڈال دے لیکن کھیت کو پانی نہ دے ظاہر ہے کہ اس ایک عمل کے نہ ہونے سے اس کے پہلے سب اچھے عمل اکارت جائیں گے ۔ کیونکہ وہ پہلے سارے اعمال اس ایک عمل کے لیے تھے اگر یہی نہیں تو وہ کس کام کے ؟ اسی طرح جب خوشے نکل آئیں تو ان کی حفاظت ضروری ہے ۔ اگر اب یہ کام نہ کیا تو پانی دینے تک سب عمل بے کار

۴۲۹ حوالہ نمبر 7

ہمیں ایک سچا مسلمان، ایک اچھا ہندوستانی اور آگے بڑھنے والا انسان بننے میں ہماری مدد کر سکتا ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ ہم اس وقت جس مذہبیت کا شکار ہو رہے ہیں۔ یہ مذہبیت روگی ہو چکی ہے۔ یہ سُنّی کو شیعہ سے لڑاتی ہے۔ اہل حدیث کا دل حنفی سے میلا کرتی ہے۔ احمدی اور غیر احمدی میں نفرت ڈالتی ہے۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کا جانی دشمن بناتی ہے۔ اس مذہبیت کے طفیل انسان انسان کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔ میں اس روگی مذہبیت کو مٹانا چاہتا ہوں۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ہم شاہ ولی اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں پر مسلمان بنیں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی آپس کی فرقہ پرستی مٹ جائے گی۔ بلکہ ایک مسلمان کے دل میں اتنی وسعت پیدا ہو سکے گی کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ سیاسی اور معاشی معاملات میں پورا تعاون کرے۔ ان دونوں میں وحدت الوجود کا مشترک دینی فکر انسانی موالات بن سکے گا۔ پھر اس ہندوستانی مسلمان کو میں آج کی دنیا کے بین الاقوامی ترقی پسند انسانی تصور کا حامل دیکھنا چاہتا ہوں۔ اسی لیے میں اُسے یورپ کے علوم، سائنس اور طریقہ ہائے تنظیم کو اپنانے کی دعوت دیتا ہوں۔ مولانا کا کہنا یہ ہے کہ ہمارے موجودہ مذہبی طبقے ناکارہ ہو چکے ہیں۔ وہ آسانی سے رجعت پسندی کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ نیز اب تک مذہب کے نام سے ہمارے یہاں جو تحریکیں چلیں، اُن سے خود مسلمانوں کے اندر افتراق اور جھگڑے پیدا ہو گئے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ ہم چاہیں یا نہ چاہیں، اس وقت ہمیں چاروں طرف سے زبردست سیاسی اور اقتصادی تحریکیں گھیرے ہوئے ہیں۔ ہماری زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو اُن کی

وہ مُبدِع اور مُبدَع کے درمیان کسی امتیاز کو قائم کرنے پر قادر نہیں۔ اس لیے بعض دفعہ مُبدِع اور مُبدَع پر مجازاً وحدت یعنی ہم ایک ہونے کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔"

مولانا نے فرمایا۔ اس میں شک نہیں کہ تصورِ خدا کے میرے اس نکتہ کو مان کر ہندو، ہندو نہیں رہے گا۔ اور مسلمان بھی جن معنوں میں کہ وہ آج مسلمان سمجھا جاتا ہے مسلمان نہیں رہے گا۔ لیکن یہ دونوں لادینی بھی نہیں بنیں گے۔ وہ خدا کو مانیں گے اور اسے اس طرح مانیں گے کہ خدا ان کے لیے ایک موجود حقیقت ہوگا۔ یعنی اگر وہ موجود ہیں تو خدا بھی موجود ہے۔ کیونکہ ان کا موجود ہونا خدا کے موجود ہونے سے عبارت ہے۔ خدا کے اس تصور کو ماننے کے بعد اس تک پہنچنے کے لیے ہندو اپنے کسی بزرگ کے بتائے ہوئے راستے پر جسے وہ اور اس کی قوم صدیوں سے قابلِ احترام اور مقدس مانتی چلی آتی ہے، چلے گا۔ مسلمان اسوۂ محمدی کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائے گا۔ اور عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کو۔ محنت کش طبقے کی اس تحریک کے ساتھ جو لادینیت آ رہی ہے، اس کا جواب اگر کوئی دین ہے تو بس یہی ہے۔ میں اس کو شاہ ولی اللہ کی حکمت سے بخوبی سمجھا سکتا ہوں۔

یہ جملہ معترضہ سا ہوگا، لیکن یہاں اس کا ذکر کچھ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جس طرح مولانا نے افغانوں کے حال اور مستقبل پر گفتگو کی ہے، علامہ اقبال نے بھی اسی انداز میں انہیں مخاطب کیا ہے۔ اس ضمن میں دونوں سیالکوٹی بزرگوں (مولانا سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے) کے نقطۂ نظر میں جہاں بہت حد تک مشابہت پائی جاتی ہے، وہاں دونوں میں ایک بڑا اہم بنیادی فرق بھی ہے۔

علامہ اقبال اپنی تصنیف "پیامِ مشرق" میں جو ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی، اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں سے کہتے ہیں:۔ اے کہ تجھے فطرت نے پاک ضمیری دی ہے اور دین کے غم میں سینہ صد چاک دیا ہے۔ صدیقؓ و عمرؓ کا آئین تازہ کر اور لالۂ صحرا پر صبا کی طرح گزر۔

اس کے بعد ملتِ افغان کی ان الفاظ میں تعریف کی ہے۔

اس کے بعد مولانا نے اپنی گزری ہوئی زندگی کے بعض حالات سنائے، انہیں کتاب میں کسی اور جگہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

دین اور لادینیت پر باتیں ہو رہی تھیں۔ مولانا سندھی کا اصرار تھا کہ میں مزدور، کاشتکار اور محروم و مظلوم طبقوں کی سیاست کو لادینی نہیں بننے دوں گا۔ میں ان کے انقلاب کو دین کے دائرہ کے اندر رکھوں گا۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں مذہب کا جو تصور نقش ہے، اُسے کھرچے بغیر نئی دنیا کی تعمیر میرے نزدیک ناممکن ہے[1]۔ سوال یہ ہے کہ اس تصور کو کیسے کھرچا جائے۔ تو اس کی صورت کیا صرف یہی نہیں کہ لادینی تصور کو اپنایا جائے۔ اس کے بعد ہی کہیں ہمارے ذہنوں اور دماغوں سے ماضی کے تمام فرسودہ، جمود پسند اور ترقی دشمن اثرات نکل سکیں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ دین جسے تم دین کہتے ہو اور لادینی جسے تم لادینی کا نام دیتے ہو، یہ اصطلاحات تمہاری اپنی ہیں۔ آج کے مسلمان جس دین کو مانتے ہیں اور اسے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں، میرے نزدیک وہ دین نہیں، وہ ان کا اپنا خاندانی اثاثہ اور باپ دادا کا ترکہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کو اپنے ماں باپ کی چیز سے محبت ہوتی ہے۔ اس لیے اس محبت کو اسلام سے محبت کا نام دینا ٹھیک نہیں۔ یہ محبت اسلام کے اصولوں سے نہیں، اپنے مفادات سے ہوتی ہے۔

---

[1] راقم الحروف کے قاہرہ کے زمانۂ قیام میں روزنامہ "الاہرام" کے صفحات پر فرید وجدی اور ایک صوفی شیخ تفتازانی کے درمیان ترکی میں کمالی اصلاحات کے مسئلے پر ایک زبردست قلمی جنگ ہوئی۔ فرید وجدی ان اصلاحات کی تائید کرتے تھے یہاں تک کہ ترکی زبان میں اذان دینے اور ترکی زبان میں نماز ادا کرنے کے جواز کی تائید میں بھی موصوف نے بہت سی فقہی دلیلیں دیں۔ شیخ تفتازانی کمالی اصلاحات کے سخت مخالف تھے۔ اس بحث و کشتی میں فرید وجدی نے ایک دفعہ یہ لکھا کہ مسلمانوں کے ہاں جمود، رجعت پسندی اور ماضی پرستی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اسے ختم کرنے اور ذہن و فکر کی بیداری و آزادی کے لیے وقتی طور پر الحاد کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ کسی طرح جمود کی زنجیریں ٹوٹیں۔

بنیں ہوتا۔

مولانا نے فرمایا۔ ہم حجۃ اللہ البالغہ میں دیکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ قیصریت وکسرویت کے وہ تمام عیوب گناتے ہیں، جو ہم نے ہاسکو میں موجود سامراج کے بارے میں سنے۔ پھر شاہ صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ نبی اتی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ قیصریت وکسرویت ختم ہو۔ انسانیت ان کے جور وظلم سے آزاد ہو جس سے کہ عوام کو معاشی، معاشرتی اور سیاسی لحاظ سے روند ڈالا تھا۔ اور اس کی وجہ سے

۱۱ نومبر ۱۹۶۷ء

ان کی مذہبی و اخلاقی حالت بھی دگرگوں تھی۔ اب اگر ہم اسلام کو ان معنوں میں لیں، اور یہ مانیں کہ اسلام کے آنے کا ایک مقصد اور یہ بڑا اہم اور بنیادی مقصد ہے یہ بھی تھا کہ وہ قیصریت اور کسرویت کو ختم کر کے معاشی استحصال کا سدباب کرے تو ہماری کفر اور اسلام کی رائج الوقت اصطلاحیں کافی بدل جائیں گی۔ چنانچہ جو لوگ موجودہ سامراج کے خلاف ہمارے ساتھ مل کر لڑ رہے ہوں گے، خواہ وہ ہمارے ہم مذہب نہ بھی ہوں، ہم انہیں اپنا ساتھی سمجھیں گے[1] اور ان کے بارے میں کفر کی اصطلاح

[1] سنہ ۱۹۳۰ء کے اوائل میں راقم الحروف قاہرہ پہنچا۔ وہاں گئے کوئی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ میں نے ایک ایسا منظر دیکھا جس نے مجھے مصر میں پہلا ایک زبردست ذہنی جھٹکا دیا۔ وفد پارٹی کے ایک عیسائی قبطی لیڈر ولیصا واصف کا انتقال ہوا۔ موصوف سعد زغلول پاشا کے ساتھیوں میں سے تھے۔ اور مصر کی جدوجہد آزادی میں قید بھی ہوئے تھے۔ ان کا جنازہ نکلا تو اس میں ہزارہا مصری شریک تھے۔ اور سب کی زبانوں پر ایک ہی نعرہ تھا۔ الی الجنۃ۔ یعنی تجھے بہشت نصیب ہو ایک عیسائی کا جنازہ، اور اس میں شریک ہونے والے مسلمان بھی یہی نعرہ لگا رہے تھے۔ میں یہ دیکھ کر ارشد کر بکا بکا رہ گیا کیونکہ میں ہندوستان میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہبی جھگڑے دیکھ کر نیا نیا مصر گیا تھا۔ اور پھر میرے ذہن میں یہ بھی نقش تھا کہ کوئی ہندو سکھ اور عیسائی خواہ وہ کتنا ہی بھلا آدمی کیوں نہ ہو اور اس سے خوش خلق کوئی نہ ہو بھی فیض

۱۰ نومبر ۱۹۶۷ء

نہیں برتیں گے۔ جو سامراج کے حامی ہوں گے خواہ وہ ہمارے ہم مذہب ہی کیوں نہ ہوں، ہم انہیں مسلمان کہنے کو تیار نہ ہوں گے۔ اور جو لوگ کسی مذہب کو بھی نہ ماننے والے ہوں گے اور وہ سامراج کے خلاف جدوجہد کر رہے ہوں گے ہم انہیں اپنا ساتھی سمجھیں گے، بشرطیکہ یہ ثابت کر دیں کہ جس طرح اسلام نے اپنے ابتدائی دور میں قیصریت اور کسرویت کو ختم کیا تھا، اسی طرح اس دور میں اسلام کو آج کی قیصریت اور کسرویت یعنی سامراج کو ختم کرنا ہے۔

۱۱ نومبر ۱۹۶۷ء

روس میں انقلاب بلشویک کے دوران میں اور اس سے پہلے انقلاب کرنے والوں کی زیادتیوں سفاکیوں اور اخلاق سوز کارروائیوں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا تھا۔ میں نے حضرت مولانا سے اس کا ذکر کیا اور کہا کہ آخر یہ لوگ مخالف اخلاق اور خلاف قانون حرکات کا ارتکاب کیوں کرتے تھے۔ مولانا فرمانے لگے کہ بڑے لوگ تو ہر جگہ ہوتے ہیں اور انقلابیوں میں بھی لازماً بڑے لوگ ہوں گے۔ میں ان کا ذکر نہیں کرتا لیکن میں یہاں ایک چھوٹے اور معمولی انقلابی کا ذکر کرتا ہوں۔ ایک انقلابی ڈاکہ ڈالتا ہے۔ دوسروں کا مال لوٹتا ہے۔ ظاہر ہے ایسا انقلابی حکومت کے قیام سے پہلے ہوتا ہے۔ لیکن اس کا یہ ڈاکہ ڈالنا اور لوٹنا اپنا ذاتی فعل نہیں ہوتا، اس کے پیچھے پارٹی کا حکم اور اس کا اخلاقی محرک و جواز ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک پارٹی ایک باقاعدہ ادارہ اور قانونی حال ہے۔ اس کے برعکس جو حکومت اس کی سرگرمیوں کو جرم اور اس کو قانون شکنی اور باغی گردانتی ہے، اس حکومت کو تو وہ

پہنچا ہو: وہ مرنے کے بعد آنجہانی ہی ہوگا۔ اور مسلمان خواہ برے سے برا ہو اس کو لازماً مرحوم لکھنا چاہیئے۔

میں مصر میں نیا نیا تھا میں نے ایک مصری دوست سے اسی پر اپنے تعجب بلکہ برہمی کا اظہار کیا۔ وہ حیران ہو گیا اور غصے میں کہنے لگا کہ آؤ ولیصا واصف جنت میں نہیں جائے گا جس نے کہ دو کروڑ مصریوں کی آزادی کے لیے جو میں غالب اکثریت مسلمانوں کی ہے جدوجہد کی اور سختیاں جھیلیں تو کیا تمہارے خیال میں شیخ الازہر جنت میں جائے گا جو انگریزوں کے ہاتھ بکا ہوا ہے۔

حوالہ نمبر 12

اس میں نظر آتی ہے۔

مولانا نے اس خیال کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسی انانیت کو بیدار کرنا انبیاء کی تعلیم کا اصل مقصد ہے۔ جب اس زندگی میں کسی فرد کی انانیت بیدار ہو جائے تو موت کے بعد جب بدن اور اس انانیت میں مفارقت ہو جاتی ہے، تو یہ انانیت دوسری دنیا میں بلا خوف و خطر ترقی کی راہیں طے کرتی چلی جاتی ہے۔ اسے ہم فوز و فلاح اور جنت کہتے ہیں۔ اور جس کی انانیت خوابیدہ رہی اور ظلم و کفر کی وجہ سے اس نے اپنی انانیت کو ڈھانپے رکھا تو اس زندگی کے بعد جہنم کا عذاب ان پردوں کو جلا کر پھر اس کی انانیت کو محبی اور بیدار کر دے گا۔ اور جس دن اس شخص کی انانیت بیدار ہو گی، وہ جہنم سے نکل جائے گا۔ مولانا نے فرمایا کہ محشر نام ہے ان تمام انانیتوں کے ایک مرکز پر جمع ہونے کا۔

انانیت کا بیدار نہ ہونا مولانا کے نزدیک کفر ہے اور جس کی انانیت بیدار ہو جائے گو رسمی طور پر ایسے لوگ کافر کہتے ہوں، وہ حقیقت میں مسلمان ہوتا ہے ؎

منکرِ حق نزدِ ملّا کافر است
منکرِ خود نزدِ من کافر تر است

مولانا نے فرمایا کہ میں دین کو اسی بنا پر انسانیت کے لیے ضروری سمجھتا ہوں کہ اس پر چلنے سے ہر فردِ انسان کی انانیت بیدار ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے لوگوں نے خاص اپنے یا اپنے خاندان یا صرف اپنے ملک کے خاص اور محدود مذہب کو دینِ حق مان لیا۔ جو ظاہری طور طریقوں میں ان سے مختلف ہوا اس کو کافر قرار دیا اور یہ نہ دیکھا کہ دین کا جو مقصود حقیقی ہے، وہ اُن کے ہاتھ

جہاد اور جہادی تحریکوں کے خلاف نظریاتی یلغار

(تنظیم کے اکابر کے خطبات اور لٹریچر کی روشنی میں)

جہادی تحریکات اور جہادی لیڈر سرمایہ داری نظام (امریکہ) کے آلۂ کار ہیں

''افغانستان میں سوشلسٹ نظام کے خلاف دینی جدو جہد کا دم بھرنے والے معروف جہادی لیڈروں اور ان کی جماعتوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ اپنا کوئی آزاد نظام رکھتی تھیں نہ حالات کا صحیح ادراک و شعور، بلکہ ان کی اکثریت امریکہ، مغربی یورپ اور ان کے آلہ کار عرب ممالک کے سامراجی نظاموں کی امداد کے بل بوتے پر مصرف عمل رہی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ تبدیل شدہ حالت میں آلۂ کار حیثیت کھو بیٹھنے کے سبب یہ جماعتیں ماضی کا حصہ بن گئیں۔''

(فکری رسالہ عزم: سیریز ۵، ص ۴، ۵، ماہ جولائی، اگست ۱۹۹۹) ❶

جہاد کشمیر میں مصروف کار جماعتیں بیرونی طاقتوں کی آلۂ کار ہیں

''اسی طرح جہاد کشمیر میں سرگرم اکثر معروف جماعتیں (جو یکایک نمودار ہوئیں جب کہ یہ مسئلہ ۵۲ سال سے موجود ہے) بیرونی امداد و تعاون سے مصروف کار ہیں اور یہ مسلم امر ہے کہ امداد دینے والوں کے اپنے مخصوص مقاصد ہوتے ہیں جن کی تکمیل امداد لینے والوں پر لازم ہوتی ہے'' (عزم: ۱۷۵ص۵) ❷

جہادی قربانیاں اور سامراجی مفادات کی تکمیل

''اب ایسے میں مذاکرات کی باگ ڈور کس کے ہاتھ میں ہوگی؟ تو اس کا جواب یقیناً راز نہیں، ان گھمبیر حالات میں جہادی قربانیوں کے ذریعے سامراجی مفادات کی تکمیل کی منصوبہ بندی کرنے والے عناصر اور نظام کی نقاب کشائی ضروری ہے تاکہ خون مسلم بہانے اور پھر اس کے سودا کرنے کی سیاست کا راستہ بند کیا جاسکے۔'' (عزم: ۱۸۱ص۱۲) ❸

رائے پوری نے جہاد کشمیر سے انکار کر دیا

رائے پوری نے رحیم یار خان میں سوال و جواب کی علمی نشست میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا:

''کشمیر میں شاید حریت پسندوں کی جنگ تو کہی جاسکتی ہے لیکن

ہم [فکری] اسے جہاد فی سبیل اللہ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ جہاد کا مقصد اللہ کی دھرتی پر اللہ کے خاص دین کا نفاذ ہے۔ کیا کشمیر میں ان مقاصد پر جہاد ہو رہا ہے؟۔'' (عزم:۱۵۴ص۸) ④

افغان جہاد کے متعلق فکری لکھتے ہیں:

''امریکہ سوویت کشمکش کے اس دور میں بھی جو دوسری جنگ عظیم کے بعد سے شروع ہو کر گورباچوفی اصلاحات کے ساتھ اختتام پذیر ہوا، پاکستانی نظام نے ایک عالمی فریق کے حق میں دیدہ و دل فرش راہ کیے رکھے تھے حتی کہ بعض مذہبی جماعتوں نے بھی اسے کار خیر قرار دے کر اسلام و کفر کے مابین معرکہ آرائی کا سماں باندھا اور پروپیگنڈہ کے بل بوتے پر دینی مزاج کی حامل اکثریت کو بھی مخصوص عینک پہنانے کی کوشش کی تھی۔ یوں پاکستان کی سرزمین پر جہاد کے مقدس اسلامی فریضہ کے نام پر اس جنگ میں حصہ ڈالا گیا۔'' (عزم: سیریز ۱۷۵ص۲) ⑤

موجودہ جہاد جہاد فی سبیل الطاغوت ہے

''تمام جہادی عمل اور قربانیاں ایک عالمی سامراجی منصوبہ کی نذر کی گئیں اور یہی لمحہ فکریہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے عمل سے کس طرح قتال فی سبیل الطاغوت کا فائدہ حاصل کیا جاتا ہے، اسی لئے ایسے آلۂ کار عناصر کی نقاب کشائی ایک ملی فریضہ ہے تاکہ مستقبل میں محترم و مقدس خون کو مزید رائیگاں ہونے سے بچایا جا سکے۔'' (فکری رسالہ عزم: ۶ سیریز ۱۷۵ جولائی ۱۹۹۶) ⑥

موجودہ جہاد ایک وحشیانہ، جارح اور تشدد پسند عمل ہے

عالم کفر کو چیلنج کرنے والے سرفروش مجاہدین کا جہادی عمل فکریوں کی نظر میں ملاحظہ ہو:

''فریضۂ جہاد کے موضوع پر ناصر عبدالعزیز ناظم نشریات صوبہ پنجاب نے فرمایا: آج کے رسمی مذہب کی وجہ سے جہاد کو انتہائی متشدد نظریئے کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے جس کی وجہ سے امت مسلمہ کو جارح اور تشدد پسند امت کہا جارہا ہے..... قتال ایک حکمت عملی ہے جو قوت اور حالات کے پیش نظر تبدیل ہوتی رہی ہے، قتال مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے جو نظام کے بعد اس کے تحفظ کے لئے ہوتا ہے۔''

(فکری رسالہ عزم: ۱۰ سیریز نمبر ۴۷ مئی جون ۱۹۹۹)

جہاد سے مراد انقلاب ہے

ملاحظہ ہو:

''یعنی جب مسلمانوں کی حکمران طاقت اور ان کی فوجی قوت موجود نہ ہو تو اس وقت ہر ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی جماعت (انقلابی پارٹی) بنائے اور جہاد کرے، اسی کو یورپ میں انقلاب کا نام دیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں روس یورپ کے انقلاب کا مرکز تھا۔ ہم وہاں سات مہینے رہے اور یورپ کے

اس انقلاب کا بڑی اچھی طرح سے مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ نے ہماری آنکھیں کھول دیں۔''

(فکری نصاب رکنیت کی کتاب خطبات مقالات: ۱۴۴) ۸

افغان جہاد ایک ڈرامہ کھیلا گیا اور طالبان امریکی ایجنٹ ہیں

رائے پوری نے اس سوال کا کہ طالبان کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں، جواب دیتے ہوئے فرمایا:

''جواب: افغانستان روسی تسلط سے نجات حاصل کرنے کے نام پر ۱۶ لاکھ افغانیوں کی شہادت پیش کر چکا ہے، روس کو بھگانے کے بعد افغانی اقتدار گروپ اور حزب اختلاف کی باہمی کشمکش میں کتنے مسلمان ہلاک ہو گئے، صرف کرسیٔ اقتدار کو بچانے اور حاصل کرنے کے لئے یہ ڈرامہ کھیلا گیا۔ اب جو صورت حال ہے وہ بھی تسلی بخش نہیں ہے..... طالبان کے پس پردہ کئی ملکوں کی پشت پناہی ہے، ان کے پاس چالیس لاکھ روپے کی پجارو گاڑیاں، ٹینک، میزائل، بمبارمنٹ کے لئے طیارے کہاں سے آ گئے؟ خود پاکستان طالبان کی مدد کر رہا ہے، سابق وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر کا رابطہ رہا ہے، کیا پاکستان اسلام کے لئے طالبان کی مدد کر رہا ہے؟ بہر حال طالبان کا خواب بھی ادھورا ہے۔'' (فکری رسالہ عزم: ۹ سیریز ۱۵۴ ماہ جنوری فروری ۱۹۹۷) ۹

امیر المؤمنین ملا عمر کے متعلق طنزیہ انداز اور افغان عدلیہ کی نااہلی

''عدالت کی کاروائی اسٹاموں سے چلائی جاتی ہے، کسی بھی مقدمے کو فیصلہ کرتے مہینے لگ جاتے ہیں، پرانے ماہر قاضی رخصت ہو گئے ہیں جب کہ نئے قاضی ناتجربہ کار ہیں، اس لئے اہم فیصلوں میں پاکستانی مدارس کی جانب رجوع کیا جاتا ہے۔'' (عزم: سیریز ۷۰ اص ۲۳ نومبر ۱۹۹۸) 10

امیر المؤمنین سیاسی بصیرت نہیں رکھتے

''امیر المؤمنین صاحب اکثر خاموش رہتے ہیں، شاید ملکی اور بین الاقوامی حالات کے متعلق سوچتے رہتے ہیں (طنزیہ انداز) بعض افراد کو شکایت بھی ہے کہ امیر المؤمنین کے مشیر فیصلے میں اس پر حاوی رہتے ہیں، تاہم امیر المؤمنین چونکہ ایک جوشیلے پٹھان نوجوان ہیں اس لئے کوئی بات کہتے وقت کسی کا لحاظ نہیں کرتے اور سیاسی ڈپلومیسی سے بھی اتنی واقفیت نہیں رکھتے جس کا ثبوت ان کا انٹرویو ہے جو انہوں نے ایرانی سفارتکاروں کے قتل کے متعلق بی بی سی پشتو سروس کو دیا اور جس میں انہوں نے ایران کے خلاف ہر قسم کے عملی اقدام کے لئے تیار رہنے کا عندیہ دیا۔'' (ایضاً: ۲۳، ۲۴) 11

وسطی ایشیا کی جہادی تحریکات کے لیڈر مغرب اور امریکا کے ایجنٹ ہیں

''ان ریاستوں کو داخلی انتشار سے دو چار کیا گیا ہے اور وہاں ایسی تحریکات کو پروان چڑھایا جارہا ہے جن کی باگ ڈور وہاں کی مقامی قیادت کے پاس نہیں بلکہ سامراجی ملکوں کے پاس ہے جو اپنی کٹھ پتلیوں سے کام لے رہے ہیں۔ ان ریاستوں میں صورت حال کو بگاڑنے میں جہاں ریاستی انتظامیہ کی بے تدبیری کا دخل ہے وہاں اس سے کہیں بڑھ کر ان مداخلت کاروں کا کردار ہے جو گرد و پیش کے ممالک سے سامراج کی زیر نگرانی تربیت حاصل کر کے وہاں جنگ آزمائی کر رہے ہیں جس سے مقامی عوام کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے.....
لائق غور امر یہ ہے کہ ان مداخلت کار گروہوں [جہادی تنظیموں] کا امیج عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ امریکہ دشمنی کا بنایا جارہا ہے اور ان کو امریکہ کی ناپسندیدگی کا سرٹیفکیٹ بھی دیا جا چکا ہے، جب کہ وہ خطے میں کردار ان قوتوں کے خلاف ادا کر رہے ہیں جو اس خطہ میں امریکی مداخلت کی مخالف ہیں۔''

(عزم: سیریز ۱۷۶ ص ۳ ماہ اکتوبر ۱۹۹۹) (۱۲)

جنت میں بھیجنے کے نام پر نوجوانوں کا استحصال

عالم کفر کے خلاف برسر پیکار سرفروش مجاہدین اور مسلمانوں کے ناموس کا تحفظ

کرنے والی قوتوں کی حوصلہ شکنی کرنے کی انتہا ملاحظہ فرمائیں:

''افغانستان کے سوشلسٹ انقلاب کے بعد تو جیسے پاکستان کے آلۂ کاری مذہبی حلقوں کو سیدھے سادھے اور مخلص نوجوانوں کو ''جنت'' بھیجنے کے نام پر استحصال کا ایک سنہری موقع ہاتھ آ گیا۔ (اگرچہ خود اس جنت کے حصول کی تمنا ان جماعتوں کے لیڈروں کے دل میں کم ہی پیدا ہوئی) گزشتہ بیس سالوں سے پاکستانی ارباب سیاست و مذہب نے ہمسایہ ممالک (بشمول مسلم ممالک) کے حوالے سے جو کردار ادا کیا اس سے واقعی یہ ملک عالمی سامراج کے حق میں کمیونزم اور سوشلزم کے خلاف مزعومہ قلعہ ثابت ہوا ہے اور اس کو آلۂ کار سامراجی جماعتوں کے مفکرین کے حوالہ سے بددیانتی اور اسلام دشمنی پر مبنی تجزیہ کہہ کر مسترد کرنا مشکل ہوگا، کیونکہ پاکستان کے کئی چوٹی کے لیڈروں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے۔''

(فکری رسالہ عزم: ۸ سیریز ۱۷۳) ⑬

مزید لکھتے ہیں:

''عراق کے خلاف امریکی جنگ میں پاکستانی فوج کی شمولیت، جمال عبدالناصر مرحوم کے خلاف پاکستانی پریس اور مذہبی جماعتوں کی فتوی بازی، چین کے خلاف مذہب کی آڑ میں سامراجی سازشوں کا جال بچھانا اور جنگ افغانستان میں سی آئی اے کی سرپرستی قبول کرنا اور وسطی ایشائی ریاستوں میں مذہب کی تبلیغ کی آڑ میں سامراج کے حق میں وہاں کے نظاموں کے خلاف پروپیگنڈہ و مواد فراہم کرنا، پچھلے پچاس سال میں

پاکستانی نظام شاہی کے نمایاں کارنامے ہیں جو اسلام کے نام پر
بننے والے اس ملک کے عوام کو اسلام کے ضروری اصولوں سے
روشناس کرانے کے لئے یہاں کے مقتدر اداروں اور طبقات
نے سرانجام دیئے۔" (عزم؛ سیریز ۳۷۱ ص ۹) ۱۴

عزم

نگران اعلیٰ

سید اصغر علی شاہ

مجلس ادارت

سعید اعوان
سید سیف الاسلام خالد
مولانا عبداللہ عابد سندھی
سلطان محمد

سیریز نمبر 175

ماہ جولائی و اگست 1999ء

آئینہ

پہلی بات ——— مدیر ——— 2

حضرت رائے پوری کا دورہ ہند ——— مفتی عبدالخالق آزاد ——— 12

حضرت رائے پوری کی پاکستان واپسی ——— مولانا محمد عباس شاد ——— 27

بھوک کی کوکھ ——— سعداللہ خاں ——— 31

فی شمارہ 7 روپے سالانہ زرتعاون ستر (70) روپے

ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 ملتان

تماشا ہرہ تو اسی سے وابستہ ہوتا ہے کہ وہ سامراجی منصوبہ کی مخالفت کو جہاد دشمنی کا عنوان دے کر ہفوات سازی یا فتوی فروشی کی صنعت قائم کرے۔ (حوالہ نمبر 1.)

یہاں اس امر کی وضاحت نامناسب نہ ہوگی کہ کوئی باشعور اجتماعیت کسی بھی خود مختار اور آزاد ملک میں کسی بھی طاقت کی جبری و استحصالی مداخلت کی حمایت نہیں کر سکتی اور یقیناً ایسی مداخلت کا انسداد وہاں کی آزاد اور باشعور اجتماعیت پر معروضی حالات سے ہم آہنگ اپنی خود مختار حکمت عملی کے تحت لازم ہو جاتا ہے چنانچہ یہی سبب ہے کہ برعظیم میں انگریز کے تسلط کے جواب میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے دارالحرب کا فتوی جاری فرما کر اس تحریک کی داغ بیل ڈالی جس نے اپنی خود مختار حیثیت میں سید احمد شہید، شاہ محمد اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی رحمہم اللہ کی قیادت میں برعظیم کے طول و عرض کے سفر، شبانہ روز جدوجہد اور مسلسل قربانیوں کے بعد شمالی مغربی علاقہ میں حکومت راشدہ قائم کی جو بعد ازیں پنجاب کے عاقبت نااندیش حکمرانوں کی کم فہمی اور سامراجی آلہ کار پالیسی نیز مقامی خوانین کی مفاد پرستی کی سیاست اور نادان دوستوں کی بے تدبیری کے سبب تاج شہادت پہن کر سرخرو ہوئی۔ اسی طرح ۱۸۵۷ء میں تھانہ بھون میں ایک خود مختار نظام کے تحت ہی جہاد شاملی کیا گیا تھا۔ ماضی قریب کے یہ واقعات اس امر کی رہنمائی کرتے ہیں کہ اسلامی فریضہ جہاد کی آخری شکل یعنی قتال کے لئے ایک باشعور آزاد خود مختار نظام کا ہونا از بس ضروری ہے تاکہ وہ جدوجہد کو حتی الامکان رائیگاں یا کم از کم آلہ کار بننے سے محفوظ رکھ سکے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے تحریک ریشمی رومال کی قیادت اور اس کے نتیجہ میں ہر صعوبت اور قید و بند کی سزا بھگتنے کے باوجود حالات کی تبدیلی کا ادراک کرتے ہوئے جدوجہد آزادی کے لئے عدم تشدد پر مبنی سیاسی حکمت عملی اختیار کرنا اور مسلح جدوجہد کو ترک کرنا ضروری خیال کیا جو آج کے

حالات میں بھی نشان راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس حوالہ سے افغانستان میں سوشلسٹ نظام کے خلاف دینی جدوجہد کا دم بھرنے والے معروف جہادی لیڈروں اور ان کی جماعتوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ اپنا کوئی آزاد نظام رکھتی تھیں

نہ حالات کا صحیح ادراک و شعور بلکہ ان کی اکثریت امریکہ، مغربی یورپ اور ان کے آلہ کار عرب ممالک کے سامراجی نظاموں کی امداد کے بل بوتے پر مصروف عمل رہی اور کا نتیجہ ہے کہ تبدیل شدہ حالات میں آلۂ کار حیثیت کھو بیٹھنے کے سبب یہ جماعتیں ماضی کا حصہ بن گئیں چنانچہ ان کو آج طالبان بھی بیرونی آلۂ کار کے نام سے ہی پکارتے ہیں اور آج بھی کچھ بیرونی آلہ کار ان کی صفوں میں بیٹھ کر استحصالی کثیرالقومی کمپنیوں سے افغانستان کی تعمیر نو کے معاہدے بھی کر رہے ہیں جن سے طالبان قیادت کو چوکنا رہنا ضروری ہے۔

اسی طرح جہاد کشمیر میں سرگرم اکثر معروف جماعتیں (جو یکایک نمودار ہوئی ہیں جبکہ یہ مسئلہ باون سال سے موجود ہے) بیرونی امداد و تعاون سے مصروف کار ہیں اور یہ مسلمہ امر ہے کہ امداد دینے والوں کے اپنے مخصوص مقاصد ہوتے ہیں جن کی تکمیل امداد لینے والوں پر لازم ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ سب جماعتیں پاکستانی نظام کی نگرانی میں کام کرنے پر متفق ہونے کے باوجود ابھی تک اپنا کوئی مرکزی نظام قائم نہیں کر سکیں اور اگر ایسا کوئی نظام وجود میں لایا بھی جاتا ہے تو وہ اپنی خود مختار حیثیت سے محروم ہوگا چنانچہ یہی سبب ہے کہ کارگل کی حالیہ معرکہ آرائی میں پاکستانی نظام کے تعاون کے بغیر یہ جماعتیں کچھ کرنے کی پوزیشن میں تھیں اور نہ آئندہ ہوں گی۔ اسی لئے پاکستانی وزیراعظم اور امریکی صدر کے مابین طے شدہ مفاہمت کے نتیجہ میں انہیں پاکستانی فوج کے ساتھ مورچوں سے واپس آنا پڑا۔ یہ جماعتیں اپنی ناک بچانے کے لئے نواز کلنٹن معاہدہ پر جتنا چاہیں اخباری بیان بازی کر لیں یہ حقیقت ہے کہ وہ پاکستانی نظام کے تعاون کے بغیر اپنا کوئی مستقل کردار نہیں رکھتیں، ان میں بعض ایسی لشکری جماعتیں بھی شامل ہیں جو ایک طرف مالدار عرب ممالک سے بھرپور مالی امداد وصول کر رہی ہیں تو دوسری طرف ان ممالک کے سرپرست سامراج کے خلاف بیانات داغ کر رائے عامہ کی آنکھوں میں دھول بھی جھونک رہی ہیں۔

کارگل کی معرکہ آرائی کے بارے میں قیاس آرائیاں ابھی تک جاری ہیں جن سے کچھ لائق غور امور کی نشاندہی ہوتی ہے۔ جہاد کشمیر کی سرگرم علمبردار ایک جماعت

نگران اعلیٰ

سید اصغر علی شاہ

مجلس ادارت

سعید اعوان

سید سیف الاسلام خالد

مولانا عبداللہ عابد سندھی

سلطان محمد

عزم

سیریز نمبر 181

ماہ جولائی و اگست 2000ء

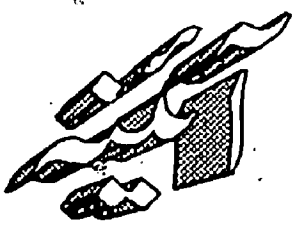

پہلی بات ——— مدیر ——— 2

خطاب حضرت سندھی ——— ترجمہ عابد سندھی ——— 6

خطاب حضرت رائے پوری مدظلہ ——— رپورٹ عابد سندھی ——— 9

امت مسلمہ کا زوال ——— سید سیف الاسلام خالد ——— 13

حضرت رائے پوری کا دورہ بہاولپور ——— آفتاب احمد ——— 16

صدر مرکزیہ کا دورہ جیکب آباد و بلوچستان ——— نمائندگان ——— 19

زونل سیمینارز ——— نمائندگان ——— 22

فی شمارہ 7 روپے سالانہ زر اعانت ستر (70) روپے

ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان

نے فوراً فرمایا کہ حضرت میرے تو سب کچھ آپ ہیں۔ کوئی رشتہ داری نہیں۔ بس آپ کے سوا کوئی نہیں' فنائیت ہوئی تو جانشین ۲،۰ گئے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ میں سب سے زیادہ نبیؐ سے عشق تھا۔ اول درجہ عطا ہوا۔ کوئی امام ایسا نہیں گذرا جس نے قلب کی اصلاح کے لئے اہل اللہ کی صحبت اختیار نہ کی ہو۔ امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔ لاالسنتان لھلک نعمان (اگر میں حضرت شیخ کی دو سال صحبت اختیار نہ کرتا تو ہلاک ہو جاتا)۔

کمال درجے کا ولی وہ ہے جس میں حب جاہ (شہرت پسندی) نکل جائے۔ حب مال تو نکل جاتا ہے حب جاہ نہیں جاتی۔ جس دن ہم نے یہ سمجھ لیا کہ اب سب کچھ آگیا ہے کسی تربیت کی ضرورت نہیں۔ اس دن سے استعداد اور ترقی ختم سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اولیاء اللہ اور علماء ربانی سے تعلق اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم اپنے بزرگوں سے مناسبت پیدا کریں اور ہم میں صحابہؓ جیسی صفات پیدا ہو جائیں۔ آمین (و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین)

بقیہ امت مسلمہ کا زوال

بلند و بالا عمارات ہمارے سامنے دیکھتے ہی دیکھتے زوال کی نذر ہو گئیں۔

آج جب ہم دنیا پر نظر دوڑاتے ہیں تو سرمایہ دارانہ نظام انسانیت کی ترقی کے لئے قدم اٹھاتا ہوا نظر نہیں آتا وہ انسانیت سے بے زار ہے اور اس نظام کی وجہ سے دنیا تباہی اور آگ کے دھانے پر ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نظام اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی ذمہ داری اٹھائیں اور ایک بار پھر دنیائے انسانیت کو بھوک' ظلم و جور' بدامنی سے نجات دلا کر خوشحالی' عدل و انصاف اور امن و سلامتی کا ماحول فراہم کریں اور جنت نظیر معاشرہ قائم کریں۔ (تحریر: سید سیف الاسلام خالد)

بقیہ پہلی بات

مطالبہ کیا ہے۔ اب ایسے میں مذاکرات کی باگ دوڑ کس کے ہاتھ میں ہوگی؟ تو اس کا جواب یقیناً راز نہیں' ان گھمبیر حالات میں جہادی قربانیوں کے ذریعے سامراجی مفادات کی تکمیل کی منصوبہ بندی کرنے والے عناصر اور نظام کی نقاب کشائی ضروری ہے تاکہ خون مسلم بہانے اور پھر اس کے سودا کرنے کی سیاست کا راستہ بند کیا جاسکے۔ (مدیر)

۱۵۸

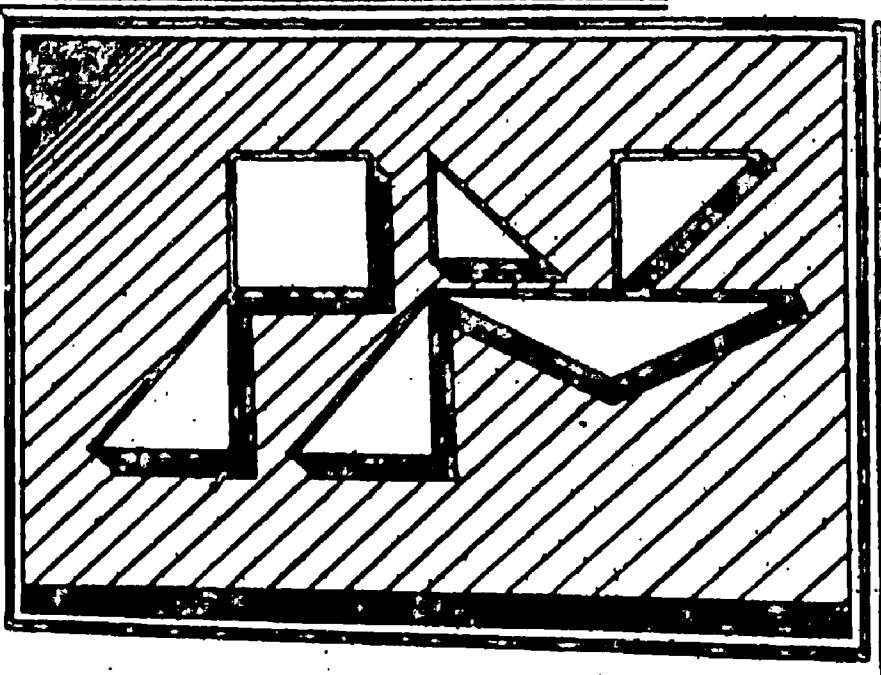

ادارہ عزم ملتان

عزم سیریز

عزم سیریز نمبر ۱۵۴ — جنوری فروری ۱۹۹۹ء

نگران اعلیٰ
سیّد اصغر علی شاہ

مجلس ادارت
سعید اعوان، محمد سعید اختر
عبدالخالق آزاد، چوہدری عبدالرؤف

آئینہ

پہلی بات	سعید اعوان	۲
حضرت رائے پوری سے گفتگو	عبدالمالک شاہین	۶
خطاب جناب محمد اسلوب قریشی	مولانا عابد سندھی	۱۲
تین سالہ رپورٹ	سید اصغر علی شاہ	۱۹
اجلاس مرکزی مجلس عمومی	مولانا عابد سندھی	۲۲
جناب اصغر علی شاہ کا بلا مقابلہ انتخاب	ادارہ	۲۶
ایک طائرانہ نظر	عبدالماجد	۲۹

قیمت فی عدد ۶ روپے — سالانہ زر اعانت ساٹھ روپے

پتہ:- ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان

رکھ کر تنظیماتی کارکنوں کی کھیپ تیار کی جائے جو اسلام کے عادلانہ نظام کے لئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ملک میں خلافت راشدہ کے سسٹم کو رائج کرنے کے لئے راہ ہموار کردے مولانا رائے پوری کے بیان کے بعد سوال و جواب کی علمی نشست ہوئی راقم الحروف اور دیگر چند ساتھیوں نے جو ان سے سوال کئے ان کے جوابات درج ذیل ہیں۔

س: پاکستان میں غلبہ اسلام کے لئے کیا طریق کار ہے؟

جواب: ملک کی تمام مساجد کو جہاں مسلمانوں کی کثیر تعداد نماز پنجگانہ اور جمعۃ المبارک ادا کرتی ہے مسلمانوں کی ذہن سازی کی جائے رائے عامہ کو اسلام کے بابرکت نظام کے لئے تیار کیا جائے۔

اسلامی معیشت کے واضح خدوخال پیش کئے جائیں اور باطل قوتوں سے ٹکرانے کے لئے دلائل و براہین کے ہتھیار سے لیس کر کے انہیں عزم و ہمت کا خوگر بنا کر اسلامی انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے۔

مگر شرط یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں اسلام کا راسخ عقیدہ موجود ہو آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کفر کی ساری مشینری محمد کریم ﷺ کی جماعت سے علیحدہ کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہی ہے لیکن محمد مصطفیٰ کا غلام دین پر ڈٹ گیا ہے۔

س: جہاد کشمیر کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: یہ کشمیر میں شاید حریت پسندوں کی جنگ تو کہی جاسکتی ہے؟ لیکن ہم اسے جہاد فی سبیل اللہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ جہاد کا مقصد اللہ کی دھرتی پر اللہ کے خاص دین کا نفاذ ہے کیا کشمیر میں ان مقاصد پر جہاد ہو رہا ہے جہاد کے کچھ قواعد و ضوابط اور اصول ہوتے ہیں۔ امیر المومنین کی نگرانی میں لشکر تیار ہوتا ہے کیا پاکستان میں بے نظیر بھٹو (اور اب نواز شریف) کو امیر المومنین بنا دیا گیا ہے؟ خود پاکستان میں اسلام کے آفاقی نظام کے لئے جدوجہد ضروری نہیں؟ پھر آپ

کارگل آرائی

مئی تا جولائی ۱۹۹۹ء کے دوران ہر سطح پر کارگل کا مسئلہ زیر بحث رہا' یہ مسئلہ اس وقت منظر عام پر آیا جب آزاد کشمیر کے علاقہ سے بھارتی کشمیر کے علاقہ میں پیش قدمی کی گئی اولاً اس کو مجاہدین کی طرف ہی منسوب کیا جاتا رہا لیکن پاکستان کے آرمی چیف کے بیان سے اس امر کی نشاندہی ہوئی کہ بنیادی طور پر اس سارے عمل میں پاکستانی فوج نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ پاکستان اور بھارت کے مابین باون سالہ تاریخ میں یہ چوتھا معرکہ تھا جو امریکی مداخلت سے اپنے انجام کو پہنچا اور اپنے مقاصد کے حوالہ سے کئی ابہام چھوڑ گیا۔ پاکستان کے ایک سابق ایئر چیف نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ پاکستان نے چاروں جنگیں بلا مقصد شروع کی تھیں اور ان کے آغاز سے ہی ان کی بندش کے لئے ہاتھ پاؤں مارے جانے لگے تھے اور یہ کچھ کسی قومی مفاد کے منصوبہ کے تحت نہیں ہوتا رہا بلکہ اس سے غیر ملکی مفادات کی تکمیل مقصود رہی گویا پاکستانی نظام جنگ کے آغاز سے لے کر اس کی بندش تک سارا عمل سامراجی منصوبوں کے تحت انجام دیتا چلا آ رہا ہے۔

قبل ازیں امریکہ سوویت کشمکش کے اس دور میں بھی جو دوسری جنگ عظیم کے بعد سے شروع ہو کر گورباچوفی اصلاحات کے ساتھ اختتام پذیر ہوا پاکستانی نظام نے ایک فریق کے حق میں دیدہ و دل فرش راہ کئے رکھے تھے حتیٰ کہ بعض مذہبی جماعتوں نے ... کو کار خیر قرار دے کر اسلام و کفر کے مابین معرکہ آرائی کا سماں باندھا اور ... کے بل بوتے پر دینی مزاج کی حامل اکثریت کو بھی اپنی مخصوص عینک پہنانے کی ... ش کی تھی۔ یوں پاکستان کی سرزمین پر جہاد کے مقدس اسلامی فریضہ کے نام پر اس جنگ میں حصہ ڈالا گیا جو دنیا کے مختلف خطوں میں لادین امریکی و سوویتی قوتوں کے درمیان جاری تھی چنانچہ یہی وجہ ہے کہ افغانستان سے سوویت افواج کے انخلاء کا معاہدہ کابل'

اسلام آباد یا ماسکو میں جو جنگ کے نظر آنے والے فریق تھے کی بجائے یورپ کے معروف سامراجی مرکز جنیوا میں طے پایا تھا جس میں پاکستان' افغانستان اور سوویت یونین کی طرح امریکہ نے بھی دستخط کئے تھے۔ یوں اس کے امن جنگ میں سرگرم اور بنیادی کردار پر ایک اور مہر ثبوت' ثبت ہو گئی تھی اور دینی مزاج کے حاملین بھی اب جا کر اس کو محسوس کرنے لگے ہیں چنانچہ وہ امریکہ کو سوویت مخالفت میں اپنی رفاقت کا حوالہ دے کر آج کے اس رویہ پر شکایت کرتے نظر آتے ہیں جو اس نے اپنے سامراجی مفادات کی خاطر اختیار کر رکھا ہے۔ لیکن اسے بار بار جہاد افغانستان میں اپنی خدمات یاد دلانا بے سود ہے کہ اس کی لغت میں تو بہر صورت عالمی سامراجی مفادات کے تحفظ کے سوا اور کوئی حوالہ پایا ہی نہیں جاتا یہی وجہ ہے کہ افغانستان سے سوویت افواج کے انخلاء کا معاہدہ (جس میں اس کی ہی ترجیحات غالب تھیں' اسی لئے اس وقت کے پاکستانی صدر کو اس بابت کچھ تحفظات بھی تھے) طے پاتے ہی امریکہ کی اپنی ترجیحات' پاکستانی قیادت کی بعض ترجیحات سے مختلف نظر آنے لگیں جو قبل ازیں اس قدر ہم آہنگ تھیں کہ بادی النظر میں اسلامی جہاد کی کشور کشائیوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا بلکہ اگر اس کی تہہ میں کار فرما امریکی دلچسپیوں اور منصوبوں کا ذکر کیا جاتا تو اسے فوراً روسی ہمنوائی قرار دے کر جذباتی حقارت و نفرت کے ساتھ مسترد کر دیا جاتا تھا مگر جب پاکستان کی اعلیٰ ترین عسکری و سیاسی قیادت' طیارے کے حادثہ کی نذر ہوئی تو سب کو معلوم ہو گیا کہ خطہ میں موثر حکمت عملی کس کی تھی اور کس طاقت نے پاکستانیوں اور افغانیوں کے جذبہ جہاد سے اپنے حق میں فائدہ اٹھایا؟ واضح رہے کہ جنیوا معاہدے کے طے پائے جانے کی صورتحال سے اس وقت کے پاکستانی صدر کو سخت مایوسی تھی چنانچہ انہوں نے ایک موقعہ پر کوئٹہ کی ولالی میں روسیاہی کا اعتراف بھی کیا تھا۔

اس تناظر میں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی جنگ میں سامراج کی حکمت عملی کی نقاب کشائی' کسی طور پر اسلامی فریضہ جہاد کی مخالفت کے مترادف نہیں ہو سکتی۔ سوائے اس کے کہ کوئی گروہ سامراجی مفادات کے منصوبہ پر بطور ملازم کام کر رہا ہو تو اس

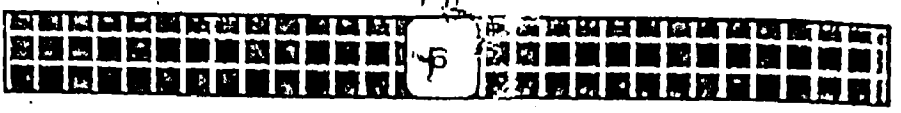

کے آرگن روزنامہ جسارت کراچی کے ۳۰ جولائی ۹۹ء کے شمارے میں یہ خبر شائع ہو چکی ہے کہ اس سارے عمل کی منصوبہ بندی امریکی عسکری منصوبہ ساز ادارے پینٹاگون نے کی تھی تاکہ بھارت کو سی ٹی بی ٹی (CT BT) پر دستخط کے ساتھ عالمی سامراجی منصوبہ (New World Order) میں اپنے متعینہ کردار کو قبول کرنے کے لئے دباؤ میں لایا جا سکے جس کے لئے امریکہ مابعد سرد جنگ کے دور کے لئے شدت سے خواہش رکھتا ہے۔ چنانچہ آسیان کے حالیہ اجلاس کے دوران امریکی اور بھارتی وزراء خارجہ کی ملاقات کے بعد میڈیلین البرائیٹ نے کہا کہ میں نے جسونت سنگھ کو بتا دیا ہے کہ ہمارا ملک بالخصوص صدر کلنٹن بھارت کے ساتھ اپنے تعلقات کو ایک نئی نہج دینے کے منتظر ہیں کیونکہ آزادی کے بعد سے اب تک بھارت پہلے سے بہت زیادہ پختہ کار اور باوقار ملک بن چکا ہے۔ اسی اجلاس میں شریک امریکی سفارت کار میتھیو ڈالے نے اس کی مزید وضاحت یہ کہہ کر کی کہ اب امریکہ اور بھارت میں تعلقات' ان تعلقات کی نسبت اور بہتر ہو جائیں گے جو پچھلے پچاس برس سے قائم تھے۔ اس نے مزید کہا اب امریکہ کے پاکستان اور بھارت کے ساتھ مساویانہ سلوک کا زمانہ ختم ہو گیا ہے۔ اب بنیادی اور بڑے مسائل پر امریکہ اور بھارت کے مابین ایسا اتفاق رائے پایا جاتا ہے جو ماضی میں کبھی موجود نہیں تھا۔ (روزنامہ دن ۲ اگست ۹۹ء)

حوالہ نمبر 6

اس ساری تفصیل سے یہ انتہائی افسوسناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ تمام جہادی عمل اور قربانیاں ایک عالمی سامراجی سوچ کی نذر کی گئیں اور یہی لمحہ فکریہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے عمل سے کس طرح قتال فی سبیل الطاغوت کا فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی لئے ایسے آلۂ کار عناصر کی نقاب کشائی ایک ملی فریضہ ہے تاکہ مستقبل میں محترم و مقدس خون کو مزید رائیگاں ہونے سے بچایا جا سکے واشنگٹن سے جاری شدہ اعلامیہ' اس امر کی بھی چغلی کھاتا ہے کہ مسئلہ کارگل کی ساری منصوبہ بندی میں پاکستانی نظام کے علاوہ امریکی نظام بھی شامل تھا۔ اسی بنا پر اس کا قومی حمیت کے تقاضوں سے کوئی تعلق ظاہر نہ ہو سکا' لیکن اس کا سارا ملبہ فرد واحد پر ڈالنے کی جو سیاست کی جا رہی ہے'

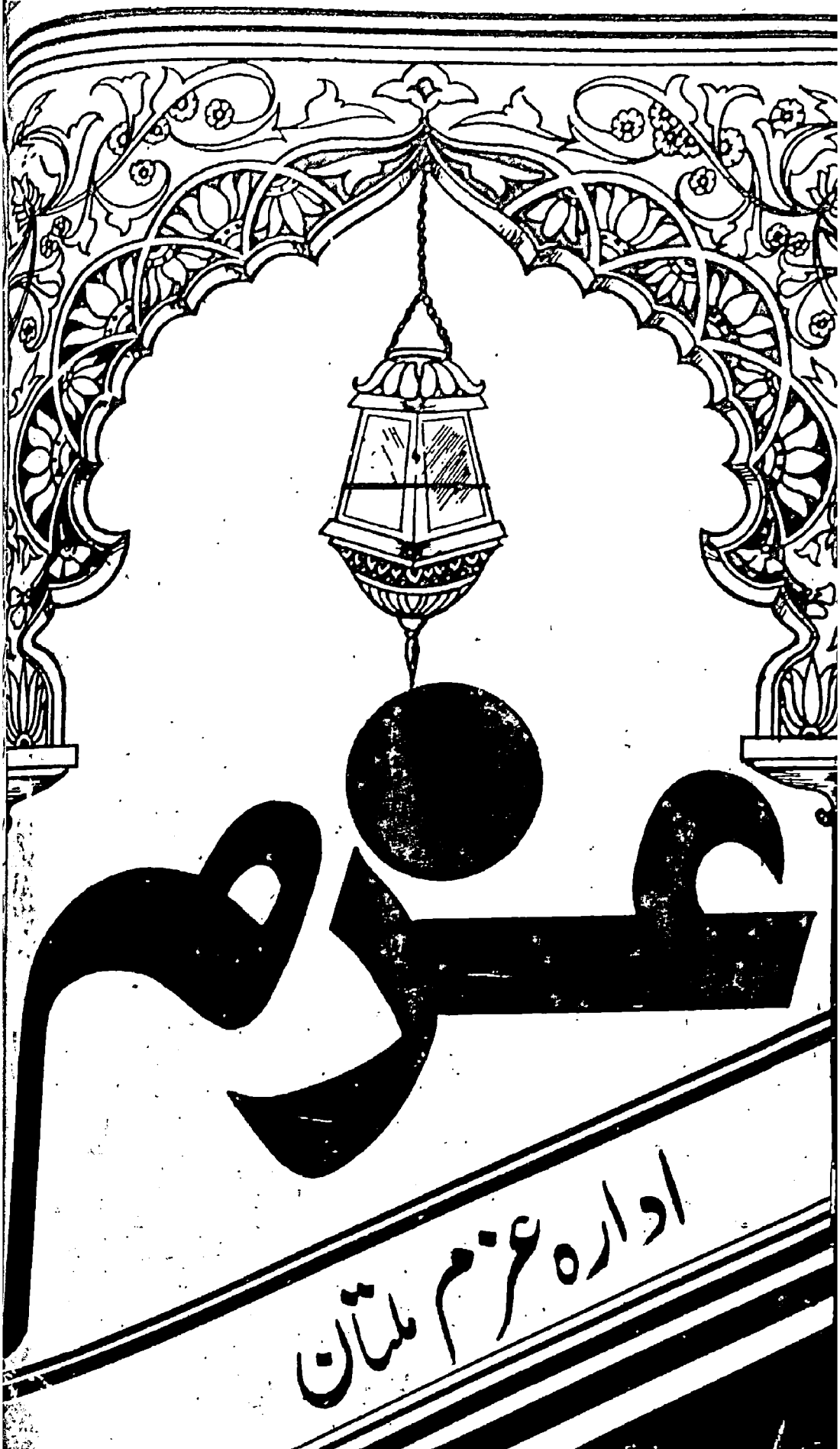
حرم
ادارہ عزم ملتان

عزم سیریز

نگران اعلیٰ
سید اصغر علی شاہ

سیریل نمبر ۱۷۴

مئی جون ۱۹۹۹ء

آئینہ

پہلی بات	سعید اعوان	۲
بینک دولت کی رپورٹ	انیس مغل	۶
ولی الٰہی سمینارز	رپورٹر	۹
مسلمانوں کی سائنسی خدمات	جاوید غزالی	۲۲
رواداری کی ضرورت و اہمیت	صائمہ ناز	۲۷
غزل	غلام محمد دلبر	۳۲

قیمت فی عدد ۶ روپے سالانہ زر اعانت ساٹھ روپے

پتہ :- ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان۔

تربیت کے بعد ہی نظام ظلم کا خاتمہ ممکن ہے۔ یہ بات حضور ﷺ کے مکی دور کے موضوع پر زونل صدر جناب فضل الرحمٰن جوئیہ نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہی انہوں نے کہا کہ مکہ کے اندر دین ابراہیمی کے داعیین نظام ظلم کا ساتھ دے رہے تھے جس کی وجہ سے دین ابراہیمی رسمی شکل اختیار کر گیا اور وہ انسانیت کے استحصال کا ذریعہ بن گیا جب انسانیت کا فطری ارتقائی عمل رک گیا تو اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کو مبعوث فرمایا جنہوں نے انسانیت کی فطرت کے مطابق دعوت دی جس پر جماعت بندی کرتے ہوئے تعلیم و تربیت کی اور عدم تشدد کی پالیسی پر کاربند رہتے ہوئے اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل اخلاق عظمیٰ والی جماعت تیار کی جب اس جماعت میں اعلیٰ قیادت کے اوصاف پیدا ہو گئے تو میدان عمل میں اتار کر نظام ظلم کا خاتمہ کیا۔ آج ہمیں اسی ترتیب پر محنت کرنا ہوگی اور مکی حکمت عملی کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

فریضہ جہاد کے موضوع پر مولانا ناصر عبدالعزیز ناظم نشریات صوبہ پنجاب نے فرمایا کہ آج رسمی مذہب کی وجہ سے جہاد کو انتہائی متشدد نظریہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے جس وجہ سے امت مسلمہ کو جارح اور تشدد پسند امت کہا جا رہا ہے حالانکہ دین اسلام کے غلبہ کے لئے جو بھی کوشش کی جائے گی جہاد کہلائے گی۔ قتال ایک حکمت عملی ہے جو وقت اور حالات کے پیش نظر تبدیل ہوتی رہی ہے۔ قتال مقصد کے حصول کا ذریعے ہے جو نظام کے بعد اس کے تحفظ کے لئے ہوتا ہے تاکہ انسانیت کے نفع کے نظام کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ جہاد اکیلا شخص بھی کر سکتا ہے اور ہمہ وقت ہوتا ہے۔ لاہور زون کے صدر جناب مولانا عباس شاد صاحب نے خطبہ حجۃ الوداع کی دور حاضر میں اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہا۔ کسی بھی معاشرے کی ترقی کا راز امن ہوتا ہے لیکن آج پوری دنیا پر بھوک و افلاس، جان و مال کا خوف مسلط ہے۔ آپ ﷺ انسانیت کی قدرو منزلت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا انسانی جان و مال کی بے حرمتی نہ کی جائے ایسی معیشت جس میں محنت کا عنصر قابل قدر نہ ہو وہ معیشت ناجائز ہے۔

خواتین کا روز اول سے معاشرے میں مسلمہ کردار رہا ہے۔ یہ بات ناظم نشریات

حوالہ نمبر 8

۱۴۴

کوشش کی۔ اس کے بعد حالات ایسے رونما ہوئے کہ ہمیں کابل چھوڑنا پڑا۔ چنانچہ ہم وہاں سے روس چلے گئے۔ روس کی سیاست کا جو ہم نے مطالعہ کیا تو ہمیں یہ بات سمجھ میں آگئی کہ جہاد کا بطن ثانی جو ہم نے حضرت شیخ الہند سے سیکھا تھا یعنی جب مسلمانوں کی حکمران طاقت اور ان کی فوجی قوت موجود نہ ہو تو اس وقت ہر ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی جماعت بنائے اور جہاد کرے۔ اسی کو یورپ میں انقلاب کا نام دیا جاتا ہے۔ اس زمانہ میں روس یورپ کے انقلاب کا مرکز تھا۔ ہم وہاں سات مہینے رہے۔ اور یورپ کے اس انقلاب کا بڑی اچھی طرح سے مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ نے ہماری آنکھیں کھول دیں اور ہم نے دیکھا کہ جہاد کا دوسرا بطن جس کا مکمل بیان حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفا میں ہم بار بار پڑھ چکے تھے، اسی کو آج کی اصطلاحی زبان میں انقلاب کہتے ہیں۔ چنانچہ اب میں انقلابی ہوں۔

میں اپنے اس انقلاب کو اپنے وطن میں کامیاب کرنے کے لیے نیشنل کانگرس کے اندر اپنی ایک مستقل پارٹی کی بنیاد ڈال چکا ہوں۔ جب ہم وطن سے باہر تھے تو ہماری اور حیثیت تھی۔ لیکن جب سے ہم وطن واپس لوٹے ہیں، ہم اپنے باہر کے رفقاء سے قطع تعلقات کر چکے ہیں۔ اب ہماری ساری کوشش یہ ہے کہ ہم اپنے اس فکر کا حضرت شیخ الہند کی جماعت میں سے جو آگے بڑھنے والے نوجوان ہیں، ان سے تعارف کرا دیں۔ لیکن کانگریس کے اندر رہ کر کام کرنے کی اس دعوت سے کوئی یہ دھوکا نہ کھائے کہ ہم نیشنل کانگرس میں مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا ابوالکلام آزاد کی طرح گاندھی جی کے تابع ہیں۔ نہیں نیشنل کانگریس کے اندر

حجاز مقدس میں ان لاکھوں امریکی فوجوں کے خلاف جہاد کیوں نہیں کرتے۔ بیت المقدس کو آزاد کرانے کے لئے اسرائیلیوں کے خلاف جہاد کیوں نہیں کرتے۔

جہاد باقاعدہ تربیت یافتہ فوج کرتی ہے ہماری فوج پر سالانہ کئی سو ارب روپے خرچ ہو رہے ہیں ان کی اسلحہ، خوراک، پوشاک، رہائش، گاڑیوں، تنخواہوں پر لیکن جہاد غیر تربیت یافتہ بغیر کسی اسلامی کمانڈر انچیف کے عوام الناس کریں؟

آئی، ایس، آئی کے سابق جنرل حمید گل سے کسی نے کہا کہ کشمیر میں فوج کی بجائے علماء کو کیوں دھکیلا جا رہا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہمارے ایک فوجی کی تربیت پر تین لاکھ روپے خرچ آتا ہے جبکہ ہم مولوی کو محاذ جنگ میں کھڑا کر کے اسے سیدھا جنت میں پہنچا دیتے ہیں۔ اور مولوی سے بھی جان چھوٹ جاتی ہے یہ ہے جہاد؟

س: طالبان کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

جواب: افغانستان روسی تسلط سے نجات حاصل کرنے کے نام پر ۱۶ لاکھ افغانیوں کی شہادت پیش کر چکا ہے روس کو بھگانے کے بعد افغانی اقتدار گروپ اور حزب اختلاف کی باہمی کشمکش میں کتنے مسلمان ہلاک ہو گئے ہیں؟ صرف کرسی اقتدار کو بچانے اور حاصل کرنے کے لئے یہ ڈرامہ کھیلا گیا۔ اب جو صورت حال ہے وہ بھی تسلی بخش نہیں ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا طالبان مکمل آزادی حاصل کر چکے ہیں؟ روس کی نو مسلم آزاد ریاستیں طالبان کی مخالفت کر رہی ہیں انجینئر مسعود شاہ اور دوستم کی فوجوں سے طالبان نبرد آزما ہیں۔ افغانستان میں تعلیمی ادارے بند ہیں حیثیت ان کی تباہ ہو چکی ہے۔ افغان بچوں کو عیسائی لے جا رہے ہیں طالبان کے پس پردہ کئی ملکوں کی پشت پناہی ہے ان کے پاس چالیس لاکھ روپے کی پجارو گاڑیاں، ٹینک، میزائل، بمبارمنٹ کے لئے طیارے کہاں سے آ گئے ہیں۔ خود پاکستان طالبان کی مدد کر رہا ہے۔ سابق وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر کا رابطہ رہا۔ کیا پاکستان اسلام کے لئے طالبان کی مدد کر رہا ہے؟ بہر حال طالبان کا خواب ابھی

10

س: تبلیغی جماعت کے بارہ میں آپ کے نظریہ کیا ہے؟ (حوالہ نمبر 9)

جواب: مولانا الیاس کاندہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے مولانا قاری طیب صاحب کو خط لکھا تھا کہ تبلیغی جماعت کی جب تک سرپرستی مشائخ طریقت علماء شریعت اور مجاہدین سیاست کرتے رہیں گے تو جماعت صحیح نہج پر چلتی رہے گی۔ اب آپ خود اندازہ لگائیں؟ مولانا الیاس کاندھلوی بانی جماعت نے یہ بھی کہا تھا کہ دنیا کی تمام مساجد مسجد نبوی کی بیٹیاں ہیں جبتک مسجد نبوی والے اعمال مساجد میں زندہ نہیں ہونگے انقلاب نہیں آئے گا صرف نماز، روزہ سے اعمال زندہ نہیں ہوتے، بلکہ حقوق العباد کو بھی ادا کرنا ہوگا۔ آپ دیکھیں مسجد نبوی خلافت کا مرکز ہے۔ مجاہدین کے دستے روانہ ہو رہے ہیں۔ سفیران اسلام بادشاہوں کے پاس دعوت کا پیغام لے جا رہے ہیں۔ غنیمت کا مال، زکوۃ و عشر کے محاصل مسجد نبوی میں جمع ہو رہے ہیں۔ وظائف تقسیم کئے جا رہے ہیں مقدمات کے فیصلے ہو رہے ہیں درس و تدریس کا سلسلہ جاری ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ایمان باللہ کے خطبات دیئے جا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ اگر ہم صرف دین کے ایک جز کو پکڑیں تو ہم بری الذمہ نہیں ہو سکتے ہیں۔ ابوجہل اپنے طریقہ پر نماز پڑھتا ہے، حجاج کو پانی پلا رہا ہے۔ حج کر رہا ہے لیکن اللہ کی توحید، نبی کی رسالت اور اسلام کی حقانیت حکومت الہیہ کا منکر ہے نبوی طرز عمل کا مخالف ہے، ناکام ہو گیا۔ ہمارے اعمال، اخلاق، معاملات، صحیح ہونگے تو ہماری دعوت تبلیغ میں اثر ہوگا قرآن ہم سے ادخلوفی السلم کافتہ کا مطالبہ کرتا ہے کہ پورے کے پورے دین میں داخل ہو جاؤ۔

س: قرآن کہتا ہے اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین تو ہم کس جماعت کا ساتھ دیں۔

جواب: قرآن مجید میں حزب اللہ اور حزب الشیطن کا ذکر ہے ایک اللہ کی جماعت اور دوسری شیاطین کی انتخاب آپ خود کرلیں جو آپ کو اللہ کے دین کی طرف،

حوالہ نمبر 10 ۲۳ حوالہ نمبر 11

کباڑ جنگی جہازوں کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا مگر اندر سے قابل استعمال ہے اور موجودہ حالات میں افغانستان کا سب سے بڑا ایئرپورٹ ہے جہاں سے ہرات، کابل، قندس اور عرب امارات فلائٹ جاتی ہے۔

قندھار آجکل افغانستان کا صدر مقام ہے۔ اگرچہ بڑی بڑی وزارتیں تو کابل میں ہیں، مگر امیرالمومنین کی موجودگی کی وجہ سے نیز ہرات کے قریب ہونے کی وجہ سے جہاں سے ایرانی مال آتا ہے قندھار ایک مارکیٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں ہر قسم کا جاپانی اور ایرانی مال مل جاتا ہے۔

افغانستان میں انقلاب سے پہلے بھی محکمہ عدالت قاضی چلایا کرتے تھے۔ آج کل بھی قضاء کا محکمہ قائم ہے۔ قضاء کے اوپر نیچے تین محکمے ہیں۔ پہلی عدالت کا فیصلہ دوسری عدالت میں جاتا ہے۔ وہاں سے اگر پاس ہوا تو پھر تیسری عدالت میں چلا جاتا ہے۔ جس کو تمیز کہتے ہیں۔ وہاں سے منظور ہونے کے بعد قابل عمل بن جاتا ہے۔ قبل ازیں عدالتوں کے اوپر پولیس کا محکمہ تھا مگر موجودہ حکومت میں اس کو ختم کر دیا گیا ہے۔ عدالت کی کاروائی سٹاموں سے چلائی جاتی ہے کسی بھی مقدمے کو فیصلہ کرتے کرتے مہینے لگ جاتے ہیں۔ پرانے ماہر قاضی رخصت ہو گئے ہیں جبکہ نئے قاضی ناتجربہ کار ہیں۔ اس لئے اہم فیصلوں میں پاکستانی مدارس کی جانب رجوع کیا جاتا ہے۔ حال ہی میں دو سو مسائل کی فہرست استفتاء کی صورت میں علامہ بنوری ٹاؤن کے جامعہ بھیجی گئی تھی۔ جس میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا اسلام کا کوئی سیاسی نظام ہے؟

تاہم کابل میں مفتی کورس شروع کیا گیا ہے نیز ہر قاضی کے ساتھ مفتی حضرات بھی ہوتے ہیں جن سے بوقت ضرورت فتویٰ لیا جاتا ہے۔ امیرالمومنین کے ساتھ ملاقات کے لئے پاکستانی علماء وفود کی شکل میں آتے ہیں۔ امیرالمومنین صاحب اکثر خاموش رہتے ہیں۔ شاید ملکی اور بین الاقوامی حالات کے متعلق کچھ سوچتے رہتے ہیں بعض افراد کو یہ شکایت بھی ہے کہ امیرالمومنین کے مشیر فیصلے میں اس پر حاوی رہتے ہیں تاہم امیرالمومنین چونکہ ایک جوشیلے پٹھان نوجوان ہیں اس لئے کوئی بات کہتے وقت کسی کا لحاظ نہیں کرتے اور سیاسی

حوالہ نمبر 11

ڈپلومیسی سے بھی اتنی واقفیت نہیں رکھتے۔ جس کا ثبوت ان کا انٹرویو ہے جو انہوں نے ایرانی سفارتکاروں کے قتل کے متعلق بی بی سی پشتو سروس کو دیا اور جس میں انہوں نے ایران کے خلاف ہر قسم کے عملی اقدام کے لئے تیار رہنے کا عندیہ دیا۔

قلات

چونکہ ہماری منزل کابل تھی اس لئے قندھار سے جلدی رخصت ہونا پڑا۔ قندھار سے ہمارا اگلا اسٹیشن قلات (زابل) تھا۔ قلات بالکل سادہ اور چھوٹا سا بازار ہے جو کہ پاکستان کی کسی چھوٹی تحصیل سے بھی چھوٹا ہے۔ راستے میں چیک پوسٹوں پر طالبان گاڑیوں سے ٹیکس وصول کرتے ہیں۔ خصوصاً کسی ولایت (ضلع) سے نکلنے کے وقت رخصت کی اجازتی ید لینی پڑتی ہے اور دوسرے ولایت کے صدر مقام میں داخلے کے وقت وہ رسید دکھانی تی ہے۔ اس ولایت کی چھوٹی بڑی عدالتیں' فرقہ یعنی فوجی چھاؤنی ٹیکس کا محکمہ' انتظامیہ' خزانہ سب کچھ اس کے ماتحت ہوتا ہے۔ گاڑیوں کی ایک قطار بھی اس کے ہاں دکھائی دیتی ہے یاد رہے کہ نوجوان طالب علموں کے لئے لینڈ کروزر' پجارو اور ڈبل سیٹرز خصوصی توجہ کے حامل ہیں کچی اور ٹوٹی پھوٹی سڑکوں پر ایسے نازو نخرے کے ساتھ بھگاتے ہیں گویا نواز شریف کی موٹروے ہے۔ قلات میں رات گزارنے کے بعد دوسرے دن دس بجے کے قریب غزنی کی جانب جانے والی فلائنگ کوچ میں بیٹھ گئے۔ شام گزرے ہم تحصیل مقر میں پہنچ گئے۔ وہاں اولس والی (جہاں اولس والا یعنی تحصیل دار صاحب رہتے ہیں) میں رات گزاری۔ صبح ہم نے اپنے پردادا جان کے مزار پر جانا تھا۔ اولس صاحب کے پاس گاڑی نہ ہونے کی وجہ سے جیپ کرایہ پر کرنی پڑی۔ چار میل کی مسافت پر واقع زیارت کے لئے جیپ والے نے پرزور سفارشوں کے بعد ساڑھے تین لاکھ افغانی (پانچ سو سے کچھ زائد روپے) لئے

غزنی

زیارت سے واپسی پر غزنی کے لئے روانہ ہوئے۔ اڑھائی گھنٹے کے سفر کے بعد غزنی پہنچے۔ جمعہ کی نماز غزنی کی سب سے بڑی جامع مسجد میں پڑھی وضو خانے میں داخل ہونے سے پہلے ہم نے اپنا بیگ باہر رکھ دیا۔ خدا بھلا کرے اس نوجوان لڑکے کا جو بھاگا بھاگا ہمارے پیچھے

عزم

نگران اعلیٰ
سید اصغر علی شاہ

مجلس ادارت
سعید اعوان
سید سیف الاسلام خالد
مولانا عبداللہ عابد سندھی
سلطان محمد

سپیریز نمبر 176
ماہ ستمبر و اکتوبر 1999ء

آئینہ

پہلی بات ——— مدیر ——— 2
ملکی سیاست میں مدوجزر ——— سید سیف الاسلام خالد ——— 7
بجٹ ۲۰۰۰-۱۹۰۰ء ——— انیس مغل ——— 13
رپورٹس زونل سیمینارز ——— نمائندگان ——— 16
اہلیہ محترمہ حضرت رائے پوری مدظلہ ——— مفتی عبدالخالق آزاد ——— 25

فی شمارہ 7 روپے سالانہ زراعانت ستر (70) روپے

ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 ملتان

سامراج کی اُمریکہ دشمن حکمت عملی

جب سے سوویت یونین تحلیل ہوا ہے اس وقت سے اس کی سابقہ ریاستیں مدوجزر سے دوچار ہیں جو یقیناً صورتحال کا ایک منطقی نتیجہ ہے لیکن اس میں جو امر باعث تشویش ہے وہ سامراجی قوتوں کی دلچسپی اور ان کی حکومتی و غیر حکومتی مداخلت ہے ایک طرف عالمی مالیاتی ادارے ان ریاستوں کی معیشت پر اثر انداز ہونے میں مصروف ہیں تو دوسری طرف عسکری شورشوں کی خبریں ذرائع ابلاغ میں جگہ پا رہی ہیں۔

[illegible] کی قیادت میں سامراجی طاقتیں ایک طرف تو سابق سوویت ریاستوں کے حکمرانوں سے [illegible] کی باتیں کرتی نظر آتی ہیں بلکہ بعض ریاستوں کے ساتھ مشترکہ فوجی مشقیں [illegible] بھی نوبت پہنچ چکی ہے تو دوسری طرف ایسے گروہوں کی تشکیل اور سرپرستی بھی کی جا رہی ہے جو ان ریاستوں کو عدم استحکام سے دوچار کر کے ان کو بین الاقوامی کردار اور علاقائی اثر و رسوخ سے محروم کرنا چاہتی ہیں یوں متوازی خطوط پر ان ریاستوں کا گھیراؤ کیا جا رہا ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی علاقہ کے عوام کو ہی اپنے ملک کے نظام کی تشکیل کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور کسی کو ان کے اس اختیار کے استعمال کرنے پر تشویش نہیں ہونی چاہئے مگر جب سامراجی قوتیں اپنے مفادات کے حصول کے لئے کسی ملک میں اپنا عمل دخل بڑھا دیں تو اس سے وہاں کے عوام کے پسند و ناپسند کی بجائے فیصلوں کی طاقت ان کے ہاتھ میں آجاتی ہے اور یوں وہاں کے باشندے اور ان کی جماعتیں فٹ بال بن کر رہ جاتی ہیں۔

سابق سوویت ریاستوں میں سے ہلدی زیادہ دلچسپی ان ریاستوں سے ہے جہاں مسلم اکثریت آباد ہے جن کا ماضی میں نہ صرف ہماری تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون

بلکہ سیاست تک کے ساتھ گہرا تعلق رہا ہے اور یہ ریاستیں زرعی و معدنی لحاظ سے مالا مال ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی مزید ترقی کے امکانات نہایت روشن ہیں اور اس طرح وہ خطہ میں اہم سیاسی و معاشی کردار کی صلاحیتیں بھی رکھتی ہیں اسی اہمیت کو مبوتاژ کرنے کے لئے ان ریاستوں کو داخلی انتشار سے دوچار کیا گیا ہے اور وہاں اسی حرکات کو پروان چڑھایا جا رہا ہے جن کی باگ ڈور وہاں کی سقامی قیادت کے پاس نہیں بلکہ سامراجی ملکوں کے پاس ہے جو اپنی کٹھ پتلیوں سے کام لے رہے ہیں۔

ان ریاستوں میں صورتحال کو بگاڑنے میں جہاں ریاستی انتظامیہ کی بے تدبیری کا دخل ہے وہاں اس سے کہیں بڑھ کر ان مداخلت کاروں کا کردار ہے جو [illegible] و پیش کے ممالک سے سامراج کی زیر نگرانی تربیت حاصل کر کے وہاں جنگ آزمائی کر رہے ہیں جس سے سقامی عوام کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر وہاں کے عوام حالات کار کی بہتری کے لئے اپنے تئیں کوئی جدوجہد کرتے ہیں تو یقیناً انہیں اس کا حق بھی ہے اور ان کی تائید بھی کی جانی چاہئے۔

لائق غور امر یہ ہے کہ ان مداخلت کار گروہوں کا ایجنڈ عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ امریکہ دشمنی کا بنایا جا رہا ہے اور ان کو امریکہ کی ناپسندیدگی کا سرٹیفکیٹ بھی دیا جا چکا ہے۔ جبکہ وہ خطہ میں کردار ان قوتوں کے خلاف ادا کر رہے ہیں جو اس خطہ میں امریکی مداخلت کی مخالف ہیں۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ اگست ۹۹ء کے آخری ہفتہ میں کرغزستان کے دارالحکومت بشکیک میں روس، چین، قازقستان، ازبکستان اور کرغزستان کی سربراہی اجلاس میں امریکی بالادستی کے خلاف اعلامیہ جاری کیا گیا اور یہ واضح کیا گیا کہ دنیا کو اب بھی کثیر القطبی طاقتوں کے نظام کی ضرورت ہے لہٰذا امریکہ کی عالمی بالادستی کے منصوبے کسی صورت میں قبول نہیں کئے جا سکتے اور ان کی ہر صورت مزاحمت کی جائے گی۔

اب ایسے میں جب یہ ممالک امریکی اجارہ داری کو چیلنج کر رہے ہیں ان ممالک میں شورش پیدا کرنا یقیناً امریکہ کی سامراجی حکمت عملی کا ہی حصہ ہے اور یہی امر غور و فکر کا متقاضی ہے۔ ہمیں ان ممالک کے حکمرانوں سے کوئی دلچسپی نہیں کہ ان کا عرصہ

عزم سیریز

نگران اعلیٰ
سید اصغر علی شاہ

عزم ۱۷۳

مارچ ' اپریل ۱۹۹۹ء

آئینہ

پہلی بات	سعید اعوان	۲
سامراجی سازشوں کا تانا بانا	سلطان محمد	۶
خواتین کا سماجی کردار	ناصر عبدالعزیز	۱۴
انسان کا مقصد تخلیق	حافظ نورالدین سومرو	۱۹
پاکستانی سماج اور نوجوان	عمران عباسی	۲۴
دین اسلام اور ہمارا معاشرہ	فرادخاں ولی الٰہی	۲۷
حضرت سعید احمد رائے پوری	میاں محمد ادریس	۳۰
دل کی بات	وسیم اعجاز	۳۲

قیمت فی عدد ۶ روپے سالانہ زر اعانت ساٹھ روپے

پتہ :- ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان۔

ایم ایف اور ورلڈ بینک کے تسلط کو جس طرح فروغ ملا اس کی مثال ہمیں سوائے اجتماعی خودکشی کے واقعات کے کہیں نہیں ملتی۔ اس تمام عرصے میں ہمارے نصف سے زیادہ قومی وسائل اسلحہ کے نام پر سامراجی ممالک کے رد کردہ دفاعی نظاموں کی خریداری پر لگ گئے۔ یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ قوم کے پیسوں سے ہندوستانی خطرے سے نمٹنے کے نام پر خریدا گیا اسلحہ ہندوستان کے خلاف استعمال کرنے کی اجازت نہیں تھی بلکہ اس کا اصل مقصد سوشلسٹ قوتوں کی "سرکوبی" کرنا تھا چنانچہ افغانستان کے سوشلسٹ انقلاب کے بعد تو جیسے پاکستان کی آلہ کار مذہبی حلقوں کو سیدے سادھے اور مخلص نوجوانوں کو "جنت" بھیجنے کے نام پر استحصال کا ایک سنہری موقع ہاتھ آگیا۔ (اگرچہ خود اس جنت کے حصول کی تمنا ان جماعتوں کے لیڈروں کے دل میں کم ہی پیدا ہوئی)

حوالہ نمبر 13

گذشتہ بیس سالوں سے پاکستانی ارباب سیاست و مذہب نے ہمسایہ ممالک (بشمول مسلم مالک) کے حوالہ سے جو کردار ادا کیا اس سے واقعی یہ ملک عالمی سامراج کے حق میں کمیونزم اور سوشلزم کے خلاف مزعومہ قلعہ ثابت ہوا ہے۔ اور اس کو آلہ کار سامراجی جماعتوں کے مفکرین کے حوالہ سے بددیانتی اور اسلام دشمنی پر مبنی تجزیہ کہہ کر مسترد کرنا مشکل ہوگا کیونکہ پاکستان کے کئی چوٹی کے لیڈروں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ جنرل ضیاء الحق صاحب کے "کوئلے کی دلالی میں منہ کالا کرنے" کا محاورہ بہت سے ارباب نظر کو یاد ہوگا۔ اس کے علاوہ جب معین قریشی صاحب پاکستان کے (پہلے غیر ملکی) وزیراعظم بنا کر بھیجے گئے تو انہوں نے قوم سے ٹیلی ویژن پر خطاب کرتے ہوئے یہ اہم خبر بہم پہنچائی کہ "ہم نے پندرہ سال تک دوسروں کی جنگ لڑی ہے اور اس کے بدلے میں ہمیں اسلحہ، افیون اور ہیروئن کے سوا کچھ نہیں ملا"۔ اسی طرح سے سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو نے امریکہ کے ایک ریاست میں تاجروں اور سرمایہ کاروں کی ایک مجلس سے خطاب کرتے وہئے نوید سنائی کہ "ہم نے پندرہ سال تک کمیونزم کے خلاف جنگ لڑی ہے اور ہماری اہمیت ابھی ختم نہیں ہوئی۔ ہم اب

بھی (امریکہ کے لئے) وسط ایشیاء کی ریاستوں تک پہنچنے کا واحد راستہ ہیں"۔

گویا اپنے پچاس سالہ آلہ کار کردار پر کسی قسم کی شرمندگی محسوس کرنے کی بجائے عالمی قوتوں کو یہ یقین دہانی کرائی جا رہی تھی کہ ہم آئندہ بھی اپنے برخوردارانہ رویے کو برقرار رکھتے ہوئے تمام تر نیازمندی کے ساتھ "سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے" کے مصداق خطے کی تمام اقوام (بشمول وسط ایشیائی) کے خلاف اپنا سازشی کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ امریکہ بہادر ہماری سرپرستی سے ہاتھ کھینچ کر ہمیں اپنے پدرانہ شفقت سے محروم نہ کرے۔

اس کے علاوہ اردن میں فلسطینی مجاہدین کے کیمپوں پر بمباری اور ۳۰ ہزار کے قریب "انتہا پسند" فلسطینیوں کی شہادت' (بحوالہ اخبار جہاں' اسلام آباد کی ڈائری۔ ۱۵ تا ۲۱ فروری ۱۹۹۹ء) عراق کے خلاف امریکی جنگ میں پاکستانی فوج کی شمولیت' جمال عبدالناصر مرحوم کے خلاف پاکستانی پریس اور مذہبی جماعتوں کی فتوے بازی' چین کے خلاف مذہب کی آڑ میں سامراجی سازشوں کا جال بچھانا اور جنگ افغانستان میں سی آئی اے کی سرپرستی قبول کرنا اور وسط ایشیائی ریاستوں میں مذہب کی تبلیغ کی آڑ میں سامراج کے حق میں وہاں کے نظاموں کے خلاف پروپیگنڈہ مواد فراہم کرنا پچھلے پچاس سال میں پاکستانی نظام شاہی کے نمایاں کارنامے ہیں جو اسلام کے نام پر بننے والے اس ملک کے عوام کو "اسلام کے زریں اصولوں سے روشناس کرانے" کے لئے یہاں کے مقتدر اداروں اور طبقات نے سرانجام دیئے۔ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتابیں۔ شکست روس اور خاموش مجاہد)۔ سرد جنگ کے بظاہر خاتمے کے بعد آج دنیا کے حالات کچھ بدلے ہوئے ہیں۔ اندریں حالات امریکہ یہ سمجھتا ہے کہ اس نے اپنے سب سے پرانے اور طاقتور حریف سوویٹ یونین کو بوجوہ شکست دے دی ہے لہٰذا اب ساری دنیا پر اس کی حکومت کا سکہ بلا شرکت غیرے چلنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے لیکن ساتھ ہی اس کے لئے ایک نئی پریشانی یہ کھڑی ہوئی ہے کہ پہلے جو اپنی اسلحہ ایک مرکز ماسکو کے کنٹرول میں تھا۔ سوویت یونین کی بدلی ہوئی صورتحال

سیاسی و مذہبی جماعتوں کے خلاف فکری یلغار

اہل مذہب کی اجتماعیت کا مذہبی مورچہ بندی کا کردار

فکریت کے سرخیل سعید اعوان لکھتے ہیں:

''یہ حقیقت ہے کہ اہل مذہب کی ایک بڑی اجتماعیت نے جذباتی ہو کر سرمایہ داری اشتراکی جنگ میں مذہبی مورچہ بندی کے ذریعے اپنا یک طرفہ کردار ادا کیا۔ اگرچہ یہ مذہبی حلقے اپنی گفتگو میں دونوں نظاموں کو کسی حد تک یکساں غیر مضر قرار دیتے رہے ہیں لیکن عملاً طرف داری بلکہ بسا اوقات نظریاتی طور پر بھی جھکاؤ سرمایہ داری نظام کے حق میں رہا جس سے مذہب کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ نقصان ہوا، گو بعض مذہبی عناصر نے اپنے ذاتی مفادات کی خوب آبیاری کی اور یوں انہوں نے بین الاقوامی سطح تک بھی شہرت پائی۔''

(فکری رسالہ عزم: ۳، سیریز ۴۷ ماہ جون ۱۹۹۹) ❶

جمعیت علماء ہند کی وراثت کے مدعین کی سامراجی آلہ کاری

ایک اور مقام پر وہ لکھتے ہیں:

''مذہب کی آڑ میں چین و روس سے تعلقات کی مخالفت اور

امریکہ و یورپ سے تعلقات کی حمایت کا کاروبار کرنے والے نہ تو دین دوست ہیں اور نہ قومی خیر خواہ۔ واضح رہے کہ سوشلسٹ دنیا سے مساوی بنیادوں پر تعلقات کی راہ کی نشاندہی جمعیۃ علماء ہند کے باشعور اور جید اکابرین کر چکے ہیں۔ جن مذہبی حلقوں کے راستے ماضی میں جمعیۃ علماء ہند سے علیحدہ ہو گئے تھے ان کی یورپ نوازی اور امریکہ دوستی لائق تعجب نہیں، لیکن جو عناصر جمعیۃ علماء ہند کی سیاسی حکمت عملی سے اپنے اتفاق بلکہ وارث ہونے کا عندیہ دیتے ہیں وہ جب اس پالیسی سے ہٹ کر دباؤ، ترغیب و لالچ یا بے شعوری کے سبب امریکہ اور اس کے عالمی حلقہ کی حکمت عملی کے پرچارک بن جائیں تو یقیناً یہ امر لائق احتساب ہے" (ایضاً: ۵) ❷

آج کا مذہبی طبقہ فاسد ذہنیت کا شکار ہے

فکر ولی اللّٰہی کی اعلیٰ کلاس رکنیت کے شیخ الہند سرکل کے شرکاء اور لیکچرارز اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ انقلابی جدوجہد کے بغیر سماجی مسائل حل نہیں کئے جا سکتے۔

"آج کا مذہبی طبقہ اسی فاسد ذہنیت کا شکار ہے کہ معاشرتی و سماجی مسائل پر غور و فکر کرنا اور ان کے حل کے لئے جدوجہد کرنا "دنیاداری" کے کام ہیں۔"

(فکری رسالہ عزم: ۳۰ سیریز نمبر ۱۸۶ ماہ مارچ ۲۰۰۱) ❸

ہمارے موجودہ مذہبی طبقے ناکارہ ہو چکے ہیں

اشتراکیت تک رسائی کے لئے سیکولرازم فکریوں کی پہلی سیڑھی ہے۔ چونکہ

سیوکولرازم کے لئے مذہب اور مذہبی طبقہ کے خلاف نفرت پیدا کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے اس لئے فکری اس خارراہ سے جان چھڑانے کے لئے مسلسل جدوجہد میں ہیں۔

بقول ایک انگریز دانشور کے مسلمانوں کو لادینیت کا رسیا بنانے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ان کے دلوں میں ان کے مذہبی طبقہ کے خلاف نفرت ڈالی جائے، فکری اس ''تدبیر مفید'' پر بڑے احسن طریقے سے عمل پیرا ہیں، یہی وجہ ہے کہ کبھی وہ دینی اقدار پر حملہ آور ہوتے ہیں، کبھی اسلامی خیالات و رجحانات اور اسلامی احکام کو فرسودہ اور ناقابل عمل کہتے ہیں، کبھی مدارس و مساجد کو سامراج کے اڈے قرار دیتے ہیں اور کبھی مذہبی طبقہ کو رجعت پسندی کے آلۂ کار جیسے القابات سے نوازتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

> ''اس ضمن میں مولانا نے کہا: ہمارے موجودہ مذہبی طبقے ناکارہ ہو چکے ہیں، وہ آسانی سے رجعت پسندی کے آلہ کار بن جاتے ہیں نیز اب تک مذہب کے نام سے ہمارے یہاں جو تحریکیں چلیں ان سے خود مسلمانوں کے اندر افتراق اور جھگڑے پیدا ہوئے۔'' (حالات تعلیمات:۵) (۴)

یعنی فکریوں کے ہاں مذہبی طبقہ بنیاد پرست، ان کے خیالات فرسودہ اور یہ رجعت پسندی کے آلہ کار ہیں۔ یہ ڈھنڈورا اس لئے پیٹا جاتا ہے تاکہ لوگوں کے دلوں میں مذہب کے خلاف نفرت پیدا ہو اور جب ان کی عملی اور نظریاتی زندگی مذہب کی قیود سے آزاد ہو جائے گی تو پھر اشتراکیت کے ''شکاری'' انہیں آسانی سے شکار بنا سکیں گے۔

عام مذہبی طبقات اور علمائے دیوبند کا المیہ

''بہر حال ہمارے مذہبی اور دینی طبقات کا یہی المیہ ہے اور

خاص کر مدرسہ دیوبند سے وابستہ لوگوں کا کہ کبھی ان کے بڑے کسی مراعت یافتہ سے چندہ نہ لیتے، اب ہمارا شیخ طریقت اور مبلغ دین سانس لیتا ہے تو یورپ و امریکہ جا کر اور یا پھر عرب امارات جا کر۔"

(فکری رسالہ عزم: ۱۹ سیریز ۱۵۶ ماہ مئی جون ۱۹۹۷) (۵)

عالمی طاغوت نے مذہب اور دینی طبقات کو اپنے استحصالی مقاصد کے تحت یرغمال بنایا

فکریوں کے ایک ترجمان لکھتے ہیں:

"عالمی سیاست میں جنگ عظیم دوم کے بعد جس نظام نے استحصالی اجارہ داری کا علم اٹھایا تھا وہ امریکی نظام کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے، اسی نظام نے دنیا میں قتل و غارت، دہشت گردی و تخریب کاری، غلامی و استحصال کے الاؤ جلائے رکھے، جس میں تیسری دنیا کے پسماندہ عوام کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا گیا، حتی کہ اس نے مذہب سے جلتی پر تیل کا کام لینے کا مکروہ دھندہ بھی روا رکھا، چنانچہ سوویت یونین کے خلاف مذہبی حکمت عملی کو بھرپور انداز میں استعمال کیا گیا اور مذہبی جماعتوں نے اس عمل میں شرکت اور تعاون کو اس لئے کار خیر سمجھ کر انجام دیا کہ ان کی اکثریت کو یہ جھانسہ دیا گیا تھا کہ امریکی نظام دھریت و لادینی کے خلاف مذہب کے تحفظ کی جنگ بھی لڑ رہا ہے اور انہیں اس حقیقت سے شعوری طور پر لاعلم

رکھا گیا.....

.....سوویت یونین کی تحلیل سے جب سرد جنگ کا مبینہ اختتام ہوا اور امریکی نظام نے مذہبی کندھوں اور لاشوں پر اپنی عالمی ہوس زر کی جنگ کا ایک اور دور مکمل کیا تو اس نے دنیا میں واحد عالمی طاقت ہونے کا نعرہ بلند کیا اور ساتھ ہی مذہبی جماعتوں کے اس تاثر کی اصلاح شروع کر دی کہ افغانستان کی جنگ انہوں نے جیتی ہے نیز وہ ملکی نظاموں میں اپنا مؤثر کردار ادا کر سکتی ہیں۔

امریکی نظام نے ایک طرف ان مذہبی حلقوں کو ان کا حدود اربعہ بتانے کی حکمت عملی اختیار کی تو دوسری طرف اپنی مخصوص مذہبی جماعتوں کو ایک اور دہریہ نظام کی جانب متوجہ کرنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں۔"

(فکری رسالہ عزم: سیریز ۱۶۵ ماہ اپریل ۱۹۹۸ء ص ۲) ۶۰

پاکستان میں دین کا کام کرنے والی سیاسی و مذہبی جماعتیں نوجوانوں کی قاتل ہیں

"پچاس سال سے نظام ظلم کی یہ آلۂ کار سیاسی و مذہبی جماعتیں شعور مار کر، بے وقوف بنا کر، نوجوانوں کو جذبات میں لا کر قتل کروا رہی ہیں، ان جماعتوں نے طالب علموں کے مابین ایک دوسرے کی نفرت پیدا کر دی، تمہارے ان جماعتوں کے لیڈر طالب علموں کو قتل کرواتے ہیں، خود گول میز کانفرنس کرتے

ہیں۔ آج درسگاہیں قتل گاہیں کیوں بن گئیں؟۔"

(عزم: ۱۸۵ص۹) ۷

علماء غلط ذہنیت کے مالک ہیں

"ہمارے زمانے کے اکثر علماء اس غلط ذہنیت کے مالک ہیں، وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا کام فقط فتوی اور حکم دینا ہے۔"

(قرآنی شعور انقلاب: ۴۶۷) ۸

دیوبندی رجعت پرست اور درس نظامی فرسودہ نصاب ہے

طرفہ تماشا دیکھئے! فکری ایک طرف تو اپنے آپ کو "مدرسہ دیوبند" سے منسلک تنظیم اور دیوبندی علماء کے پیروکار کہتے ہیں اور علماء اور عوام ہر دو کو یہی تاثر دیتے ہیں کہ وہ دیوبندی علماء کے خوشہ چین وزلہ ربا ہیں لیکن دوسری طرف انہیں قدامت پسند، رجعت پرست قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

"اب اس عظیم مفکر کی نام لیوا دو جماعتیں ہیں۔ ایک دیوبندی، جن کا ایک گروہ یقیناً سیاست میں ترقی پسند، آزاد خواہ اور سامراج کا شدید دشمن ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے دینی فکر میں جامد اور قدامت پسند اور سماجی امور میں انتہائی رجعت پرست ہے اور یہ ماننے کو تیار نہیں کہ نئی سیاست اور نیا فکر نئے سماج ہی میں نشو ونما پا سکتا ہے اور پرانے سماج کو بدلے بغیر کبھی کوئی ترقی پسند سیاسی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی۔ دیوبندی

جماعت کا دوسرا گروہ سیاست میں بھی رجعت پرست ہے اور سماجی امور میں بھی اس کا تمام زور خانقاہی طرز کی روحانیت پر ہے۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ شاہ ولی اللہ کے ماننے والے یہ حضرات ان کی کتابیں بھی پڑھنا ضروری نہیں سمجھتے، ان کی ساری متاع علمی فرسودہ قسم کے رائج الوقت درس نظامی پر منحصر ہے۔" (افادات وملفوظات:۱۶۹،۱۷۰) ۹

مدرسہ دیوبند رجعت و جمود کا مرکز

ایک اور مقام پر مدرسہ دیوبند کے بارے میں یوں اظہار خیال فرماتے ہیں:

"مولانا کے خیال میں بعد میں آنے والے حکمت اور فقہ کا یہ لزوم بھول گئے اور اسی وجہ سے مدرسہ دیوبند اب جمود اور رجعیت کا مرکز بن گیا ہے۔" (حالات،تعلیمات:۲۷۴) ۱۰

تاریخ کا گندہ پانی

فکریوں کی کتاب "افادات، ملفوظات" میں ہے:

"مجھے کسی گروہ یا طبقہ کے احیاء سے مطلق کوئی دلچسپی نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہمارے اوپر کے طبقے بالکل ناکارہ ہو چکے ہیں، ان میں اب جان نہیں رہی، ان کے نعرے، شور وغوغا اور طمطراق سارے کے سارے بناوٹی ہیں، یہ لوگ اندر سے بالکل کھوکھلے ہیں، ان کے جسموں میں زندگی کا خون ہے نہ ان کے تمدن میں کوئی صلاحیت اور توانائی باقی ہے اور نہ ان کے

مذہب، فکر و فلسفہ میں جان ہے۔ یہ سب تباہ ہونے اور تباہ کئے جانے کے قابل ہیں۔ ان کا تمدن، ان کی تہذیب اور ان کا فکری نظام فرسودگی کے ہاتھوں دم توڑنے کو ہے۔ ان دنوں انہوں نے جو زور باندھ رکھا ہے، یہ زور محض باتوں کا ہے، یہ تو تاریخ کا گندہ پانی ہے جو اچھل اچھل کر آسمان پر پہنچنا چاہتا ہے۔ یہ گندہ پانی لاکھ اچھلے آخر اس کی بساط ہی کیا ہے۔ سرسید احمد خان اور اس کے بعد جو بھی آئے سب نے ان طبقوں کی گرتی ہوئی عمارت کو تھامنے کی کوشش کی، کسی نے انگریز کا دامن پکڑا، کوئی مذہب کا امام ضامن بنا رہا ہے، کوئی کلچر کے نام سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہے، لیکن یاد رکھئے! یہ ساری کوششیں بے کار ثابت ہوں گی اور یہ گھروندہ گر کر رہے گا، یہ طبقے زندہ رہنے کی اپنی صلاحیت کھو چکے ہیں۔"

(افادات وملفوظات: ۲۲۱، ۲۲۲) ۱۱

پاکستان کے دینی مدارس کے لوگ جاہل اور اسلام کے غلط نمائندے ہیں

"ہمارے دینی مدارس میں پرانا نصاب پڑھا رہے ہیں، ہمارے اکثر فارغ التحصیل علماء اسلامی معیشت سے بالکل کورے ہیں، صرف اسلام کی شرعی سزاؤں کو غلط رنگ میں پیش کر کے عوام الناس کو دین سے دور کیا جا رہا ہے۔"

(عزم: ۷ سیریز ۱۵۴ جنوری، فروری ۱۹۹۷) ۱۲

آج کی مساجد ''مسجد ضرار'' کی شاخیں اور غلام و یتیم ہیں

''آج کوئی مسجد ہے جو سچا معاشرہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہے؟ کوئی مسجد ہے جو دیانتداری پیدا کرنے اور کفر و ظلم کا معاشرہ ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟ کوئی مسجد ہے جو حقوق انسانی کی محافظ ہو؟ عمارت، سنگ مرمر کے فرش اور بڑے میناروں کا نام مسجد نہیں ہے۔ آج کی مسجد غلام اور یتیم ہے جو جہنم کی آگ نہیں بجھا سکتی، یہ مسجد کیا ہے؟ اس مسجد کو تو برے اخلاق نے مغلوب کر لیا۔ (آگے صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں) مسجدیں گونگی ہو گئیں ہیں، شعور سے خالی ہیں، ان پڑھ لوگ دو رکعت کے امام بنے بیٹھے ہیں۔ (پھر صفحہ ۱۵ پر لکھتے ہیں)

میرے بھائی! اس طرح جھوٹے پیروں اور مولویوں کے دھوکوں کی وجہ سے تو تباہی آئی، کیونکہ ہماری مساجد کے اندر نظریہ نام کی کوئی شے نہیں، اس لئے طاقت نہیں۔ فروعی مسائل میں الجھ رہے ہیں، فرقے فرقے بن گئے اور سمجھتے ہیں کہ دین کا کام کر رہے ہیں۔ کفر نے سارے ملک کو غلام بنا کر رکھا ہوا ہے، ظلم کا نظام مسلط ہے، اخلاق خراب ہو رہے ہیں، معاشرہ تباہ ہو رہا ہے، قتل و غارت کی فضاء قائم ہے، ڈاکے اور رشوت عام ہیں اور تم مسائل میں الجھے ہوئے ہو اور ہر جگہ ''مسجد ضرار'' کی شاخ بنا رکھی ہے۔''

(فکری رسالہ عزم: سیریز ۱۶۶، جون ۱۹۹۸ ص ۱۲، ۱۳، ۱۵) ۱۳

تنظیم فکر ولی اللّٰہی کے سرپرست اعلی جناب شاہ سعید احمد رائے پوری صاحب نے یہ خطاب ۲۸ مارچ ۱۹۹۷ کو ریلوے مسجد ہارون آباد میں دیا تھا۔ جناب شہاب الدین بنگش نے قلم بند کیا تھا اور مفتی عبدالقدیر نے ترتیب دی تھی۔

تبلیغی جماعت مولانا الیاس کے موقف سے منحرف ہو چکی ہے

تنظیم فکر ولی اللّٰہی کے سرپرست اعلیٰ رائے پوری صاحب نے ۱۵ جون ۱۹۹۸ میں کشمیر کے دورے پر مدرسہ تعلیم القرآن میں تبلیغی جماعت کے اکابر کو مولانا الیاس صاحب کے موقف سے منحرف قرار دیا۔ ملاحظہ فرمایئے:

''حضرت [الیاس] دہلوی کا نظری بڑا بلند تھا، وہ مجاہد آدمی تھے، وہ اس کام [تبلیغی کام] کو ابتدائی اور تمہیدی کام سمجھتے تھے .....ان کے ملفوظات پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آج کے اکثر لوگ [تبلیغی جماعت] مولانا الیاس کے نقش قدم سے ہٹ چکے ہیں حضرت شیخ الحدیث صاحب [مذکورہ مدرسہ کے شیخ] نے حضرت کی تمام گفتگو کی حرف بحرف تائید فرمائی اور فرمایا کہ [تبلیغی جماعت] اب ایک مستقل فرقہ بننے کا خطرہ ہے، اب تو اہل علم کی دینی کاوشوں کو کوئی اہمیت نہیں دی جا رہی ہے۔ الغرض شیخین [مولانا الیاس اور مولانا زکریا صاحب] کا نقطہ نظر بالکل ایک تھا۔''

(فکری رسالہ عزم: سیریز ۱۶۹ ص ۲۳ ماہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۹۸) (۱۴)

مولوی اور مسجد و منبر کا غلط استعمال

''نام نہاد مولوی چندے اور دیگر مفادات و مقاصد کے لئے مسجد اور منبر جیسی مقدس جگہوں کا غلط استعمال کر رہے ہیں۔''

(عزم:۱۹۴ص۸) ⑮

ہوا تھا چنانچہ اس نے تمام ریاستی امور سے مذہبی تعلیمات کو کھرچ کر کے رکھ دیا یوں مذہب معاشرتی لغت سے خارج کر دیا گیا۔ لیکن دوسری طرف اس نے اسی مسترد کردہ مذہب کو اپنے عالمی مفادات کے تحفظ کے لئے اشتراکی نظام کے بالمقابل صف آراء کرنے کی حوصلہ افزائی بھی کی جس کے رد عمل میں اس نظام نے بھی مذہب کے بارے میں انتہا پسندانہ پالیسی اپنائی یوں ایک ناخوشگوار اور ناقابل تائید صورتحال نے جنم لیا۔

یہ حقیقت ہے کہ اہل مذہب کی ایک بڑی اجتماعیت نے جذباتی ہو کر سرمایہ داری اشتراکی جنگ میں مذہبی مورچہ بندی کے ذریعہ اپنا یک طرفہ کردار ادا کیا۔ اگرچہ یہ مذہبی حلقے اپنی گفتگو میں دونوں نظاموں کو کسی حد تک یکساں غیر مفید قرار دیتے رہے ہیں لیکن عملاً طرفداری بلکہ بسا اوقات نظریاتی طور پر بھی جھکاؤ سرمایہ داری نظام کے حق میں رہا جس سے مذہب کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا بلکہ نقصان ہوا گو بعض مذہبی عناصر نے اپنے ذاتی مفادات کی خوب آبیاری کی اور یوں انہوں نے بین الاقوامی سطح تک بھی شہرت پائی

حالانکہ سوچنے کی بات یہ تھی کہ سرمایہ داری نظام نے مذہبی کلچر کا بوریا بستر اگول کیا جبکہ اشتراکی نظام نے تو بنیادی طور پر سرمایہ داری کلچر سے ٹکر لی تھی جبکہ اس کے جواب میں سرمایہ داری نظام نے تیسری دنیا بالخصوص مسلم دنیا میں اشتراکیت کے مقابلہ میں مذہبی حمیت کو استعمال کرنے کی حکمت عملی بنائی جس سے اس کو خاطر خواہ نتائج حاصل ہو گئے۔ مگر اب جبکہ سوویت امریکہ کشمکش کا ایک دور بیت گیا ہے اب ہمیں اس دوران کیا کھویا کیا پایا کے سوال پہ ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے۔ اور اس کا جواب تلاش کر کے موجودہ عہد کی حکمت عملی کی بابت سوچنا چاہئے۔

پاکستان کے ساتھ چین کے تعلقات کے حوالہ سے مذہبی جماعتوں سمیت تمام ملکی حلقے اس پر متفق رہے ہیں کہ اس کی دوستی کوہ ہمالیہ سے بلند اور بحیرہ ہند سے زیادہ گہری رہی ہے چنانچہ ملکی دفاعی صنعت کے قیام میں اس کا کردار کلیدی رہا ہے حتی کہ اس کی طرف سے اقتصادی حوالہ سے بھی ٹھوس تعاون کی پیش کش بھی کئی موقع پر سامنے آئی ہے لیکن یہ تعاون اسی وقت بامقصد عملی صورت اختیار کر سکتا ہے جب پاکستانی نظام اپنے

حوالہ نمبر 2

ساتویں ایٹمی طاقت کہلانے کے باوجود معاشی دیوالیہ پن کے سبب ملکی نظام کی تانیں سب چارگی کی حد تک لرزتی رہتی ہیں۔ دفاعی میدانوں میں تو امریکہ کی دوستی نشیہ دشمن کے مقابلہ پر ہاتھ باندھ دینے والی ہی رہی۔

مذہب کی آڑ میں چین و روس سے تعلقات کی مخالفت اور امریکہ و یورپ سے تعلقات کی حمایت کا کاروبار کرنے والے نہ تو دین دوست ہیں اور نہ قومی خیر خواہ۔ واضح رہے کہ سوشلسٹ دنیا سے مساوی بنیادوں پر تعلقات کی راہ کی نشاندہی جمعیۃ علماء ہند کے باشعور اور جید اکابرین کر چکے ہیں۔ جن مذہبی حلقوں کے راستے ماضی میں جمعیۃ علماء ہند سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ ان کی یورپ نوازی اور امریکہ دوستی لائق تعجب نہیں۔ لیکن جو عناصر جمعیۃ علماء ہند کی سیاسی حکمت عملی سے اپنے اتفاق بلکہ وارث ہونے کا عندیہ دیتے ہیں۔ وہ جب اس پالیسی سے ہٹ کر دباؤ، ترغیب و لالچ یا بے شعوری کے سبب امریکہ اور اس کے عالمی حلقہ کی حکمت عملی کے پرچارک بن جائیں تو یقیناً یہ امر لائق احتساب ہے۔

ولی اللہی حلقہ فکر اس امر کا برملا اور واضح اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ نوجوانوں تک تمام شعبہ ہائے زندگی میں دینی شعور منتقل کرنے کے لئے جمعیۃ علماء ہند اور اس کے اہل حق اکابرین کا اختیار کردہ راستہ ہی آج کے عہد کی ضرورت ہے اور ان کی پالیسی سے آگہی پر مبنی شعوری صلاحیت سے ہی مرعوبیت اور مفاد پرستی سے آلودہ فکر و عمل سے بچا جا سکتا ہے۔ (سعید اعوان)

مارچ 2001ء
شمارہ نمبر 186

عزم

نگران اعلیٰ
سید اصغر علی شاہ

مجلس ادارت
سعید اعوان
سید سیف الاسلام خالد
مولانا عبداللہ عابد سندھی
سلطان محمد

آئینہ

پہلی بات ---------- مدیر ---------- 2
حضرت مولانا منظور احسنؒ ---------- ادارہ ---------- 5
حضرت رائے پوری مدظلہ کا خطاب ---- سیدہ میمونہ ---- 6
یہ وسط ایشیاء ہے ---------- س۔خ ---------- 11
ٹریکل ڈاؤن ---------- منیر احمد ---------- 13
حضرت رائے پوری کا دورہ سندھ ---- عابد سندھی ---- 16
زونل سیمینار ایک رپورٹ ---------- شوکت احراری -- 23

فی شمارہ 7 روپے سالانہ زراعانت (70) روپے

جملہ امور کے لیے پتہ

40 گلگشت متصل تعلیمی بورڈ ملتان

30

حوالہ نمبر 3

اجتماعی تحریک کی دو قسمیں ارتقائی اور انقلابی ہیں۔ اسلام کے نظریہ جنگ کو صرف دفاعی قسم میں محدود کر دینا اس کے بنیادی فکر کے خلاف ہے۔ کیونکہ ضرورت پڑنے پر اقدام بھی کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ آج کل یورپی اور امریکی اقوام (Exploitation) انتفائی جنگ کے ذریعے دنیا کے وسائل کو ہڑپ کر رہی ہیں۔ حجازی انقلاب قومی بنیادوں پر مستحکم ہونے کے بعد بین الاقوامیت کی طرف بڑھا۔ آج کے دور میں بھی قومی بنیادوں پر مستحکم ہوئے بغیر بین الاقوامیت کی طرف بڑھنے کا نتیجہ سامراج کی غلامی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

مذہبی اعمال اور انقلابی جنگ:

انقلابی جدوجہد کے بغیر سماجی مسائل حل نہیں کئے جا سکتے۔ آج کا مذہبی طبقہ اسی ناسد ذہنیت کا شکار ہے کہ معاشرتی و سماجی مسائل پر غور و فکر کرنا اور ان کے حل کیلئے جدوجہد کرنا دنیا داری کے کام ہیں۔ حالانکہ سیرت نبویؐ اور سیرت صحابہ اس تصور کی نفی کرتی ہے۔ دور حاضر میں ولی اللہی جماعت اسی جامع دینی فلسفے کو غالب کرنے کا پروگرام رکھتی ہے جو کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے زمانے میں انسانیت کو دیا۔

نوجوان دینی نظام کے غلبہ کیلئے اپنی تمام صلاحیتیں صرف کریں:

دوروزہ سیمینار کی اختتامی نشست کی صدارت جناب انجینئر خالد ریاض بخاری (ناظم عمومی پنجاب) نے کی جبکہ مہمان خصوصی جناب مفتی عبدالقدیر صاحب تھے۔ تلاوت جناب قاری محمد انور قاسم صاحب نے کی۔ مفتی عبدالقدیر صاحب نے ''ولی اللہی فکر اور عصر حاضر'' کے موضوع پر ایک بصیرت افروز خطاب کیا۔ آپ نے فرمایا کہ حضور اقدسؐ نے انسانیت کی ترقی کا جو پروگرام اپنی جماعت صحابہ کے ذریعے دنیائے انسانیت کو دیا وہ کم و بیش ایک ہزار سال تک دنیا کے ایک بڑے حصے پر غالب رہا۔ اورنگزیب عالمگیر کے بعد یہ نظام ٹوٹ جانے کے باعث یورپی اقوام غالب آ گئیں۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ نے اپنی بصیرت اور مجددانہ صلاحیتوں کے ذریعے

حوالہ نمبر 4

۵

وہ مذہبی فرقہ واریت کا نام دیتے تھے چلانے کے خطرات سے ان الفاظ میں آگاہ کیا۔ فرماتے ہیں: "ہم اس وقت جس مذہبیت کا شکار ہو رہے ہیں۔ یہ مذہبیت روگی ہو چکی ہے۔ یہ سُنّی کو شیعہ سے لڑاتی ہے۔ اہل حدیث کا دل حنفی سے میلا کرتی ہے۔ احمدی اور غیر احمدی میں نفرت ڈالتی ہے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کا جانی دشمن بناتی ہے۔ اس مذہبیت کے طفیل انسان، انسان کے خون کا پیاسا ہو گیا ہے۔ میں اس روگی مذہبیت کو مٹانا چاہتا ہوں۔"

اس ضمن میں مولانا نے کہا: "ہمارے موجودہ مذہبی طبقے ناکارہ ہو چکے ہیں۔ وہ آسانی سے رجعت پسندی کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ نیز اب تک مذہب کے نام سے ہمارے یہاں جو تحریکیں چلیں، ان سے خود مسلمانوں کے اندر افتراق اور جھگڑے پیدا ہوئے۔"

مولانا کے سامنے سرزمینِ ہندوستان میں مسلمان کا تصور یہ تھا۔ اسی کتاب میں ہے: "میرا مقصد یہ ہے کہ ہم شاہ ولی اللہ کے بنائے ہوئے اصولوں پر مسلمان بنیں۔ اس سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی آپس کی فرقہ پرستی مٹ جائیگی بلکہ ایک مسلمان کے دل میں اتنی وسعت پیدا ہو سکے گی کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ سیاسی اور معاشی معاملات میں پورا پورا تعاون کرے۔ دونوں میں وحدت الوجود کا مشترک دینی فکر اساسِ موالات بن سکے گا۔ پھر اس ہندوستانی مسلمان کو میں آج کی دنیا کے بین الاقوامی ترقی پسند انسانی تصور کا حامل دیکھنا چاہتا ہوں، اسی لیے میں اسے یورپ کے علوم، سائنس اور طریقہ ہائے تنظیم کو اپنانے کی دعوت دیتا ہوں۔"

۱۹۴۲ء میں کانگریس نے انگریزی حکومت کے خلاف "ہندوستان چھوڑو"

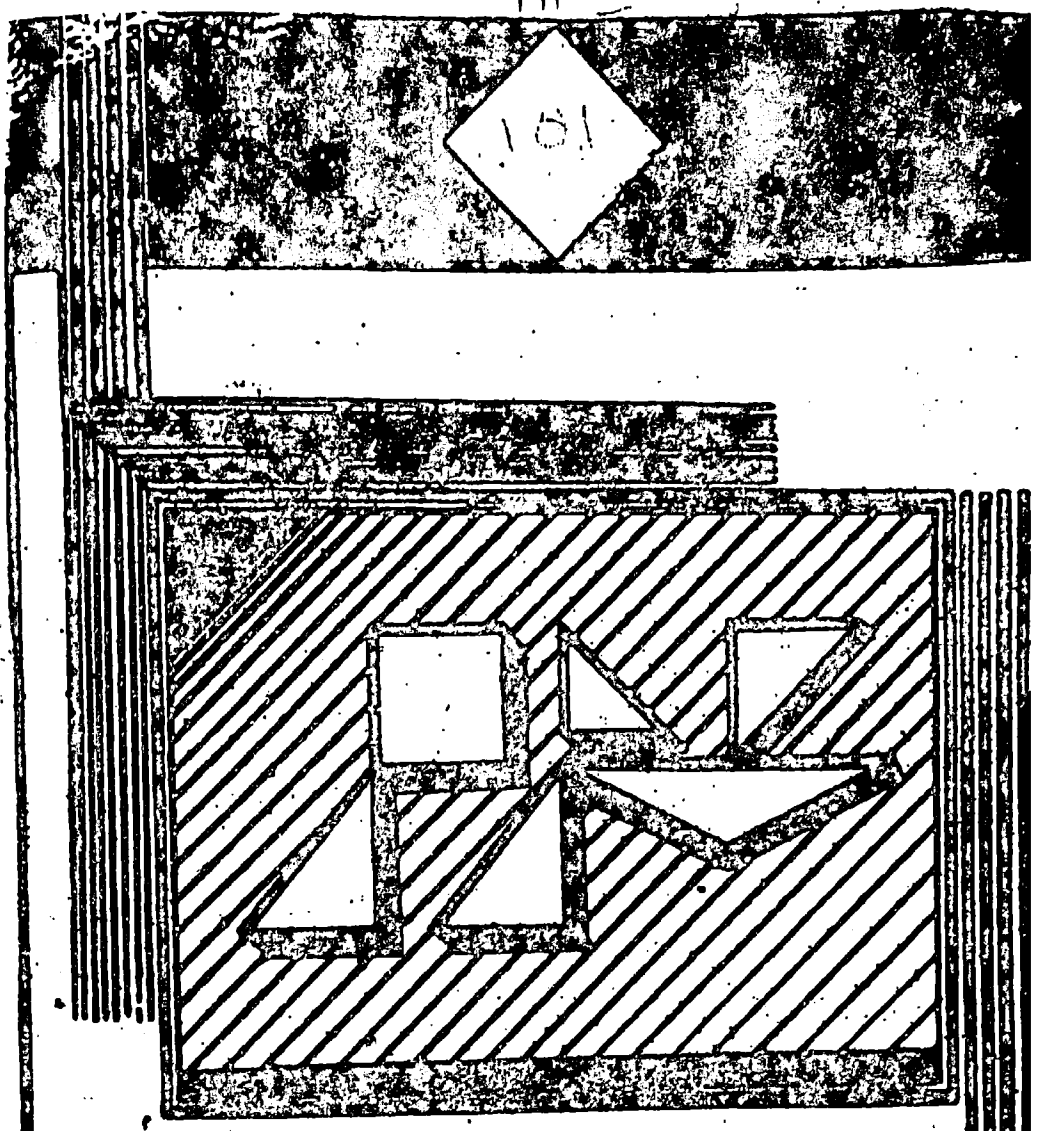

ادارۂ عزم ملتان

عزم سیریز ۱۵۶ — عزم سیریز — ماہ مئی و جون، ۱۹۹۹ء

نگران اعلیٰ
سیّد اصغر علی شاہ

مجلس ادارت
سعید اعوان، محمد سعید اختر
عبدالخالق آزاد، چوہدری عبدالرؤف

آئینہ

پہلی بات	سعید اعوان	۲
افکار حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری	مولانا حبیب الرحمٰن رائے پوری	۴
بیاد مجلس شیخ	مولانا سعید الرحمٰن علوی مرحوم	۱۱
تبدیلی نظام کا نظریہ	انجینئر خالد سلیم شہید	۲۱
تمدن کی ترقی و زوال	محمد جاوید غزالی	۲۷
صدر جمال عبدالناصر	ذوالفقار علی (مرسل)	۳۰
اے رہبر ملک و قوم بتا	ساحر لدھیانوی	۳۲

قیمت فی عدد ۶ روپے — سالانہ زر اعانت ساٹھ روپے

پتہ:- ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان

حوالہ نمبر 5

19

خاندان اور والد بزرگوار کے لئے جن محبت بھرے جذبات کا اظہار کیا اور حاضرین کو تعارف کرایا وہ ان کی عنایت و ذرہ نوازی ہے۔

چند ہی لمحات کے بعد حسب روایت دسترخوان بچھ گیا پر تکلف ناشتہ وہ اپنے ہاتھ سے بہت سی چیزیں نکال نکال کر اصرار سے کھلاتے رہے باتیں چلتی رہیں۔

"فکر ولی اللہی" کے حوالے سے اپنی تنظیم کے ضمن میں بتلایا کہ میں ایک بہت ہی پختہ کار اور اچھے بزرگ عالم سے ملنے گیا انہوں نے پوچھا کہ اس تنظیم کے اخراجات کا بار آپ کس طرح اٹھاتے ہیں؟ میں نے بتلایا کہ بس غریبانہ انداز سے گاڑی چلتی ہے تو انہوں نے کہا کہ آپ سعودیہ وغیرہ کا دورہ کیوں نہیں کرتے؟ اور وہاں کے حکمرانوں اور اہل ثروت سے رابطہ کیوں نہیں کرتے؟ اس پر افسوس ہونا لابدی امر تھا کہ انہی مراعات یافتہ طبقات کے ظالمانہ تسلط کے خلاف ہی تو کام کرنا ہے ان سے مراعات لے کر ان کے خلاف کام کیسے ہو گا؟ بہرحال ہمارے مذہبی اور دینی طبقات کا یہی المیہ ہے اور خاص طور پر مدرسہ دیوبند سے وابستہ لوگوں کا کہ کبھی ان کے بڑے کسی مراعات یافتہ سے چندہ نہ لیتے اب ہمارا ہر شیخ طریقت اور مبلغ دین سانس لیتا ہے تو یورپ و امریکہ جا کر اور یا پھر عرب امارات اور سعودیہ جا کر گفتگو کے دوران

ایک بات یہ بھی سامنے آئی کہ حضرت شاہ عبدالقادر کی مجلس میں حسب روایت کتاب پڑھی جا رہی تھی یہ خانقاہ کا معمول تھا اچھی کتابیں عصر کے بعد پڑھی جائیں.... علاقہ چکوال کے عالم مولانا کرم دین مرحوم کی کتاب "آفتاب ہدایت" پڑھی جا رہی تھی بد قسمتی سے اچھے اچھے سنی حضرات بزرگان بنی امیہ کے حوالہ سے تلخ کام ہو جاتے ہیں حالانکہ دین اسلام اور علم و ہدایت کے حوالہ سے بنو امیہ کی بے پناہ خدمات ہیں پھر گفتگو میں یہ بھی ذکر آیا کہ قیصر روم کے میدانی مقبوضات کا قصہ

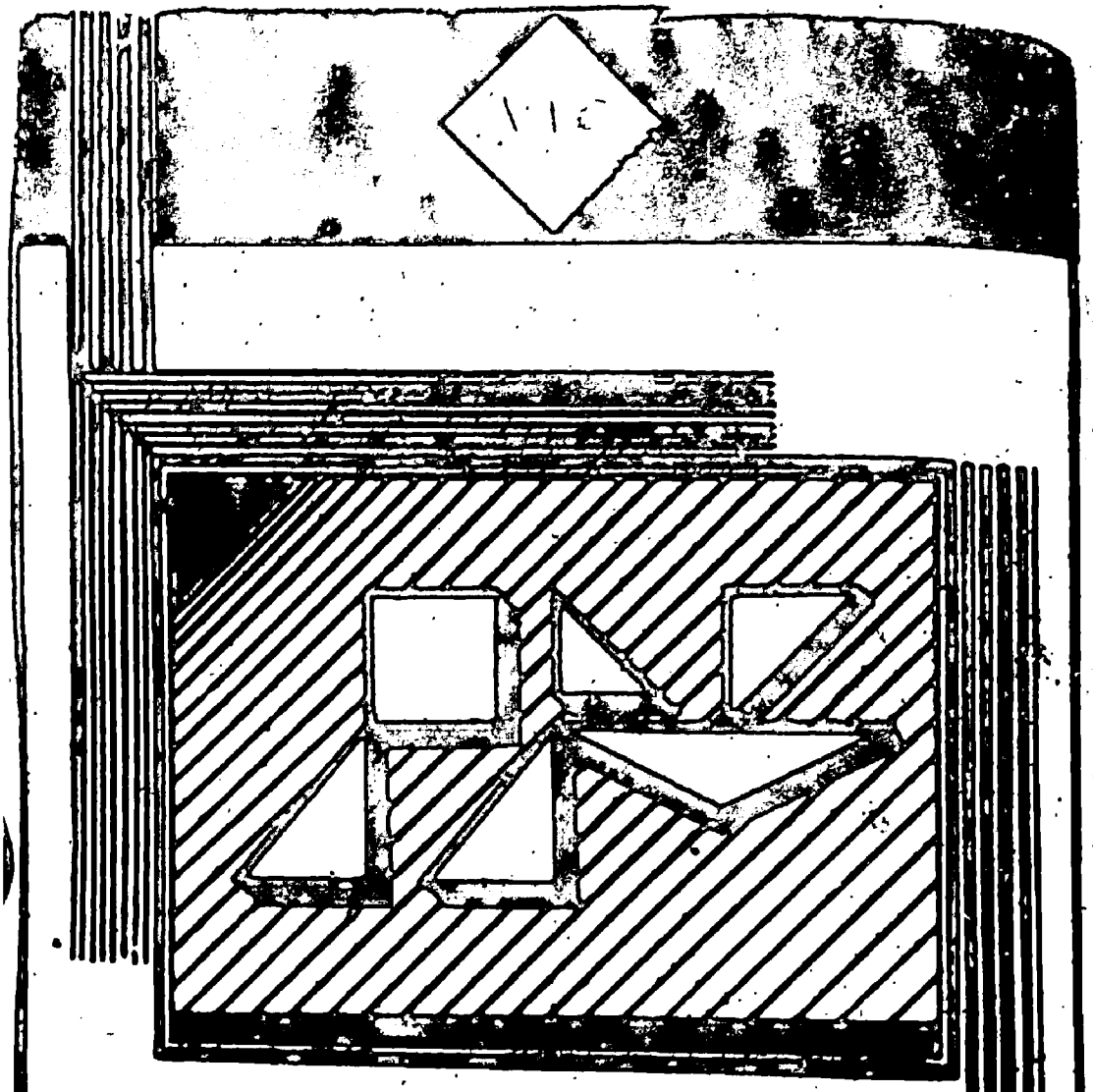

ادارۂ عزم ملتان

عزم سیریز

نگران اعلیٰ
سید اصغر علی شاہ

عزم سیریز نمبر ۱۶۵

ماہ اپریل ۱۹۹۸ء

آئینہ

پہلی بات	سعید اعوان	۲
سرمایہ پرستی	حضرت مولانا محمد میاںؒ	۵
ملٹی نیشنل کمپنیاں اور...	زرح	۱۳
حضرت عالی رائے پوریؒ (۲)	مفتی عبدالخالق آزاد	۱۵
آزادی کے پچاس سال (۳)	مولانا محمد شفیع اللہ سواتی	۲۲
حضرت مولانا عبدالمجید سندھیؒ	حافظ نورالدین سومرو	۲۶
غزل	غلام محمد وامق	۳۱

قیمت فی عدد ۶ روپے سالانہ زر اعانت ساٹھ روپے

پتہ :- ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان۔

جنوبی ایشیاء کی سلامتی

حوالہ نمبر 6

عالمی سیاست میں جنگ عظیم دوم کے بعد جس نظام نے استحصالی اجارہ داری کا علم اٹھایا تھا وہ امریکی نظام کے نام سے جانا پہنچانا جاتا ہے' اسی نظام نے دنیا میں قتل و غارت' دہشت گردی و تخریب کاری' غلامی و استحصال کے الاؤ جلائے رکھے جس میں تیسری دنیا کے پسماندہ عوام کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا گیا' حتی کہ اس نے مذہب سے جلتی پر تیل کا کام لینے کا مکروہ دھندا بھی روا رکھا۔ چنانچہ سوویت یونین کے خلاف مذہبی حکمت عملی کو بھرپور انداز میں استعمال کیا گیا اور مذہبی جماعتوں نے اس عمل میں شرکت اور تعاون کو اس لئے کار خیر سمجھ کر انجام دیا کہ ان کی اکثریت کو یہ جھانسہ دیا گیا تھا کہ امریکی نظام دہریت ولادینی کے خلاف مذہب کے تحفظ کی جنگ بھی لڑ رہا ہے اور انہیں اس حقیقت سے شعوری طور پر لاعلم رکھا گیا کہ امریکی نظام کی اپنی بنیادیں ہی لامذہبیت پر استوار ہیں اور اس کے قوانین و ضوابط کے تحت مذہب چند ایک عبادت گاہوں میں منہ چھپائے بیٹھا ہے یا چند مذہبی شخصیات کے ملمع چہروں اور خوشنما لباسوں کی زینت بنا ہوا ہے۔ سوویت یونین کی تحلیل سے جب سرد جنگ کا مہینہ اختتام ہوا اور امریکی نظام نے مذہبی کندھوں اور لاشوں پر اپنی عالمی ہوس زر کی جنگ کا ایک اور دور مکمل کیا تو اس نے دنیا میں واحد عالمی طاقت ہونے کا نعرہ بلند کیا اور ساتھ ہی مذہبی جماعتوں کے اس تاثر کی اصلاح شروع کر دی کہ 'افغانستان کی جنگ انہوں نے جیتی ہے۔ نیز وہ ملکی نظاموں میں اپنا موثر کردار ادا کر سکتی ہیں'

امریکی نظام نے ایک طرف تو ان مذہبی حلقوں کو ان کا حدود اربعہ بتانے کی حکمت عملی اختیار کی تو دوسری طرف اپنی مخصوص مذہبی جماعتوں کو ایک اور "دہریہ نظام" کی جانب متوجہ کرنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں اور اسی کے ساتھ ملک کے مقتدر حلقوں کو یہ باور کرایا ہے کہ وہ امریکہ دشمن قوتوں کا مقابلہ کرنے کی پچاس سالہ حکمت عملی کا ابھی تک حصہ ہیں چنانچہ ماہ مارچ میں آرمی

نگران اعلیٰ

سید اصغر علی شاہ

مجلس ادارت

سعید اعوان

سید سیف الاسلام خالد

مولانا عبداللہ عابد سندھی

سلطان محمد

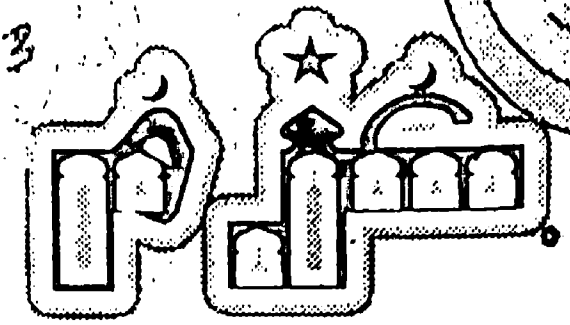

سیریز نمبر 185

ماہ فروری 2001ء

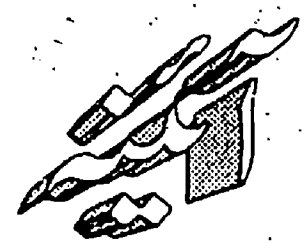

پہلی بات	مدیر	2
حضرت رائے پوری مدظلہ کا خطاب	محمود احمد	7
مذہب اور سائنس	شفیع اویسی	12
جدید چین کی زرعی ترقی	چوہدری عبدالرؤف	15
حضرت رائے پوری کا دورہ کشمیر	سجاد الرحمن	20
ایک تصویر اور ــــــ	ڈ۔م۔ا۔ن	23
مسلمانوں کا نظام عدل	ماخوذ	25
آپ نے پوچھا	ادارہ	28

فی شمارہ 7 روپے سالانہ زراعانت ستر (70) روپے

ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان

حوالہ نمبر 7

9

جو کالج جاتا ہے وہ مسجد سے دور ہے اور مسجد والا کالج سے، تاریخ میں کبھی دو نظام تعلیم نہیں تھے۔ ایک ہی مدرسے میں ہندو بھی پڑھ رہا تھا اور سکھ بھی، مسلمان بھی پڑھ رہا تھا اور عیسائی بھی، آج دین کی تعلیم اور ہے دنیا کی اور، مسجدیں بے جان ہو گئیں۔ گریجویٹ مسجد سے کٹ رہا ہے کہ مسجد اس کے حقوق کی بات نہیں کرتی، امام کو چوکیدار اور کی بنا دیا گیا حالانکہ امام تو خلیفہ کا نائب ہوا کرتا تھا اور سب شعبوں کی پالیسیوں پر نظر رکھتا تھا۔ سچ کہاں سے نکلے، غلطی کا اعتراف اور احساس ندامت ہی غلامی کے عذاب سے نکال سکتا ہے، اس لئے جب تک ذہنوں کو صاف کر کے حقیقت تک نہیں جاؤ گے، ذلت اور غلامی کا عذاب رہے گا۔

پچاس سال سے نظام ظلم کی یہ آلہ کار سیاسی و مذہبی جماعتیں شعور مار کر بے وقوف بنا کر نوجوانوں کو جذبات میں لا کر قتل کروا رہی ہیں۔ ان جماعتوں نے طالب علموں کے مابین ایک دوسرے کی نفرت پیدا کر دی، تمہارے ان جماعتوں کے لیڈر طالب علموں کو قتل کرواتے ہیں خود گول میز کانفرنس کرتے ہیں۔ آج درسگاہیں قتل گاہیں کیوں بن گئیں ہیں؟ پچاس سال کے اندر ہم امریکہ، آئی۔ ایم۔ ایف۔ اور ورلڈ بینک کے غلام بن گئے، حکم دیا جاتا ہے کہ ٹیکس لگاؤ ورنہ کان پکڑ کر اقتدار سے الگ کر دیا جاتا ہے۔

ایمان کی بنیادی روح اور اس کے تقاضے:

میرے نوجوان ساتھیو! آج ایمان کا حقیقی تصور بھی ہمارے ذہن سے نکل چکا ہے۔ ایمان چند الفاظ کے رٹنے اور چند رسوم کی ادائیگی کا نام نہیں۔ بلکہ ایمان عمل پر ابھارتا ہے مثلاً اگر آزادی پر ہمارا پختہ نظریہ اور یقین ہے کہ ہم نے نظام ظلم توڑنا ہے غلام نہیں رہنا اور پھر اس نظریے پر اخلاص کے ساتھ محنت کی جائے تو کامیابی ہو گی جبکہ ہمارا یہ حال ہے کہ دعویٰ اللہ پر ایمان کا اور خدا امریکہ کو مانتے ہیں کہیں گے کہ اسلام میں سچ ہے لیکن جھوٹ بولیں گے جب قوم منافق ہو گی تو

467

حکومت دی گئی تو وہاں بھی کسی قانون کی پابندی نہیں کریں گے۔ (حوالہ نمبر 8)

یہ منافقوں اور کمزور دل لوگوں کی ذہنیت کا تجزیہ (Analysis) ہے۔ اسے تاریخ اسلام کے کسی خاص عہد سے کوئی تعلق نہیں۔

آیت نمبر ۲۳ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ

ترجمہ۔ ایسے ہی لوگ ہیں جنہیں اللہ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا پھر انہیں بہرا کر دیا اور ان کی آنکھیں موند دیں۔

منافقین کی غلط ذہنیت

مسلمانوں کی جماعت میں جو ایک عظیم الشان بین الاقوامی انقلاب کی داعی ہے۔ شامل ہونا اور اللہ کے کمزور بندوں کی خدمت کر کے خدا تعالیٰ کے ہاں سرخروئی حاصل کرنا بہت بڑی رحمت ہے لیکن جو منافقین جنگ سے جی چراتے ہیں۔ وہ اس نعمت سے محروم ہیں وہ جب دیکھیں گے کہ جنگ سر پر آ گئی ہے وہ اس جماعت سے الگ ہو جائیں گے یہ بے وقوف اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتے کہ انقلاب انسانی معاشرے کو ترقی دینے کے لیے ضروری ہے اس سے ارتجاعی (Reactionary) قوتیں چھٹ جاتی ہیں اور ترقی کن طاقتیں برسراقتدار آ جاتی ہیں۔ یہ ہے قرآن حکیم کی حکمت یہ نا سمجھ اس بات کو سمجھ نہیں سکتے وہ نہ مسلمانوں کی طرف سے سمجھانے کو سمجھتے ہیں۔ نہ اپنی آنکھوں سے دنیا کے حالات دیکھ کر سمجھ حاصل کرتے ہیں۔

ہمارے زمانے کے اکثر علماء اس غلط ذہنیت کے مالک ہیں وہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا کام فقط فتویٰ اور حکم دینا ہے۔ لڑنے والی جماعت اور ہونی چاہیے۔ لیکن یہ نفس کا دھوکہ ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں ایک شخص تھا جسے قرآن حکیم

حوالہ نمبر 9

169

عقیدتوں کا اظہار ان قبوں کے ذریعہ کیا کرتے تھے، ان کے ذہنوں میں وہ کوئی تبدیلی نہ لا سکے۔ یعنی اتنی بڑی تحریک نے مسلمانوں کے ہاں کسی نئے فکری، سماجی اور سیاسی انقلاب کو جنم نہ دیا اور آج اس کے سرگرم حامی اور علمبردار دنیائے عرب میں شخصی بادشاہت کے زبردست نمائندہ اور محافظ ہیں۔ اسی زمانے کی ہندوستان میں شاہ ولی اللہ کی دینی اصلاح کی اور علمی و فکری دعوت کو دیکھئے۔ ان کے جانشینوں نے علوم منقولہ یعنی حدیث و فقہ میں تو ان کی دعوت کو ایک حد تک اور وہ بھی ایک حد تک ہی اپنایا لیکن علوم عقلیہ میں جو حاوی تھے سیاسیات کے علاوہ تاریخ معیشت، سماج اور سیاست پر بھی۔ انکی طرف چنداں توجہ نہ کی۔ اس ضمن میں شاہ رفیع الدین نے کچھ رسائل لکھے اور مدتوں سے شاہ اسماعیل

صرف عبقات لکھ کر رہ گئے۔ اب اس عظیم مفکر کی نام لیوا دو جماعتیں ہیں۔ ایک دیوبندی، جن کا ایک گروہ یقیناً سیاست میں ترقی پسند، آزادی خواہ اور سامراج کا شدید دشمن ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اپنے دینی فکر میں جامد اور قدامت پسند اور سماجی امور میں انتہائی رجعت پرست ہے۔ اور یہ ماننے کو تیار نہیں کہ نئی سیاسیات اور نیا فکر نئے سماج ہی میں نشوونما پا سکتا ہے اور پرانے سماج کو بدلے بغیر کبھی کوئی ترقی پسند سیاسی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی۔[1] دیوبندی جماعت کا دوسرا گروہ سیاست میں بھی رجعت پرست ہے، اور سماجی امور میں بھی اس کا تمام زور خانقاہی طرز کی روحانیت پر ہے بستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ

---

[1] ہمارے یہ بزرگ صدر جمال عبدالناصر کے دل و جان سے حامی ہیں۔ اور اس نے برطانوی و امریکی سامراج کے خلاف جو جدوجہد کی، اس کی انہوں نے بڑے زور شور سے یہاں تائید کی۔ اس شاندار کارنامے پر ان بزرگوں کی جتنی بھی تعریف کی جائے، کم ہے لیکن یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ صدر ناصر مرحوم اپنے ہاں جو سماجی انقلاب بروئے کار لایا۔ اور جامعہ ازہر کی دینی تعلیم میں جو دور رس دنیاوی تبدیلیاں کی گئیں، ان کا ہمارے ان بزرگوں نے مطلق کوئی اثر نہیں لیا۔ سیاست میں اتنے ترقی پسند اور سماجی زندگی میں اس قدر تاریک پسند اور رجعت پرست، یہ کتنا بڑا تضاد ہے ان حضرات کا اور اس تضاد کا انہیں احساس تک نہیں۔

شاہ ولی اللہ کے ماننے والے یہ حضرات ان کی کتاب بھی پڑھنا ضروری نہیں سمجھتے۔ ان کی ساری متاع علمی فرسودہ قسم کے رائج الوقت درس نظامی پر منحصر ہے۔

شاہ صاحب کے نام لیواؤں کی دوسری جماعت اہل حدیث حضرات کی ہے اس جماعت کی بدعات کے خلاف اور ملک کی سیاسی آزادی کے حق میں اس صدی میں جو جدوجہد رہی ہے، وہ بے شک قابل تعریف ہے۔ لیکن اب وہ دھڑا بندی، تنگ نظری اور ظاہر پرستی کی جس منزل کو پہنچ چکی ہے، وہ سب کے سامنے ہے۔ ہماری ذہنی جمود گی اور فکری اپاہج پن دونوں کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا کہ جماعت اہل حدیث اور جماعت دیوبند دونوں شاہ ولی اللہ کی پیروی کی مدعی ہوتی ہوئیں حدیث وفقہ میں ان کے خیالات کی مدد سے کوئی ایسا مسلک وضع نہیں کر سکیں جس پر دونوں کو اتفاق ہو۔ دینی فکر کے بانجھ پن کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی۔ شاہ ولی اللہ نے تصوف کے عقیدۂ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں تصوف وفقہ میں، فقہ وحدیث میں، حدیث وقرآن میں، قرآن اور دنیا کی دوسری الہامی کتابوں میں، تاریخ اسلام کے مختلف دوروں اور ان کی مابہ النزاع شخصیات میں اور تو اور مختلف ادیان بھی توافق وتطابق پیدا کیا۔ ساری کائنات کی کثرت کو ایک وحدت میں اور اس وحدت کو ایک وجود میں جمع کر دیا۔ اور ان کے ماننے والے حدیث وفقہ میں تطابق نہیں پیدا کر سکے۔

یہ ہماری فکری بے چارگی، فکری سستی اور فکری ناتوانی ہے اور بس، ہمارے ذہن اب تک قید ہیں۔ ماضی کی روایات میں، رسوم میں اور خوش عقیدگیوں میں۔ نیا قدم اٹھانے پر ہمیشہ گالیاں پڑتی ہیں۔ بے عزتی ہوتی ہے اور سماجی ومعاشی دباؤ پڑتا ہے بزرگوں کی راہ پر آنکھیں بند کر کے چلنے والے بزرگ مانے جاتے ہیں۔ اور ان کی توقیر بھی ہوتی ہے۔ اور "خدمت" بھی۔ ظاہر ہے اب نیا قدم کون اٹھائے۔ سب کا بڑا کون بنے۔ بھوکا کون مرے۔ ملحد وزندیق کون کہلائے۔

اسی موت سی ذہنی زندگی سے جل کر عربی زبان کے مشہور عراقی شاعر جمیل الزہاوی نے آج سے پچاس ساٹھ سال قبل یہ شعر کہے تھے۔

حوالہ نمبر 10

۲۷۴

ہیں۔ اگر زندگی ان قواعد و ضوابط سے آزاد ہو جائے اور انسان کسی ایسے قانون کا پابند نہ رہے جو اس کی حرکات و سکنات اور شب و روز کی سرگرمیوں کو ضبط میں نہ رکھے تو اس کا نتیجہ مکمل بدنظمی اور انتشار ہے۔ زندگی میں فقہ یعنی مدون قانون کی بھی ضرورت ہے اور حکمت کی بھی۔ اگر حکمت اور فقہ ساتھ ساتھ رہیں تو انسان آگے بھی بڑھتا ہے اور ماضی سے بھی اپنا رشتہ قائم رکھتا ہے۔ حکمت تقدم Progressiveness اور فقہ تحقق Conservatism کا باعث بنتی ہے۔ لیکن اگر فقہ سے بالکل بے تعلقی اختیار کی جائے تو لازمی طور پر اس سے جماعت میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر فقہ ہی فقہ زندگی پر حاوی ہو جائے تو دماغ جامد ہو جاتا ہے اور ترقی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔

مولانا نے مثال کے طور پر ایک دفعہ فرمایا کہ مدرسہ دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم صاحب حکیم تھے اور مولانا رشید احمد گنگوہی فقیہ۔ نہ اول الذکر فقہ کی اہمیت کے منکر تھے۔ اور نہ مولانا گنگوہی حکمت کے مخالف۔ لیکن آخر الذکر بزرگ جانتے تھے کہ زندگی کے تسلسل کے لیے فقہی نظام کی اشد ضرورت ہے۔ اس لیے وہ اس پر زور دیتے رہے۔ مولانا کے خیال میں بعد میں آنے والے حکمت اور فقہ کا یہ لزوم بھول گئے اور اسی وجہ سے اب مدرسہ دیوبند جمود اور رجعت کا مرکز بن کر رہ گیا ہے۔

قرآن کی حکمت متقاضی تھی کہ اس کی تعلیمات جتنی بھی عام اور عالمگیر ہو سکیں ہوں، لیکن زندگی کے دوسرے رُخ یعنی تحقق کا جس کا مظہر فقہ اور قانون ہوتا ہے وہ مطالبہ تھا کہ جس ماحول اور قوم میں یہ تعلیم عملی جامہ پہن رہی ہے، وہاں کے

لیکن جہاں تک اس کے مبادی اور اصول کار کا تعلق ہے، میں نے انہیں بڑے غور سے سمجھنے کی کوشش کی ہے اور ان کے عملی نتائج کو بھی پرکھا اور تولا ہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ کارل مارکس نے اشتراکیت کے جو تصورات پیش کئے تھے، لینن اور اس کے ساتھیوں نے روس کے مخصوص حالات کے تحت ان میں مناسب تبدیلیاں کیں۔ یہ تبدیلیاں ضروری تھیں اور ایک عمومی تصور کو جب ایک معین ماحول میں عملی جامہ پہنایا جاتا ہے تو اس طرح کی تبدیلیاں ناگزیر ہوتی ہیں۔ جن لوگوں نے مارکسی نظریات کی رو سے ان تبدیلیوں یا عملی تعبیرات کو غلط ٹھہرایا، ان کی کسی نے نہیں سنی اور وہ مردود قرار دیئے گئے۔

مولانا نے فرمایا، روس کی طرح ترکی میں بھی انقلاب ہوا، لیکن چونکہ ترکی کے حالات بالکل مختلف تھے۔ اس لیے مصطفیٰ کمال اور اس کے ساتھی دوسرے راستے پر چلے[1]۔ اب آپ بتائیے کہ کیا ہندوستان کے حالات کے مطابق یہاں اشتراکیت کو نیا عملی جامہ نہیں پہنانا پڑے گا۔ محض نظریات سے تو کام نہیں چلا کرتا۔ جب آپ کو ملک کے ٹھوس مسائل، یہاں کے مخصوص حالات اور اس میں رہنے والے لوگوں سے سابقہ پڑے گا اور معاشرتی ارتقا کے جس مرحلے سے وہ گزر رہے ہیں، اسے سامنے رکھنا پڑے گا تو لازمی طور پر آپ کو ان کی ضروریات اور ان کے حالات کے مطابق اشتراکیت کے اپنے فکری تصورات کو عملی شکل دینا ہوگی[2]۔ میں جو کچھ کہتا ہوں، ان حقائق کو سامنے رکھ کر کہتا ہوں۔ مجھے کسی گروہ یا

---

[1] مولانا سندھی کو مصطفیٰ کمال کے انقلاب کے بارے میں بڑا حسن ظن تھا اور یہ شاید اس لیے کہ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء تک جب مولانا ترکی میں تھے، مصطفیٰ کمال نے بڑے دور رس انقلاب آفریں اقدامات کئے تھے اور ترکی معاشرے کو صدیوں کی فرسودہ روایات سے پاک کرنے کی جرأت مندانہ کوششیں کی تھیں۔

[2] روس کے بعد جب چین میں اشتراکی انقلاب ہوا تو مارکسزم لینن ازم کی ایک نئی عملی تعبیر ہمارے سامنے آئی۔ مارشل ٹیٹو نے یوگوسلاویہ میں تو بالکل نئے انداز سے اشتراکیت کو نافذ کیا ہے۔ افریشیائی اور جنوبی امریکہ کے ترقی پذیر ملکوں میں اشتراکیت کی [illegible]

طبقہ کے احیاء سے متعلق کوئی دلچسپی نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہمارے اوپر کے طبقے بالکل ناکارہ ہو چکے ہیں۔ ان میں اب جان نہیں رہی۔ ان کے نعرے، شور و غوغا اور طمطراق سارے کے سارے بناوٹی ہیں۔ یہ لوگ اندر سے بالکل کھوکھلے ہیں۔ ان کے جسموں میں زندگی کا خون ہے، نہ ان کے تمدن میں کوئی صلاحیت اور توانائی باقی ہے اور نہ ان کے مذہب، فکر اور فلسفہ میں جان ہے۔ یہ سب تباہ ہونے اور تباہ کئے جانے کے قابل ہیں۔ ان کا تمدن، ان کی تہذیب اور ان کا فکری نظام فرسودگی کے ہاتھوں دم توڑنے کو ہیں۔ ان دنوں انہوں نے جو زور باندھ رکھا ہے، یہ زور محض باتوں کا ہے۔ یہ تو تاریخ کا گندہ پانی ہے جو اچھل اچھل کر آسمان پر پہنچنا چاہتا ہے۔ یہ گندہ پانی لاکھ اچھلے آخر اس کی بساط ہی کیا ہے۔ سرسید احمد خاں اور اس کے بعد جو بھی آئے سب نے ان طبقوں کی گرتی ہوئی عمارت کو تھامنے کی کوشش کی۔ کسی نے انگریز کا دامن پکڑا، کوئی مذہب کو امام ضامن بنا رہا ہے۔ کوئی کلچر کے نام سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہے لیکن یاد رکھیئے یہ ساری کوششیں بے کار ثابت ہوں گی اور یہ گھروندہ گر کر رہے گا۔ یہ طبقے زندہ رہنے کی اپنی صلاحیتیں کھو چکے ہیں۔

پروفیسر سلامت اللہ اٹھ کر چلے گئے تو مولانا نے اس گفتگو کو جاری رکھا: فرمانے لگے، پروفیسر! اپنی قوم کے اوپر کے طبقوں کو آزما کر، پرکھ کر، ان کے ساتھ رہ کر اور ان کو خوب پہچاننے کے بعد میں اس یقین کے ساتھ باتیں کرتا ہوں میری سنو۔

ہو رہی ہیں۔ اور تو اور بعض ایشیائی ترقی پذیر ملکوں کے ہاں کے قومی جمہوری نظام ہائے حکومت کو کمیونزم کی بارگاہ سے سند جواز مل گئی ہے۔ بہرحال ہر ملک اپنے حالات اور اپنی ضرورتوں کے مطابق اشتراکیت کو قسط وار اور جزواً جزواً اپنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اب مصر کی واحد سیاسی پارٹی سوشلسٹ یونین (اتحاد اشتراکی) کو لیجئے گو اس میں مارکسی خیالات رکھنے والے افراد موجود ہیں لیکن وہ پارٹی مارکسی نہیں۔ اس کے باوجود تمام دنیا کی سوشلسٹ اور کمیونسٹ پارٹیوں کے ماسکو وغیرہ میں جو سالانہ اجتماعات ہوتے ہیں ان میں مصر کی پارٹی بھی مدعو ہوتی ہے۔

ہیں۔ ہم پاکستان میں مکمل دین الٰہی کا نفاذ چاہتے ہیں لادین مغربی جمہوریت اور امریکن ڈکٹیٹر شپ کو ہم کافرانہ نظام سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری سیاسی جدوجہد کا محور خلافت راشدہ کا عادلانہ نظام ہے جس میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خوراک، لباس اور مکان ایک عام شہری کے برابر تھا۔ جبکہ پاکستان میں ایک آفیسر کی کوٹھی پر چالیس لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ علاوہ ازیں پریذیڈنٹ سیکرٹریٹ اور پرائم منسٹر سیکرٹریٹ کی آرائش پر کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں۔

مولانا رائے پوری نے فرمایا پاکستان کا سالانہ بجٹ تقریباً ساڑھے تین کھرب روپے بنا جبکہ صرف سود کی واپسی دو کھرب روپے دینے ہیں۔ ایک کھرب چالیس ارب روپے کی خطیر رقوم دفاعی بجٹ کے لئے مختص کی گئی۔ حالانکہ پاکستان نے امریکہ سے دفاعی معاہدہ کیا ہوا ہے۔ کہ وہ بھارت پر فوج کشی نہیں کرے گا۔

انہوں نے فرمایا سرمایہ دارانہ نظام کے کولہو میں غریب انسان بری طرح پس رہا ہے اور امیر مزے اڑا رہا ہے۔ جبکہ اسلام نے دولت کی منصفانہ تقسیم کا درس دیا ہے پاکستان میں اربوں روپے سامان تعیش پر خرچ ہو رہے ہیں مسلمان اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہیں ہمارا نظام تعلیم لارڈ میکالے کا مرتب کردہ ہے جس میں سرکار کی اعانت کے لئے کل پرزے فراہم کرنا ہے۔

ہماری دینی مدارس پرانا نصاب پڑھا رہے ہیں۔ ہمارے اکثر فارغ التحصیل علماء اسلامی معیشت سے بالکل کورے ہیں صرف اسلام کی شرعی سزاؤں کو غلط رنگ میں پیش کر کے عوام الناس کو دین سے دور کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ اسلام دین رحمت ہے جس کا ایک حصہ حقوق اللہ اور دوسرا حقوق العباد ہے اسلام انسانوں کے جان و مال کا تحفظ اور عزت و آبرو کی ضمانت دیتا ہے۔

اسلامی حکومت میں ایک ذمی کے حقوق کی بھی نگہداری کی جاتی ہے اور رزق کے وسائل پر کوئی جبری بندش نہیں امن عامہ کا قیام ریاست کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ حضرت مولانا سعید احمد رائے پوری نے کہا فلسفہ ولی اللہی کو مد نظر

عزم سیریز

نگران اعلیٰ
سید اصغر علی شاہ

عزم سیریز نمبر ۱۶۶

ماہ مئی / جون 1998ء

آئینہ

پہلی بات ——— سید اعوان ——— ۲

جھوٹی قیادت قوم کو تباہ کر دیتی ہے (خطاب) شاہ سید احمد رائپوری مدظلہ ۶

حضرت عالی رائے پوریؒ (۳) ——— مفتی عبدالخالق آزاد ——— ۱۸

نظامِ تعلیم کی تشکیلِ نو ——— مولانا شیریں زادہ ——— ۲۳

قیمت فی عدد ۶ روپے سالانہ زر اعانت ساٹھ روپے

پتہ :- ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان۔

اس نے تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی (سورہ حجرات آیت ۷ پ ۲۶) کہ انسان جب نمازی بنتا ہے تو کفر و شرک فسق و عصیان ہر قسم کے برے اخلاق سے اپنے آپ کو پاک کر دیتا ہے۔ آج کوئی مسجد ہے جو سچا معاشرہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہی ہے؟ کوئی مسجد ہے جو دیانتداری پیدا کرنے اور کفر و ظلم کا معاشرہ ختم کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟ کوئی مسجد ہے جو حقوق انسانی کی محافظ ہو؟ عمارت، سنگ مرمر کے فرش اور بڑے میناروں کا نام مسجد نہیں ہے۔ آج کی مسجد غلام اور یتیم ہے جو جہنم کی آگ نہیں بجھا سکتی۔ یہ مسجد کیا ہے؟ اس مسجد کو تو برے اخلاق نے مغلوب کر لیا۔ نبی کریمؐ نے فرمایا جب تم پر بازار یعنی مال کی محبت غالب آ جائے تو مسجد مغلوب ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہاری معیشت حرام کی ہو گی، سود کی ہو گی تو ہم تمہاری نمازوں کا اثر ختم کر دیں گے، تمہارے نماز، روزے قبول نہیں ہوں گے، حج قبول نہیں ہو گا (ملاحظہ ہو سورہ الماعون پ ۳۰) مطلب یہ ہے کہ ہم یہ اعمال رسمی طور پر ادا کریں گے۔

باغ اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے جب پھل نہ رہے تو جنگل ہو جاتا ہے۔ آم کا درخت اور مالٹے کا درخت پھل دے تو باغ ہے ورنہ تو جنگل ہے نماز، روزہ اور حج دیانتداری، انسان دوستی، اللہ کے خوف اور یقین بالآخرۃ کا پھل دیتا ہے تو عبادت ہے۔ اگر یہ ثمرات نہیں حاصل ہوتے تو عبادات رسم ہیں اب اس کا پھل بھی نہیں لگ رہا۔ آج دیکھنا ہو گا کہ مسجد کون سا ماحول پیدا کر رہی ہے۔ مذہبی طبقہ اپنے دین کے بچانے کے لئے اتنا بڑا قلعہ بناتا ہے اور پھر بھی جنت میں نہ جائیں۔

۱۔ "جھوٹ بولنا بھی گناہ کبیرہ ہے، کسی آدمی کی عزت تباہ کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے، تکبر کرنا، حقوق توڑنا بھی گناہ کبیرہ ہے اور ہم ایک نیکی کریں نظام ہم سے سو گناہ کبیرہ کرائے تو یہ نیکی کرنا جہنم جانے سے روکے گا؟ حالانکہ جہنم جانے سے وہ نماز روکتی ہے جو سچا بنا دے، حقوق ادا کرنے والا بنا دے، دیانتدار بنا دے۔

نبی کریمؐ نے فرمایا کہ جھوٹا آدمی جہنم میں جائے گا، سزا بھگتے گا، بددیانت،

خائن اور حقوق انسانی توڑنے والا جہنم میں جائے گا اور سزا بھگتے گا (ملاحظہ ہو حفظ اللسان و باب اللطم ص ۳۴۳ وغیرہ از مشکوٰۃ شریف) ہم کس طرح خود کو مذہبی کہیں ہم نے مسجد بنائی ثواب سمجھ کے مگر مسجد کے مشن کو بھول گئے۔

میرے بھائی سوچو! آج ہمارے ہاں مرے ہوئے ولیوں کے پاس جایا جاتا ہے۔ زندہ ولی کے پاس نہیں جاتے کیونکہ وہاں تو نصیحت ہوتی ہے اس لئے ایسی جگہ جایا جائے جہاں نصیحت بھی نہ ہو۔ اس لئے مسجدیں گونگی ہو گئیں، شعور سے خالی ہیں، ان پڑھ لوگ دو رکعت کے امام بنے بیٹھے ہیں، جب نظام صحیح ہوتا ہے تو امام، نائب خلیفہ ہوتا ہے۔ پورے علاقہ کے سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ یہ کیا ہے کہ غلامی سے بھی زیادہ غلام بنا دیا ہے؟ حضورؐ کا زمانہ ہے خانہ کعبہ پر آپؐ کے خاندان کے قریشیوں اور ہاشمیوں کا غلبہ ہے ایک لاکھ ثواب کی جگہ نمازیں بھی پڑھی جا رہی ہیں۔ طواف کئے جا رہے ہیں، حج اور عمرے ہو رہے ہیں اور یہ متولی حجاج کو مفت کھانا بھی کھلاتے ہیں۔ آج تو ڈیل کرایہ لیتے ہیں مگر وہاں جذبہ مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ حجاج کو اپنے ہاں ٹھہراؤ اور کھلاؤ، دین کے سارے کام ہو رہے ہیں، ثواب کا کون سا کام نہیں ہو رہا، ملت ابراہیمی کا دعویٰ مستزاد ہے، مسجد بنانے کو بہت ثواب کا کام سمجھتے تھے لیکن اللہ کے رسولؐ کو حکم ہو گیا کہ ایسے نمازیوں کی گردنیں بدر میں اتار دو اور خانہ کعبہ کو ان سے پاک کرو۔

رسمی نماز، روزے سے کوئی بھی نہیں روکتا، یورپ و امریکہ میں دیکھیں ہر جگہ مسجدیں قائم ہو رہی ہیں اور نمازیں پڑھی جا رہی ہیں مگر مسجد کا نظریہ ہی نہیں رہا (یعنی ظلم اور طاغوت کو مٹانا) گویا عبادت کرو مگر اس کے تقاضے پورا نہ کرو۔

یورپ نے کیسا بھلا جلا معاشرہ بنا دیا ہے۔ نماز مسلمان کی اور سود امریکہ کا۔ نماز مسلمان کی قانون کفر کا، حج مسلمان کا تہذیب و کلچر امریکہ کا، جب پاکستان

اور برتنے کی چیز مانگے نہ دیویں (الماعون پ ۳۰) یعنی اگر مذہبی جماعتیں ظلم مٹانے کے لئے معاشی مسئلے کے حل کرنے کے لئے اور مسائل کو حل کرنے والے سسٹم کے لانے کے لئے کام نہیں کریں گی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی جماعتوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اور نہ ہی ان کی عبادت کی کوئی ضرورت ہے اور انہیں جہنم میں ڈالنے کا حکم دیں گے اس لئے قریشی اور ہاشمی نماز پڑھتے اور حج کرتے اور ملت ابراہیمی کے دعوے دار تھے، مگر ظلم کا معاشرہ پیدا کرنے، تکبر کرنے اور مسائل حل نہ کرنے کی وجہ سے ان کے قتل کا حکم صادر ہوا۔

میرے بھائی! اس طرح جھوٹے پیروں اور مولویوں کے دھوکوں کی وجہ سے تو تباہی آئی کیونکہ ہماری مساجد کے اندر نظریہ نام کی کوئی شئی نہیں، اس لئے طاقت نہیں فروعی مسائل میں الجھ رہے ہیں فرقے فرقے بن گئے اور سمجھتے ہیں کہ دین کے کام کر رہے ہیں، کفر نے سارے ملک کو غلام بنا کر رکھا ہوا ہے۔ ظلم کا نظام مسلط ہے۔ اخلاق خراب ہو رہے ہیں۔ معاشرہ تباہ ہو رہا ہے، قتل و غارت کی فضاء قائم ہے، ڈاکے اور رشوت عام ہیں اور تم مسائل میں الجھے ہوئے ہو کہیں ہر جگہ "مسجد ضرار" کی شاخ بنا رکھی ہے۔ اپنی آزادی کی تمہیں فکر نہیں۔ اسلام غالب ہو کر رہتا ہے اور انسانیت کے مسائل حل کرتا ہے اس لئے صحابہ کرام اور تابعین کی سیرت کو دیکھو انہوں نے دنیا بھر میں ظلم کے مقابلہ کے لئے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹے، انسانی معاشروں کو آزادی دلائے، اخلاق اور محبت کی فضاء پیدا کرنے لئے اور دنیا کے عذابوں کو مٹانے کے لئے اپنی کوششیں اور توانائیاں صرف کر دیں مگر یہاں اپنی دکانداری چمکائی جا رہی ہے۔ نظام سارا کفر کا، حرام معیشت اور سود کا بے حیائی اور ننگی تصویروں کا، لادینیت کا اور تہذیب مغرب کا اور ہم مسجدوں کے بنانے پر شاداں ہیں افسوس صد افسوس حالانکہ ہمیں صریح حکم ہے کہ

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر مت چلو، یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (آیت ۲۰۸ سورۃ البقرہ پ ۲)

حوالہ نمبر 14

23

مالک اور معتدل مزاج ــ حامل ہیں۔ گفتگو سے احباب نے جو نتیجہ نکالا وہ یہ کہ اکابرین کے جس مشن کی آج ضرورت ہے حقیقتاً حضرت رائے پوری اسی مشن کو لے کر نوجوان تک پہنچ رہے ہیں چنانچہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا کہ آپ کی بڑی ہمت ہے کہ اتنے بڑے کام کو سر پر اٹھائے چل رہے ہیں یہ آپ کا ہی حصہ ہے میں تو ہمت ہار گیا ہوں۔ نماز مغرب کے بعد ذکر کی مجلس مسجد میں ہی ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب بھی وہیں تشریف فرما رہے ذکر سے فارغ ہو کر پھر تقریباً ۸.۴۵ بجے تک گفتگو ہوتی رہی اس دوران حضرت شیخ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سعید یوسف صاحب نے بھی حضرت سے سوالات کئے جن کا حضرت نے بڑی حکمت سے جواب دیا۔ حضرت شیخ الحدیث جو بالعموم نماز عصر کے بعد گھر چلے جایا کرتے ہیں مگر اس روز وہ ۹ بجے تک حضرت رائے پوری کی وجہ سے مدرسہ میں ٹھہرے رہے آخر حضرت اقدس نے خود فرمایا حضرت آپ اب آرام کریں عمر کا اور صحت کا مسئلہ ہے چنانچہ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے اپنے صاحبزادگان مولانا سعید یوسف صاحب اور قاری مسعود صاحب سے کہا کہ آپ یہیں رہیں حضرت کو کھانا کھلا کر بعد میں آئیں حضرت شیخ الحدیث صاحب حضرت سے جدا ہوتے وقت جس پیار اور خلوص سے ملے کہ ناظرین کو اپنے اکابر کے واقعات یاد آگئے کہ دراصل یہی لوگ ایک دوسرے کی شخصیت کو پہچانتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب سے دوران گفتگو جو مسئلہ زیادہ زیر بحث رہا وہ تبلیغی جماعت اور حضرت مولانا شاہ محمد الیاس دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے تھا حضرت رائے پوری نے

فرمایا کہ حضرت دہلوی کا نظریہ بڑا بلند تھا وہ مجاہد آدمی تھے وہ اس کام کو ابتدائی اور تمہیدی کام سمجھتے تھے اور آگے کا کام جمعیۃ علماء ہند پر چھوڑ رکھا تھا۔ ان کے ملفوظات پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ آج کے اکثر لوگ مولانا الیاس کے نقش قدم سے ہٹ چکے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے حضرت کی تمام گفتگو کی حرف بحرف تائید فرمائی اور فرمایا کہ اب ایک مستقل فرقہ بننے کا خطرہ ہے اب تو اہل علم کی دینی کاوشوں کو کوئی اہمیت نہیں دی جا رہی الغرض شیخین کا نقطہ نظر بالکل ایک تھا

نماز عشاء کے بعد صاحبزادگان نے پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا بعد ازیں ۱۰ بجے شب

سیر ۱۹۴
جنوری، فروری ۲۰۲ سم

حوالہ نمبر 15

۸

والے دہشت گردی کے لیبل کو اتارنے اور فرقہ پرستی کے خاتمے کے لئے علماء کرام اور اسلامی سکالرز اپنا کردار ادا کریں کیونکہ نام نہاد مولوی چندے اور دیگر مفادات و مقاصد کے لئے مسجد اور منبر جیسی مقدس جگہوں کا غلط استعمال کر رہے ہیں۔ جب حضور ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو اس وقت کے مذہبی نمائندے (بیت اللہ کے متولی) حضور ﷺ کے مخالف بن گئے اور لوگوں کو آپ کے خلاف خوب بھڑکایا، حتی کہ مسجد الحرام میں حضور ﷺ کی آمد پر بھی پابندی عائد کر دی۔ انہوں نے کہا تشدد کے ذریعے کبھی آزادی ملی نہ کوئی تبدیلی آئی بلکہ اس کے لئے عدم تشدد کا راستہ مفید رہا۔ مولانا شاہ سعید احمد نے کہا آج دینی مدارس بھی اپنا رخ تبدیل کر چکے ہیں۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد دینی مدارس موجود میں آئے، جس کا بنیادی مقصد آزادی کے جذبات کو تعلیم و تربیت کی صورت میں آگے بڑھانا تھا، تقسیم ہند کے بعد اس مذہبی طبقہ کو جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے خلافت راشدہ کا نعرہ دیکر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا، اس لیے مدارس کی اکثریت ان کی محتاج بن کر اپنا اصل کردار کھو بیٹھی۔ انہوں نے کہا دینی اور دنیاوی تعلیم کے دہرے معیار کے تحت ایک اسلامی معاشرے کی ترقی ممکن نہیں ہے۔ کالجز اور یونیورسٹیوں میں عصری علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی تدریس کو بھی اس طرح رائج کیا جانا چاہیے کہ مدارس کی تعلیم کی ضرورت ہی نہ رہے مسلمان ہی ماضی میں علم و ادب کا گہوارہ رہے ہیں اب بھی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے ضروری ہے کہ ملک میں ایک ہی نظام تعلیم رائج کیا جائے، ویسے بھی دہرے نظام تعلیم سے فرقہ واریت بڑھی ہے۔ قومی اداروں کی موجودگی میں نجی اداروں کو تعلیم کا نظام سونپنا غلامی کے دور کی یادگار ہے۔ انہوں نے کہا شاہ جہاں دور کے وزیر اعظم نواب سعد الدولہ اور حضرت مجدد الف ثانی ایک ہی نظام تعلیم کے فارغ التحصیل تھے۔ ایک نے روحانی اور اصلاحی منصب پر اپنی ذمہ داریاں پوری کیں اور دوسرے نے سیاسی کردار ادا کیا۔ ہمارے بیشتر علماء کرام نظام اسلام کا مکمل مطالعہ کرنے کے بجائے صرف عبادت اور عقائد کی بحث پر ہی پوری توجہ دیتے ہیں۔ اس لیے مدارس کے فارغ التحصیل طلباء فروعی اختلافات میں الجھے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ موجودہ نظام مدارس سے حقیقی اسلامی اور انقلابی تحریک پیدا نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے کہا زندہ قومیں اپنی تحریک آزادی اور اس کے رہنماؤں کو کبھی فراموش نہیں کرتیں، ہماری تحریک

باقی صفحہ نمبر 31 پر

ذرائع اور اصل اسلام.....

.....ایک تباہ کن نظریہ

سیاسی جدو جہد اور سپر پاورز کا خاتمہ اصل اسلام ہے باقی دین کے ذرائع ہیں

"..... انقلابی تحریک کے عملی پروگرام میں جہاد (انقلاب اور سیاسی جدو جہد) مقصود بالذات باقی عبادات ذرائع ہیں، نماز، زکوۃ ذرائع مقصد ہیں۔" (المقام المحمود: ج۱ص۲۹۷) ❶

"قرآن حکیم کا اصل مقصد انٹرنیشنل اصول قائم کرنا ہے۔"

(ایضاً: ۲۴۰) ❷

مقصد کے ذرائع پر زور دینا خود مقصد کو فوت کر دینا ہے

"اب صرف ظاہری چیزوں یعنی نماز، روزہ، زکوۃ، حج پر زور دیا جارہا ہے گو یہ بھی فرائض ہیں مگر اصلی غرض [انقلاب اور سپر پاورز کا خاتمہ] جو تھی وہ فوت ہو رہی ہے۔ غرض اب ذرائع پر تو زور دیا جارہا ہے اور مقصد کا نام نہیں لیا جاتا، اسی کا نام سچ میں جھوٹ (تلبیس الحق بالباطل) ملا دینا ہے۔" (ایضاً: ۲۳۷) ❸

نماز، روزہ، حج اور زکوۃ مقصد نہیں بلکہ مقصود اصلی انقلاب ہے

نماز، روزہ، حج، زکوۃ مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصد تک پہنچنے کے ذرائع ہیں اور مقصود اصلی انقلاب ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

''اب صرف ظاہری چیزوں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوۃ پر زور دیا جا رہا ہے گو یہ بھی فرائض ہیں مگر اصلی غرض جو تھی وہ فوت ہو رہی ہے، غرض اب ذرائع پر زور دیا جا رہا ہے اور مقصد کا نام نہیں لیا جاتا۔'' (تفسیر المقام المحمود: ۲۳۷ شائع کردہ مکی دارالکتب) ۴

نوٹ: فکری مقصود اصلی سے مراد جہاد یعنی انقلاب لیتے ہیں کیونکہ ان کے ہاں موجودہ دور میں مروجہ جہادی عمل جائز نہیں۔

نماز وغیرہ ذرائع اور مقصد کے بغیر یہ بے فائدہ ہیں

فکریوں کی نصابی کتاب ''قرآنی شعور انقلاب'' میں ہے:

''مسلمانوں کو اپنی تمام تر توجہ قرآن حکیم کی پیروی پر لگائے رکھنی چاہئے اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن حکیم کے نظام کے لئے لڑتے رہے تم بھی انہی کے قدموں کے نشان پر چلو اور جو لوگ آگے بڑھنے سے رک گئے یا پیچھے ہٹ گئے ان کی اطاعت کر کے اپنے عملوں کو برباد مت کرلو۔

تم جو نماز، روزہ وغیرہ اچھے اعمال کر رہے ہو وہ اس مقصد کی تمہید تھی، جب یہ مقصد کہ قرآن حکیم غالب آئے اور اللہ کے

بندوں میں سے ظلم دور کیا جائے، بھول گئے، یا تم اس کے لئے
کھڑے نہ ہوئے تو پہلے کئے ہوئے سب کام بے فائدہ ہو
جائیں گے۔'' (قرآنی شعور انقلاب:۴۷۶) ۵

قارئین کرام! ''قرآنی نظام کے متعلق فکریوں کا نظریہ'' کے عنوان کے تحت دیئے گئے حوالے:

''پورپی طرز معاشرت اختیار کی جائے۔''
''قرآنی حکومت ماضی کا قصہ پارینہ ہے۔''
''قرآنی قانون کو ابدی اور دائمی سمجھنا ٹھیک نہیں۔''
''قرآنی حکومت کی بجائے سیکولر حکومت کی ضرورت ہے۔''
''جلد از جلد یورپین ازم اپناؤ۔''

یہ اور اس قسم کے دوسرے حوالے یقیناً آپ کے ذہنوں سے اترے نہیں ہوں گے۔ اس کے باوجود جہاں کتنے حسین اور پرکشش جملے سے ابتداء کی گئی ہے کہ ''مسلمانوں کو اپنی تمام تر توجہ قرآن حکیم کی پیروی پر لگائے رکھنی چاہئے۔''

یہ دلفریب اور دلکش طریقۂ اسلوب کیوں اختیار کیا گیا؟ اس سے یہاں کیا مقاصد حاصل کئے جارہے ہیں؟ یقیناً آپ سمجھ گئے ہوں گے!!!

قرآن کی پیروی اور اس کے نظام کے نفاذ کا جھانسہ دے کر عبادات کو لغو اور بے کار قرار دیا جارہا ہے اور کہا جارہا ہے کہ قرآنی نظام کے لئے جدوجہد کئے بغیر عبادات بے کار ہیں۔ یہ عبادات کی اہمیت ذہنوں سے اتارنے کے لئے کہتے ہیں، جب یہ کام ہو جائے تو قرآنی نظام کے نفاذ سے ان کی کیا مراد ہے؟ اور اس کے لئے جدوجہد کس قسم کی ہوگی؟ اوپر چند حوالے ہم نے ذکر کئے ہیں اور پہلے اس پر ایک مستقل عنوان قائم کیا گیا ہے، اسی نظام کے نفاذ کے لئے یہ کوشش کی جاتی ہے اور پھر ستم یہ کہ اس کوشش میں ان کے ساتھ شریک نہ ہونے والے کی نماز، روزہ

وغیرہ کو بھی ضائع اور برباد قرار دیتے ہیں، نتیجتاً قرآنی نظام کا تو "دائمی نہیں" کہہ کر حلیہ بگاڑتے ہیں اور یوں عبادات سے بھی "فارغ" کر دیتے ہیں ؎

رہنما قوم کے سادہ بھی ہیں پرکار بھی ہیں
سعی تخریب بھی ہے کوشش تعمیر بھی ہے

۲۹۷

تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے متعلق تجھے کوئی حکم دے (یعنی یہود کے ساتھ قتال کا حکم) یعنی تم اتنا عرصہ پُرامن رہو اور ان کی شرارتوں سے درگزر کرو۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱۰

ترجمہ: اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیج دو گے اپنے واسطے بھلائی پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے۔ (۱۱۰)

۱۸۵ پہلے بتایا گیا ہے کہ اصل غرض جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس کا نام مقصود بالذات ہے (آیت ۴۲) اور باقی ذرائع مقصد جہاد مقصد ہے اور نماز اور زکوٰۃ ذرائع مقصد ہیں۔ غرض حکم ہوتا ہے کہ تم اپنے پروگرام پر مستقل مزاجی سے مستعد رہو اور اس طرح ذرائع مقصد کو پورا کرتے رہو، جب تک کہ تم کو جنگ کی اجازت نہ دی جائے، کسی سے جنگ نہ کرو۔ انصار مدینہ کے دل میں یہود کے علماء کی علم و فضیلت کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی تھی، اب ۱۸۶ مسلمانوں کو بھی ان کے مساوی قوت دیکھنے کی اجازت دی جا رہی ہے تاکہ مسلمان انصار کے دل سے علماء یہود کی برتری کے خیالات نکال دیے جائیں۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۱۱ بَلٰى ۤ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۱۱۲

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ جائیں گے جنت میں مگر جو ہوں گے یہودی یا نصرانی یہ آرزوئیں باندھلی ہیں انہوں نے کہہ دے لے آؤ سند اپنی اگر تم سچے ہو۔ کیوں نہیں جس نے تابع کر دیا منہ اپنا اللہ کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اسی کے لئے ہے ثواب اس کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۱۱۲)

۱۸۷ یہود و نصاریٰ کو بتلایا جا رہا ہے کہ ان کا عقیدہ (کہ نجات صرف انہی کی ہوگی) غلط ہے۔ نجات کا طریقہ

یہود و بین الاقوامی حکومت کیوں نہ کر سکے

اگر قوم قابل ہو جائے تو بین الاقوامی حکومت قائم ہو سکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پروگرام بین الاقوامی حکومت بنانے کا تھا مگر ان کی قوم اس قابل نہ ہو سکی کہ اس بین الاقوامی پروگرام کو چلا سکتی۔ اس لئے آخر کار حکومت لے لی گئی۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں اس قدر استعداد پیدا نہ کر سکے کہ وہ اس نعمتِ عظمیٰ سے فائدہ اٹھاتی۔ اس لئے آخر کار تباہ ہو گئی۔

قرآن میں یہود و نصاریٰ کا ذکر بعض مثالوں کے طور پر ہے

(۱) قرآن حکیم میں زیادہ یہود و نصاریٰ کا ذکر آیا ہے اور دنیا کی باقی متمدن قوموں کے حالات کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کا ذکر صرف مثال کے طور پر آیا ہے۔

(۲) قرآن حکیم دنیا بھر کے لئے تعلیم پیش کرتا ہے۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثلاً کسی قوم یعنی قریش کو دنیا بھر کا شہنشاہ بنا دیں۔ اس طرح جیسا کہ ہم پہلے سوچتے تھے کہ عرب کا ایک بادشاہ میں سب سے بڑا ہو گیا تو اس سے ترقی ہو جائے گی مگر اب ہم نے سمجھا کہ یہ خیال غلط ہے۔ اگر کر کے آگے نہ بڑھے گی تو دوسری قومیں اس کو برباد کر دیں گی۔ ہندوؤں میں برہمن اور مسلمانوں ان دونوں کی ایک ہی پوزیشن ہے۔ یہ دونوں بس یہی سوچتے ہیں کہ دنیا بھر میں صرف انہی کی حکو ہونی چاہیئے اور دنیا ہے کہ وہ ان کی بات سنتی ہی نہیں۔ اس واسطے یہ پھر کہتے پھرتے ہیں کہ دنیا اب قابل آدمی ہی نہیں رہے جو ہماری قدر کریں۔

قرآن کی خاص قوم یا خاندان کو شہنشاہی بنیاد پر حکومت نہیں دیتا

(۳) کیا قرآن حکیم کا یہ مقصد ہے کہ سیدوں کے بزرگوں کو شہنشاہ بنا دیا جائے اور قرآن حکیم اس کو کر سکا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ سب سے زیادہ فیل ہونے والی کتاب قرآن مجید ہے۔ اس سادات کے بزرگ تو شہنشاہ بن نہیں سکے۔ اس کے بعد دوسرا درجہ آتا ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ جس آج کل ہم پر برٹش نیشن (برطانوی قوم) حکومت کر رہی ہے، اس طرح ہم عرب کو تمام دنیا مان لیں۔ عربوں کا اصلی دورِ حکومت صرف دو سو سال یا اڑھائی سو سال رہا۔ اس کے بعد عجمی بڑھے اور وہ برسرِ اقتدار آ گئے۔ اب عرب روتے پھرتے ہیں کہ ہماری ترقی رک گئی۔

بین الاقوامی اسلامی حکومت کے امکانات آج کل

(۴) اگر قرآن حکیم کا مطلب یہ تھا کہ عرب کو بادشاہ بنا دیا جائے تو سمجھئے کہ قرآن حکیم فیل ہو گیا۔ کہ عرب جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے اپنی حکومت دو اڑھائی سو برس سے زیادہ قائم نہیں رکھ اب اس کے بعد ہمارے سامنے قرآن حکیم کا اصلی مقصد آتا ہے کہ ابراہیمی اصول پر جو فطرت کے بالکل قریب قریب ہے، ایک دینی انٹرنیشنل (بین الاقوامی) تحریک کامیاب کر کے دکھ

قرآن حکیم کا اصل مقصد انٹرنیشنل اصول قائم کرنا ہے

جس میں تمام قومیں جو ان کے اصول کو قبول کریں، مساوی درجہ میں رہیں۔ جو لوگ ان اصولوں پر عمل کریں گے، وہ مقدم سمجھے جائیں گے۔ خواہ وہ عربی ہوں یا عجمی۔ اس کے متعلق اسلام میں آ صاف روایات ملتی ہیں کہ "عرب کو عجم پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے تقویٰ کے"۔ یعنی جو آدمی سے زیادہ متقی ہو گا وہ سب سے زیادہ افضل ہو گا۔ قرآن حکیم نے اس کے متعلق صاف طور سے

مذہبی رسائی ہے۔ وہ چند مذہبی قانون جو بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں ان پر جماعت کو آگاہ نہیں کرتی اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ لوگ اس پر عمل درآمد نہ کر سکیں اور جب انہوں نے لوگوں کو احکام بتلائے لوگوں نے عمل نہ کیا تو وہ مذہبی سوسائٹی کی ساکھ نہ رہی۔ اس لئے وہ آئندہ اس قسم کے سخت قوانین یا کسی اور قسم کے قوانین لوگوں کو نہ بتلائے گویا وہ اپنی اغراض کے لئے اللہ تعالیٰ کی آیات کو ایک قلیل رقم پر فروخت کر رہے ہیں۔ وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ۔ تقویٰ کے معنی ہیں۔ قانون انصاف کی پابندی کرنا یعنی میرے قانون کی پابندی کرو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور مت چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر ﴿۴۲﴾

(۱) انسان کے مدنظر دو باتیں ہوتی ہیں۔ ایک مقصد بالذات دوسرا ذرائع مقصد مثلاً جہاد مقصد ہے اور حج اور نماز اور زکوٰۃ ذرائع مقصد، حج اس لئے تھا کہ اس سے مسلمانوں میں فوجی قوت نمایاں ہو اور انہیں میدان جنگ کا نقشہ دیکھ کر آئندہ قتال کے لئے تیار کیا جا سکے۔ نماز اس لئے تھی کہ میدان جنگ میں سخت مصروف ہونے کے باوجود خدا کی یاد سے مسلمان غافل نہ رہیں اور زکوٰۃ سے مراد تھا کہ ہر ایک اپنے لئے بافراط (فراوانی سے) سامان جنگ خرید سکے۔ اب صرف ظاہری چیزوں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پر زور دیا جا رہا ہے۔ گو یہ بھی فرائض ہے ہیں مگر اصلی غرض جو تھی وہ فوت ہو رہی ہے۔ غرض اب ذرائع پر تو زور دیا جا رہا ہے اور مقصد کا نام نہیں لیا جاتا۔ اسی کا نام ہے سچ میں جھوٹ ملا دینا۔ بنی اسرائیل کو دینی حکومت عطا کی گئی مگر انہوں نے اسے اب دنیاوی حکومت کے سانچے میں ڈھال دیا۔ اس میں صرف سہل اور مطلب کے قوانین نافذ کئے، باقی کو ترک کر دیا۔ اس لئے حکم ہوتا ہے۔ کہ سچ کو جھوٹ سے نہ ملاؤ اور نہ ہی اصل قوانین یعنی سچ کو چھپاؤ۔

تورات میں نبی آخر الزمان کی آمد کے متعلق صاف پیشین گوئی تھی مگر اس کی اب بنی اسرائیل اپنے الفاظ میں تاویل کرنے لگے اور اسی طرح سچائی کو جھوٹ سے ملاتے تھے اور "فارقلیط" کی تاویل کر دی ورنہ "فارقلیط" کے صحیح معنی "احمد" ہیں جیسے "خطبات احمدیہ" مصنفہ سر سید احمد میں ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ ﴿۴۳﴾

اب ابتدائی فرائض کو ٹھیک مطلب کے لئے ادا کرو جس سے اصلی مقصد پورا ہو۔ وَارْكَعُوْا جو جماعت اعلیٰ مقصود کو حاصل کرنے کے لئے جھکی ہوتی ہے اور کوشاں ہے تم بھی اس کے ساتھ مل جاؤ یعنی جن لوگوں کو دیکھو کہ وہ نماز اور زکوٰۃ ٹھیک اور درست طریقہ پر ادا کرتے ہیں تم ان کے ساتھ فوراً شامل ہو جاؤ۔ یہ

حوالہ نمبر 5

176

ترجمہ:۔ جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے روکا اور مخالف ہو گئے رسولؐ کے سیدھی راہ ظاہر ہو چکنے کے بعد، وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور وہ اکارت کر دے گا ان کے سب کام۔

جو لوگ قرآنی انقلاب کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی کوششیں ناکام رہیں گی۔

مومنوں سے خطاب

آیت نمبر ۳۳ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○

ترجمہ:۔ اے ایمان والو! اللہ کے حکم پر چلو، اور رسول کے حکم پر چلو اور اپنے عمل ضائع مت کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے معنیٰ

مسلمانوں کو اپنی تمام توجہ قرآن حکیم کی پیروی پر لگائے رکھنی چاہیے اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن حکیم کے نظام کے لئے لڑتے رہے تم بھی انہی کے قدموں کے نشانوں پر چلو۔ اور جو لوگ آگے بڑھنے سے رک گئے یا پیچھے ہٹ گئے ان کی اطاعت کر کے اپنے عملوں کو برباد مت کر لو تم جو نماز، روزہ وغیرہ اچھے اعمال کر رہے ہو، وہ اس مقصد کی تمہید تھی۔ جب یہ مقصد کہ قرآن حکیم غالب آئے اور اللہ کے بندوں میں سے ظلم دور کیا جائے بھول گئے، یا تم اس کے لئے کھڑے نہ ہوئے۔ تو پہلے کیے ہوئے سب کام بے فائدہ ہو جائیں گے۔

آیت نمبر (۳۴) اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ

ترجمہ:۔ جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا۔ پھر مر گئے اور وہ منکر ہی رہے، تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔

عبادات پر حملہ

نماز باجماعت اور لازماً مسجد ہی میں جا کر پڑھنا، یہ چیزیں وقت کو ضائع کر دیتی ہیں

تمام مسلمان جانتے ہیں کہ سنتوں کے بارے میں احادیث میں کتنی تاکید آئی ہے، نوافل کی کتنی فضیلت بیان کی گئی ہے، نماز باجماعت کی دین میں کس قدر اہمیت ہے اور جماعت کے ترک کرنے پر احادیث میں کتنی سخت وعیدیں آئی ہیں، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرا دل چاہتا ہے کہ میں ان لوگوں کے گھروں کو جلا دوں جو جماعت میں شریک نہیں ہوتے۔"

لیکن فکری ان تمام احادیث کو مسترد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بے شک نماز واجب ہے لیکن اس کے فرض ہی، ہر نماز کے ساتھ سنتوں اور نفلوں کی زیادتی نے نفس نماز کو بوجھل بنا دیا ہے، چنانچہ نوجوان اس سے بھاگتا ہے۔ موطا امام مالک کی مروی حدیث میں صرف فرض نماز ہے اور سائل کا یہ کہنا کہ "لا أزيد ولا أنقص" (کہ میں نہ اس سے زیادہ پڑھوں گا اور نہ کم) میرے نزدیک ایک مسلمان کو اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے صرف فرض نمازیں پڑھنی چاہئیں، نماز باجماعت، مسجد میں لازماً جا کر نماز پڑھنے اور اس طرح کے دوسرے زوائد کا التزام اس کے تمام وقت کو کھا جائے گا اور وہ کبھی دین کی حکمت اور

اس کے اسرار کی طرف نہیں آئے گا۔"

(افادات وملفوظات: ۴۵۸) ①

نماز، روزہ اور دیگر اچھے اعمال مقصد کی تمہید ہیں، اصل مقصد حاصل نہیں ہوا تو یہ بے کار جائیں گے

فکریوں کی نصابی کتاب "قرآنی شعور انقلاب" میں ہے:

"تم جو نماز، روزہ وغیرہ اچھے اعمال کر رہے ہو، وہ اس مقصد کی تمہید تھی، جب یہ مقصد کہ قرآن حکیم غالب آئے اور اللہ کے بندوں میں سے ظلم دور کیا جائے، بھول گئے یا تم اس کے لئے کھڑے نہ ہوئے تو پہلے کئے ہوئے سب کام بے فائدہ ہو جائیں گے۔"

(قرآنی شعور انقلاب: ۴۷۶) ②

قرآن حکیم کے غالب آنے سے کیا مراد ہے؟ اس کا بھانڈا تو ہم نے پہلے پھوڑ دیا ہے، تاہم اس بات کو تسلیم کرنے کے باوجود کہ یہاں قرآن ہی کا غلبہ مراد ہے، پھر بھی یہ بات درست نہیں، اس لئے کہ قرآن حکیم کے غلبہ کی کوشش کرنا یہ ایک مستقل عبادت ہے اور نماز، روزہ وغیرہ یہ الگ مستقل عبادت ہے۔ ایک عبادت نہ کرنے کی صورت میں دوسری عبادت کو باطل قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

اگر کسی کی شریعت کو سب کچھ سمجھنے کی ذہنیت بن جائے تو وہ اور اس کی شریعت آگ میں جھونک دیئے جانے کے قابل ہے

پروفیسر سرور صاحب لکھتے ہیں:

''یوں سمجھو بدن شریعت ہے اور روح دین، شریعت کے بغیر دین کا مادی وجود ممکن نہیں، جو ایسا تصور رکھتا ہے وہ محض خیال کی دنیا میں رہتا ہے، اسے اس دنیا سے اور اس کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں، وہ ایسا انسان ہے جس کا اس دنیا میں کوئی کام نہیں۔

لیکن اسی طرح اگر کوئی شخص شریعت ہی کو سب کچھ مان لے اور اس کی ذہنیت بھی اسی طرح کی بن جائے تو پھر وہ اور اس کی شریعت (مولانا نے بڑے غصے سے کہا) اس قابل ہے کہ میں اسے آگ میں جھونک دوں۔'' (افادات وملفوظات:۱۹۴، ۱۹۵) ۳

رکوع اور سجدہ کیا ہے؟

قرآن پاک میں جگہ جگہ نماز اور نماز پڑھنے والوں کا ذکر ہے۔ ایک جگہ مؤمنین کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

﴿تراھم رکعًا سجدًا﴾

ترجمہ: ''آپ انہیں رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھیں گے۔''

تمام مفسرین اس آیت کا یہی ترجمہ کرتے ہیں، لیکن فکریوں کی نصابی کتاب ''قرآنی شعور انقلاب'' میں ہے:

''''تراھم رکعًا سجدًا'' (تو انہیں رکوع اور سجدہ میں دیکھتا ہے) سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ اور ان کے ساتھی اپنے کام میں غرق ہیں۔ وہ اس کی تکمیل کے بغیر دم نہیں لیں گے اور اسے انتہا تک پورا کریں گے۔ وہ اس کی تکمیل میں جان و مال سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔''

(قرآنی شعور انقلاب:۵۸۷) ۴

اس میں شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ غلبۂ دین کے لئے اپنی جان اور مال سب کچھ قربان کرنے کو تیار تھے، لیکن اس آیت کا جس میں نماز کا ذکر ہے جمہور مفسرین سے ہٹ کر یہ تشریح کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ اور نماز والی آیت کی تفسیر اس انداز سے کرنا کیا کسی ''بیمار ذہن'' کی نشاندہی نہیں کرتا؟

خصوصاً جب تنظیم کا نظریہ بھی عبادات کے بارے میں ڈانوا ڈول ہے تو اس عبارت کے کیا معنی لئے جا سکتے ہیں؟ کیا یہ تفسیر کرنا عبادات سے انکار کرنے کے مترادف نہیں؟

فکریوں کے مذکورہ تمام نظریات صرف لکھنے اور پڑھانے تک محدود نہیں بلکہ گروپ ڈسکشن اور پینل مذاکروں کے ذریعے تنظیم انہی افکار اور نظریات پر تربیت کرتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تنظیم کا نصاب پڑھنے والا نوجوان تمام ضروریات دین کا انکار کرتا ہے اور اسے یہ تمام چیزیں فرسودہ نظر آتی ہیں۔ وہ علماء جو لوگوں کو دین سکھاتے ہیں یہ انہیں رجعت پسند اور سامراج کے ایجنٹ کہتا پھرتا ہے۔ اور پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ یہی نوجوان الحاد و دہریت کے دروازے پر دستک دے رہا ہوتا ہے۔ ''اعاذنا اللہ منھم۔''

مقصد اور ذرائع مقصد کا الٹا نظریہ

فکریوں کی تفسیر ''المقام المحمود'' میں لکھا ہے:

> ''انسان کے مدنظر دو باتیں ہوتی ہیں: ایک مقصد بالذات دوسرا ذرائع مقصد، مثلاً جہاد مقصد ہے اور حج اور نماز اور زکوۃ ذرائع مقصد۔ حج اس لئے تھا کہ اس سے مسلمانوں میں فوجی قوت نمایاں ہو اور انہیں میدان جنگ کا نقشہ دیکھ کر آئندہ قتال کے لئے تیار کیا جا سکے۔ نماز اس لئے تھی کہ میدان جنگ میں سخت

مصروف ہونے کے باوجود خدا کی یاد سے مسلمان غافل نہ رہیں اور زکوٰۃ سے مراد تھا کہ ہر ایک اپنے لئے بافراط (فراوانی کے) سامان جنگ خرید سکے۔ اب صرف ظاہری چیزوں یعنی نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ پر زور دیا جا رہا ہے، گو یہ بھی فرائض سے ہیں مگر اصلی غرض جو تھی وہ فوت ہو رہی ہے۔ غرض اب ذرائع پر تو زور دیا جا رہا ہے اور مقصد کا نام نہیں لیا جاتا۔"

(القام المحمود: ۲۳۷) ۵

فکریوں نے یہاں ترتیب ہی الٹ دی ہے، مقصد کو ذریعہ اور ذریعہ کو مقصد قرار دیا ہے، جب کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وما خلقت الجن والإنس إلا ليعبدون﴾

ترجمہ: "اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت ہی کے لئے پیدا کیا ہے۔"

یعنی نماز، روزہ اور دیگر عبادات کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور یہی اس کی تخلیق کا مقصد ہے۔

جہاد بھی بہت بڑی عبادت ہے اور اس کے بے شمار فضائل ہیں، لیکن علماء کرام جانتے ہیں کہ وہ خود مقصود بالذات نہیں بلکہ مقصود لغیرہ ہے اور وہ مقصود لہ قیام خلافت اور انہی عبادات کا احیاء ہے۔ یہ کہنا ہرگز درست نہیں جیسا فکری کہتے ہیں کہ "انقلاب اور خلافت کے بغیر عبادات قبول نہیں ہوں گی۔" کیونکہ جہاد الگ عبادت ہے جس کا مقصد احکام خداوندی کا احیاء ہے جن میں عبادات بھی شامل ہیں اور نماز وغیرہ الگ عبادات ہیں۔ ایک کی وجہ سے دوسری عبادات کو ظاہری قسم کی چیزیں قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

دراصل فکری حضرات نہ تو جہاد کے قائل ہیں اور نہ ہی خلافت کو چاہتے ہیں،

جیسا کہ گزشتہ حوالوں سے آپ پر واضح ہو گیا۔ یہ جہاد اور خلافت کا نام وہاں لیتے ہیں جہاں یہ عبادات پر ضرب لگانا چاہتے ہیں۔

پہلے معاشی خوشحالی..... پھر ایمان اور عبادات.....

فکریوں کے رسالہ ''عزیمت'' میں لکھا ہے:

''.....عبادت سے کامل نتائج حاصل کرنے کے لئے اور عبادات کی دعوت موثر بنانے کے لئے ولی اللّٰہی حل یہ ہے کہ پہلے ایک انسانی معاشرہ بنایا جائے پھر اس انسانی معاشرہ سے ایمان اور عبادت کا تقاضا کیا جائے اور جہاں انسانی معاشرہ ہی نہ ہو تو وہاں پہلی ضرورت یہی ہوتی ہے کہ انسانی معاشرے کے بنیادی تقاضے یعنی معاشی خوشحالی پیدا کی جائے اور معاشرتی طور پر لوگوں کو امن فراہم کیا جائے۔ یہ چیزیں ہو جائیں گی تو پھر آپ اس کو اگلے درجے میں موثر انداز میں بات بھی سمجھا سکیں گے اور کامل نتائج بھی حاصل کر سکیں گے، ورنہ بھوکوں، ننگوں اور خانہ جنگی کے شکار لوگوں کو نہ عبادت کی بات سمجھ آئے گی اور نہ ہی کامل نتائج حاصل ہو سکیں گے۔'' (عزیمت: سیریز ۴ ص ۲۳) ❻

حوالہ نمبر 1

نے مجھے کہا کہ میں خود شاہ صاحب کے اس ارشاد پر عمل کرتا ہوں۔ اور فرض نمازوں کے بعد سب سے بڑی عبادت یہ سمجھتا ہوں کہ دین کی حکمت لوگوں تک پہنچاؤں[1]۔"

نمازوں ہی کے بارے میں ایک دفعہ فرمایا:۔

بے شک نماز واجب ہے لیکن اس کے فرض ہی۔ ہر نماز کے ساتھ سنتوں اور نفلوں کی زیادتی نے نفس نماز کو بوجھل بنا دیا ہے۔ چنانچہ نوجوان اس سے بھاگتا ہے مولیٰ امام مالک کی مروی حدیث میں صرف فرض نماز ہے اور سائل کا یہ کہنا کہ "لا أزيد ولا انقص۔ (نہ میں اس سے زیادہ پڑھوں گا اور نہ کم)۔ میرے نزدیک ایک مسلمان کو اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے فرض نمازیں پڑھنی چاہئیں۔ نماز باجماعت مسجد میں لازماً جاکر نماز پڑھنے اور اس طرح کے دوسرے زوائد کا التزام اس کے تارک وقت کو کھا جائے گا اور وہ کبھی دین کی حکمت اور اس کی اسرار کی طرف نہیں آئے گا۔

جنت و دوزخ اور فرعون کی نجات

انسان میں ایک تو نسمہ ہے جسے روح حیوانی کہتے ہیں۔ اس سے انسان کے افعال، ارادہ و شعور کے ساتھ صادر ہوتے ہیں اور ایک اس کا ہے نفس ناطقہ جس سے وہ جزئیات اور کلیات کا ادراک کرتا ہے۔ اب انسان کا نفس ناطقہ نسمہ میں موثر ہوتا

---

[1] حجۃ اللہ کی یہ عبارت دیباچہ میں ہے اور اس کا اردو ترجمہ یہ ہے:۔ "یہ سب کچھ ہی مگر میرے نزدیک تمام فنون حدیث میں سب سے زیادہ دقیق اور سب کی اصل اور سب سے بلند و برتر اور تمام علوم شرعیہ سے اعلیٰ و افضل علم اسرار دین ہے جس میں احکام کی حکمت اور خواص اعمال کے خواص و نکات بیان ہوئے ہیں۔ بخدا یہ وہ علم ہے جسے خدا نصیب کرے وہ فرض عبادات سے فراغت کے بعد اپنے تمام عزیز اوقات اسی میں صرف کرے اور اس کو اپنا توشۂ آخرت بنالے....."

حوالہ نمبر 2

476

ترجمہ :۔ جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے روکا اور مخالف ہو گئے رسولؐ کے ' سیدھی راہ ظاہر ہو چکنے کے بعد ' وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور وہ اکارت کر دے گا ان کے سب کام۔

جو لوگ قرآنی انقلاب کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی کوششیں ناکام رہیں گی۔

مومنوں سے خطاب

آیت نمبر ۳۳ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○

ترجمہ :۔ اے ایمان والو ! اللہ کے حکم پر چلو ' اور رسول کے حکم پر چلو اور اپنے عمل ضائع مت کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے معنیٰ

مسلمانوں کو اپنی تمام توجہ قرآن حکیم کی پیروی پر لگائے رکھنی چاہیے اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن حکیم کے نظام کے لئے لڑتے رہے تم بھی انہی کے قدموں کے نشانوں پر چلو۔ اور جو لوگ آگے بڑھنے سے رک گئے یا پیچھے ہٹ گئے ان کی اطاعت کر کے اپنے عملوں کو برباد مت کر لو تم جو نماز' روزہ وغیرہ اچھے اعمال کر رہے ہو ' وہ اس مقصد کی تمہید تھی۔ جب یہ مقصد کہ قرآن حکیم غالب آئے اور اللہ کے بندوں میں سے ظلم دور کیا جائے بھول گئے' یا تم اس کے لئے کھڑے نہ ہوئے۔ تو پہلے کیے ہوئے سب کام بے فائدہ ہو جائیں گے۔

آیت نمبر (۳۴) اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ

ترجمہ :۔ جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا۔ پھر مر گئے اور وہ منکر ہی رہے ' تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔

ڈاکٹر اشرف نے کہا تھا کہ مولانا سندھی نے تاریخ کی تعبیر تو کر دی لیکن آقا مزدور اور کسان کو چاہتا ہے اس کے لیے کوئی فکر پیش نہیں کیا جو اسے متحرک کرے اور فعال بنائے۔

مولانا بیگ آبادی کے تبصرے ہی کے ذیل میں یہ بات چھڑ گئی کہ نئے تعلیم یافتہ مسلمان نوجوانوں کے ذہنوں میں برسوں سے اسلام کی ایک ایسی صورت راسخ ہو چکی ہے جو اس قدر لبتوا، شیخ، رومانی اور غیر مادی ہے کہ جب وہ مجبوراً کمیونزم یا اشتراکیت کے زیر اثر اجتماعی یا سیاسی کام کرنے کے لیے کوئی مادی اساس ڈھونڈتے ہیں تو وہ لامحالہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ مادی اساس اور اسلام دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اور ان کا اتصال اور تطابق ناممکنات میں سے ہے۔ چنانچہ بیگ آبادی صاحب کا یہ کہنا کہ شاہ ولی اللہ کے اسلام کے بجائے نئی تعمیر کے لیے کسی مادی اساس کی ضرورت ہے نوجوانوں کے اس رجحان فکر کی ترجمانی ہے۔

اس پر مولانا سندھی کے وہ شاگرد جو لاہور سے آئے ہوئے تھے، کہنے لگے کہ اب تو خود یورپ کے فلسفی زندگی کی مادی اساس کا انکار کر رہے ہیں۔ اور وہ زندگی کی اساس کو مادی فکر یا روح کو مانتے تھے۔ مولانا سندھی نے موصوف کو بیچ ہی میں ٹوک دیا اور فرمانے لگے۔ مولوی صاحب! بات یہ نہیں مادہ اور روح ہمارے نزدیک دو الگ حقیقتیں نہیں، کثافت جب لطافت میں تبدیل ہوتی ہے تو وہ روح ہے۔ دراصل یہ ایک حقیقت کی دو منزلیں ہیں۔ خدانخواستہ یہ دو الگ الگ منفرد چیزیں نہیں۔ ہم یہ مانتے ہیں کہ یہ لطافت اور کثافت باہم لازم و ملزوم ہیں۔ اور انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا، مثلاً میرا یہ بدن ہے۔ اس بدن کا تصور روح کے بغیر ممکن نہیں۔ اس طرح اگر کوئی شخص اس بدن کا انکار کرے اور اس کے اندر جو روح ہے اسے اس سے الگ اور قائم بالذات سمجھے تو میرے نزدیک وہ عقل مند نہیں۔ یوں سمجھو بدن شریعت ہے۔ اور روح دین۔ شریعت کے بغیر دین کا مادی وجود ممکن نہیں چونکہ ایسا تصور رکھنے والا وہ محض خیال کی دنیا میں رہتا ہے۔ اسے اس دنیا سے اور اس کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں، وہ ایسا انسان ہے جس کا اس دنیا میں کوئی کام نہیں لیکن اسی طرح اگر کوئی

شخص شریعت ہی کو سب کچھ مان لے اور اس کی ذہنیت بھی اسی طرح کی بن جائے تو پھر وہ اور اس کی شریعت، مولانا نے بڑے غصے سے کہا، اس قابل ہے کہ میں اسے آگ میں جھونک دوں۔

مولانا سندھی برابر گفتگو فرما رہے تھے۔ کہنے لگے۔ مولوی صاحب! یورپ کے بعض ازاد تو ہم پرستوں کی دلدہی اور تسکین کے لیے اکثر اس طرح کے نظریات وضع کرتے رہتے ہیں کہ مادہ محض ایک خیال ہے اصل چیز روح ہے۔ زندگی کی مادی اساس نہیں ہے۔ یورپ کے ان متفلسفوں کی باتیں ہم مشرقی سے اڑتے ہیں اور اپنے ہاں ان کا خوب اشتہار دیتے ہیں۔ اس سے ہوتا یہ ہے کہ توہمات کی زنجیریں اور مضبوط ہو جاتی ہیں۔ روح کے نام سے ہم مادی زندگی کے مسائل کو حل کرنے اور اپنے مادی ماحول کو بدلنے سے بے توجہ ہو جاتے ہیں۔ اور غلطی سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ گرد و پیش نے مادی زندگی کو بہتر بنا لیا تو اس سے کیا حاصل۔ اصل چیز تو روح ہے، مولوی صاحب! یہ فریب اور دھوکا ہے، آپ کبھی اس فریب میں نہ آئیے گا۔

یہ باتیں کرتے کرتے مولانا ہنسے اور فرمایا: عجیب تماشا ہے، جو سامنے موجود ہو، آنکھیں اسے دیکھیں، ہاتھ اس کو چھوئیں، وہ تجربے میں آئے وہ تو غیر یقینی اور جو تصور میں آئے، خیال اس کو پیدا کرے، وہ یقینی۔ مسلمانوں میں فلسفۂ وحدت الوجود کے سب سے بڑے علمبردار شیخ ابن عربی کائنات کو بھی اتنا ہی حقیقی سمجھتے ہیں، جتنا اس کے خالق کو۔ کیونکہ یہ کائنات اس وجود میں سے ہے جو حقیقت کلی ہے۔

اسی موضوع پہ ایک دوسرے موقع پر گفتگو کرتے ہوئے مولانا نے کہا: میں یہ مانتا ہوں کہ ساری کائنات ایک وجود سے صادر ہوئی ہے۔ اس وجود کو ہم وجود اقدس کا نام دیتے ہیں۔ لاشے سے کسی چیز کا موجود ہونا ثابت کرنا اور عدم سے وجود کا ہونا ماننا محض سوفسطائیت اور خیال آرائی ہے۔ وجود سے موجود کا صدور ہوا۔ یہ صدور ہو سکتا ہے اور برابر ہوتا رہے گا۔ اس موجود یا کائنات کا ایک ذرہ فنا نہیں ہو سکتا۔ ہر ذرہ کا وجود اسی وجود یعنی وجود اقدس کی ذات سے قائم ہے۔ اگر وجود اقدس کی ذات

نے اپنا فرض پورا ادا کر دیا تو وہ تعریف کے قابل ہے۔ یہ رکوع کی تکمیل ہے لیکن ایک شخص اس سے بھی آگے بڑھ کر اپنے فرض سے بھی زیادہ کام کرتا ہے وہ جان و مال اور سب کچھ مکمل طور پر اس انقلاب میں جھونک دیتا ہے۔ یہ سجدہ ہے۔

تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا (تو انہیں رکوع اور سجدہ میں دیکھتا ہے) سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کی ساتھی اپنے کام میں غرق ہیں۔ وہ اس کی تکمیل کے بغیر دم نہیں لیں گے۔ اور اسے انتہا تک پورا کریں گے وہ اس کی تکمیل پر جان و مال سب کچھ قربان کرنے کو تیار ہیں۔

اسی آمادگی اور عمل کا نتیجہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کی آخری زندگی میں یہ آیت نازل ہوئی کہ:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (5:3)

(میں نے آج تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی)

بقول امام ولی اللہ دہلویؒ اتمام نعمت سے مراد بین الاقوامی حکومت دینا ہے۔ یہ درخت قیامت تک پھل لاتا رہے گا۔

(ج) يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ (وہ اللہ سے فضل مانگتے ہیں)

فضل کیا ہے: اگر وہ محض فرض ادا کرتے تو وہ اپنا حق پورا پاتے۔ مگر وہ زیادہ ترقی چاہتے ہیں۔ اس لئے تکمیلی کام بھی کرتے ہیں۔ وہ اس فضل کی وجہ سے قوموں کی دوڑ میں اتنا آگے بڑھ جائیں گے کہ وہ سب کے امام مان لئے جائیں گے اس لئے انہیں یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان 25:74)

(بال بچے ایسے ہوں کہ ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ یعنی اپنے گھر میں جو پروگرام چلانا چاہتے ہیں۔ وہ انہیں پورا ہوتا نظر آئے جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ خدا سے ڈر کر انصاف کرنے والے متقیوں کے امام بنیں)

حوالہ نمبر 5

مذہبی سوسائٹی ہے۔ وہ چند مذہبی قانون جو بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں ان پر جماعت کو آگاہ نہیں کرتی اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ لوگ اس پر عمل درآمد نہ کر سکیں اور جب انہوں نے لوگوں کو احکام بتلائے لوگوں نے عمل نہ کیا تو وہ مذہبی سوسائٹی کی ساکھ نہ رہی۔ اس لئے وہ آئندہ اس قسم کے سخت قوانین یا کسی قسم کے قوانین لوگوں کو نہ بتلائے گویا وہ اپنی اغراض کے لئے اللہ تعالیٰ کی آیات کو ایک قلیل رقم پر فروخت کر رہے ہیں۔ وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ تقویٰ کے معنی ہیں۔ قانون انصاف کی پابندی کرنا یعنی میرے قانون کی پابندی کرو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور مت چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر ﴿۴۲﴾

۸۱ انسان کے مدِنظر دو باتیں ہوتی ہیں۔ ایک مقصد بالذات دوسرا ذرائع مقصد مثلاً جہاد مقصد ہے اور حج اور نماز اور زکوٰۃ ذرائع مقصد، حج اس لئے تھا کہ اس سے مسلمانوں میں فوجی قوت نمایاں ہو اور انہیں میدانِ جنگ کا نقشہ دیکھ کر آئندہ قتال کے لئے تیار کیا جا سکے۔ نماز اس لئے تھی کہ میدانِ جنگ میں سخت مصروف ہونے کے باوجود خدا کی یاد سے مسلمان غافل نہ رہیں اور زکوٰۃ سے مراد تھا کہ ہر ایک اپنے لئے بافراط (فراوانی سے) سامانِ جنگ خرید سکے۔ اب صرف ظاہری چیزوں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پر زور دیا جا رہا ہے۔ گویہ بھی فرائض سے ہیں مگر اصلی غرض جو تھی وہ فوت ہو رہی ہے۔ غرض اب ذرائع پر تو زور دیا جا رہا ہے اور مقصد کا نام نہیں یا جاتا۔ اسی کا نام ہے سچ میں جھوٹ ملا دینا۔ بنی اسرائیل کو دینی حکومت عطا کی گئی مگر انہوں نے اسے اب بنیادی حکومت کے سانچے میں ڈھال دیا۔ اس میں صرف سہل اور مطلب کے قوانین نافذ کئے، باقی کو ترک کر دیا۔ اس لئے حکم ہوتا ہے۔ کہ سچ کو جھوٹ سے نہ ملاؤ اور نہ ہی اصل قوانین یعنی سچ کو چھپاؤ۔

تورات میں نبی آخر الزمان کی آمد کے متعلق صاف پیشین گوئی تھی مگر اس کی اب بنی اسرائیل اپنے الفاظ میں تاویل کرنے لگے اور اسی طرح مسیحائی کو جھوٹ سے ملاتے تھے اور فارقلیط کی تاویل کر دی ورنہ فارقلیط کے صحیح معنی آمد ہیں جیسے "خطباتِ احمدیہ" مصنفہ سر سید احمد میں ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ ﴿۴۳﴾

اب ابتدائی فرائض کو ٹھیک مطلب کے لئے ادا کرو جس سے اصلی مقصد پورا ہو۔ وَارْكَعُوْا جو جماعت اس کی تقصود کو حاصل کرنے کے لئے جھکی ہوتی ہے اور کوشاں ہے تم بھی اس کے ساتھ مل جاؤ یعنی جن لوگوں کو دیکھو کہ وہ نماز اور زکوٰۃ ٹھیک اور درست طریقہ پر ادا کرتے ہیں تم ان کے ساتھ فوراً شامل ہو جاؤ۔ یہ

عزیمت

سیریز نمبر 4

اعلیٰ سرپرست

ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

مجلس ادارت

مولانا مفتی عبدالخالق آزاد
مولانا مفتی عبدالقدیر
مولانا مفتی عبدالغنی قاسمی
مقصود الحسن چوہدری

پیش کش

اسلام میں انسانی بنیادی حقوق کا تصور	مولانا ناصر عبدالعزیز	2
عبادات کا مفہوم اور اسکا مقصد	مولانا عبداللہ علوی	11

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

حوالہ نمبر 6 — ۲۳

اگر مذہبی یا معاشرتی دباؤ کی وجہ سے مائل ہوا تو بھی اس عبادت میں رشتہ خداوندی استوار کرنے کی اصل روح نہیں ہوگی۔

ایسے شخص سے جس کی زندگی کا معمول ہی دن میں سولہ گھنٹے کام کرنا ہے تاکہ اپنی ذاتی بھوک کا جہنم کسی طرح سرد ہو جائے۔ ایسے شخص سے حقوق اللہ اور حقوق العباد پر پورا اترنے کی توقع کی امید کیسے کی جاسکتی ہے؟ ایسے شخص سے تو رشتہ داروں کے حقوق ادا ہو سکیں گے نہ ہمسایوں کے، نہ والدین کے اور نہ اپنی ذات کے کیونکہ ایسی فرصت ہی نہیں ملی کہ وہ اپنی بھوک مٹانے کے علاوہ کچھ اور بھی سوچ سکے۔ (۲۲)

لہٰذا عبادت سے کامل نتائج حاصل کرنے کیلئے اور عبادات کی دعوت کو مؤثر بنانے کیلئے ولی اللہی حل یہ ہے کہ پہلے ایک انسانی معاشرہ بنایا جائے پھر اس انسانی معاشرہ سے ایمان اور عبادت کا تقاضا کیا جائے۔

اور جہاں انسانی معاشرہ ہی نہ ہو تو وہاں پہلی ضرورت یہی ہوتی ہے کہ انسانی معاشرے کے بنیادی تقاضے یعنی معاشی خوشحالی پیدا کی جائے اور معاشرتی طور پر لوگوں کو امن فراہم کیا جائے۔ یہ چیزیں ہو جائیں گی تو پھر آپ اس کو اگلے درجے میں مؤثر انداز میں بات بھی سمجھا سکیں گے اور کامل نتائج بھی حاصل کر سکیں گے۔ ورنہ بھوکوں، ننگوں اور خانہ جنگی کے شکار لوگوں کو نہ عبادت کی بات سمجھ میں آئے گی اور نہ ہی کامل نتائج حاصل ہو سکیں گے۔ (۲۳)

تحریر: محمد عبداللہ علوی (پشتیاں)

تصوف کے بارے میں فکری نظریہ

تصوف، مسٹسزم اور ہندوؤں کا ویدانت ایک ہے

"ہر قوم نے نفس انسانی کے باطنی شعور کو تہذیب اور ترقی دینے کے لئے طریقے سوچے۔ باطنی شعور کے تصفیہ اور ترقی کے طریقہ کو ہم تصوف کہتے ہیں، مغربی اسے مسٹسزم کا نام دیتے ہیں، ہندوؤں نے اسے ویدانت کہا، قدیم مصری، ایرانی اور یونانی اسے دوسرے ناموں سے پکارتے تھے۔"

(حالات، تعلیمات: ۱۳۶) ❶

گویا فکریوں کے ہاں تصوف، مسٹسزم اور ہندوؤں کا ویدانت ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔

موجودہ دور کا خانقاہی نظام ایک لعنت ہے

اسلامی اقدار کی پرورش، دینی اخلاق کی نشو ونما، مذہبی روایات و صفات کی تربیت، خدا شناسی اور خدا ترسی سکھانے میں خانقاہوں کا جو کردار رہا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں۔ یہ خانقاہیں کتنا عظیم کام سرانجام دے رہی ہیں؟ اور موجودہ دور میں ان کی کتنی اہمیت ہے؟ یہ ایک واشگاف زمینی حقیقت ہے جس کا ذرہ ذرہ عیاں ہے۔ بڑے بڑے علماء نے لوگوں کی زندگیاں سنوارنے اور انہیں راہ راست پر لانے کے لئے اپنی پوری پوری زندگی وقف کر دی ہے اور الحمد للہ آج ماحول میں اس کے ثمرات و برکات واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

فکریوں نے جہاں دینی اقدار، اسلامی روایات اور اسلام کی اساسی تعلیمات پر حملہ کیا وہاں انہوں نے تصوف اور خانقاہوں کو بھی نہیں چھوڑا، چنانچہ وہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ تصوف اور خانقاہوں پر حملہ آور ہوتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک زمانے میں بادشاہی نظام معاشرہ کے استحکام کا باعث ہوتا تھا اس لئے وہ ''خیر'' تھا، اب یہی بادشاہی نظام معاشرے کے لئے ایک روگ ہے۔ سیاسی ابتری اور شخصی بادشاہتوں کے جبر و استبداد کے دور میں صوفیاء کا خانقاہی نظام ملت کے لئے ایک رحمت تھا، اب وہی نظام ایک لعنت ہے۔ اسی طرح شخصی ملکیت ایک زمانے میں فلاح عمومی کی محرک ہوتی تھی اور آج کے مشین کے دور میں یہ استحصال کا ذریعہ ہے۔''

(افادات، ملفوظات:۲۹۲) ❷

اس عبارت سے آپ نے کیا اخذ کیا؟ بادشاہی نظام سے مراد نظام خلافت ہے جسے فکری معاشرے کا روگ قرار دے رہے ہیں اور خانقاہوں کے بارے میں تو لگی لپٹی کہے بغیر ہی بتا دیا کہ یہ نظام موجودہ دور میں ایک لعنت ہے۔ آگے اشتراکیت کی تائید میں شخصی ملکیت کی بھی نفی کر دی۔

علم تصوف اور ہندو ویدانت مختلف نہیں ہیں

فکریوں کے ہاں مسلمانوں کا طریقۂ تصوف اور ہندوؤں کا ویدانت ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں۔ وہ کبھی تصوف کو ہندو یوگیوں کے طور طریقے قرار دیتے ہیں، کبھی اسے مغربی مسٹسزم کا نام دیتے ہیں اور کبھی قدیم آتش پرستوں سے اس کی کڑیاں ملاتے ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر لکھتے ہیں:

''مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ علم تصوف اور

ویدانت اصل میں دو مختلف چیزیں نہیں ہیں، لیکن ویدانت کی
نشو ونما میں صرف ہندو دماغ نے حصہ لیا۔"

(حالات تعلیمات:۱۵۲) ۳

یعنی اصلاً اور حقیقتاً تو دونوں میں کوئی فرق نہیں لیکن ہندوؤں نے چونکہ اسے محدود کر دیا اس لئے یہ ہمہ گیر نہ ہو سکا۔ کتنی خطرناک بات ہے کہ اسلام کے علم تصوف کو ہندو ویدانت کے ساتھ ملایا جا رہا ہے اور دونوں کو اصلاً ایک قرار دیا جا رہا ہے۔

اصل تصوف میں آخرت پر زور نہیں دیا جاتا تھا

فکری لکھتے ہیں:

"ایک دفعہ اس سوال کے جواب میں "اسلام کے متصوفانہ تصور میں بظاہر ایک کمی معلوم ہوتی ہے، اس میں زیادہ زور آخرت پر دیا جاتا ہے اور ایک مادی تصور حیات اسی دنیا کو عالمگیر جنت بنانا چاہتا ہے۔ بے شک ارتقاء دونوں میں ہے لیکن ایک تو ارتقاء کا موہوم تصور پیش کرتا ہے اور دوسرا بالکل یقینی، قابل فہم اور ہمت افزا" مولانا نے فرمایا کہ صوفیاء اور علماء جب ناکارہ ہو کر رہ گئے اور ان کا دائرۂ علم محض روایت پرستی اور حاشیہ نویسی تک محدود رہ گیا تو انہوں نے اس دنیا کی تحقیر اور دوسری دنیا کی تعظیم کو اپنا شعار بنا لیا۔ یہ ان کی اپنی کم بینی اور کج فہمی تھی، اسلام کا اس سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔" (حالات تعلیمات:۱۵۷) ۴

یعنی اصل تصوف میں تو آخرت پر زور نہیں دیا جاتا تھا، بلکہ یہ علماء وصوفیاء کی کم بینی اور کج فہمی کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اس دنیا کی تحقیر اور آخرت کی تعظیم کو اپنا شعار

بنالیا، آخرت پر زور دینے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

دنیا کی تحقیر اور آخرت کی تعظیم علماء کی کم بینی اور کج فہمی تھی

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک اور جہاں بھی ہے جہاں انسان کو اپنے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ ملے گا جسے آخرت کا نام دیا جاتا ہے اور درحقیقت وہی زندگی اصل زندگی ہے، یہ دنیا تو محض ایک امتحان گاہ ہے۔ لوگ جب بھی اس حقیقت کو بھولے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے انہیں اس بات کی یاد دہانی کرائی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چونکہ کوئی نبی نہیں آئے گا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "العلماء ورثة الانبياء" کہہ کر یہ بارگراں علماء کے سپرد کر دیا، جو ہر دور اور ہر زمانے میں اس فریضے کو بحسن تمام انجام دیتے رہے۔

اسلام اگرچہ دنیاوی امور اور دنیاوی ترقی کا مخالف نہیں اور نہ ہی اس کا انکار کرتا ہے "ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة."

لیکن دنیا میں اس قدر انہماک کہ انسان آخرت کو بھول جائے اس کا سخت مخالف ہے کیونکہ اسلام کا اصل مقصد آخرت کی زندگی ہے۔ فکری اس بات سے متفق نہیں، وہ آخرت کی تعظیم اور دنیا کی تحقیر کو برداشت نہیں کر سکتے اس لئے وہ علماء و صوفیاء سے سخت ناراض ہیں اور وہ اسے علماء کی کم بینی اور کج فہمی سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانچہ فکریوں کے امام پروفیسر سروز صاحب رقم طراز ہیں:

> "تاریخ اسلام میں ایک دور وہ بھی آیا جب علمائے اسلام ناکارہ ہو کر رہ گئے اور ان کا دائرۂ کار اور حلقۂ اثر محض "قال و أقول" تک محدود ہو گیا۔ تاریخ اسلام کے اس مرحلے میں اس دنیا کی

تحقیر اور اُس دنیا یعنی آخرت کی تعظیم و توقیر ان کا شیوہ بن گیا۔
میرے نزدیک یہ ان کی کم بینی اور کج فہمی تھی، اسلام کا اس سے
کوئی تعلق نہیں۔'' (افادات، ملفوظات:۲۰۳) ۵

فکری اگر اس کو علماء کی کم بینی اور کج فہمی قرار دیتے ہیں تو کیا وہ یہ بتانا پسند فرمائیں گے کہ قرآنی آیات اور احادیث کی ایک بہت بڑی تعداد جن میں دنیا کی تحقیر اور آخرت کی تعظیم کی گئی ہے، ان کے بارے میں یہ کیا رائے رکھتے ہوں گے؟

یورپ کی اندھی تقلید انہیں یہاں تک تو لے آئی ہے، مزید ان کا تعاقب کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس تقلید نے کیا گل کھلائے ہیں اور اشتراکیت کا خمار انہیں کہاں تک لے گیا ہے۔

کئی طریقے ہیں اور ہر قوم نے اپنے اپنے رنگ میں جذب و سلوک کے قواعد وضع کئے ہیں۔ مولانا کے نزدیک فلسفۂ ولی اللہی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے جذب و سلوک کی ایک ایسی راہ بتائی ہے، جو سب قوموں کے طُرقِ جذب و سلوک کی جامع ہے۔ اس میں اور اسلام میں تضاد بھی نہیں۔ نیز سارے ادیان اور مذاہب کا بھی اس پر اتفاق ہو سکتا ہے۔

مولانا کا کہنا یہ ہے کہ یورپ کے موجودہ مادی اور معاشی نظام کو ہمیں لابدی طور پر قبول کر لینا چاہیئے۔ ان کے خیال میں یہ مادی نظام سارے کا سارا محض یورپ کی اپنی تخلیق نہیں۔ ہزارہا سال سے انسان دنیائے اسباب کی تسخیر کے لیے تگ و دو کرتا چلا آ رہا ہے۔ ہر قوم نے اپنے اپنے وقت میں تسخیر کے اس عمل کو آگے بڑھایا۔ اس زمانے میں اسباب کی دنیا میں یورپ سب کا امام ہے۔ اس لیے ہمیں یورپ کی سائنس اس کی تنظیم اور صنعت کو اپنانا ہوگا۔ خدانخواستہ اگر ہم نے یہ نہ کیا تو ہمارا وجود اس دنیا میں باقی نہیں رہ سکتا۔ اور ہم ریت کے ذروں کی طرح ہوا میں اُڑتے نظر آئیں گے۔

دوسری طرف مولانا کا یہ ارشاد ہے کہ زندگی کے مادی پہلو کی طرح اس کے باطنی پہلو کی ترقی کا سلسلہ بھی ابتدائے آفرینش سے جاری ہے۔ ہر قوم نے نفسِ انسانی کے باطنی شعور کو تہذیب اور ترقی دینے کے لیے طریقے سوچے۔ باطنی شعور کے تصفیہ اور ترقی کے طریقہ کو ہم تصوف کہتے ہیں۔ مغربی اسے "مسٹسزم" کا نام دیتے ہیں۔ ہندوؤں نے اسے ویدانت کہا۔ قدیم مصری ایرانی اور یونانی اسے دوسرے ناموں سے پکارتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ شاہ

مولانا "حق" کی اس مذہبی تعریف کو نہیں مانتے تھے۔ ان کے نزدیک "حق" اضافی اور نسبتی ہوتا ہے۔ مجرد حق نہیں کیونکہ یہ تو محض ایک تصور ہوتا ہے۔ بلکہ "حق" اپنی عملی تعبیر میں مثلاً مولانا کے خیال میں ایک زمانے میں بادشاہی نظام معاشرہ کے استحکام کا باعث ہوتا تھا اس لیے وہ "خیر" تھا۔ اب یہی بادشاہی نظام معاشرے کے لیے ایک روگ ہے۔ سیاسی ابتری اور شخصی بادشاہتوں کے جبر و استبداد کے دور میں صوفیہ کا خانقاہی نظام ملت کے لیے ایک رحمت تھا اب وہی نظام ایک لعنت ہے۔ اسی طرح شخصی ملکیت ایک زمانے میں فلاح عمومی کی محرک ہوتی تھی۔ اور آج کے مشین کے دور میں یہ استحصال کا ایک ذریعہ ہے۔

خود خدا کا تصور اسلام کے ابتدائی دنوں میں عمل خیر کا کتنا بڑا محرک تھا اور آج اس تصور سے مسلمانوں کی کتنی بُری حالت ہے۔ بہر حال حق یعنی اس کی عملی تعبیرات قطعی نہیں، اضافی اور نسبتی ہوتی ہیں مثال کے طور پر ایک زمانے میں ایک مسلمان حکومت کا اپنی غیر مسلم رعایا سے جزیہ وصول کر کے اسے مذہبی اور جماعتی آزادی دے دینا ایسا ہر دلعزیز اقدام تھا کہ عہد اول کی اسلامی فتوحات میں اس کا بھی ایک بڑا موثر کردار رہا لیکن جب انسانوں کی سیاسی و قانونی مساوات اور قومی ریاستوں کے خیالات عام ہوئے تو مسلمان حکومتوں کے زوال کا ایک سبب یہ جزیہ اور ذمی کا تصور بنا واقعہ یہ ہے کہ مذاہب کا یہ "حق ابدی" یا حق جامد کا تصور آج کے بڑی سرعت سے بدلتے ہوئے معاشرے میں ان کے سرے سے بے حاصل اور اس لیے باطل ہونے کی دلیل بن گیا ہے۔

مولانا سندھی کا یہ کہنا تھا کہ حق — یعنی اس کی عملی تعبیر تاریخی اور سماجی ہوتا ہے۔ ابدیت حق کے تصور میں ہو سکتی ہے، اس کی عملی تعبیر میں نہیں۔ اس کی عملی تعبیر ایک خاص سماج اور تاریخ کے ایک خاص دور میں ہوتی ہے، جسے بدلنا ہوتا ہے اور وہ بدلتا ہے۔ جب تک ایک ملت، ایک نظام اور ایک قانون اپنی تاریخ اور اپنے سماج کے بنیادی اور حقیقی تقاضوں کو جو مولانا کے نزدیک ایک لحاظ سے منشائے خداوندی ہی ہوتے ہیں پورا کرتا ہے، وہ حق اور برسر حق ہوتا ہے اور جب تاریخ اور سماج بدل جاتے ہیں اور زمانے کے نئے تقاضے ہوں اور وہ ملت، نظام اور قانون انہیں پورا

حوالہ نمبر 3

۱۵۲

رجحانات کا آئینہ دار ہوتا ہے، اس لیے ایک کا دوسرے سے ممتاز ہونا قدرتی بات ہے۔ باہم مشترک ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ "من کل وجہ" سب ایک حیثیت کے ہیں۔ تصوفوں میں بھی مدارج ہیں۔ ایک تصوف دوسرے سے اعلیٰ اور ارفع بھی ہوتا ہے۔

جولائی ۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے کہ مولانا احمد آباد تشریف لے گئے۔ وہاں گاندھی جی کے سیکرٹری مسٹر ڈیسائی سے، جن کا اب انتقال ہو چکا ہے، ان کی ملاقات ہوئی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے موصوف سے وحدت الوجود اور تصوف پر گفتگو کی۔ مسٹر ڈیسائی نے میری باتیں سن کر کہا کہ یہ تو ہمارے ہاں ویدانت میں بھی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں نے جواب دیا کہ علم تصوف اور ویدانت اصل میں دو مختلف چیزیں نہیں ہیں۔ لیکن ویدانت کی نشو و نما میں صرف ہندو دماغ نے حصہ لیا۔ اور پھر اس کے اساس پر جو عملی نظام بنا، وہ ہندوستان کی چار دیواری تک ہی محدود رہا۔ اس سے یہ ہوا کہ ویدانت انسانی فکر نہ ہو سکا۔ اور یہ خالص ہندوؤں کا قومی فکر بن گیا۔ پراچین ہند کی تہذیب جب سمندروں اور پہاڑوں کے درمیان گھر کر رہ گئی اور ہندو فکر نے وطن کی حدود سے باہر دیکھنا تک گناہ قرار دیا تو ویدانت میں بھی ہمہ گیریت نہ رہی۔ اس کے برعکس اسلامی تصوف نے ایک عالمگیر انسانیت کے مزاج سے نمو پایا۔ اس کو پروان چڑھانے میں دنیا کے سب فکروں اور قوموں نے حصہ لیا۔ اور پھر اس سے جو عملی نظام بنا، وہ نسلوں، رنگوں اور ملکوں کی حدود سے بالاتر تھا۔ چنانچہ یہ تصوف تمام انسانیت کا ترجمان بنا۔ اور اس میں صحیح بین الاقوامیت پیدا ہوئی۔ لیکن ویدانت

حوالہ نمبر 4

۱۵۷

عمل و اقدام کا مقتضی نہ تھا اور ان سے کمزور، بزدل اور ناکارہ لوگ باہمت نہ بنتے تھے۔

ایک دفعہ اس سوال کے جواب میں "اسلام کے متصوفانہ تصور میں بظاہر ایک کمی معلوم ہوتی ہے۔ اس میں زیادہ زور آخرت پر دیا جاتا ہے۔ اور ایک مادی تصورِ حیات اسی دنیا کو عالمگیر جنت بنانا چاہتا ہے۔ بے شک ارتقاء دونوں میں ہے۔ لیکن ایک تو ارتقاء کا موہوم تصور پیش کرتا ہے اور دوسرا بالکل یقینی قابلِ فہم اور ہمت افزا" مولانا نے فرمایا کہ صوفیاء اور علماء جب ناکارہ ہو کر رہ گئے۔ اور ان کا دائرہ علم محض روایت پرستی اور حاشیہ نویسی تک محدود رہ گیا تو انھوں نے اس دنیا کی تحقیر اور دوسری دنیا کی تعظیم کو اپنا شعار بنا لیا۔ یہ ان کی اپنی کم بینی اور کج فہمی تھی۔ اسلام کا اس سے دُور کا بھی تعلق نہ تھا۔

آپ نے فرمایا کہ ہر اجتماع میں اعلیٰ سے اعلیٰ اور اسفل سے اسفل افکار اور رجحانات موجود ہوتے ہیں لیکن جب زمانہ عروج ہوتا ہے تو اسفل افکار دبے رہتے ہیں اور شاذ و نادر کوئی فرد انہیں قبول کرتا ہے۔ عام جمہور ان سے بیزار ہوتے ہیں۔ لیکن جب قوم کا مزاج بگڑ جاتا ہے تو پھر اعلیٰ افکار دھندلے ہو جاتے ہیں اور اسفل خیالات کا قوم میں سکہ رواں ہوتا ہے۔ اس لیے قومی افکار و رجحان کی صحیح تشخیص بہت غور و فکر چاہتی ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ بے شک عہدِ اوّل میں بھی مسلمانوں میں دنیا سے متنفر ایک گروہ موجود تھا اور ہمیں اسلامی تاریخ کے ہر دور میں اس کے آثار نظر آتے ہیں لیکن اجتماعِ اسلامی میں اس فکر کو ایک ہزار سال ہجری کے بعد غلبہ نصیب ہوا۔ اس زمانہ میں ہمارا تمام علمی اثاثہ اس سے متاثر ہوا۔ نہ ہماری فقہ بچی، نہ تفسیر، نہ

برعکس اشتراکی تصورِ حیات اسی دنیا کو عالمگیر جنت بنانا چاہتا ہے اس میں شک نہیں کہ دونوں آخر کی طرف دیکھتے ہیں اور دونوں ارتقاء و ترقی کو مانتے ہیں۔ لیکن ایک کے سامنے ارتقا و ترقی کا ایک موہوم تصور ہے۔ اور دوسرا ایک یقینی، قابل فہم، ٹھوس اور ہمت افزا تصور کو مانتا ہے۔

اس پر مولانا دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ منجملہ اور باتوں کے آپ نے کہا: تاریخ اسلام میں ایک دور وہ بھی آیا جب علماء نے اسلام ناکارہ ہو کر رہ گئے اور ان کا دائرۂ کار اور حلقۂ اثر محض قال و اقول تک محدود ہو گیا۔ تاریخ اسلام کے اس مرحلے میں اس دنیا کی تحقیر اور اس دنیا یعنی آخرت کی تعظیم و توقیر ان کا شیوہ بن گیا۔ میرے نزدیک یہ ان کی کم بینی اور کج فہمی تھی۔ اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ دراصل ہر اجتماع میں اعلیٰ سے اعلیٰ اور اسفل سے اسفل افکار اور رجحانات دبے رہتے ہیں اور وہ صرف محدود حلقے ہی میں پھلتے پھولتے ہیں۔ عام جمہور ان سے دور رہتے ہیں لیکن جب دورِ اقبال گزر جاتے اور زوال شروع ہو تو قوم کا مزاج بگڑ جاتا ہے اس کے ذہنوں میں اعلیٰ افکار دھندلے پڑنے لگتے ہیں اور اسفل خیالات اوپر آجاتے ہیں۔ اس لیے قوم یا مذہب کے صحیح افکار کی تشخیص کرنا بہت غور و فکر چاہتا ہے۔ میں مانتا ہوں کہ مسلمانوں میں دنیوی فکر سے تنفر پہلے موجود تھا۔ اور تاریخ کے ہر دور میں اس کے آثار نظر آتے ہیں لیکن عام اسلامی اجتماع میں اس فکر کو غلبہ حالیہ صدیوں میں ہوا ہے۔ اس دور میں ہمارا تمام علمی و دینی اثاثہ اس سے متاثر ہوا ہے۔ اس میں نہ فقہ بچی، نہ تصوف، نہ تفسیر، نہ فلسفہ اور اسی طرح عام زندگی بھی۔ غرض سب کچھ آخرت کے لیے ہو گیا۔

قرآن مجید میں کافروں، منافقوں اور رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کی مخالفت کرنے والوں کو جس عذاب سے بار بار ڈرایا گیا ہے، مولانا فرماتے تھے کہ آخرت میں تو انہیں لازماً یہ عذاب ہو گا ہی۔ لیکن اس کا اشارہ اس عذاب کی طرف بھی ہے جو خود مسلمانوں کے ہاتھوں کفار مکہ اور دوسرے مخالفین و معاندین کو پہنچے گا اور بعد میں وہ پہنچا بھی یعنی یہ عذاب اس مادی زندگی میں بھی ہو گا۔

آزادیٔ نسواں

اسلام سے پہلے پوری انسانیت خصوصاً صنف نازک کی حالت انتہائی خراب تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو مبعوث فرمایا تو آپ نے جہاں اور دینی و دنیوی اصلاحات کیں وہاں ایک اصلاح یہ بھی کی کہ عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی کا حکم دیا اور انہیں معاشرے میں وہ مقام وعزت عطا کی جس کا اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ موجودہ دور میں یورپ نے آزادیٔ نسواں کا جو بظاہر خوبصورت نعرہ اٹھایا ہوا ہے اس کے پیچھے بھی درحقیقت زمانہ جاہلیت کا وہی نظریہ کارفرما ہے۔ ان نعروں سے ان کا مقصد درحقیقت اس دور کی درندگی اور بے حیائی کو دوبارہ فروغ دینا اور ان حقوق کو چھیننا ہے جو اسلام نے عورتوں کو عطا کیے۔ چادر اور چار دیواری کے تقدس کی جو دیوار اسلام نے کھڑی کی ہے یہ اسے گرا کر اس کے ملبے سے اپنی انا کی تسکین چاہتے ہیں۔

اسلام عورتوں کو اس درندہ صفت گروہ سے نجات دلاتا ہے اور زندگی کے نشیب و فراز میں حسب صلاحیت مرد کا بھرپور ساتھ دینے کی اجازت دیتا ہے لیکن جدید تہذیب سے جن کی آنکھیں خیرہ اور دل مردہ ہو گئے ہیں وہ بازاروں اور گلیوں میں پھرنے، ایئر ہوسٹس کے فرائض انجام دے کر مسافروں کا دل لبھانے، فیکٹریوں اور مختلف تعمیراتی کاموں میں ان کی صلاحیت سے بڑھ کر کام لینے کو ہی اس صنف نازک کا ''حق'' سمجھتے ہیں۔

عورتوں کو مردوں کی طرح سرعام باہر پھرنے کی اجازت ہے

فکری حضرات بھی یورپ کے اس دلفریب نعرے کی لپیٹ میں ہیں اور وہ

عورتوں کے مردوں کی طرح باہر پھرنے کو نہ صرف جائز بلکہ یہ اس کا مقدس اور قابل قدر حق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تفسیر المقام المحمود میں ہے:

''غرض عورت کی زنا کاری کی سزا چار مسلمانوں کی گواہی پر ساری عمر کی خانہ نشینی تجویز کی گئی ہے۔ پس اگر عورت کو عام طور پر باہر نکلنے کی اجازت مثل مردوں کے نہ ہوتی تو اس کو خانہ نشینی کی سزا بے معنی ہوتی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عورت کو مکان سے باہر نہ نکلنے دینا یا اس کو مثل قیدی کے چاروں طرف سے بند کر کے ایک جیل خانہ سے دوسرے جیل خانہ میں ڈولی یا کسی اور بند سواری کے اندر لے جانا اس کے فحش جرم کی سزا کے مترادف ہے۔ جو کہ صرف اسی حالت میں دی جا سکتی ہے جب کہ چار مؤمن اس بات کی گواہی دیں کہ یہ عورت فاحشہ ہے اور چار مسلمانوں کی گواہی شرط یہ ثابت کرتی ہے کہ عورت کے باہر پھرنے کی آزادی کو اسلام نے کس قدر قیمتی سمجھا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ چار مسلمان گواہوں کی گواہی خود اس قدر سخت ہے کہ ۹۹ فیصدی حالتوں میں چار مسلمانوں کی گواہی کا ملنا قریب قریب ناممکن ہے۔ جس سے یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ عورت کا باہر پھرنے کی آزادی کا حق کس قدر مقدس اور قابل قدر ہے کہ وہ ۹۹ فیصدی حالتوں میں اس پر جرم زنا قائم ہو جانے کے بعد بھی اس کو اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ کلام مجید اور احادیث سے عورتوں کی مثل مردوں کے باہر پھرنے کی عام اجازت ثابت ہوتی ہے اور ان کو اس سے بے وجہ محروم کرنا مردوں کا ظلم ہے۔ اور عورت کی فحش کاری کی

وجہ سے خانہ نشینی کو سزا کے مترادف ثابت کرنے کے بعد اب ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ پہلے مسلمانوں میں پردے (بے وجہ خانہ نشینی) کا ایسا رواج تھا یا نہیں، اس کے متعلق چند تاریخی واقعات نقل کئے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عام ملکی امن کی حالت میں مسلمان عورتوں کو باہر پھرنے کی اتنی ہی آزادی تھی جتنی مردوں کو بلکہ یہاں تک کہ جنگ کے زمانہ میں بھی عورتیں لڑائی کے کاموں میں مردوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔"

(المقام المحمود: ۵۶۲) ❶

نہ جانے تہذیب جدید کے متوالوں کی آنکھیں کیوں بند ہو گئیں؟ یہ کہنا کہ قرآن میں پردہ کے احکام نہیں ہیں نصف النہار کو شب دیجور بتانے کے مترادف ہے۔ فکری اگر یوں کہتے کہ ہم قرآن کو نہیں مانتے تو پردہ شکنی اور آوارگی کا راستہ پا لیتے لیکن قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرنا اور پھر یہ کہنا کہ قرآن سے عورتوں کے مردوں کی طرح باہر پھرنے کی اجازت ثابت ہوتی ہے، یہ بہت بڑا جھوٹ اور بے بنیاد دعویٰ ہے۔ سبحانك هذا بهتان عظيم۔

مذکورہ عبارت کی ہر ہر سطر ایک مستقل سوال ہے، تاہم اختصار کے پیش نظر صرف یہ عرض کرنا ہے کہ صحابہ کرام ہی کے دور میں عورتوں نے مسجد جانا ترک کر دیا تھا، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"لو أدرك رسول الله صلى الله عليه وسلم ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بني إسرائيل"

(بخاری: ج ۱ ص ۱۲۰، کتاب الأذان)

جب نماز کے لئے مسجد جانا ترک کر دیا تو پھر یہ کہنا "انہیں مردوں کی طرح سر عام باہر پھرنے کی اجازت ہے" قرآنی آیات اور احادیث نبوی کے ساتھ کتنا صریح

ظلم ہے؟

قرآن پاک میں عورتوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿وقرن فی بیوتکن﴾

ترجمہ: ''اور تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔''

اسی طرح حدیث شریف میں ہے:

"المرأة عورة فإذا خرجت استشرفها الشيطٰن"

(ترمذی: ج ا ص ۲۲۲، کتاب النکاح)

ترجمہ: ''عورت چھپا کر رکھنے کی چیز ہے اور بلاشبہ جب وہ اپنے گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اسے تکنے لگتا ہے۔''

اس قسم کی بے شمار آیات اور احادیث ہیں، لیکن فکری ان سب سے آنکھیں بند کر کے یورپی تہذیب کی آغوش میں جا بیٹھے اور ان سب آیات اور احادیث کا انکار کر دیا۔

عورتوں کو مردوں کے برابر شریک دیکھنا چاہتے ہیں

پروفیسر سرور صاحب ایک جگہ پر لکھتے ہیں:

''پردہ، بے پردگی، تعلیم نسواں، عورتوں کا مردوں کے پہلو بہ پہلو کاروبار زندگی میں شریک ہونا اور اس طرح کے دوسرے مسائل جو نئے تمدن کی پیداوار ہیں، مولانا نے ان کے بارے میں کبھی تفصیل سے گفتگو نہیں فرمائی۔ اس سلسلے میں کبھی کبھار جو کچھ وہ فرماتے تھے اس سے میں نے یہ تاثر لیا کہ وہ اصولاً عورتوں کو مردوں کے برابر زندگی میں شریک دیکھنا چاہتے تھے۔ اب یہ سوال کہ پردہ کہاں تک ہو؟ عورتوں کو کس قسم کی تعلیم دی

جائے؟ وہ گھر سے نکلیں تو کن حدود کے اندر رہیں؟ یہ باتیں ایسی ہیں کہ معاشرے کی حالت اور لوگوں کے عام رجحان کو سامنے رکھ کر حسب ضرورت ان کے بارے میں قاعدے اور ضابطے بنائے جاسکتے ہیں۔" (افادات ملفوظات:۴۸۳) (۲)

یعنی فکریوں کے ہاں عورتوں کے لئے پردہ، تعلیم اور گھر سے نکلنے کی حدود معاشرتی حالت اور لوگوں کے عام رجحان (اسلامی یا غیر اسلامی کی قید نہیں) کے مطابق خود بنائے جائیں، چنانچہ عام رجحان اگر بے پردگی کا ہو جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہے تو اسی کو اختیار کیا جائے۔

کتنی افسوسناک بات ہے کہ فکری اسلام کی پیش کردہ تعلیمات، قوانین اور اصول کی بجائے لوگوں کے رجحان کو اساس مانتے ہیں۔ اور چونکہ سویت یونین میں عورتوں کی معاشرتی مساوات، اشتراکیوں کا مسلمان عورتوں کو زبردستی پردے سے باہر نکالنا اور مصطفیٰ کمال کی آزادیٔ نسواں کی تحریک معاشرے کے عام رجحان کے مطابق تھی اسی لئے پروفیسر سرور اور ان کے متبعین کو ان اقدامات پر کوئی اعتراض نہیں اور وہ انہیں بنظر استحسان دیکھتے ہیں، چنانچہ پروفیسر سرور صاحب اپنے ملحدانہ افکار کو مولانا سندھی کے نام کا جامہ پہناتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بہر حال مولانا سندھی ان معاملات میں گفتگو نہیں کرتے تھے اور سویت یونین میں اشتراکی نظام کے تحت عورتوں کو جو معاشرتی و معاشی مساوات دی گئی ہے اس کے متعلق بھی مولانا نے کبھی اظہار خیال نہ کیا، اسی طرح وسط ایشیاء کی مسلم ریاستوں میں اشتراکیوں نے جیسے مسلمان عورتوں کو زبردستی پردے سے باہر نکالا، ان کے اس اقدام پر کبھی بھی اعتراض نہ کیا اور نہ انہوں نے مصطفیٰ کمال کی آزادیٔ نسواں کی کوشش کو

مردود قرار دیا۔" (افادات: ۴۸۳، ۴۸۴) ۳

قبل اس کے کہ حکومت ہماری عورتوں کے برقعے اتار دے ہم خود ہی ان کے نقاب اتار دیں

قرآن پاک میں واضح ارشاد ہے:

﴿یا ایها النبی قل لأزواجك وبنٰتك ونساء المؤمنین یدنین علیهن من جلابیبهن﴾

تَرجَمہ: "اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں اور دیگر مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ (جب ضرورت پر گھروں سے باہر جانا پڑے تو) اپنے (چہروں) اوپر (بھی) چادروں کا حصہ لٹکا کر (چہروں کے) قریب کرلیا کریں۔"

قرآن پاک کی اس آیت میں واضح طور پر ہے کہ ہر مسلمان عورت کے لئے اپنے پورے جسم کو ڈھانک کر رکھنا اللہ کی طرف سے لازم کیا گیا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اور بھی بے شمار آیات اور احادیث میں عورتوں کو پردے کا حکم دیا گیا، لیکن فکری حضرات حسب سابق ان تمام آیات اور احادیث کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی عورتوں کے نقاب اتار دینے چاہئیں۔ ملاحظہ ہو:

"ہاں ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ترکی اور ایران میں پردے کے خلاف وہاں کی حکومتوں کی طرف سے جو اقدامات کئے جارہے تھے، ان کا ذکر ہورہا تھا۔ ان دنوں اخبارات میں یہ خبر بھی چھپی تھی کہ رضا شاہ (موجودہ شاہ ایران کے والد) کی حکومت نے حکم دیا ہے کہ اگر کوئی ایرانی عورت چہرے پر نقاب ڈالے بازار

میں نکلے تو پولیس اسے مجبور کرے کہ وہ نقاب الٹ کر کھلے منہ چلے۔ مولانا نے یہ سنا تو فرمانے لگے کہ بھائی! قبل اس کے کہ پولیس ہماری عورتوں کو حکماً اور زبردستی سے نقاب الٹنے پر مجبور کرے، ہم خود ہی اس نقاب کو اتار دیں۔"

(افادات ملفوظات:۴۸۴) ۴

ہماری ہر عورت، ہر لڑکی میدان میں آئے گی، مخالفت کرنے والے کو گولی سے اڑا دیں گے

فکریوں کی نصابی کتاب "قرآنی شعور انقلاب" میں ہے:

"اس لئے ہمارے دماغ میں یہ خصوصی اثر آیا ہے کہ جب تک ہم عورتوں کو میدان میں نہ لائیں گے یہ بے ایمان مردہ طاقت حرکت میں نہیں آئے گی، اس لئے ہم میدان جنگ میں آنے کے لئے مرد اور عورت کی کوئی شرط نہیں لگاتے، چنانچہ ہماری ہر ایک عورت ہر ایک لڑکی میدان میں آئے گی اور جو اس کی مخالفت کرے گا جب ہم کو نظام پر قبضہ مل گیا، ہم اسے فوراً گولی سے اڑا دیں گے۔ ہم گاندھی جی کے طریق انقلاب کے داعی نہیں ہیں، ہم اسی طریق انقلاب کو فقط تیاری کے لئے مفید سمجھتے ہیں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکی زندگی میں مقید رہتے تھے، ہم کسی عالم کو اس مسئلے پر گفتگو کی اجازت نہیں دے سکتے کہ عورتوں پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا۔ اس قسم کے مخذل اور بزدلی سکھانے والے لوگ اسلامی سوسائٹی سے چن چن کر مار دینے چاہئیں۔"

(قرآنی شعور انقلاب:۴۹۱،۴۹۲) ۵

زوجیت کو نقصان پہنچانا چاہے، اور تم شک اور اوہام (وہموں) ہی سے دھوکہ کھا جاؤ، اس لئے جرم کے ثبوت کے لئے چار گواہ مقرر کئے۔ فَاَمْسِكُوْهُنَّ پر تو پھر ان کو خانہ نشینی کی سزا دو کہ وہ گھر سے باہر نہ نکل سکیں۔

کابل میں یہ سزا (خانہ نشینی) اب تک رائج ہے۔ اگرچہ یہ سزا مختلف جرائم کی بنا پر دی جاتی ہے اور حکومت کے افسروں کے جرم کا اگر ثبوت مل جائے تو یہ سزا ان کو اب تک دی جاتی ہے یعنی یَتَوَفّٰهُنَّ

مرنے دم تک یہ سزا دو۔ غرض عورت کی زنا کاری کی سزا چار مسلمانوں کی گواہی پر ساری عمر کی خانہ نشینی تجویز کی گئی ہے۔ پس اگر عورت کو عام طور پر باہر نکلنے کی اجازت مثل مردوں کے نہ ہوتی تو اسکو خانہ نشینی کی سزا بے معنی ہوتی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عورت کو مکان سے باہر نہ نکلنے دینا یا اسکو مثل قیدیوں کے چاروں طرف سے بند کر کے ایک جیل خانہ سے دوسرے جیل خانہ میں ڈولی یا کسی اور بند سواری کے اندر لے جانا اس کے فحش جرم کی سزا کے مترادف ہے جو کہ صرف اسی حالت میں دی جا سکتی ہے جبکہ چار مومن اس بات کی گواہی دیں کہ یہ عورت فاحشہ ہے اور چار مسلمانوں کی گواہی کی شرط یہ ثابت کرتی ہے کہ عورت کے باہر پھرنے کی آزادی کو اسلام نے کس قدر قیمتی سمجھا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ چار مسلمانوں کی گواہی خود ہی قدر سخت ہے کہ ۹۹ فیصدی حالتوں میں چار مسلمان گواہوں کا ملنا قریب قریب ناممکن ہے۔ جس سے یہ بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے کہ عورت کا باہر پھرنے کی آزادی کا حق کس قدر مقدس اور قابل قدر ہے کہ وہ ۹۹ فیصدی حالتوں میں اس پر جرم زنا قائم ہو جانے کے بعد بھی اس کو اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ کلام مجید اور احادیث سے عورتوں کی، مثل مردوں کے باہر پھرنے کی عام اجازت (ثابت ہوتی ہے) اور، ان کو اس سے بے وجہ محروم کرنا مردوں کا ظلم (ہے) اور عورت کی فحش کاری کی وجہ سے (خانہ نشینی کو سزا) کے مترادف ثابت کرنے کے بعد اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ پہلے مسلمانوں میں پردے (بے وجہ خانہ نشینی) کا ایسا رواج تھا یا نہیں، اس کے متعلق چند تاریخی واقعات نقل کئے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عام ملکی امن کی حالت میں مسلمان عورتوں کو باہر پھرنے کی اتنی ہی آزادی تھی جتنی مردوں کو، بلکہ یہاں تک کہ جنگ کے زمانہ میں بھی عورتیں لڑائی کے کاموں میں مردوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں[1]، جنگ قادسیہ میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے زخمیوں کو عورتوں کے سپرد کیا جو ان کی تیمارداری میں مصروف ہو جائیں، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عورتیں جنگی شفاخانوں میں تیمارداری کا کام کرتی تھیں وغیرہ۔

اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا۔

وھو ما ذکر فی سورۃ النور (یعنی یہ سزا تاحیات جاری رہے گی یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راستہ نکال دے، چنانچہ سورۃ نور اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ الایۃ آیت ۲ پ ۱۸ میں ہے کہ زانی اور زانیہ ہر ایک کو ایک سو کوڑے لگاؤ!

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا

نہ کرنے کی رائے دیں گے لیکن میرے تعجب کی کوئی حد نہ رہی، جب میں نے مولانا کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ شادی ضرور کرو اور جلد کرو۔

مولانا نے کہا :۔ پروفیسر! شادی کرو اور بیوی کو برابر کی رفیق اور مساوی مرتبے کا ساتھی سمجھو۔ ہمارے ہاں یہ ہوا کہ ہم نے بیویوں کو اپنا محکوم بنایا اور انہیں ذلیل سمجھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے گھروں کی فضا محکومی اور ذلت سے آلودہ ہوگئی ہے، ہم اس فضا میں سانس لیتے ہیں اور ہمارے بچے اس میں پلتے ہیں۔ چنانچہ ہماری اس گھریلو زندگی کا اثر ہماری گھر سے باہر کی پوری زندگی پر پڑا اور جس طرح ہم نے گھر کے اندر اپنی عورتوں کو محکوم اور ذلیل سمجھا، اسی طرح ہم گھر کے باہر خود بھی ذہناً، طبعاً اور اخلاقی لحاظ سے محکوم اور ذلیل ہو گئے اور ہماری اولاد اس سانچے میں ڈھلتی چلی گئی۔ سچ پوچھو تو ہماری موجودہ قومی پستی، جمود، بے ضمیری اور عدم ثبات و استقامت بہت حد تک ہماری اسی گھریلو زندگی کی وجہ سے ہے، اب اگر ہمیں آزاد ہونا ہے اور اس دنیا میں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی اپنے اندر ہمت پیدا کرنا ہے تو ضرورت ہے کہ ہم اپنی عورتوں کے اندر عزت نفس اور رفاقت کا شعور پیدا کریں۔

پردہ، بے پردگی، تعلیم نسواں، عورتوں کا مردوں کے پہلو بہ پہلو کاروبار زندگی میں شریک ہونا اور اس طرح کے دوسرے مسائل جو نئے تمدن کی پیداوار ہیں، مولانا نے ان کے بارے میں کبھی تفصیل سے گفتگو نہیں فرمائی۔ اس سلسلے میں کبھی کبھار جو کچھ وہ فرماتے تھے اس سے میں نے یہ تاثر لیا کہ وہ اصولاً عورتوں کو مردوں کے برابر زندگی میں شریک دیکھنا چاہتے تھے اب یہ سوال کہ پردہ کہاں تک ہو، عورتوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے، وہ گھر سے نکلیں تو کن حدود کے اندر رہیں، یہ باتیں ایسی ہیں کہ معاشرے کی حالت اور لوگوں کے عام رجحان کو سامنے رکھ کر حسب ضرورت ان کے بارے میں قاعدے اور ضابطے بنائے جا سکتے ہیں۔ بہر حال مولانا سندھی ان معاملات میں گفتگو

تے تھے اور سوویت یونین میں اشتراکی نظام کے تحت عورتوں کو جو معاشرتی و معاشی

حوالہ نمبر 3 | حوالہ نمبر 4

۴۸۴

مساوات دی گئی ہے، اس کے متعلق بھی مولانا نے کبھی اظہار خیال نہ کیا۔ اسی طرح وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں میں اشتراکیوں نے جیسے مسلمان عورتوں کو زبردستی پردے سے باہر نکالا، ان کے اس اقدام پر بھی کبھی اعتراض نہ کیا اور نہ انہوں نے مصطفیٰ کمال کی آزادیٔ نسواں کی کوششوں کو مردود قرار دیا۔

ہاں ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ترکی اور ایران میں پردے کے خلاف وہاں کی حکومتوں کی طرف سے جو اقدامات کئے جا رہے تھے، ان کا ذکر ہو رہا تھا۔ ان دنوں اخبارات میں یہ خبر چھپی تھی کہ رضا شاہ (موجودہ شاہ ایران کے والد) کی حکومت نے حکم دیا ہے کہ اگر کوئی ایرانی عورت چہرے پر نقاب ڈالے بازار میں نکلے تو پولیس اسے مجبور کرے کہ وہ نقاب الٹ کر کھلے منہ چلے۔ مولانا نے یہ سنا تو فرمانے لگے کہ بھائی! قبل اس کے کہ پولیس ہماری عورتوں کو حکماً اور زبردستی سے نقاب الٹنے پر مجبور کرے۔ ہم خود ہی اس نقاب کو اتار دیں۔

عدم ترتیب و انتشارِ فکری کا الزام اور اس کا جواب

۱۵ فروری ۱۹۴۴ء کو رات کے کھانے پر دورانِ گفتگو میں میں نے مولانا سے بہت بچ بچا کے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے ان اعتراضات کا ذکر کرنا چاہا، جو لوگ ان کے افکار و خیالات پر کرتے ہیں۔ مولانا بھڑک اٹھے اور جیسا کہ ایسے موقعوں پہ اکثر ہوتا تھا، وہ زور زور سے بولنے لگے۔ میں ایک بات کہتا، وہ بس پڑتے اور میں چپ ہو جاتا۔ پھر کچھ اور عرض کرتا، وہ زیادہ سختی سے ڈانٹنے لگتے اور میں خاموش ہو جاتا۔ غرض اس طرح جب وہ اپنا غصہ نکال چکے اور ان کی طبیعت میں قدرے سکون آگیا تو فرمانے لگے کہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی سیاسی تحریک کے جس تیسرے دور کی دعوت دیتا ہوں، واقعی اس کے بارے میں مزید کچھ لکھنے کی ضرورت ہے۔ اور اب میں یہ کام کروں گا۔

یہ رات کی گفتگو تھی۔ دوسری صبح کو چائے پر مولانا فرمانے لگے کہ ایک نظام کے

بُنیان مرصُوص کی حقیقت (حوالہ نمبر 5)

فوجی نظام میں یہ علوم متعارفہ کے درجے کی چیز ہے کہ جو افسر شہید ہو جائے اس کے نیچے کا آدمی فوراً" خود بخود اس کی جگہ لے لیتا ہے اس نظام کا کوئی عہدہ آخری دم تک کبھی خالی نہیں رہتا فتح اسی تنظیم کی صورت ہی میں ہو سکتی ہے بعض اوقات حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ صف میں ایک آخری آدمی باقی رہ جاتا ہے کہ وہ جاتا ہے تو فتح حاصل ہو جاتی ہے وہ ساری جماعت کی فتح شمار ہوتی ہے جب تک مرنے والوں کی جگہ زندہ لوگ سنبھالنے کے قابل نہ ہو جائیں کسی فوجی نظام کا نام تک نہیں لینا چاہئے اس کا حاصل یہ ہوگا کہ چاہے ہم سو آدمیوں کا دستہ دشمن کے مقابلے میں بھیجیں مگر اس دستے میں جو کمی ہوتی رہے اسے پورا کرنے کا انتظام پیچھے سے ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ سو آدمیوں کا دستہ آگے بڑھتا ہوا دشمن کو شکست دے دے اس کے لئے اگر پیچھے ساری قوم تیار نہیں ہے تو وہ سو آدمیوں کا دستہ کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جو لوگ اس طرح بنیان مرصوص بن کر لڑتے ہیں۔ اللہ ان سب سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے یعنی اللہ اس چیز کو پسند کرتا ہے کہ ساری قوم بنیان مرصوص بن کر کام کرے۔

عورتیں اور فوجی خدمت

قرآن حکیم کو ماننے والی جماعت اپنے رب کی حُبّ حاصل کرنے کے لئے بغیر کسی جبر کے یہ جبری ڈیوٹی (Conscaption) اپنے ذمے لے لے گی۔

مسلمانوں میں اللہ کے فضل سے اب تک یہ صلاحیت موجود ہے مگر جیسے سیاسی نظام پیدا کرنے کے میدان میں ان کے لیڈروں نے ان کو بدنام کر رکھا ہے ویسے ہی فوجی نظام پیدا کرنے میں ان کے علماء ہی فوجی نظام پیدا کرنے میں ان کے علماء اور ان کے بزرگوں نے ان کو بے عزت کر دیا ہے۔ ان کے بڑے علماء اور بڑے بزرگ سب سے زیادہ بُزدل اور سب سے زیادہ عورتوں کے غلام ثابت ہوں گے۔ (اِلّا ماشاء اللہ) تجربہ کر کے دیکھ لو یہ عورتوں کی غلامی کا مسئلہ مولانا شہیدؒ کے زمانہ میں بھی پیش آچکا ہے اور میں خود بھی اسے دیکھ رہا ہوں۔ یہ لوگ عورتوں کے غلام ہیں یہ کبھی گھر سے نہ نکلیں گے۔ حضرت مولانا اسمٰعیلؒ کے خط میں ایک فقرہ آتا ہے۔ "در فرج زناں مشغول ہستند" (سوانح احمدیہ)

ہمارا بھی یہی تجربہ ہے ہمارے بہترین شاگردوں نے اس لئے جواب دے دیا کہ وہ عورتوں کی غلامی سے نہ نکل سکے اس لئے ہمارے دماغ پر یہ خصوصی اثر آیا ہے کہ جب

تک ہم عورتوں کو میدان میں نہ لائیں گے یہ بے ایمان مردہ طاقت حرکت میں نہیں آئے گی اس لئے ہم میدان جنگ میں آنے کے لئے مرد اور عورت کی کوئی شرط نہیں لگاتے۔ چنانچہ ہماری ہر ایک عورت اور ہر ایک لڑکی میدان میں آئے گی اور جو اس کی مخالفت کرے گا جب ہم کو نظام پر قبضہ مل گیا ہم اسے فوراً گولی سے اڑا دیں گے۔ ہم گاندھی جی کے طریق انقلاب کے داعی نہیں ہیں ہم اسی طریق انقلاب کو فقط تیاری کے لئے مفید سمجھتے ہیں جیسے رسول اللہ ﷺ مکی زندگی میں مقید رہتے تھے۔ ہم کسی عالم کو اس مسئلے پر گفتگو کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے کہ عورتوں پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا اس قسم کے مخذل اور بزدلی سکھانے والے لوگ اسلامی سوسائٹی سے چن کر مار دینے چاہئیں۔

مخذلین اور مرجفین کے استیصال کی ضرورت

حجتہ اللہ البالغہ جلد دوم ص 175 میں ہے "مخذل اور مرجف کو مجاہدین کی صف سے نکال دیا جائے"۔ پس ہم ان کو ختم کر دیں گے بلکہ ان کو قوم ہی سے نکال دیں گے انہوں نے ہماری مسجدیں منبر سنبھالے ہوئے ہیں اور مدارس پر بھی ان کی حکومت چل رہی ہے ہماری زبان سے جتنا سب و شتم نکلتا ہے اس میں ہدف یہی لوگ ہیں اور وہ بھی ہماری جماعت کے علماء۔

مسلمان اور فوجی خدمت

جیسے ہماری سیاسی زندگی میں یہ ایک ضروری مرحلہ ہے جسے طے کرنا پڑے گا ویسے ہی ہماری ایمانی زندگی میں قرآن حکیم کی حکمت کو سمجھ کر اس کی پابندی کرنا ضروری ہے ہم اسے قبول نہیں کر سکتے کہ جب ایک مسلمان اپنے ملک پر اپنی حکومت پیدا کرتا ہے تو وہ کس طرح اپنی ذات کو اور اپنے اہل کو جس میں اس کے لڑکے اور لڑکیاں ماں اور بیوی بھی شامل ہیں فوجی خدمت سے مستثنیٰ کرا سکتا ہے؟

فوجی خدمت کی وسعت

فوجی خدمت فقط یہ نہیں ہے کہ میدان میں اڑیں فوج کے متعلق کوئی سا کام پورا کرنا فوجی خدمت ہے مگر ایک چیز سب میں مشترک رہے گی اور وہ یہ کہ ہر ایک شخص شہید ہونے کے لئے تیار رہے گا اور صف اول میں رخنہ پر کرنے والے آدمی موجود رہیں گے اس مسئلے کو حل کئے بغیر یہ کہنا کہ ہم... ہندوستان میں اپنا مستقل نظام چاہتے ہیں پاگلوں کا کام ہے۔

عقل مذہب پر مقدم ہے

اس میں شک نہیں کہ عقل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک بہت بڑی نعمت ہے، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ اس کے لئے ایک خاص دائرہ کار مقرر ہے جس سے نکلنا اس کے لئے ممکن نہیں، چنانچہ جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے وہاں سے وحی الٰہی اور نبوت الٰہیہ کی حدود شروع ہو جاتی ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور قول ہے:

"لو كان الدين بالرأى لكان أسفل الخف أولى بالمسح من أعلاه" (ابوداؤد: ج۱ص۲۴، باب کیف المسح)

ترجمہ: "اگر دین عقل سے ہوتا تو موزہ کے نچلی طرف مسح کرنا اوپر کی طرف مسح کرنے سے بہتر ہوتا۔"

(اس لئے کہ نماز میں زیادہ استعمال موزہ کا نچلا حصہ ہوتا ہے اسی طرح نجاست کا اثر بھی نچلے حصہ پر پڑتا ہے۔ عقل تو یہ کہتی ہے لیکن شریعت نے چونکہ اوپر کی طرف مسح کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے اوپر والی طرف ہی پر مسح کیا جائے گا)۔

اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"لو قلت بالرأى لأ وجبت الغسل بالبول، لأنه نجس متفق عليه، والوضوء بالمنى، لأنه نجس مختلف فيه، ولأعطيت الذكر فى الإرث نصف الأنثى بكونها أضعف منها." (المنہل العذب المورود شرح أبي داؤد: ج۲ ص۱۴۵، موسسۃ التاریخ العربی بیروت)

ترجمہ: "اگر میں عقل سے فیصلہ کرتا تو پیشاب سے غسل کو

واجب قرار دیتا، کیونکہ یہ تمام ائمہ کے ہاں نجس ہے اور منی سے وضوء کو واجب قرار دیتا کیونکہ اس کے نجس ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے، اسی طرح میراث میں مذکر کو مونث کے حصہ کا نصف دیتا کیونکہ وہ مرد سے کمزور ہے۔''

معلوم ہوا کہ وحی کی آنکھ سے نظر آنے والے امور عقل کی دسترس سے باہر ہیں اور جہاں عقل کی حدود ختم ہو جاتی ہیں وہاں سے وحی کے علوم شروع ہو جاتے ہیں، لہٰذا کتاب وسنت، شرائع الٰہیہ اور احکام منصوصہ کے سامنے سر جھکانے اور ادب و وقار اور تسلیم و انقیاد کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا ہونے کے سوا عقل کا کوئی چارہ نہیں اور حقائق تک رسائی اور ان امور پر گرفت نہ ہونے کی صورت میں اسے اپنی تنگ دامانی کا اعتراف اور بلاچوں و چرا شریعت کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہئے۔ لیکن اس سلسلے میں یہ واضح رہے کہ جس طرح وحی کے نہ ہونے کی صورت میں عقل سے کام نہ لینا حماقت اور کوتاہی ہے، بالکل اسی طرح ہر حکم الٰہی کو عقل کے ترازو میں تولنا انتہائی گھناؤنی جسارت ہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد آیئے ذرا ایک طائرانہ نظر فکر یوں پر ڈالتے ہیں کہ وہ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جو چیز سمجھ میں نہ آئے اسے قبول نہیں کیا جا سکتا

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور موجودہ دور تک کے تمام اہل حق علماء کا یہی نظریہ ہے کہ احکام شرعیہ کا احاطہ عقل نہیں کر سکتی، دین کے تمام احکام کے اسرار و رموز اور ان سب کی علتیں عقل کے ذریعے سمجھنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے، لیکن جمہور امت کے اس نظریئے کے بالکل برعکس فکری عقل کو تمام احکام شرعیہ کی اساس قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں ہر حکم الٰہی کو عقل

کے ناقص ترازو میں تولنا ضروری ہے اور جب تک کوئی حکم عقل میں نہ آئے وہ قابل قبول ہو ہی نہیں سکتا، چنانچہ فکریوں کی بنیادی کتاب ''افادات ملفوظات'' میں ہے:

''میں جنگل میں اکیلا بیٹھنا منظور کر سکتا ہوں لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی کی بات سمجھے بغیر اسے ماننے پر راضی ہو جاؤں، ہاں پہلے کوئی بات سمجھ لوں اور اس کا قائل ہو جاؤں تو پھر اسے مان سکتا ہوں۔ شکست قبول کرنا منظور ہے لیکن ضمیر کے خلاف کوئی کام کرنا منظور نہیں۔ میں نے اپنے بزرگوں کو اسی مسلک پر گامزن پایا۔'' (افادات وملفوظات: ۴۶۳) (1)

گویا وہ دین کے تمام احکام کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور جو سمجھ نہ آئے اسے رد کر دیتے ہیں۔ یعنی حکمت الٰہی کا ان کی عقل کے مطابق ہونا ضروری ہے، ورنہ یہ اسے ماننے کے لئے بالکل تیار نہیں۔

کیا ہم بڑے ادب سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ وہ کتنے احکام ہیں جنہیں آپ کی سمجھ مبارک میں آنے کا شرف حاصل ہوا؟

اور اگر تمام احکام آپ کی عالی عقل میں سمو گئے ہیں تو ذرا ہمیں بھی بتائیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو کہا تھا کہ یہ میری سمجھ میں نہیں آیا (جو ماقبل میں ہم نے ذکر کر دیا) کیا یہ آپ کی سمجھ میں آگیا ہے؟ اور اگر نہیں تو آپ کو ضرور رد کر دینا چاہئے! اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کیا خیال ہے؟ وہ حکم بھی تو بالاز عقل ہے، لہٰذا پیشاب سے غسل کو واجب اور منی سے وضو کو واجب قرار دیں! اور بڑے شوق سے مذکر کو مؤنث کا نصف دیں۔ آپ کے من چاہوں کا نعرہ بھی یہی ہے، مولوی تو ''حقوق نسواں'' کا خیال ہی نہیں رکھتے، لیکن یاد رہے اس کے ساتھ ساتھ قرآن کی آیت "للذکر مثل حظ الانثیین" کو بھی بدلنا پڑے گا اور یہ آپ کے لئے کوئی مسئلہ ہی نہیں، کیونکہ قرآنی احکام کے غیر متبدل ہونے کے تو

آپ ویسے بھی قائل نہیں۔

جو مذہب عقل کو پیچھے ڈال دے ایسا مذہب خواہ اسلام ہی کے نام سے کیوں نہ ہو وہ واقعی اعصاب زدگی، جذبات کا ہیجان اور بے عقلوں کا مذہب ہو جاتا ہے

اب جب کہ فکری ہر حکم الٰہی کو عقل اور سمجھ کے ترازو میں تولتے ہیں تو بہت ممکن ہے کہ کوئی یہ سمجھے کہ شاید اسلام کے تمام احکام کے اسرار و رموز کے دروازے ان پر کھل گئے ہوں گے اور تمام احکام کی علتیں ان کی عقل اور سمجھ میں آگئی ہوں گی، لیکن ایسی کوئی بات نہیں، بلکہ فکری جن احکام کو نہیں سمجھ پاتے انہیں رد کر دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں عقل کو پیچھے ڈال دینے والا مذہب اعصاب زدگی اور جذبات کا ہیجان ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''میں مذہب کو اس طرح دیکھنے کا مخالف ہوں۔ میرے نزدیک مذہب کا موضوع انسان کی پوری زندگی ہے۔ اب انسان میں دل یعنی جذبات ہیں، دماغ یعنی قوت غور و فکر ہے اور جسم ہے۔ مذہب کا کام یہ ہے کہ ان سب کو تسکین دے اور سب کے لئے ترقی کے مواقع بہم کرے۔ جو مذہب عقل کو پیچھے ڈال دیتا ہے وہ مذہب واقعی اعصاب زدگی اور جذبات کا ہیجان ہے۔ بے شک وعظ و ارشاد میں ایک خطیب کو جذبات سے اپیل کرنا پڑتی ہے لیکن اس وقت بھی اسے حدود معقولیت

سے گزرنا نہیں چاہئے۔ اب اگر کسی مذہب میں معقولیت بالکل نہ رہے اور اس کا سارا سرمایہ جذبات پرستی اور جذبات انگیزی بن جائے تو ایسا مذہب خواہ اسلام ہی کے نام سے کیوں نہ پیش کیا جائے بے عقلوں کا مذہب ہو جاتا ہے اور اس کو اعصاب زدہ لوگ ہی مان سکتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسے لوگ جوش وجذبات میں اپنے اس مذہب پر جانیں بھی نثار کر دیتے ہیں۔ عقل، جذبات اور جسمانی ضرورتوں میں پورا توازن رکھنے اور انہیں ارتقاء وترقی کی شاہراہ پر چلانے والا مذہب ہی میرے نزدیک صحیح مذہب ہے، باقی اعصاب زدگیاں اور جذباتی ہیجان خیزیاں کسی مذہبی اور غیر مذہبی نظام فکر میں نہیں ہوتیں، ان کا ذکر چھوڑو۔'' (افادات وملفوظات: ۴۰۶، ۴۰۷) (۲)

یعنی فکریوں کے ہاں صحیح مذہب وہی ہے جو عقل، جذبات اور جسمانی ضرورتوں کو پوار کرنے کے ساتھ ساتھ دنیا میں ترقی کی شاہراہ پر بھی گامزن کرے، گویا مذہب کے صحیح ہونے یا نہ ہونے کا معیار ان کے ہاں دنیا کی ترقی ہے۔

مذکورہ عبارت میں یہ جملہ کہ ''بعض دفعہ ایسے لوگ جوش و جذبات میں اپنے مذہب پر جانیں بھی نثار کر دیتے ہیں۔'' قابل غور ہے، یقیناً قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ فکری اس سے کیا بتانا چاہتے ہیں۔

''غیر ترقی یافتہ'' مذہب سے جب انہیں اس قدر الرجی ہے تو کیا بعید ہے کہ وہ اسے چھوڑ کر کوئی ایسا مذہب قبول کر بیٹھیں جو ظاہری طور پر ترقی کی شاہراہ پر بھی گامزن ہو اور جسمانی ''ضرورتوں'' کو بھی پورا کرتا ہو، تاکہ ''بے عقلوں'' کے مذہب سے انہیں نجات مل جائے۔

اس مذہب کے قائل نہیں جو پہلے ہی دن عقل سے دست کش ہونے کو کہے

فکریوں کے ہاں کسی روایت میں اگر کوئی حکم ہو تو اسے عقل کے دربار میں پیش کرنا ضروری ہے، اگر عقل اسے نہ مانے تو اسے رد کر دینا چاہئے۔ وہ ایسے مذہب کے قائل ہی نہیں جس میں عقل سے دست کش ہونا پڑے۔ ملاحظہ ہو:

''علوم کی تحصیل میں بھی آپ کے ہاں روایت پر درایت اور نقل پر عقل کو ترجیح رہی۔ موصوف نے اپنی زندگی میں کبھی کسی ایسی بات کو نہیں مانا جو ان کی عقل کے لئے قابل قبول نہ ہو۔ وہ مذہب جو پہلے ہی دن عقل سے دست کش ہونے کو کہے مولانا اس مذہب کے سرے سے قائل نہیں۔ اگر وہ اپنی عقل کو اتنا بے چارہ سمجھتے تو کبھی بھی اپنا آبائی مذہب نہ چھوڑتے۔

(تھوڑا آگے چل کر یوں لکھتے ہیں) مولانا نے نقل کو ہمیشہ عقل کی کسوٹی پر پرکھا، اس عقل کو وجدان سے ہم نوا کیا اور پھر عملی زندگی میں ان کو اپنا خضر راہ بنایا، لیکن اس سلسلے میں مولانا کی شخصیت کی بڑائی یہ ہے کہ انہوں نے نقل کا دائرۂ کار ایک گروہ یا ایک قوم یا ایک مذہب کی روایات اور تاریخ تک محدود نہ رکھا، بلکہ انہوں نے کوشش کی کہ انسانیت کی تمام تاریخ سے استفادہ کریں۔'' (حالات تعلیمات: ۱۲۹، ۱۳۰) (۳)

گویا عقل و نقل کی یہ جولانیاں صرف اپنے مذہب تک محدود نہیں بلکہ تمام مذاہب کی نقل کو عقل پر پیش کرتے ہیں۔ اس کا واضح مطلب تو یہ ہوا کہ اپنے مذہب

کی جو چیز عقل کے مطابق نہ ہو اسے رد کر دینا چاہئے اور دوسرے مذاہب کی جو نقل عقل کے مطابق ہو تو اسے قبول کرنا چاہئے، یعنی اسلام اور مغربیت کا ملغوبہ! یہی فکریوں کا مذہب ہے۔

وحی اور عقل

''جس قوم کا یہ عقیدہ ہو کہ علم کا آخری، قطعی اور یقینی ذریعہ وحی ہے اور وحی میں عقل کو کوئی دخل نہیں۔ ڈاکٹر صاحب! اس قوم کا کیا بنے گا، میں اس کے مستقبل سے خائف ہوں'' (افادات: ۷۸) ❹

مدرسہ..... جمود پرستی کی وباء پھیلانے والی فیکٹری

جناب شیرین زادہ صاحب لکھتے ہیں:

''اس کے برعکس مذہبی علوم کے موجودہ تعلیمی نظام کا بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں ہر بات محض نقل کے ذریعے منوائی جاتی ہے، خواہ وہ بے سند ہی کیوں نہ ہو، حالانکہ جس نقل کو عقل کی تائید و حمایت حاصل نہ ہو وہ ایک قسم کا ذہنی جبر بن جاتی ہے۔ ابتداء میں تو طالب علم کم عمری کی فطری کمزوری کی وجہ سے استاد کے سامنے چوں و چرا نہیں کرتا لیکن جوں جوں وہ بڑا ہوتا ہے تو اگر وہ ذہین طالب علم ہے تو اس میں بغاوت کے جراثیم ابھرنے لگتے ہیں اور پھر نتیجہ اتنا بھیانک ہوتا ہے کہ اسے اپنے عقیدے اور اخلاقی نظام سے بس نام کی وابستگی رہ جاتی ہے، کیونکہ یہ عقیدہ اور نظام اس کے اپنے ضمیر کا نہیں بلکہ اوپر سے مسلط کیا

ہوا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس کے ساتھ مخلص بھی نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ متوسط یا کم استعداد کا حامل ہے تو اس طریقۂ تعلیم سے اس کو ہر بات آنکھ بند کر کے تسلیم کرنے کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور اس طرح جستجو و تحقیق کا جوہری مادہ اس سے نکل جاتا ہے اور یوں مدرسہ جمود پرستی کی وباء پھیلانے والی فیکٹری بن جاتا ہے۔" (عزم:۱۶۶ص۲۴) ۵

الانس تک رہنے دی جائے۔ کیونکہ جب طالب علم کو قائل کئے بغیر کسی چیز کو ماننے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ تو اس طرح کی کمزوری اس کی عادت بن جاتی ہے۔ اور وہ زندگی میں ہر چیز کو بغیر سمجھے ماننے لگتا ہے۔ اس کا نتیجہ ذہنی غلامی اور ذلت نفس ہوتی ہے جو استاد اپنے طالب علموں کو مذہبی حقائق سمجھا نہیں سکتا اسے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ انہیں مذہب کی تعلیم دے۔ ارشاد ربانی ہے:۔ لا اکراہ فی الدین (زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں)

مولانا سندھی نے خود اپنے بارے میں فرمایا:۔

میں جنگل میں اکیلا بیٹھنا منظور کر سکتا ہوں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی کی بات سمجھ بغیر اسے ماننے پر راضی ہو جاؤں۔ ہاں پہلے کوئی بات سمجھ لوں اور اس کا قائل ہو جاؤں تو پھر اسے مان سکتا ہوں۔ شکست قبول کرنا منظور ہے لیکن ضمیر کے خلاف کوئی کام کرنا منظور نہیں۔ میں نے اپنے بزرگوں کو اسی مسلک پر گامزن پایا ہے۔

جس فیصلے میں میری رائے کو دخل نہیں، وہ فیصلہ میرے لیے ذلت آمیز ہے۔ وہ بات جو مجھ سے بغیر مجھے قائل کرائے منوائی جائے، وہ میری ذات کی توہین ہے۔ انسان کا اولین حق یہ ہے کہ اس کے وجود کو تسلیم کیا جائے۔ اور اس سے مراد ہے اس کی رائے کا مستقل ماننا۔ انسان کی رائے ہی اس کی ذات کا اظہار ہوتا ہے۔

تناسخ

ہندو تناسخ ارواح کو مانتے ہیں، جس کے معنی ان کے عقیدے کے مطابق یہ ہیں کہ مرنے والے کی روح اسی دنیا میں دوسری جون میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور یہیں اسی دنیا میں مرنے والے کو اچھے کاموں کا اچھا پھل اور برے کاموں کا برا پھل ملتا ہے۔

مولانا نے ہندوؤں کے اس عقیدے پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: مسلمان تناسخ کو سرتاسر باطل سمجھتے ہیں۔ اور ہندو بالعموم اسے مانتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ مسئلہ بھی بحث کا محتاج ہے۔ ہندوؤں کے علاوہ ایرانیوں اور یونانیوں تک میں یہ عقیدہ موجود

بادشاہوں تک ہمارا پیغام پہنچے، وہ اسلام لائیں اور اس طرح سارا یورپ مسلمان ہو جائے۔ خلیفہ صاحب کے ہاتھ میں نقشہ دکھانے والی چھڑی (POINTER) تھی۔ جونہی انہوں نے اس چھڑی سے لندن کو دکھایا۔ سارا مجمع جوشِ وقت میں بے تابو ہوگیا۔ سب زار و قطار رونے لگے اور روتے روتے ان کی گھگی بندھ گئی۔

راقم الحروف نے مولانا کو یہ واقعہ سنایا اور پھر عرض کیا کہ یہ اور اس طرح کی دوسری چیزیں دیکھ کر ان لوگوں کی یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے کہ مذہب نام ہی ہے در حقیقت اعصاب زدگی اور جذبات کے طوفان اور ہیجان کا۔ اس میں عقل، استدلال اور منطق تنکوں کی طرح بہہ جاتے ہیں۔ اب دیکھئے اس فرقۂ احمدیہ میں لاہوری جماعت نے عقل و استدلال سے کام لیا۔ اور وہ ایک قابلِ رحم اقلیت بن کر رہ گئی۔ خلیفہ محمود نے غیر استدلالی جذباتیت کی روش اختیار کی ــــ فرقے کی غالب اکثریت اس کے گرد جمع ہوگئی اور اس کے بے تکے سے بے تکے دعاوی پر سر دھننے لگی۔

مولانا سندھی نے یہ سن کر فرمایا:۔

> میں مذہب کو اس طرح دیکھنے کا مخالف ہوں۔ میرے نزدیک مذہب کا موضوع انسان کی پوری زندگی ہے۔ اب انسان میں دل یعنی جذبات ہیں۔ دماغ یعنی قوتِ غور و تفکر ہے اور جسم ہے۔ مذہب کا کام یہ ہے کہ ان سب کو تسکین دے اور سب کے لیے ترقی کے مواقع بہم کرے۔ جو مذہب عقل کو پیچھے ڈال دیتا ہے، وہ مذہب واقعی اعصاب زدگی اور جذبات کا ہیجان ہے۔ بے شک وعظ و ارشاد میں ایک خطیب کو جذبات سے اپیل کرنا پڑتی ہے۔ لیکن اس وقت بھی اسے حدودِ معقولیت سے گزرنا نہیں چاہیئے۔ اب اگر کسی مذہب میں معقولیت بالکل نہ رہے۔ اور اس کا سارا سرمایہ جذبات پرستی اور جذبات انگیزی بن جائے۔ تو ایسا مذہب خواہ وہ اسلام ہی کے نام سے کیوں نہ پیش

"..... قریب ہے کہ ایک عظیم الشان تخم پاؤں۔ کیونکہ میری زبان کی تائید میں ایک اور زبان بول رہی ہے....." صہ ۲۹۸، (مرزا غلام احمد کی تحریروں کی رد سے)

کیا جائے، بے عقلوں کا مذہب ہو جاتا ہے۔ اور اس کو اعصاب زدہ لوگ ہی مان سکتے ہیں۔ بعض دفعہ ایسے لوگ جوش و جذبات میں اپنے اس مذہب پر جانیں بھی نثار کر دیتے ہیں۔ عقل، جذبات اور جسمانی ضرورتوں میں پورا توازن رکھنے اور انہیں ارتقا و ترقی کی شاہراہ پر چلانے والا مذہب ہی میرے نزدیک صحیح مذہب ہے۔ باقی اعصاب زدگیاں اور جذباتی ہیجان خیزیاں کسی مذہبی اور غیر مذہبی نظامِ فکر میں ہوں، ان کا ذکر چھوڑو۔

ایک سوال تحریکِ احمدیہ کا مقام!

راقم السطور نے مولانا سے پوچھا کہ مرزا غلام احمد اور ان کی تحریکِ احمدیہ کا ہندوستانی مسلمانوں کی حالیہ مذہبی تاریخ میں آخر مقام کیا ہے؟ مولانا فرمانے لگے کہ یوں سمجھو کہ مرزا صاحب اس دور کے مذہبی طبقے کے سرسید تھے۔ سرسید کا انداز اور پہنچ بالکل عقلی تھی۔ چونکہ سرسید یورپ سے متاثر تھے۔ اس لیے وہ وحی، الہام، دعا، معجزہ اور اس طرح کے امور کی خالص عقلی اور "غیر روحانی" تعبیریں کرتے تھے۔ اسی طرح انہوں نے پیدائشِ مسیح، وفاتِ مسیح، نزولِ مسیح اور آمدِ مہدی کے بارے میں عقلی بحثیں کیں۔ اور مسلمانوں کے مروجہ عقائد اور ان سے متعلق احادیث و روایات کا انکار کیا۔ ظاہر ہے، مذہبی طبقے سرسید کی ان تعبیرات کو کسی طرح نہیں مان سکتے تھے۔ مرزا صاحب بشمول مولوی نورالدین نے سرسید کے انہی انکار کو کچھ کمی بیشی کے ساتھ مذہبی طبقوں میں پہنچایا۔ چونکہ مذہبی طبقے سرسید کی عقلیت پسندی کو کسی طرح تسلیم نہ کر سکتے تھے اس لیے قدرتی بات تھی کہ مرزا صاحب کا انداز فکر اور پہنچ دوسری ہوتی۔ غرضیکہ مرزا صاحب بشمول مولوی صاحب اور ان کی جماعت نے سرسید کی اس قدر عقلیت ہضم کر لی، جتنی کہ اس زمانے اور اس ماحول میں مذہبی طبقے قبول کر سکتے تھے۔ جماعت احمدیہ میں اگر یہ عقلیت اور گرد و پیش کے حالات کے مطابق روایتی مذہبیت ساتھ ساتھ آگے بڑھتی تو اس کے فکری و عملی انحرافات اور کجرویوں کی اصلاح ہوتی رہتی۔ لیکن اس کی بدقسمتی سے یہ امیدیں ختم کر دیں اور اب مجھے اس جماعت کا مستقبل تاریک ہی نظر آتا ہے۔ یہ لازماً پنجاب کی دوسری گدیوں کی طرح ایک گدی بن جائے گی۔

حوالہ نمبر 3

۱۲۹

کی کتابوں پر اتنا عبور تھا، کہ شاید ہی کسی وہابی عالم کو ہو۔ امام شوکانی کی "نیل الاوطار" نام کی ایک اہم تصنیف ہے۔ مولانا نے ایک دفعہ فرمایا کہ معلوم نہیں میں نے کتنی بار اس کو پڑھا ہے۔ چنانچہ مکہ معظمہ کے قیام میں وہاں کے دار الحدیث کے اُستاد شیخ محمد عبد الرزاق بن حمزہ سے آپ کے بڑے گہرے تعلقات تھے اور ایک لحاظ سے آپس میں استاد شاگرد کا سا معاملہ تھا۔ الغرض جہاں تک ممکن تھا۔ مولانا نے تمام دینی علوم کا پورا احاطہ کیا اور ان میں غیر معمولی درک حاصل کیا لیکن علوم فلسفیہ سے اُن کا شغف علوم دینیہ سے کچھ کم نہ تھا۔ آپ نے تمام مسلم فلسفیوں کی کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ فرمایا ہے۔ شاہ ولی اللہ کی وہ کتابیں جن میں موصوف نے علوم عقلیہ پر خالص عقل و منطق کی روشنی میں بحثیں کی ہیں۔ مولانا کو ازبر یاد ہیں اور سالہا سال سے آپ ان پر غور و خوض فرما رہے ہیں۔ ان علوم سے آپ کی شیفتگی کا یہ عالم ہے کہ ایک دفعہ آپ سندھ سے دیوبند آئے تو آپ کو سونے کے لیے جو کمرہ ملا، وہاں شاہ اسمٰعیل شہید کی کتاب "العبقات" کا نسخہ پڑا تھا۔ یہ کتاب فلسفہ پر ہے اور بڑی دقیق اور جامع ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں ساری رات اس کا مطالعہ کرتا رہا اور جب تک کتاب کو ختم نہیں کیا۔ اُسے چھوڑا نہیں۔

لیکن علم و فلسفہ کی اس تمام جستجو کے باوجود مولانا کے لیے علم و فلسفہ کبھی اصل مقصد نہیں بنے، بلکہ آپ نے ہمیشہ ان کو زندگی کا ایک ذریعہ سمجھا۔ علوم کی تحصیل میں بھی آپ کے ہاں روایت پر درایت اور نقل پر عقل کو ترجیح رہی موصوف نے اپنی زندگی میں کبھی کسی ایسی بات کو نہیں مانا۔ جو اُن کی عقل کے لیے قابلِ قبول

ہو وہ مذہب جو پہلے ہی دن عقل سے دست کش ہونے کو کہے۔ مولانا اس مذہب کے سرے سے قائل نہیں۔ اگر وہ اپنی عقل کو اتنا بے چارہ سمجھتے تو کبھی بھی اپنا آبائی مذہب نہ چھوڑتے لیکن آپ کی یہ عقل تابع ہے آپ کے وجدان کے۔ اسی وجدان کو آپ نے مرشدوں کی توجہ اور تصوف اور سلوک کی ریاضتوں سے مہذب اور مصفی کیا۔ پھر اس ترقی یافتہ عقل اور تہذیب یافتہ وجدان کی مدد سے حقیقتوں کو آپ نے علم و حکمت کے مقالات یا نفوس کی روحانی تسخیر کے لئے مخصوص نہیں کر دیا۔ بلکہ ان کو عقل کا خادم بنایا۔ اور گرد و پیش کی زندگی کے ٹھوس مسائل کو سمجھنے اور ان کو حل کرنے میں ان سے مدد لی۔ مولانا نے نقل کو ہمیشہ عقل کی کسوٹی پر پرکھا۔ اس عقل کو وجدان سے ہم نوا کیا اور پھر عملی زندگی میں ان کو اپنا خضر راہ بنایا۔ لیکن اس سلسلے میں مولانا کی شخصیت کی بڑائی یہ ہے کہ انہوں نے نقل کا دائرہ ایک گروہ، ایک قوم یا ایک مذہب کی روایات اور تاریخ تک محدود نہ رکھا بلکہ انہوں نے کوشش کی کہ انسانیت کی تمام تاریخ سے استفادہ کریں۔ اور انسانوں کے کل علمی سرمایہ کو اپنا بنائیں۔ پھر آپ نے عقل کو حرف خیالی قیاس آرائیوں اور منطقی موشگافیوں کا پابند نہ کیا۔ بلکہ زندگی کے حقائق کی روشنی میں عقل کو جانچا۔ اس کی کوتاہیوں کو آزمایا۔ اپنے مشاہدات اور تجربات پر اس کو پرکھا۔ اس عقل کو وجدان کے تابع کیا اور وجدان بھی ایسا، جو سلوک اور ریاضتوں کی آگ میں پڑ کر کندن ہو چکا تھا۔ اس میں یہ جوہر پیدا ہو گیا تھا کہ ایک غنچہ ہوتے ہوئے گل کا مشاہدہ کر سکے۔ ایک ذرہ ہو لیکن روح کائنات کو دل میں جلوہ گر پائے۔ اور فرد ہونے کے باوجود کل انسانیت کو اپنے اندر جگہ دے۔ عقل اور وجدان دونوں کی ضرورت اور ان کی ہم آہنگی پر علامہ اقبال رح

حوالہ نمبر 4

خاص طور پر ان کے اعلیٰ و پاکیزہ اخلاق کو نمایاں کیا جائے۔ باقی رہا اعتقادیات کا مسئلہ اس معاملے میں چند بنیادی اصولوں پر اکتفا کیا جائے اور انہیں ذہن نشین کرنے اور ان کو منوانے کے لیے بھی عملی زندگی میں ان کے اچھے نتائج پر زور دیا جائے۔

کافی دنوں بعد کی بات ہے۔ ایک روز مولانا کو سخت بخار ہو گیا۔ انہیں بڑی قے آئی۔ جس سے وہ بہت زیادہ نڈھال ہو گئے۔ شام کو شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں خیریت پوچھنے آئے۔ باوجود اس کے کہ مولانا کو اتنی ناتوانی تھی۔ کہ وہ بات بھی مشکل سے کر سکتے تھے۔ آپ نے ذاکر صاحب کو مخاطب کیا اور زبان سے ایک ایک لفظ ادا فرماتے ہوئے کہا:

ڈاکٹر صاحب! جس قوم کا یہ عقیدہ ہو کہ علم کا آخری، قطعی اور یقینی ذریعہ صرف وحی ہے۔ اور وحی میں عقل کو کوئی دخل نہیں، ڈاکٹر صاحب! اس قوم کا کیا بنے گا۔ میں اس کے مستقبل سے خائف ہوں۔

شاہ ولی اللہ اپنی کتاب "الخیر الکثیر" میں لکھتے ہیں:۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے حکیم معصوم اور قطب بالغ تھے۔ حکیم پر حقائق علمیہ اور دقائق علمیہ کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ وہ معاد کی حقیقت سمجھنے لگتا ہے اور اس کو وہ علوم حاصل ہوتے ہیں جن کا بیان قرآن مجید میں ہے یا جس کا اشارہ اس حدیث میں ہے، اُوتیتُ القرآن و مثلہ معہ (مجھے قرآن اور اس کے ساتھ اس کے مثل علوم دیئے گئے) نیز جن کا اشارہ قرآن کی اس آیت میں ہے۔ "ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ" وہ (رسول) ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اسی کتاب میں اور جگہ ہے:۔

نبوت عقل بالفعل سے حکما کے مذہب کی اصل یہ ہے کہ ہم تجلی ذاتی کے بعد عقل مضاعف (وافر) کو رسول اللہ کا زیور سمجھیں۔

اس کے برعکس ندہبی علوم کے موجودہ تعلیمی نظام کا بڑا نقص یہ ہے کہ اس میں ہر بات محض نقل کے ذریعے منوائی جاتی ہے خواہ وہ بے سند ہی کیوں نہ ہو حالانکہ جس نقل کو عقل کی تائید و حمایت حاصل نہ ہو وہ ایک قسم کا ذہنی جبر بن جاتی ہے ابتداء میں تو طالب علم کم عمری کی فطری کمزوری کی وجہ سے استاد کے سامنے چوں و چرا نہیں کرتا لیکن جوں جوں وہ بڑا ہوتا ہے تو اگر وہ ذہین طالب علم ہے تو اس میں بغاوت کے جراثیم ابھرنے لگتے ہیں اور پھر نتیجہ اتنا بھیانک ہوتا ہے کہ اسے اپنے عقیدے اور اخلاقی نظام سے بس نام کی وابستگی رہ جاتی ہے کیونکہ یہ عقیدہ اور نظام اس کے اپنے ضمیر کا نہیں بلکہ اوپر سے مسلط کیا ہوا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس کے ساتھ مخلص بھی نہیں ہوتا اور اگر وہ متوسط یا کم استعداد کا حامل ہے تو اس طریقہ تعلیم سے اس کو ہر بات آنکھ بند کر کے تسلیم کرنے کا مرض لاحق ہو جاتا ہے اور اس طرح جستجو و تحقیق کا جوہری مادہ اس سے نکل جاتا ہے اور یوں مدرسہ جمود پرستی کی وباء پھیلانے والی فیکٹری بن جاتا ہے۔

دونوں طبقوں کا تقابلی جائزہ

اہل مدارس کی اس جمود پرستی کا نتیجہ ہے کہ مدرسے کا طالب علم بالعموم انتہائی تنگ نظری کے ساتھ ساتھ احساس کمتری کا بھی شکار نظر آتا ہے اور اس میں عموماً نظافت کا جذبہ نہیں ہوتا۔ جبکہ کالجیٹ طبقہ ظاہری خود داری کے ساتھ ساتھ انفرادی ذوق جمال اور نمائشی طہارت کا بھی خیال رکھتا ہے مزید یہ کہ ان طلبہ کو اپنی قوت کا احساس ہونے کی وجہ سے وہ اپنے اداروں کے انتظامی فیصلوں پر بھی کافی حد تک اثر انداز ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کالج کا پرنسپل ہو یا یونیورسٹی کا وائس چانسلر دونوں طلبہ کے اجتماعی مفادات کے خلاف کوئی اقدام کرنے سے پہلے ہزار بار سوچتے ہیں۔

دوسری طرف مدرسہ کے طالب علم کا احساس بت پرستی کی حد تک تقدس کی

قرآنی تفسیر میں فکریوں کا تفرد

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طلب احیاء کے واقعے کی غلط تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ قرآن پاک میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:

﴿وإذ قال إبراهيم رب أرنى كيف تحى الموتى قال أولم تؤمن قال بلى ولكن ليطمئن قلبى قال فخذ أربعة من الطير فصرهن إليك ثم اجعل على كل جبل منهن جزءً ثم ادعهن يأتينك سعيا واعلم أن الله عزيز حكيم ۝﴾

ترجمہ: ''اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے اے میرے پروردگار! دکھا دے مجھے تو کیسے زندہ کرے گا مردے؟ فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا؟ کہا کیوں نہیں، لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ تسکین ہو جائے میرے دل کو۔ فرمایا تو پکڑ لے چار جانور اڑنے والے، پھر ان کو ہلا لے اپنے ساتھ، پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا، پھر ان کو بلا لے، چلے آئیں گے تیرے پاس دوڑتے۔ اور جان لے اللہ زبردست حکمت والا ہے۔''

اس کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں:

''ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کہا: اے میرے رب! مجھے دکھا دیں آپ مردوں کو کیسے زندہ کریں گے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ چار پرندے لیں اور انہیں خوب اپنے ساتھ مانوس کر لیں تا کہ آپ انہیں پہچان لیں، پھر انہیں ذبح کریں اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے الگ الگ پہاڑ پر رکھ دیں، پھر انہیں بلا لیں تو وہ زندہ ہو کر آپ کے پاس آئیں گے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے اسی طرح کیا اور وہ پرندے زندہ ہو کر ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گئے۔''

یعنی ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا تھا کہ مردوں کو زندہ کیسے کیا جاتا ہے، یہ مجھے دکھا دیں تو اس واقعے سے انہیں یہی دکھلانا مقصود تھا۔

تمام مفسرین اس آیت کی یہی تفسیر بیان کرتے ہیں (جیسا کہ آیت سے صراحتاً مفہوم ہے) سردست ہم یہاں ایک روایت نقل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ مشہور مفسر علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی مایہ ناز تفسیر روح المعانی میں لکھتے ہیں:

''ابن المنذر حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس طرح ان پرندوں کے ٹکڑے کر کے ان کو پکارا، فوراً ہی ہڈی سے ہڈی، پر سے پر، خون سے خون، سب اپنی اصلی ہیئت پر زندہ ہو کر ان کے پاس آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم! اسی طرح قیامت کے روز سب اجزاء و اجساد کو جمع کر کے ایک دم سے جان ڈال دوں گا۔''

اصل عبارت اس طرح ہے:

''أخرج ابن المنذر عن الحسن قال: "إنه عليه الصلوة

والسلام نادى أيتها العظام المتمزقة، واللحوم المتفرقة، والعروق المتقطعة، اجتمعى يرد الله تعالىٰ فيكن أرواحكن. فوثبت العظم إلى العظم، وطارت الريشة إلى الريشة، وجرى الدم إلى الدم، حتى رجع إلى كل طائر دمه ولحمه وريشه، ثم أوحى الله تعالىٰ إلى إبراهيم أنك سألتنى كيف أحى الموتى وأنى خلقت الأرض وجعلت فيها أربعة أرواح: الشمال، والصبا، والجنوب والدبور، حتى إذا كان يوم القيمة نفخ نافخ فى الصور فيجتمع من فى الأرض من القتلى والموتى كما اجتمعت أربعة أطيار من أربعة جبال ثم قرء: "ما خلقكم ولا بعثكم إلا كنفس واحدة."

(روح المعانی: ج۳ ص۴۷)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام حسب ارشاد الٰہی چار پرندے لائے ..... اور چاروں کو اپنے ساتھ ہلایا تاکہ پہچان رہے اور بلانے سے آنے لگیں، پھر چاروں کو ذبح کیا، پھر ایک پہاڑ پر چاروں کے سر رکھے ایک پر پر رکھے، ایک پر سب کے دھڑ رکھے، ایک پر پاؤں ....."

خلاصہ یہ کہ اس آیت کی تفسیر تمام مفسرین یہی بیان کرتے ہیں کہ چار پرندوں کو لے کر ذبح کیا گیا اور ان کے ٹکڑے کر کے مختلف پہاڑوں پر رکھے گئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت دکھا دی، لیکن فکری اس تفسیر کو نہیں مانتے۔ چنانچہ ان کی تفسیر "المقام المحمود" جن پر تنظیم کے مرکزی افراد کی مہر تصدیق

ثبت ہے، میں لکھا ہے:

''ابراہیم علیہ السلام کو چاروں پرندوں کے سدھانے کی ہدایت کی جاتی ہے جو اس کے بلانے پر دور کے پہاڑوں سے بھاگے ہوئے آتے ہیں۔ عربی زبان میں طیر جمع ہے اور طائر واحد ہے۔ تو صحیح معنی یہ ہوں گے کہ پرندے کی چار قسمیں لے لو۔ ہر ایک قسم بہت سے افراد پر مشتمل ہو، اگر پرندے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بلانے پر فوراً اس کے پاس آموجود ہوتے ہیں، حالانکہ وہ ان کے نہ خالق اور نہ حقیقی مالک تھے .....''

تھوڑا آگے چل کر اپنی تائید کے لئے مفسرین کی تفسیر پر ابومسلم اصفہانی کا اعتراض نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''..... اگر یہ [یعنی ذبح کرنا اور ٹکڑے کرنا] مقصود تھا تو چار پرندوں کی کیا حاجت تھی؟ ایک پرندے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا پھر اس کو جلا [یعنی زندہ کر] دینا کافی تھا۔ شک رفع کرنے کا جو تعلق ہے وہ زندہ کرنے سے ہے، ایک دو چار کو اس میں کیا دخل ہے؟'' (القام المحمود: ۴۱۰، ۴۱۱) ❶

یعنی وہ کسی طرح بھی اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ ان پرندوں کو ذبح کر کے زندہ کیا گیا، اس لئے انہوں نے یہ اعتراض بھی نقل کر ڈالا کہ اگر زندہ کرنا تھا تو ایک بھی اس کے لئے کافی ہوسکتا تھا، چار پرندوں کی کیا حاجت تھی؟ فکریوں کے اس اعتراض کا جواب حضرت شیخ الہند کی زبانی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اس کے جواب میں ''حکیم'' فرمایا، یعنی اس کو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں اس قدر حکمتیں ہوتی ہیں کہ جن کا

ادراک اور احاطہ اگر ہم کو نہ ہو تو یہ ہمارے نقصان علم کی بات ہے، اس کی حکمت کا انکار ایسے امور سے ہرگز ممکن نہیں۔"

اہل فکر اپنے لئے لوگوں کے دلوں میں نرم گوشہ بنانے کے لئے بڑی بڑی شخصیات کا سہارا لیتے ہیں۔ ان میں سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی بھی ہے کہ جن سے وہ عقیدت کے راگ الاپتے رہتے ہیں، لیکن جب نظریات کی بات آتی ہے تو وہ ان تمام حضرات کو چھوڑ کر اشتراکیت اور استشراقیت کی آغوش میں جا بیٹھتے ہیں، اس کی واضح مثال آپ کے سامنے ہے۔ جب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ ان آیات کی یہ تفسیر کرتے ہیں تو پھر اس تفسیر سے اختلاف کیوں؟ ان سے عقیدت کے دعوے بھی اور ان کے نظریات سے فرار بھی؟ یہ دوغلی پالیسی آخر کس چیز کی عکاسی کرتی ہے؟

قرآن میں مذکور "وفود جن" کی من گھڑت توجیہ

فکری لکھتے ہیں:

"یہاں ایک مخفی دستور حقیقت کی طرف تنبیہ کرنے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ عرب اپنے ایام جاہلیت میں ہجرت کر کے عراق اور شام میں جا بسے تھے، انہوں نے اپنے عربی قومی خصائص ترک نہیں کئے تھے۔ وہ ان غالب قوموں کے اندر مقہور زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب حجاز میں عربی انقلاب رونما ہوا تو یہ عربی قبائل خفیہ طور پر مسلمان ہو گئے اور انہوں نے بعد میں مسلمان حملہ آوروں کی امداد کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عراق اور شام جلد مفتوح ہو گئے۔ ہماری سمجھ میں مکہ معظمہ میں انہی قوموں کے مخفی ڈیپوٹیشن آتے رہے ہیں جن کو جنوں کے وفود سے تعبیر کیا

گیا ہے۔'' (قرآنی شعور انقلاب: ۱۴۸) ❷

جنوں کے وفود سے عربوں کے ''مخفی ڈیپوٹیشن'' مراد لینا نقل کے خلاف اور قرآن میں تحریف کے مترادف ہے۔

گناہ گار مسلمان جہنم سے نہیں نکلیں گے

فکریوں کی تفسیر ''المقام المحمود'' میں لکھا ہے:

''یہود کہتے تھے کہ خواہ وہ کس قدر ہی گناہ گار کیوں نہ ہوں گے صرف چند روز ہی جہنم میں رہیں گے اس کے بعد جنت میں آجائیں گے۔ یہود کے اس خیال کی تردید کی جا رہی ہے اور لطف یہ ہے کہ آج کل مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مسلمان گنہگار چند دن جہنم میں رہنے کے بعد جنت میں منتقل کر دیئے جائیں گے اور باقی امتیں جہنم میں رہیں گی۔''

(المقام المحمود: ۲۷۵، ۲۷۶) ❸

''ابابیل'' اور ان کے پتھر پھینکنے کے واقعے کی غلط تفسیر

''سورۃ الفیل'' میں جو ابابیلوں اور ابرہہ کے لشکر کا واقعہ ہے وہ کسی عام مسلمان سے بھی مخفی نہیں۔ قرآن پاک میں ان ابابیلوں کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وأرسل عليهم طيرا أبابيل ۞ ترميهم بحجارة من سجيل ۞ فجعلهم كعصف مأكول ۞ ﴾

ترجمہ: ''اور ان پر (ابرہہ کے لشکر پر) غول کے غول پرندے بھیجے جو ان لوگوں پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے

ان کو (ابرہہ کے لشکر کو) کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔"

ان آیات سے صاف واضح ہے اور تمام مفسرین بھی اس کی یہی تشریح کرتے ہیں کہ ان پرندوں کے چونچوں اور پنجوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں تھیں جو وہ ابرہہ کے لشکر پر پھینکتے تھے۔ اللہ کی قدرت سے وہ کنکریاں گولیوں کی طرح لگتی تھیں اور جس کو لگتیں وہ ہلاک ہو جاتا۔

فکریوں کی عالی عقل میں چونکہ یہ بات نہیں سموسکتی کہ چھوٹی چھوٹی سی کنکریاں، بڑے بڑے ہاتھیوں اور انسانوں کو کیسے ہلاک کر سکتی ہیں؟ اس لئے وہ اس تفسیر کو نہیں مانتے۔ اب وہ اس کی کیا تفسیر کرتے ہیں؟ تو اس کے لئے آیئے ان کی تفسیر "المقام المحمود" دیکھتے ہیں۔ چنانچہ اس میں اسی سورۃ کے تحت لکھا ہے:

"ہمارے مفسرین نے قسم کھا رکھی ہے کہ جہاں کہیں قدرتِ الٰہی کا کوئی کرشمہ نظر آئے وہ اسے طبعی قوتوں سے بالکل خالی کر کے محض روحانی اثرات کا نتیجہ بتلائیں گے اور یہ غلط فلسفہ ہے۔ روحانی قوتیں جب اس عالم جسمانی میں اپنا کام کرنا چاہتی ہیں تو جسمانی قوتوں کو کام میں لاتی ہیں۔ اس کی مثال خود انسان کا وجود ہے، مثلاً انسانی دماغ میں ایک خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ روحانی چیز ہے، انسانی بدن اس کی تکمیل کے لئے پوری توجہ سے کام کرنا شروع کر دیتا ہے، اسی طرح جب کوئی روحانی طاقت اس زمین میں اپنا اثر کرنا چاہتی ہے تو وہاں کے قرب و جوار میں جو طبعی قوت جلدی کام کرنے والی ہوگی روحانی قوت اس پر اپنا اثر ڈالنا چاہے گی۔ مکہ کے لوگ جو ضعیف اور مجبور تھے ان کی عقل میں بھی نہیں آتا تھا کہ اس قسم کے جابر بادشاہ

سے کس طرح مقابلہ کریں گے۔ ان کے سردار نے حکم دیا کہ تم اس جابر بادشاہ سے مقابلہ نہ کرو بلکہ پہاڑوں پر چڑھ جاؤ۔ وہ اس سے زیادہ اپنا بچاؤ نہیں سوچ سکتے تھے۔ اب ان کی رہنمائی کے لئے چند پرندے ظاہر ہوئے۔ ہم نے جو فرض کر لیا ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے پرندے تھے اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں ان کے منہ میں تھیں یہ غلط ہے۔ وہ بڑے بڑے پرندے (مثل گدھ) تھے اور انہوں نے دور سے پتھر پھینکنے شروع کئے۔ جب یہ پتھر اہل یمن پر پڑنے اور برسات کی طرح ان پر برسنے لگے تو ان کی صفوں میں ابتری پیدا ہوگئی اور وہ پریشان ہو گئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ عرب میں بیت اللہ کی تقدیس اس فطرت کے درجے پر پہنچی ہوئی تھی تو ان کو خوف ہونے لگا کہ یہ عذاب الٰہی ہے۔ اس خوف سے ان کے دلوں میں دہشت سما گئی۔ اہل یمن بھی اس بیت اللہ کو ابتدا سے مقدس جانتے تھے۔ یہ تحریک یعنی اس کی بے عزتی کی تحریک حبش کے نصرانیوں کی تھی، اس تحریک میں تو یمن والے مجبوراً داخل ہوئے تھے لیکن پھر وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور یمن کے لوگ جب بھاگے تو تمام لشکر میں ادھم مچ گیا۔ اب حبش کے لوگوں میں بھی پریشانی پھیل گئی، کیونکہ حبش کے لوگ نصرانیت سے پہلے بیت اللہ کا حج کرتے تھے۔ اہل یمن کی فوج میں فیل تھے، انہوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا، اس لئے کہ ہاتھیوں پر اوپر سے پتھر برس رہے تھے اور عرب کی گرمی نے ان کا دماغ پریشان کر دیا تھا۔ اہل مکہ نے جب پہاڑوں پر سے دیکھا کہ ان پتھروں سے دشمن کی فوج

میں اب ابتری پھیل گئی ہے تو ان میں ہمت اور جرأت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے پہاڑوں سے پتھر پھینکنے شروع کر دیئے اور اہل یمن کو بھس بنا کر رکھ دیا۔"

(القام المحمود: ۲۰۴، ۲۰۵، پارہ عم، صفہ اکیڈمی راولپنڈی) ۴

اس عبارت میں اہل فکر یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ابرہہ کے لشکر کی تباہی میں پرندوں کا محض اتنا کردار تھا کہ انہیں دیکھ کر ابرہہ کا لشکر ڈر گیا اور ان میں ابتری پھیل گئی۔ اس کے بعد کا کام اہل مکہ نے کیا اور ان پر پتھر برسا کر انہیں بھس بنا کر رکھ دیا۔

مقتضائے آیت اور عقل و نقل کے خلاف یہ تحریف بنام تفسیر کر کے انہوں نے اگرچہ معجزہ کو مسخ کرنے کی مذموم کوشش کی ہے لیکن وہ یہ پھر بھی نہ بتا سکے کہ خاص اسی وقت میں وہ پرندے وہاں کیونکر آ گئے تھے؟ اور یہ کہ وہ اپنے ساتھ کنکر کیوں اٹھا لائے تھے؟

کیا فکری اس کی کوئی تاویل پیش کر سکتے ہیں؟

اگر یہاں آ کر وہ معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ ماننے کے لئے تیار ہیں کہ "روحانی قوتیں ان جسمانی قوتوں کو کام میں لائی تھیں" تو وہی روحانی قوت جو پرندوں کو بمع کنکر یہاں لائی، کیا وہ یہ نہیں کر سکتی کہ کنکر میں گولی کی صفت پیدا کر دے؟

کسی بھی مفسر نے ان آیات کی یہ تفسیر نہیں کی ہے، لیکن آج چودہ سو سال بعد یہ مغرب زدہ گروہ تمام مفسرین کی تفسیر کو ٹھکرا کر قرآن کو اپنے ہفوات کا تختۂ مشق بنائے ہوئے ہے۔

دراصل اہل فکر خدا تعالیٰ کے بارے میں ارسطو کے "تجریدی نظریہ" کا "شکار" ہیں، جس کے مطابق اللہ تعالیٰ اب اس کائنات میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور اس

کی حیثیت محض ایک خاموش تماشائی کی ہے، اس لئے معجزات کے یہ دشمن قرآنی آیات پر بے دریغ تیشہ زنی کرتے ہیں۔ اور معجزات کی شکل بگاڑ کر انہیں عام معمول کے تحت ثابت کرنے کے لئے بے سروپا تاویلات کا سہارا لیتے ہوئے عقل ونقل کو پامال کرنے سے ذرہ بھر نہیں ہچکچاتے۔ اس کی یہ واضح مثال آپ کے سامنے ہے۔

آیات حدود کی بے بنیاد تفسیر

قرآن پاک کی آیت:

﴿الزانية والزانی فاجلدا کل واحد منهما مائة جلدة﴾

ترجمہ: ''زانیہ اور زانی دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔''

اور آیت:

﴿السارق والسارقة فاقطعوا أيديهما.﴾

ترجمہ: ''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔''

تفسیر الہام الرحمان میں لکھا ہے:

"نحن نرى كلمة الزانی والسارق ولا ينبغی أن تطلق إلاعلى الذين اعتاد وهما، ويجب الاعتناء دائما بالفرق بين المجرم العادی المصر، والمجرم الذی ارتكب الجريمة بالصدفة والاتفاق غير مصر عليها، وإلا فسدت الأخلاق كلها." (الہام الرحمٰن: ج۲ص۱۵۰،۱۵۱) ۵

ترجمہ: ''''زانی'' اور ''سارق'' کے کلمہ کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ ان کا اطلاق صرف ان لوگوں پر ہونا چاہئے جو

ان جرائم کے عادی ہوں۔ عادی اور مصر مجرم اور وہ مجرم جس نے صرف ایک بار اور اتفاقاً جرم کا ارتکاب کیا ہو، ان دونوں کے درمیان ہمیشہ فرق کا لحاظ رکھنا واجب ہے، ورنہ تمام اخلاق فاسد ہو جائیں گے۔"

وہ مزید لکھتے ہیں:

"ومعنى السارق هوا لذى اعتاد السَرقة، ولا يثبت الاعتياد إلا بعد المرة الرابعة." (ایضاً:۱۵۲) ۶

ترجمہ: "سارق کا مطلب یہ ہے کہ جو چوری کا عادی ہو چکا ہو اور عادت کسی جرم کے چوتھی بار ارتکاب کے بعد ثابت ہوتی ہے۔"

ایک اور مقام پر لکھا ہے:

"ويشير إلى الفرق بين المجرم المصر المعتاد، والمجرم الذى وقع فى الجريمة صدفة مرة واحدة فقط، فى الآيتين: ۱۷، ۱۸۔ فالعذاب الأليم الذى أعده إنما هو للذين يعتادون السيئات وأى عذاب أشد ألما فى حق من قطعت يده؟ ومن الرجم بالحجارة؟ وإنما يتساهل هذا العذاب هو الذى يعتاد ويصر على السرقة، والزنا فقط." (الہام الرحمٰن: ج۲ص۱۵۲) ۷

ترجمہ: "اور آیت ۱۷، ۱۸ میں عادی اور مصر مجرم اور وہ مجرم جس سے اچانک پہلی بار جرم صادر ہوا ہو، ان دونوں کے درمیان فرق کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس [اللہ] کے ہاں سخت عذاب ان لوگوں کے لئے ہے جنہیں ان برائیوں کی

عادت ہو اور ان کے لئے ہاتھ کاٹنے اور پتھر سے رجم کرنے سے بڑھ کر اور سخت عذاب کیا ہوگا؟ اور اس عذاب سے تساہل برتتا ہے وہ شخص جو چوری اور زنا پر اصرار کرتا ہے۔"

یعنی فکریوں کے ہاں ان [اوپر ذکر کردہ] آیات میں مذکور "حد" اس پر جاری کی جائے گی جو "عادی مجرم" ہو، چنانچہ ایک یا دو بار اگر کسی نے یونہی دل بہلانے کی خاطر زنا یا چوری کی تو اس پر "زانی" اور "سارق" کا اطلاق نہیں ہوگا اور نہ ہی اس پر حد جاری کی جائے گی۔ حد صرف اس شخص پر جاری ہوگی جسے ان جرائم کی "عادت" ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام سے لے کر اب تک ان آیات کی یہ تفسیر کسی مفسر، کسی محدث کسی عالم سے منقول نہیں ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حدود کو جاری فرمایا لیکن آپ نے کبھی بھی اس کی تصریح کی اور نہ ہی کسی سے یہ کہہ کر حد کو موقوف کیا کہ یہ عادی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہاں تک فرما دیا:

"وأيم الله! لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها."

ترجمہ: "خدا کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتیں تو بلاشبہ میں اس کے ہاتھ کاٹ ڈالوں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے جہاں حدود کی اہمیت معلوم ہوتی ہے وہاں اس سے فکریوں کی من گھڑت قید "عادت" کا پول بھی کھل جاتا ہے۔

اہل فکر نے "عادت" کی جو شرط لگائی ہے وہ اس پر بھی نہیں ٹھہرتے، جیسا آگے چل کر آپ کو معلوم ہوگا۔ انہیں دراصل ان آیات ہی سے چڑ ہے، اس لئے کبھی وہ ان پر "وقتی"، "ہنگامی" اور "نمونہ و مثال" کے رندے چلاتے ہیں اور کبھی

انہی آیات میں من چاہی شرائط و قیود بڑھا کر اپنے تحریف کے اس جذبے کی تسکین چاہتے ہیں۔ ان تمام چیزوں سے ان کا مقصد انکار کے لئے راستہ ہموار کرنا ہوتا ہے اور بالآخر یہی کرتے ہیں، لیکن ستم بالائے ستم یہ کہ وہ اقرار و انکار کے اس پر پیچ معمہ اور ان خرافات کی نسبت حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہوئے ان پر ''فکر ولی اللّٰہی' کی مہر لگاتے ہیں۔ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ان کی ''کل متاع'' بس یہی ایک جھوٹی نسبت ہے جس سے وہ بے دریغ فائدہ اٹھاتے ہیں، لہٰذا ضروری ہے کہ نام نہاد ''فکر ولی اللّٰہی'' کا تقابل حقیقی ''فکر ولی اللّٰہی'' سے کیا جائے تاکہ اس نسبت کو پردۂ راز سے باہر لا کر اصل حقیقت واضح کی جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے حجۃ اللہ البالغہ میں حدود کی اہمیت اور اسرار و رموز پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ اس میں انہوں نے حدود کا بڑی تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔ مجموعی طور پر تو حدود کے بارے میں جو کچھ فکریوں نے لکھا ہے اس کی ادنی سی مناسبت بھی اس سے نہیں ہے اور نہ ان اختراعی شرائط و قیود کا کہیں ذکر ہے، البتہ ان کی چند عبارات سے ان تمام ''وساوس'' کی تردید واضح طور پر ہو جاتی ہے۔

حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ کے متعلق شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

> "لما قال ما عز بن مالك زنيت فطهرني! قال صلى الله عليه وسلم: لعلك قبلت، أو غمزت، أونظرت؟ قال: لا يا رسول الله، قال: أنكتها؟ قال نعم. فعند ذلك أمر برجمه." (حجۃ اللہ البالغہ: ج۲ص۱۶۰)

ترجمہ: ''حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو کر عرض کیا: میں نے زنا

کیا ہے، مجھے پاک کر دیجئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا، یا ہاتھ سے پکڑا ہوگا، یا اس کی طرف دیکھا ہوگا؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو نے اس کے ساتھ دخول کیا؟ انہوں نے جواب دیا ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سنگسار کرنے کا حکم دیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حدود کے جاری کرنے میں حد درجہ احتیاط ملاحظہ فرمایئے کہ وہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کتنے سوالات کر رہے ہیں، مگر اس کے باوجود جب انہوں نے اقرار کر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سنگسار کرنے کا حکم دیا، مگر اتنی احتیاط کے باوجود "عادی" ہونے کا سوال کہیں بھی نہیں۔ اگر آیت کا یہ معنی ہوتا جو فکری مراد لیتے ہیں تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "عادت" جیسا اہم سوال چھوڑ دیتے؟ اور کیا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ پورے باب میں اس کا ذکر نہ کرتے؟ چودہ سو سال سے ان مفسرین، محدثین، اکابر علماء اور امت کو کیا ہو گیا تھا کہ انہوں نے اتنی اہم قید کو ذکر نہیں کیا اور اسے درخور اعتناء نہیں سمجھا؟ نیز اس حدیث کی روشنی میں تو فکریوں کی عبارت کا مطلب یہ بنے گا کہ معاذ اللہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ عادی مجرم تھے اس لئے ان پر حد جاری ہوئی اور یہ کہ اس دور میں اس طرح کے مجرم تو اور بھی بہت تھے مگر عادی نہ ہونے کی وجہ سے ان پر حد جاری نہ ہوئی۔ "اعاذنا اللہ من ھذہ الخرافات والخزعبلات۔"

سرقہ کی حد کے بارے میں بھی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک حدیث نقل کی ہے:

"أتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلص قد اعترف اعترافا ولم یوجد معہ متاع، فقال: ما أخالك سرقت،

قال بلی، فأعاد علیه مرتین أو ثلاثا، فأمر به فقطع."

(حجۃ اللہ البالغہ: ج۲ص۱۶۳)

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چور لایا گیا، اس نے چوری کرنے کا اقرار کیا مگر اس کے پاس چوری کیا ہوا مال برآمد نہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: میرے خیال میں تو نے چوری نہیں کی ہے، اس نے کہا کیوں نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو تین مرتبہ اس سے یہی ارشاد فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عملی طور پر ثابت کر دیا کہ چوری یا زنا اگر ثابت ہوجائے تو قرآن میں مذکور "حد" جاری کی جائے گی اور اس میں "عادی" کی قید کا کوئی اعتبار نہیں، لیکن فکریوں کی تحریف والی خوئے بد کا کیا علاج؟ کیونکہ اُن کو تو ان آیات ہی سے بیر ہے۔ وہ کسی طرح بھی ان آیات میں "اصلاح" کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا "آزاد ذہن" ان حدود کی قیود برداشت نہیں کر سکتا اس لئے وہ برابر اسی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ تفسیر کے نام پر ان میں کسی طرح تراش خراش کی جائے تاکہ ان کا خارجی مصداق اتنا محدود ہوکر رہ جائے کہ اس پر عمل کرنے کی صورت کوئی شاذ و نادر ہی باقی رہے، چنانچہ ان کی تشنگی ابھی باقی ہے اس لئے ان کا قدم تحریف یہاں آکر رک نہیں جاتا بلکہ وہ اپنا دائرۂ تحریف مزید وسیع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ثم لی ملاحظة فی المال الذی إذا سرقه تقطع یده. وهی أن الشارع خصه بالذهب، فإدخال غیر الذهب فیما تقطع غیر شرعی. ومن المعلوم أن الإنسان یحفظ

الذهب بالطبع بأقصى همته، فإذا سرقه السارق فقد تعدى على آخر حرز المسلمين وهدمه، ثم إذا اعتاد ذلك فإنه تقطع يده." (البام الرحمان:۱۵۲،۱۵۳) ⑧

ترجمہ: ''پھر وہ مال جسے اگر چور چرائے تو اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے، میری اس کے بارے میں ایک رائے ہے اور وہ یہ کہ شارع نے اسے ''سونے'' کے ساتھ خاص کیا ہے، لہٰذا ''سونے'' کے علاوہ کسی اور چیز کو ہاتھ کاٹے جانی والی چیزوں میں شمار کرنا غیر شرعی ہے، اس لئے یہ بات واضح ہے کہ انسان فطری طور پر اپنی پوری ہمت کے ساتھ سونے کی حفاظت کرتا ہے، لہٰذا جب اسے چور چرا لیتا ہے تو وہ تجاوز کرتا ہے مسلمانوں کے انتہائی حفاظتی حصار پر اور اسے توڑ دیتا ہے۔''

یعنی فکریوں کے ہاں آیت کی تفسیر یہ ہے کہ چور کا ہاتھ اس وقت کاٹا جائے گا جب وہ ''سونا'' چوری کرے اور ''سونے'' کے علاوہ کسی اور چیز کے چرانے پر ہاتھ کاٹنا غیر شرعی امر ہے۔ سونا چرانے کے ساتھ ''عادت'' کی شرط بھی ہے کہ اسے سونا چرانے کی عادت ہو، چنانچہ ایک دو بار بلکہ تین بار بھی سونا چرایا تو ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ اتنی بار سے ''عادت'' ثابت نہیں ہوئی، چار بار سونا چرائے تو پھر ہاتھ کاٹا جائے گا۔ (افسوس کہ وہ اس دعوے پر بھی نہیں ٹھہریں گے) لطف کی بات یہ کہ وہ اس تفسیر کو ''شارع'' کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں، جب کہ یہ تفسیر عقلاً اور نقلاً دونوں اعتبار سے بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

عقلاً تو اس لئے کہ ''حد'' کا مقصد انسداد سرقہ (چوری کی روک تھام) اور دوسروں کے ہر قسم کے مال کی حفاظت ہے (صرف سونے کی نہیں) اور فکریوں کی اس تفسیر کی صورت میں یہ دونوں مقصد فوت ہو جائیں گے، کیونکہ سزا تو صرف سونا

چرانے کے عادی کے ساتھ مختص ہو جائے گی، جب کہ باقی چور بالکل آزاد اور اس سزا سے مبرا ہوں گے جب کہ ہر صاحب شعور جانتا ہے کہ یہ بات آیت کے سراسر خلاف اور متضاد ہے۔ اور نقلاً بھی یہ تفسیر غلط ہے اس لئے کہ قرآن وحدیث کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ ''شارع'' نے کہیں بھی اس حکم کو ''سونے'' کے ساتھ خاص کیا اور نہ ہی ''عادت'' والی قید لگائی بلکہ قرآن پاک میں تو مطلق حکم ہے:

﴿السارق والسارقة فاقطعوا أيديهما.﴾

ترجمہ: ''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔''

اب فکری بتائیں کہ اس میں سونے کا ذکر کہاں؟ اور عادت کا معنی کس لفظ میں موجود ہے؟

قرآن کے علاوہ تمام ذخیرۂ احادیث میں بھی ''شارع'' سے کہیں یہ وضاحت منقول نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین، جمیع صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قول یا عمل میں اس بات کا اشارہ تک نہیں ملتا اور نہ ہی کسی مفسر، محدث اور عالم سے اس آیت کی یہ تفسیر مروی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا تقطع يدالسارق إلا في ربع دينار" وروى: "القطع فيما بلغ ثمن المجن" وروى: "أنه قطع في مجن ثمنه ثلاثة دراهم" وقطع عثمان رضي الله تعالىٰ عنه في أترجة ثمنها ثلاثة دراهم من صرف اثني عشر درهما. والحاصل أن هذه التقريرات الثلاث كانت منطبقة على شيء واحد في زمانه صلى الله عليه وسلم، ثم اختلفت

بعده، لم يصلح المجن للاعتبار لعدم انضباطه، فاختلف المسلمون فی الحديثين الآخرين، فقيل: ربع دينار، وقيل: ثلاث دراهم، وقيل: بلوغ المال إلى أحد القدرين، وهو الأ ظهر عندی. وهذا شرعه النبی صلى الله عليه وسلم بين التافه وغيره لأنه لايصلح للتقدير جنس دون جنس لاختلاف الأسعار فی البلدان، واختلاف الأجناس نفاسة وخساسة بحسب اختلاف البلاد. فمباح قوم وتافههم مال عزيز عند آخرين، فوجب أن يعتبر التقدير فی الثمن، وقيل يعتبر فيهما. وأن الحطب وإن كان قيمته عشرة دراهم لا يقطع فيه، وقال صلى الله عليه وسلم: "لا قطع فی ثمر معلق ولا فی حريسة الجبل، فإذا آواه المراح والجرين فالقطع فيما بلغ ثمن المجن" وسئل عن الثمر المعلق، فقال عليه السلام: "من سرق منه شيئا ان يؤويه الجرين، فبلغ ثمن المجن فعليه القطع". أقول: أفهم النبی صلى الله عليه وسلم أن الحرزشرط القطع، وسبب ذلك أن غير المحرز يقال فيه الالتقاط فيجب الاحتراز عنه". "(حجۃ اللہ البالغہ: ج۲ص۱۶۲،۱۶۳)

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر ربع دینار میں۔" ایک اور روایت میں آتا ہے: "اتنے مال کے چرانے پر ہاتھ کاٹا جائے گا جس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو۔" ایک اور روایت میں آتا ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کے چرانے میں جس کی قیمت تین درہم تھی چور کا ہاتھ کاٹا'' اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اترج میں جس کی قیمت تین درہم تھی، ہاتھ کاٹا۔ حاصل یہ کہ یہ تینوں مقداریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک ہی چیز پر منطبق تھیں، پھر آپ کے بعد ان میں اختلاف ہوا۔ ڈھال غیر منضبط ہونے کے سبب کوئی قابل اعتبار چیز نہیں ہے، باقی دونوں حدیثوں میں امت کا اختلاف ہوا، بعض ربع دینار کے قائل ہوئے اور بعض تین درہم کے اور بعض نے اس مقدار کا اس طرح انضباط کیا کہ ان دونوں مقداروں میں سے کسی بھی مقدار تک مال پہنچ جائے اور میرے (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ) نزدیک یہی زیادہ ظاہر ہے اور اس مقدار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادنیٰ و اعلیٰ چیز میں فرق کر کے مقرر فرمایا ہے، اس لئے کہ کوئی جنس خاص اندازہ کرنے کی قابلیت نہیں رکھتی کیونکہ علاقوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ایک ہی چیز کا نرخ بھی مختلف ہوتا ہے اور اس کی نفاست اور خساست بھی، لہٰذا جو چیز ایک قوم کے نزدیک مباح و ادنیٰ ہے وہی چیز دوسروں کے ہاں قابل قدر مال ہوتا ہے، اس لئے قیمت کے اعتبار سے اندازہ کرنا ضروری ہوا۔ اور بعض کہتے ہیں دونوں کے اندر اندازہ کرنا چاہئے۔ اور لکڑی میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹنا چاہئے اگرچہ لکڑیوں کی قیمت دس درہم ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو پھل معلق ہیں ان میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے اور نہ ان مویشی میں جو

پہاڑ کے اندر رہتے ہوں۔ جب مویشی باڑ میں آجائیں اور پھلوں کا ڈھیر لگا دیا جائے تو اگر ان کی قیمت ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو ان میں بھی ہاتھ کاٹنا ہے۔'' میں (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو سمجھا دیا کہ ہاتھ کاٹنے میں حفاظت شرط ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جو چیز غیر محفوظ ہے اس کے لینے کو ''التقاط'' کہتے ہیں، اس سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔''

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ فکریوں کی اسی غلط تفسیر کی رد میں لکھی گئی ہے۔

مذکورہ عبارت کی سطر سطر، جملہ جملہ اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ فکریوں کا یہ الزام کہ شارع نے اس حکم کو سونے کے ساتھ خاص کیا ہے، بالکل بے حقیقت ہے۔ ایک طرف تو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کی وراثت کا دعویٰ اور دوسری طرف انہی کی تعلیمات کی اس قدر مخالفت اور اتنی روگردانی ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجبی است؟

ہم ان لوگوں سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں جنہیں ذرہ بھر بھی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے عقیدت یا محبت ہے کہ وہ غیر جانبدار ہو کر ٹھنڈے دماغ سے سوچیں اور اپنے ''اکابر'' سے پوچھیں کہ اب تک ہم جسے ''فکری ولی اللّٰہی'' سمجھتے رہے کیا اس کی حقیقت یہی ہے؟ ولی اللّٰہی فکر کا دعویٰ بھی اور اس سے اتنا تضاد بھی؟ اس طرح جس سراب کو پانی سمجھا جا رہا ہے اس کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

حد رجم کا نفاذ اختیاری چیز ہے

فکریوں کی تفسیر ''الہام الرحمٰن'' میں لکھا ہے:

"الفقهاء يشددون في معنى الإحصان، ويعدون كل من تزوج في عمره مرة واحدة، ولو أن زوجته توفيت أو طلقها محصن، وهذا غلط في شرح الكلمة، ونقص في توفية شروطها. فإن كل رجل له زوجة هومحصن ومع ذلك يصر على الزنا، فإنه يرجم تعزيرا فإن رأى المسلمون في ذلك مصلحة، ور أو عدم الرجم أولى فلهم تركه، إهماله." (الہام الرحمٰن: ج۲ص۱۵۲) ⑨

ترجمہ: ''فقہاء احصان کے معنی میں تشدد کرتے ہیں اور ہر اس شخص کو محصن شمار کرتے ہیں جس نے اپنی زندگی میں ایک بار بھی شادی کی ہو، اگرچہ اس کی بیوی مرجائے یا وہ اسے طلاق دے، حالانکہ اس لفظ کی یہ تشریح کرنا غلط ہے اور اس کے شروط کی تکمیل میں نقص ہے، اس لئے کہ محصن کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کی بیوی موجود ہو وہ محصن ہے، اس کے باوجود وہ زنا پر اصرار بھی کرتا ہے تو اگر مسلمانوں کو کوئی مصلحت نظر آئے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا، اگر مسلمان سنگسار نہ کرنے کو بہتر سمجھیں تو وہ اس کو بغیر سزا دیئے چھوڑ سکتے ہیں۔''

اس عبارت میں دو بے بنیاد باتیں کہی گئی ہیں:

① محصن کی تعریف جو فقہاء نے کی ہے اسے غلط قرار دیا اور اس کی جگہ ایک من گھڑت تعریف کی ہے۔

② ''حد رجم'' میں مسلمانوں کو اختیار ہے، اگر وہ چاہیں تو نافذ کریں اور اگر اس کی ضرورت محسوس نہ کریں تو چھوڑ دیں۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے کہ فقہاء نے یہ تعریف غلط کی ہے تو آیئے

دیکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ وہ محصن کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"المحصن حر مكلف مسلم عفيف عن وطئ يحد به"

(حجۃ اللہ البالغہ: ج۲ص۱۶۱)

ترجمہ: "محصن کی تعریف یہ ہے کہ حر ہو، مکلّف ہو، مسلمان ہو اور ایسے جماع سے پاک ہو جس پر حد جاری قائم کی جاتی ہے۔"

اب دیکھیں! شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی محصن کی وہی تعریف کی جو دیگر فقہاء کرتے ہیں، یعنی جس غلطی کا ارتکاب فقہاء نے کیا ہے اسی غلطی کا صدور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی ہوا، گویا فکریوں کے ہاں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ بھی غلطی پر ہیں۔

اسی طرح دوسری بات بھی بالکل غلط ہے، کیونکہ حد رجم کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"واعلم أنه كان من شريعة من قبلنا القصاص في القتل، والرجم في الزنا، والقطع في السرقة، فهذه الثلاث كانت متوارثة في الشرائع السماويه، وأطبق عليها جماهير الأنبياء والأمم، ومثل هذا يجب أن يؤخذ عليه بالنواجذ ولا يترك." (حجۃ اللہ البالغہ: ج۲ص۱۵۸)

ترجمہ: "اور جان لو کہ شرائع سابقہ میں قتل کی سزا قصاص، زنا کی سزا سنگسار کرنا اور چوری میں عضو کاٹنا تھی۔ یہ سزائیں شرائع سماویہ میں متوارث چلی آئی ہیں اور تمام انبیاء اور ان کی امتیں اس پر متفق تھیں، تو ضروری ہے کہ ان کو خوب مضبوطی سے پکڑا

جائے اور کبھی انہیں ترک نہ کرنا چاہئے۔"

فکریوں کا یہ دوغلا پن ملاحظہ کیجئے کہ جن کے گن گا کر وہ لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتے ہیں وہ تو ان حدود کی اتنی تاکید کر رہے ہیں مگر ان کے یہ "متبعین" کہہ رہے ہیں کہ رجم میں مسلمانوں کو اختیار ہے، اگر چاہیں تو نافذ کریں ورنہ چھوڑ دیں۔

اب آیئے ذرا دیکھتے ہیں کہ قرآن کی آیات میں ان مضحکہ خیز تاویلات کا محرک کیا ہے؟ اور اس سے ان کا اصل مقصد کیا ہے؟

ذیل میں دیئے گئے "ان جواہر پاروں" پر ایک نظر ڈالیں تو یہ حقیقت بھی آپ پر آشکارا ہوگی۔

حدود اور تعزیرات کا انکار

ان کی تفسیر "الہام الرحمٰن" میں لکھا ہے:

"ومن هذا الوجه يجب أن يعاد النظر مرة ثانية فى التعزيرات التى استنبطها الفقهاء، ولا ينبغى أن ينسب إلى الإسلام كل ما فى كتب الفقهاء من أبواب التعزيرات والحدود إلا بعد التحقيق مرة ثانية لا سيما فى عصرنا هذا." (الہام الرحمٰن: ج۲ص۱۵۱) ⑩

ترجمہ: "اسی وجہ سے فقہاء نے تعزیرات کے بارے میں جو استنباط کئے ہیں ان کی نظر ثانی ضروری ہے اور جو باتیں تعزیرات اور حدود کے حوالے سے فقہاء کی کتابوں میں مذکور ہیں نظر ثانی اور تحقیق کے بغیر اسلام کی طرف ان کی نسبت نہیں کرنی چاہئے، خصوصاً ہمارے اس دور میں۔"

حدود اور تعزیرات مفسد للأخلاق ہیں

"ولذلك نقول: إن التشديد الذى أتى به الفقهاء فى هذا الصدد وإن كان جيدا فى بادئ النظر لكنه مفسد للأخلاق فى العاقبة." (الہام الرحمٰن: ج۲ص۱۵۳) ۱۱

تَرجَمہ: "اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اس [حدود کے] حوالے سے فقہاء نے جو تشدد اختیار کیا ہے، اگرچہ وہ پہلی نظر میں اچھا لگتا ہے لیکن انجام کے اعتبار سے اس سے اخلاق فاسد ہو جاتے ہیں۔"

رجم کا حکم فقہاء نے تورات سے لیا ہے

"فمثلا عدد الرجم من الحدود، وإنما هو تعزير وقد أخذوه من التوراة." (الہام الرحمٰن: ج۲ص۱۵۱) ۱۲

تَرجَمہ: "مثلاً رجم کو حدود میں شمار کیا گیا ہے، حالانکہ یہ تعزیر ہے اور انہوں [فقہاء] نے یہ حکم تورات سے لیا ہے۔"

رجم کا حکم قرآن میں نہیں ہے

"نحن كلما ذكرنا لشباننا وجوب العمل بكتاب الله تحيروا، وأجابونا هل يمكن اليوم قطع أيدى السراق ورجم الزناة؟ فكنت أقول لهم: إن الرجم ليس فى القرآن، فإن لم تريدوا أنتم ان يرجم الزناة المصرين على الزنا فإنا لا نجبركم، وإن كنا نرى ذلك على الذى يعتاده،

وبشرط وجود الزوجة." (الہام الرحمٰن: ج۲ص۱۵۲)

ترجمہ: ''ہم نے جب اپنے نوجوانوں سے کتاب اللہ (قرآن) پر عمل کے وجوب کا ذکر کیا تو وہ حیرت زدہ ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ کیا آج کل چوروں کے ہاتھ کاٹنا اور زنا کرنے والوں کو سنگسار کرنا ممکن ہے؟ تو میں انہیں کہتا ہوں کہ رجم کا حکم قرآن میں نہیں ہے۔ اگر تم زنا پر لوگوں کو سنگسار کرنا نہیں چاہتے ہو تو ہم تمہیں مجبور نہیں کرتے، اگرچہ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ سزا ان لوگوں کے لئے ہے جنہیں اس کی عادت ہو، بیوی کی موجودگی کی شرط کے ساتھ۔''

ان عبارات میں فکریوں نے لگی لپٹی کہے بغیر حدود اور تعزیرات کا انکار کیا ہے۔ گویا تاویل سے شروع ہونے والا یہ سفر بالآخر انکار پر منتج ہوا۔

فکریوں کا قرآن وسنت کے احکام میں کٹوتی کا ہر سفر اسی طرح تاویل سے شروع ہو کر انکار پر ختم ہوتا ہے۔ اب تک آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اہل فکر قرآن و حدیث کے جس حکم پر بھی تاویل کی دستک دیتے ہیں بالآخر اس کا انکار کر بیٹھتے ہیں، اس طرح وہ بتدریج قرآن کا انکار کر لیتے ہیں۔ فکریوں کی ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ حدود اور تعزیرات فقہاء کی ایجاد کردہ ہیں، ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان (حدود وتعزیرات) پر نظر ثانی کریں، کیونکہ یہ چیزیں صرف یہی نہیں کہ غیر اسلامی ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ مفسد للأخلاق بھی ہیں، ان کا نظریہ ہے کہ رجم کا حکم قرآن میں نہیں ہے بلکہ یہ بعد کے فقہاء نے تورات سے لے کر اسلام میں شامل کیا ہے۔

ایک طرف یہ نظریات ملاحظہ کیجئے اور دوسری طرف ''فکر ولی اللّٰہی'' کی نسبت ذہن میں رکھتے ہوئے ان نظریات کا تقابل حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی

ذیل میں لکھی جانے والی عبارات سے کیجئے! آپ عش عش کر اٹھیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿الزانية والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مأة جلدة﴾ الآية. وقال عمر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه: "إن اللّٰه بعث محمدا صلی اللّٰه علیه وسلم بالحق، وأنزل علیه الکتب، فکان مما أنزل اللّٰه آية الرجم. فرجم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ورجمنا بعده، والرجم فی کتاب اللّٰه حق علی من زنی إذا أحصن من الرجال والنساء". أقول: إنما جعل حد المحصن الرجم، وحد غیر المحصن الجلد، لأنه کما یتم التکلیف ببلوغ خمس عشرة سنة ولا یتم دون ذلك لعدم تمام العقل، وتمام الجثة، وکونه من الرجال، ولذلك ینبغی أن تتفاوت العقوبة المترتبة علی التکلیف بأتمیة العقل وصیرورته رجلا کاملا مستقلا بأمره، مستبدا برأیه، ولأن المحصن کامل، وغیر المحصن ناقص ....." (حجۃ اللہ البالغہ: ج۲ص۱۵۹)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: زانیہ اور زانی دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی جس میں آیت رجم بھی تھی، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کیا اور ہم نے بھی آپ کے بعد سنگسار کیا، اور جو شخص زنا کرے اور محصن ہو خواہ مرد ہو یا عورت

کتاب الٰہی میں اس کا سنگسار کرنا حق ہے۔ میں (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہوں: محصن کی حد سنگسار کرنا اور غیر محصن کی درے لگانا اس لئے مقرر کئے گئے کہ جس طرح پندرہ برس کی عمر وغیرہ سے آدمی بالغ ہو کر پورا پورا مکلف ہوتا ہے اور اس سے قبل پورا مکلف نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس کی عقل، جسم اور رجولیت کا کمال اس سے پہلے نہیں ہوتا، اسی طرح اس کی عقوبت میں بھی تفاوت ہونا چاہئے جو کمال رجولیت، استقلال، سمجھ اور خود مختاری کے سبب سے پورا پورا مکلف ہوتا ہے اور اسلئے کہ محصن کامل ہے اور غیر محصن ناقص.....“

بتایا جاتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ
قَالَ بَلٰی وَ لٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ
فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ
ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝

ترجمہ: اور یاد کرو جب کہا ابراہیمؑ نے اے پروردگار میرے دکھا دے مجھ کو کیوں کر زندہ کرے گا تو مُردے فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا کہا کیوں نہیں لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ تسکین ہو جاوے میرے دل کو فرمایا تو پکڑ لے چار جانور اُڑنے والے پھر ان کو ہلا لے اپنے ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا پھر ان کو بلا چلے آویں گے تیرے پاس دوڑتے اور جان لے کہ بیشک اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

(۳) مثال ثالث: وہ سبب جس سے قوم زندہ ہوتی ہے۔ وہ تربیت ہے جب ایک رہبر (لیڈر) قوم کو تربیت دے گا اور اس کی سوشیل اصلاح کرے گا اور ان کی اقتصادی حالت درست کرے گا، تو قوم چاروں طرف سے نکل کر اس کے گرد جمع ہو جائے گی۔ میدانوں، پہاڑوں، ملکوں میں دربدر شدہ افراد اور جزوی میں چھپی ہوئی جماعت اس کے گرداگرد جمع ہو جائے گی، تو دارومدار ترقی کا اقتصادی حالت کے سدھارنے پر ہے، اب آیت کی تفسیر شروع ہوتی ہے، اس مثال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا جاتا ہے کہ کس طرح قومیں جو بامِ ترقی (عروج) پر ہوتی ہیں اپنی بداعمالیوں سے تباہ ہو جاتی ہیں اور صفحۂ ہستی سے معدوم شدہ (مٹی ہوئی) قوموں کو اللہ تعالیٰ کس طرح ترقی دیتا ہے، بشرطیکہ وہ زندہ رہنے کی کوشش کریں۔ ابراہیم علیہ السلام کو تو اللہ کے وعدہ پر پورا ایمان تھا اور اسی ایمان کے بھروسہ پر اس نے اپنے دشمن پر فتح پائی تھی، مگر تسکینِ قلب کے لئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی تھی انہیں دکھلایا جائے کہ کیسے تحی الموتی (کس قدر مُردہ زندہ کئے جاتے ہیں) اس میں اچنبھے کی بالکل کوئی بات نہیں، جب اللہ نے ابراہیمؑ کی اولاد سے ایک ایسی قوم پیدا کر دی جو اپنے طاقتور حاکموں پر غالب آگئی۔

ابراہیمؑ کو چاروں پرندوں کے سدھانے کی ہدایت کی جاتی ہے جو اس کے بلانے پر دُور کے پہاڑوں سے بھاگے ہوئے آتے ہیں، عربی زبان میں طیر جمع ہے اور طائر واحد ہے، تو صحیح معنیٰ یہ ہوں گے کہ پرندے کی چار قسمیں لے لو! ہر ایک قسم بہت سے افراد پر مشتمل ہو، اگر پرندے حضرت ابراہیمؑ کے بلانے پر فوراً

کی کے پاس آؤ اور وہ تمہیں حالانکہ وہ ان کا خالق اور حقیقی مالک تھے، تو کیونکر وہ ان کے خالق حقیقی

کی صدا پر لبیک نہ کہیں گی، اور ایک مرکز پر جمع نہ ہو جائیں گی جو ان کا خالق اور حقیقی بادشاہ ہے۔ اگر ایک انسان صرف ایک وقفہ کے لئے پرندوں کو سدھاتا ہے اور وہ ان پر حقیقی اختیار بالکل نہیں رکھتا اور اس معمولی سدھانے کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پرندے اس کی صدا پر اس کے پاس آتے ہیں، تو کیا اللہ تعالیٰ ان اسباب پر قادر نہیں جو انہوں کی زندگی اور موت کا موجب ہوا کرتے ہیں، جب کبھی کسی قوم کی تباہی کے دن نزدیک آجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی تباہی کے سامان پیدا کر دیتا ہے، اور جب کسی قوم کو پھر عروج پر لانا چاہتا ہے تو ان کے ترقی کے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔

غرض دوسری مثال میں اقتصادی حالت کا قیام تھا اور تیسری میں سوشیل نظام قائم کرنا اور اس کی سوشیل زندگی دینے میں قوم زندہ ہو سکتی ہے۔ علم الکلام مصنفہ مولانا شبلی میں ہے کہ اکثر مفسرین نے یہ معنی لئے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے پرندوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے، ان کو ذبح کر دیا تھا لیکن تفسیر کبیر رازی میں ہے کہ ابو مسلم اصفہانی نے اس تفسیر پر متعدد اعتراض کئے ہیں۔

(۱) فصرھن الیک کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے نہیں ہیں۔ لفظ صُرْ اگر کبھی اس معنی میں آتا ہے تو اس کا صلہ (الی) نہیں آتا۔

(۲) اُدْعُھُنَّ میں جو ضمیر ہے وہ ذی الروح (جاندار) کے لئے مخصوص ہے۔ اس لئے اس کے معنی یہ ہوں گے کہ پرندوں کو بلاؤ۔ اب ایک اور اعتراض ہے کہ اگر یہ مقصود تھا تو چار پرندوں کی کیا حاجت تھی۔ ایک پرندہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور پھر اس کو بلا دینا کافی تھا۔ شک رفع کرنے کا جو تعلق ہے وہ زندہ کرنے سے ہے تو دو چار کو اس میں کیا دخل ہے۔

ابو مسلم اصفہانی نے تمام مفسرین کی رائے سے اختلاف کیا ہے، اور آیت کے معنی یہ قرار دیئے کہ خدا نے تمثیل کے طور پر ابراہیمؑ سے کہا کہ مثلاً اگر تم چار جانوروں کو پالو اور ان کو خوب پرچا لو کہ وہ تم سے خوب ہل جائیں پھر ان کو الگ الگ پہاڑ پر چھوڑ دو اور بلاؤ تو وہ چلے آئیں گے۔

پرندوں کو ہلانا اور انسانوں پر مال خرچ کرنا اور ان کی ضروریات پوری کرنا اور ان کو تعلیم و تربیت دینی یہ انسانوں کو بلانا ہے، اس سے صالح سوسائٹی پیدا ہو گی۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

صورت ہے جس کی طرف سورہ صف کی آخری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ فَآمَنَت طَّائِفَةٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَت طَّائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ○

یعنی ہر قوم کو دعوت قرآن دی گئی اس میں سے جو حصہ اس تحریک میں شامل ہو گیا۔ اس نے اپنی قوم کو ان لوگوں سے جنگ کی جو اس تحریک میں شامل نہ ہوئے اور خدا کی مدد سے وہ اپنے مخالفوں پر غالب آگئی۔ اس کام میں عربوں نے ان کی رہنمائی کی۔

غیر ممالک میں مراکز

یہاں ایک مخفی دستور حقیقت کی طرف تنبیہہ کرنے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ عرب اپنے ایام جاہلیت میں ہجرت کر کے عراق اور شام میں جا بسے تھے انہوں نے اپنے عربی قومی خصائص ترک نہیں کئے تھے۔ وہ ان غالب قوموں کے اندر مقہور زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب حجاز میں عربی انقلاب رونما ہوا تو یہ عربی قبائل خفیہ طور پر مسلمان ہو گئے۔ اور انہوں نے بعد میں مسلمان حملہ آوروں کی امداد کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عراق اور شام بہت جلد مفتوح ہو گئے ہماری سمجھ میں مکہ معظمہ میں انہی قوموں کے مخفی ڈیپوٹیشن آتے رہے ہیں جن کو جنوں کے وفود سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرح عراق اور شام کی حدود کے اندر آنے والے انقلاب کے مراکز پیدا ہو چکے تھے اسلامی فتوحات کی سرعت کا یہ راز ہے جس کی طرف تاریخ ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ یہ سورہ صف ہی کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ عراق اور شام کے اندر قرآن کی تعلیم پھیلائی گئی۔ جس سے خود ان قوموں کا ایک طائفہ اس پروگرام کو ماننے والا پیدا ہو گیا اور بعد میں اپنے دشمنوں سے مڑ گیا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے تمام عملیات میں یہ حکمت ملحوظ نظر آتی ہے۔

(۹) ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○

بین الاقوامی مرکزیت

یہ خصوصیت، جو اس بین الاقوامی مرکز قائم کرنے والی جماعت کو نصیب ہوئی کہ

مسلمانوں کو نہ بتلائیں۔ اس لئے کہ مسلمان ان سے فائدہ اٹھالیں گے۔ ان کے اس خیال کی اگلی آیت میں تردید کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بچ بچ ہی تھا خواہ اسے بنی اسرائیل ظاہر کریں یا پوشیدہ رکھیں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾

ترجمہ: اور بعض ان میں بے پڑھے ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور ان کے پاس کچھ نہیں مگر خیالات ﴿٧٨﴾

اب ان پڑھ لوگوں کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ اَمَانِیّ یعنی وہ لوگ جو صرف الفاظ پڑھتے ہیں مگر معنی نہیں سمجھتے، نہ جانتے ہیں یعنی وہ صرف تلاوت کرنا ہی جانتے ہیں۔ بعینہٖ آج کل مسلمانوں کا یہی حال ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

ترجمہ: سو خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ لیویں اس پر تھوڑا سا مول سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو اپنی اس کمائی سے ﴿٧٩﴾

یہ علماء کا ذکر ہے جن کا پہلے آیت نمبر ۷۵ میں بھی ذکر ہوا ہے کہ وہ خدا کی کتاب کے معانی اپنے مطلب کے اٹھا لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کتاب کا مطلب و حقیقت یہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَاتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر چند روز گنے چنے کہہ دو کیا تم نے لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے قرار کہ اب ہرگز خلاف نہ کرے گا اللہ اپنے قرار کے یا جوڑتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے ﴿٨٠﴾

ولو کانا عاصین غایۃ العصیان الا ایاماً معدودۃ ثم ندخل الجنۃ۔ "یعنی یہود کہتے تھے کہ خواہ وہ نافرمانی گنہگار کیوں نہ ہونگے صرف چند روز ہی جہنم میں رہیں گے اس کے بعد جنت میں آجائیں گے۔" یہود کے اس بیان کی تردید کی جا رہی ہے اور یہ ہے کہ آج کل مسلمانوں کا بھی یہ [illegible] کہ مسلمان گنہگار چند دن

حوالہ نمبر 3

جہنم میں رہنے کے بعد جنت میں منتقل کر دیئے جائیں گے اور باقی امتیں جہنم میں رہیں گی۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۸۱﴾

۱۴۴ یہود کے اس عقیدے کی تردید ہے۔ بُرے عمل کی سزا ضرور ملے گی۔ بُرے کام کا نتیجہ ہمیشہ بُرا ہوتا ہے اور اہل جہنم میں ہر وہ شخص داخل ہے جس کو اس کی خطاؤں نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہو۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک وہی ہیں جنت کے رہنے والے۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۸۲﴾

۱۴۵ جو اللہ تعالیٰ کے قانون کو مانتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں وہ لوگ بہشت کے مالک ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے لیا قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک کرنا نیک اور کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے اور کہیو سب لوگوں سے نیک بات اور قائم رکھیو نماز اور دیتے رہیو زکوٰۃ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے سے تم میں اور تم ہو ہی پھرنے والے ﴿۸۳﴾

کے بعد انسان خود بہ خود پیر کو پوجنا شروع کر دیتا ہے۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔

ہمارے مفسرین نے قسم کھا رکھی ہے کہ جہاں کہیں قدرت الٰہی کا کوئی کرشمہ نظر آئے وہ اسے طبعی قوتوں سے بالکل خالی کر کے محض روحانی اثرات کا نتیجہ بتلائیں گے اور یہ غلط فلسفہ ہے۔ روحانی قوتیں جب اس عالم جسمانی میں اپنا کام کرنا چاہتی ہیں تو جسمانی قوتوں کو کام میں لاتی ہیں۔ اس کی مثال خود انسان کا وجود ہے۔ مثلاً انسانی دماغ میں ایک خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ روحانی چیز ہے۔ انسانی بدن اس کی تکمیل کے لیے پوری توجہ سے کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی روحانی طاقت اس زمین میں اپنا اثر کرنا چاہتی ہے تو وہاں کے قرب و جوار میں جو طبعی قوت جلدی کام کرنے والی ہو گی روحانی قوت اس پر اپنا اثر ڈالنا چاہے گی۔ مکہ کے لوگ جو ضعیف اور مجبور تھے ان کی عقل میں بھی نہیں آتا تھا کہ اس قسم کے جابر بادشاہ سے کس طرح مقابلہ کریں گے۔ ان کے سردار نے حکم دیا کہ تم اس جابر بادشاہ سے مقابلہ نہ کرو بلکہ پہاڑوں پر چڑھ جاؤ۔ وہ اس سے زیادہ اپنا بچاؤ نہیں سوچ سکتے تھے۔ اب ان کی رہنمائی کے لیے چند پرندے ظاہر ہوئے۔ ہم نے جو فرض کر لیا ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے پرندے تھے اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں ان کے منہ میں تھیں یہ غلط ہے۔ وہ بڑے بڑے پرندے (مثل گدھ) تھے اور انہوں نے دور سے پتھر پھینکنے شروع کیے۔ جب یہ پتھر ابل یمن پر پڑے اور برسات کی طرح ان پر برسنے لگے تو ان کی صفوں میں ابتری پیدا ہو گئی۔ اور وہ پریشان ہو گئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ عرب میں بیت اللہ کی تقدیس اس فطرت کے درجہ پر پہنچی ہوئی تھی، تو ان کو خوف ہونے لگا کہ یہ عذاب الٰہی ہے۔ اس خوف سے ان کے دلوں میں دہشت سما گئی۔ ابل یمن بھی اس بیت اللہ کو ابتدا سے مقدس جانتے تھے۔ یہ تحریک یعنی اس کی بے عزتی کی تحریک حبش کے نصرانیوں کی تھی اس تحریک میں تو یمن والے مجبوراً داخل ہوئے تھے لیکن پھر وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور یمن کے لوگ جب بھاگے تو تمام لشکر میں ادھم مچ گیا۔ اب حبش کے لوگوں میں بھی پریشانی پھیل گئی۔ کیونکہ حبش کے لوگ نصرانیت سے پہلے بیت اللہ کا حج کرتے تھے۔

* ابل یمن کی فوج میں فیل تھے۔ انہوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔ اس لیے کہ ہاتھیوں پر اوپر سے پتھر برس رہے تھے اور عرب کی گرمی نے ان کا دماغ پریشان کر دیا تھا۔ ابل مکہ نے جب پہاڑوں پر سے دیکھا کہ ان پتھروں سے دشمن کی فوج میں اب ابتری پھیل گئی ہے تو انہیں ہمت اور جرأت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے پہاڑوں سے پتھر پھینکنے شروع کر دیے اور ابل یمن کو بھس بنا کر رکھ دیا۔

سرسید نے اس کی تاویل کی ہے کہ یہ چیچک(۱) کے جراثیم تھے۔ سرسید ایک حکیم عالم تھے اور وہ اس لطیفہ بازی سے اپنے نوجوانوں کو قرآن کی طرف متوجہ رکھنا چاہتے تھے ان کی غرض صرف اس قدر تھی اور بس۔ اب عربوں نے سرسید کی اسی بات کو عربی میں ترجمہ کر دیا اور یورپ میں پیش کر کے پھولے نہیں سمائے۔ سرسید کی علمی و عملی تحریک میں سمجھدار آدمی کے لیے چند نقص نمایاں معلوم ہوتے تھے۔ اس کے متعلق جب کبھی سرسید سے سوال کیا گیا تو انہوں نے اس کا جواب دینے سے گریز کیا۔ ان کا ایک مہمل سا لطیفہ ہے کہ جب تالاب بھر جائے گا تو پانی باہر نکلنے کے لیے اپنا راستہ خود تلاش کر لے گا۔ سرسید اپنے نوجوانوں کو یورپین سائنس سے تعارف کرانا چاہتے تھے۔ ان کو اعتماد تھا کہ جو غلطیاں رہ جائیں گی ان کو ہمارے نوجوان خود درست کر لیں گے۔ ہم اس بڑے آدمی (سرسید) کی نیک نیتی کا ثمرہ اپنے آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ سرسید نے موسیٰ علیہ السلام کے سمندر سے گزرنے کے واقعہ کی تفسیر جوار بھاٹا اور مدوجزر کے ذریعہ کر دی۔ یہ ایک مہمل سی تفسیر ہے۔ مگر کالج اور اسکول کے پڑھنے والے طلبہ کے لیے (جن کو دینیات کا زیادہ علم نہیں ہے) یہ ایک عجیب اور نادر تفسیر ہے۔ ایک عالم نے کالج کے انڈر گریجویٹ (عبدالقادر خان جو آج کل کراچی میں اسیر الحجاج ہے) سے سرسید کی نسبت کہا کہ جو آدمی سرسید کی کتابیں پڑھتا ہے وہ مسلمان نہیں رہتا۔ اس نوجوان نے جواب دیا کہ یہ صحیح ہے کہ وہ مسلمان نہیں رہتا مگر وہ عیسائی بھی نہیں ہوتا۔

---

(۱) محمد علی قادیانی نے بھی قرآن شریف کے انگریزی ترجمے میں ابابیل کا یہی ترجمہ کیا ہے۔ مرتب۔

فإنه يكفى فيها الضرب والإهانة.

قوله: (فان تابا و أصلحا فاعرضوا عنهما) — ١٦

أى فلا تذكروا تلك الفاحشة مرة أخرى، وإنهما ارتكباها.

وفى هذا رأى آخر أخذته من بعض تلامذة الشيخ محمد اسحاق. وهو أنه إذا صدرت هذه الفاحشة من الرجال صدقة فحزا وهم ما ذكر فى الآية. وأما من اعتادها فليس جزاؤه إلا القتل كما فى الحديث.

على هذه تحمل الآية الأولى فى الزنا الذى وقع صدقة مرة واحدة، وأما جلده مائة جلدة فحل من اعتادها.

وقد رأينا الفقهاء قد شددوا فى التعزير، وتغلظوا فيه أخذا من بعض الخلفاء الراشدين، لكنهم ما قدروا على ملاحظة مجموع سيرتهم؛ فإنهم رضى الله عنهم كانوا يشددون فى موضع، ويتسامحون فى مواضع.

فلم ينكر على الفقهاء أئمة تبع التابعين إلا واقعة التشديد فى التعزير، فقد تأثروا كما قلنا من بعض الخلفاء الراشدين، وتغلغلوا فى ضبط قوانين التعزيرات.

ولعلهم أخطأوا فى ذلك إلى إهمال التعزيرات بأسرها بالكلية. ولوكان ذلك على الاعتدال وعلى الفطرة لما أهملها المسلمون، ولاتساهلوا فيها أبدا.

إلى يومنا هذا المسلمون أقل الناس بالنسبة إلى الأمم الأخرى فاحشة. فلو أنه روعيت المصلحة الشرعية على الاعتدال لصارت التعزيرات كلها من طبيعة الأمم المسلمة.

نحن نرى كلمة الزانى والسارق لاينبغى أن تطلق إلا على الذين اعتادوها، ويجب الاحتراز دائما بالفرق بين المجرم العادى المصر،

والمجرم الذى ارتكب الجريمة بالصدفة والاتفاق غير مصر عليها والا فسدت الأخلاق كلها.

ومن هذا الوجه يجب أن يعاد النظر مرة ثانية فى التعزيرات التى استنبطها الفقهاء ولايتيسر أن ينسب إلى الإسلام كل ما فى كتب الفقهاء من أبواب التعزيرات والحدود إلا بعد التحقيق مرة ثانية لاسيما فى عصرنا هذا.

وليس غرضنا من هذا الكلام الله لتعديل شئ من أحكام الله ولكنا نرى بعض التغافل فى الاستنباط وهو الذى جعلنا نقول ما نقول.

فمثلا حد الرجم من الحدود، وإنما هو تعزير وقد أخذوه من التوراة (١).

وأما الحدود التى ذكرت فى كتاب الله فإنها لايجوز التساهل فيها لمسلم. وقد نرى الآن الذى يسرق مرة واحدة شيئا تافها تقطع يده، ثم لايستطيعون تنفيذ هذا الحد فى أولادهم وأقاربهم بل وقومهم. وإذا وجدوا سارقا بالصفة التى ذكرناها من غير قومهم فإنهم يقطعون يده كأنه لايوجد سارق بين قومهم أبدا، ولا تقع السرقة فيهم بالكلية وهل هذا التظاهر بالباطل ينفع المسلمين؟

(١) ذكر الحافظ ابن كثير فى تفسيره فى سورة المائدة عند قوله يا أيها الرسول لايحزنك الذين يسارعون فى الكفر الخ بعد أن ذكر عدة أحاديث دالة على أن رسول الله حكم بموافقة حكم التوراة اه بل نقل الشوكانى فى تفسيره فتح القدير عن أبى هريرة رضى الله عنه عن النبى ﷺ أنه قال إنى أحكم بما فى التوراة أى فى هذه المسألة. راجع فتح القدير للشوكانى المطبوع — وكتبه محمد نور مرشد.

ویشیر إلی الفرق بین المجرم المصر المعتاد، والمجرم الذی وقع فی الجریمة صدفة مرة واحده فقط، فی الآیتین ۱۷–۱۸ (إنما التوبة علی الذین یعملون السیئات ــ عذابا ألیما).

فالعذاب الألیم الذی أعده إنما هو للذین یعتادون السیئات. وأی عذاب أشد ألما فی حق من قطعت یده؟ أو من الرجم بالحجارة؟ و إنما یتساهل هذا العذاب هو الذی یعتاد و یصر علی السرقة والزنا فقط.

نحن کلما ذکرنا لشباننا وجوب العمل بکتاب الله تحیروا وأجابونا هل یمکن الیوم قطع أیدی السراق، و رجم الزناة؟ فکنت أقول لهم إن الرجم لیس فی القرآن فإن لم تریدوا أنتم أن یرجم الزناة المصرین علی الزنا فإنا لانجبرکم، و إن کنا نری ذلک علی الذی یعتاده، وبشرط وجود الزوجة.

الفقهاء یشددون فی معنی الإحصان، ویعدون کل من تزوج فی عمره مرة واحدة، ولو أن زوجته توفیت أو طلقها محصن. و هذا غلط فی شرح الکلمة، و نقص فی توفیة شروطها. فإن کل رجل له زوجة هو محصن ومع ذلک یصر علی الزنا فإنه یرجم تعزیرا. فإن رأی المسلمون فی ذلک مصلحة، ورأوا عدم الرجم أولی فلهم ترکه وإهماله.

أما قطع ید السارق فإنه واجب عندی وفرض لایجوز التساهل فیه لکن فی تفسیر کلمة السارق قد شدّد الفقهاء. و معنی السارق هو الذی اعتاد السرقة، ولایثبت الاعتیاد إلا بعد المرة الرابعة.

ثم لی ملاحظة فی المال الذی إذا سرقه تقطع یده. وهی أن الشارع خصّه بـ[illegible] فإدخال غیر الذهب فیما تقطع غیر شرعی.

ويشير إلى الفرق بين المجرم المصر المعتاد، والمجرم الذى وقع فى الجريمة صدفة مرة واحده فقط، فى الآيتين ١٧–١٨ (إنما التوبة على الذين يعملون السيئات — عذابا أليما).

فالعذاب الأليم الذى أعده إنما هو للذين يعتادون السيئات. وأى عذاب أشد ألما فى حق من قطعت يده؟ أو من الرجم بالحجارة؟

و إنما يتساهل هذا العذاب هو الذى يعتاد و يصر على السرقة والزنا فقط.

نحن كلما ذكرنا لشباننا وجوب العمل بكتاب الله تحيروا وأجابونا هل يمكن اليوم قطع أيدى السراق، و رجم الزناة؟ فكنت أقول لهم إن الرجم ليس فى القرآن فإن لم تريدوا أنتم أن يرجم الزناة المصرين على الزنا فإنا لانجبركم، و إن كنا نرى ذلك على الذى يعتاده، وبشرط وجود الزوجة.

الفقهاء يشددون فى معنى الإحصان، ويعدون كل من تزوج فى عمره مرة واحدة، ولو أن زوجته توفيت أو طلقها محصن. و هذا غلط فى شرح الكلمة، و نقص فى توفية شروطها. فإن كل رجل له زوجة هو محصن ومع ذلك يصر على الزنا فإنه يرجم تعزيرا. فإن رأى المسلمون فى ذلك مصلحة، و رأوا عدم الرجم أولى فلهم تركه وإهماله.

أما قطع يد السارق فإنه واجب عندى و فرض لايجوز التساهل فيه لكن فى تفسير كلمة السارق قد شدد الفقهاء. عنى السارق هو الذى اعتاد السرقة، ولايثبت الاعتياد إلا بعد المرة الرابعة.

لى ملاحظة فى المال الذى إذا سرقه تقطع يده. و هى أن الشارع [illegible] فإدخال غير الذهب فيما تقطع غير شرعى.

و يشير إلى الفرق بين المجرم المصر المعتاد، و المجرم الذى وقع فى الجريمة صدفة مرة واحده فقط، فى الآيتين ١٧—١٨ (إنما التوبة على الذين يعملون السيئات — عذابا أليما).

فالعذاب الأليم الذى أعده إنما هو للذين يعتادون السيئات. وأى عذاب أشد ألما فى حق من قطعت يده؟ أو من الرجم بالحجارة؟

و إنما يتساهل هذا العذاب هو الذى يعتاد و يصر على السرقة و الزنا فقط.

نحن كلما ذكرنا لشباننا وجوب العمل بكتاب الله تحيروا و أجابونا هل يمكن اليوم قطع أيدى السراق، و رجم الزناة؟ فكنت أقول لهم إن الرجم ليس فى القرآن فإن لم تريدوا أنتم أن يرجم الزناة المصرين على الزنا فإنا لا نجبركم، و إن كنا نرى ذلك على الذى يعتاده، و بشرط وجود الزوجة.

الفقهاء يشددون فى معنى الإحصان، و يعدون كل من تزوج فى عمره مرة واحدة، ولو أن زوجته توفيت أو طلقها محصن. و هذا غلط فى شرح الكلمة، و نقص فى توفية شروطها. فإن كل رجل له زوجة هو محصن و مع ذلك يصر على الزنا فإنه يرجم تعزيرا. فإن رأى المسلمون فى ذلك مصلحة، و رأوا عدم الرجم أولى فلهم تركه و إهماله.

أما قطع يد السارق فإنه واجب عندى و فرض لا يجوز التساهل فيه لكن فى تفسير كلمة السارق قد شدد الفقهاء. و معنى السارق هو الذى اعتاد السرقة، ولا يثبت الاعتياد إلا بعد المرة الرابعة.

ثم لى ملاحظة فى المال الذى إذا سرقه تقطع يده. و هى أن الشارع خصه بالذهب، فإدخال غير الذهب فيما تقطع غير شرعى.

و من المعلوم أن الإنسان يحفظ الذهب بالطبع بأقصى ... فإذا سرقه السارق فقد تعدى على آخر حرز المسلمين و هدمه. ثم إذا اعتاد ذلك فإنه تقطع يده.

و لذلك نقول إن التشديد الذى أتى به الفقهاء فى هذا الصدد و إن كان جيدا فى بادئ النظر لكنه مفسد للأخلاق فى العاقبة.

فقد اعتاد الناس إهمال الحدود القرآنية بأسرها بعد اعتيادهم على ترك الحد القرآنى فى أول الأمر فأفسدوا بذلك عقلية المسلمين من جهة وجوب الأخذ بالقرآن.

رأيت أمرا عجيبا و هو أنه كلما ذكرت عند شبان الهند المحامين منهم اشمئزوا من أمر قطع يد السارق ورجم الزناة، وانتقدوا على الشرع، ولما ذكرت عند شبان الأتراك فى استنبول رأيتهم كذلك مثل شبان الهند تماما حذو القدم بالقدم. ولما بينت فى كلا الموضعين حقيقة الأمر قبلوها منى.

و لذلك لا أرى التشبث بتفسير القانون الذى يتعلق بالتعزيرات و الحدود بأقوال الفقهاء واجبا، بل على الإنسان أن يجتهد فى فهم مقاصد القرآن، و ما ثبت عن النبى بالقطع، ثم يعرض رأيه على أهل النظر فى القوانين، فإذا اتفق الجميع على تفسير شىء منه فليجعل ذلك التفسير أحق بالاتباع و التنفيذ.

مسألة: يجب المهر فى النكاح. و ذلك توفية لسيادة الرجال فى الاجتماع. فإذا فسد الربط بين الزوجين و أرادا أن يتفرقا فلا يجوز للزوج أن يحتال فى إرجاع ما دفعه من الصداق، لأن ذلك كان من شروط العقد، أولا. فلما استفادا من تلك المعاهدة ولو فائدة قليلة

والمجرم الذى ارتكب الجريمة بالصدفة والاتفاق غير مصر عليها والإ فسدت الأخلاق كلها .

ومن هذا الوجه يجب أن يعاد النظر مرة ثانية فى التعزيرات التى استنبطها الفقهاء ولا ينبغى أن ينسب إلى الإسلام كل ما فى كتب الفقهاء من أبواب التعزيرات والحدود إلا بعد التحقيق مرة ثانية لاسيما فى عصرنا هذا .

وليس غرضنا من هذا الكلام الله تعديل شئ من أحكام الله ولكنا نرى بعض التغافل فى الاستنباط وهو الذى جعلنا نقول ما نقول.

فمثلا عدد الرجم من الحدود، وإنما هو تعزير وقد أخذوه من التوراة (۱).

وأما الحدود التى ذكرت فى كتاب الله فإنها لايجوز التساهل فيها لمسلم. وقد نرى الآن الذى يسرق مرة واحدة شيئا تافها تقطع يده ، ثم لا يستطيعون تنفيذ هذا الحد فى أولادهم وأقاربهم بل وقومهم. وإذا وجدوا سارقا بالصفة التى ذكرناها من غير قومهم فإنهم يقطعون يده كأنه لا يوجد سارق بين قومهم أبدا، ولا تقع السرقة فيهم بالكلية وهل هذا التظاهر بالباطل ينفع المسلمين؟

(۱) ذكر الحافظ ابن كثير فى تفسيره فى سورة المائدة عند قوله يا أيها الرسول لا يحزنك الذين يسارعون فى الكفر الخ بعد أن ذكر عدة أحاديث دالة على أن رسول الله حكم بموافقة حكم التوراة اه بل نقل الشوكانى فى تفسيره فتح القدير عن أبى هريرة رضى الله عنه عن النبى ﷺ أنه قال إنى أحكم بما فى التوراة أى فى هذه المسألة . راجع فتح القدير للشوكانى المطبوع — وكتبه محمد نور مرشد .

ومن المعلوم أن الإنسان يحفظ الذهب بالطبع بأقصى همته. فإذا سرقه السارق فقد تعدى على آخر حرز المسلمين وهدمه. ثم إذا اعتاد ذلك فإنه تقطع يده.

ولذلك نقول إن التشديد الذى أتى به الفقهاء فى هذا الصدد وإن كان جيدا فى بادئ النظر لكنه مفسد للأخلاق فى العاقبة.

فقد اعتاد الناس إهمال الحدود القرآنية بأسرها بعد اعتيادهم على ترك الحد القرآنى فى أول الأمر فأفسدوا بذلك عقلية المسلمين من جهة وجوب الأخذ بالقرآن.

رأيت أمرا عجيبا وهو أنه كلما ذكرت عند شبان الهند المحامين منهم اشمئزوا من أمر قطع يد السارق ورجم الزناة، وانتقدوا على الشرع، ولما ذكرت عند شبان الأتراك فى استنبول رأيتهم كذلك مثل شبان الهند تماما حذو القدم بالقدم. ولما بينت فى كلا الموضعين حقيقة الأمر قبلوها منى.

ولذلك لأرى التشبث بتفسير القانون الذى يتعلق بالتعزيرات والحدود بأقوال الفقهاء واجبا، بل على الإنسان أن يجتهد فى فهم مقاصد القرآن، وما ثبت عن النبى بالقطع، ثم يعرض رأيه على أهل النظر فى القوانين، فإذا اتفق الجميع على تفسير شىء منه فليجعل ذلك التفسير أحق بالاتباع والتنفيذ.

مسألة: يجب المهر فى النكاح. وذلك توفية لسيادة الرجال فى الاجتماع. فإذا فسد الربط بين الزوجين وأرادا أن يتفرقا فلا يجوز للزوج أن يحتال فى إرجاع ما دفعه من الصداق، لأن ذلك كان من أجل العقد، أولا. فلما استفادا من تلك المعاهدة ولو فائدة قليلة

والمجرم الذى ارتكب الجريمة بالصدفة والاتفاق غير مصر عليها والإ فسدت الأخلاق كلها .

ومن هذا الوجه يجب أن يعاد النظر مرة ثانية فى التعزيرات التى استنبطها الفقهاء ولاينبغى أن ينسب إلى الإسلام كل ما فى كتب الفقهاء من أبواب التعزيرات والحدود إلا بعد التحقيق مرة ثانية لاسيما فى عصرنا هذا .

وليس غرضنا من هذا الكلام الله تعديل شئ من أحكام الله ولكنا نرى بعض التغافل فى الاستنباط وهو الذى جعلنا نقول ما نقول.

فمثلا عدد الرجم من الحدود، وإنما هو تعزير وقد أخذوه من التوراة (۱).

وأما الحدود التى ذكرت فى كتاب الله فإنها لايجوز التساهل فيها لمسلم. وقد نرى الآن الذى يسرق مرة واحدة شيئا تافها تقطع يده ، ثم لايستطيعون تنفيذ هذا الحد فى أولادهم وأقاربهم بل وقومهم. وإذا وجدوا سارقا بالصفة التى ذكرناها من غير قومهم فإنهم يقطعون يده كأنه لايوجد سارق بين قومهم أبدا، ولا تقع السرقة فيهم بالكلية وهل هذا التظاهر بالباطل ينفع المسلمين؟

(۱) ذكر الحافظ ابن كثير فى تفسيره فى سورة المائدة عند قوله يا أيها الرسول لا يحزنك الذين يسارعون فى الكفر الخ بعد أن ذكر عدة أحاديث دالة على أن رسول الله حكم بموافقة حكم التوراة اه بل نقل الشوكانى فى تفسيره فتح القدير عن أبى هريرة رضى الله عنه عن النبى ﷺ أنه قال إنى أحكم بما فى التوراة أى فى هذه المسألة . راجع فتح القدير للشوكانى المطبوع — وكتبه محمد نور مرشد .

ويشير إلى الفرق بين المجرم المصر المعتاد، والمجرم الذى وقع فى الجريمة صدفة مرة واحده فقط، فى الآيتين ١٧–١٨ (إنما التوبة على الذين يعملون السيئات ــ عذابا أليما).

فالعذاب الأليم الذى أعده إنما هو للذين يعتادون السيئات. وأى عذاب أشد ألما فى حق من قطعت يده؟ أو من الرجم بالحجارة؟ وإنما يتساهل هذا العذاب هو الذى يعتاد ويصر على السرقة والزنا فقط.

نحن كلما ذكرنا لشباننا وجوب العمل بكتاب الله تحيروا وأجابونا هل يمكن اليوم قطع أيدى السراق، ورجم الزناة؟ فكنت أقول لهم إن الرجم ليس فى القرآن فإن لم تريدوا أنتم أن يرجم الزناة المصرين على الزنا فإنا لانجبركم، وإن كنا نرى ذلك على الذى يعتاده، بشرط وجود الزوجة.

الفقهاء يشددون فى معنى الإحصان، ويعدون كل من تزوج فى عمره مرة واحدة، ولو أن زوجته توفيت أو طلقها محصن. وهذا غلط فى شرح الكلمة، ونقص فى توفية شروطها. فإن كل رجل له زوجة هو محصن ومع ذلك يصر على الزنا فإنه يرجم تعزيرا. فإن رأى المسلمون فى ذلك مصلحة، ورأوا عدم الرجم أولى فلهم تركه وإهماله.

أما قطع يد السارق فإنه واجب عندى وفرض لايجوز التساهل فيه لكن فى تفسير كلمة السارق قد شدد الفقهاء. ومعنى السارق هو الذى اعتاد السرقة، ولايثبت الاعتياد إلا بعد المرة الرابعة.

ثم لى ملاحظة فى المال الذى إذا سرقه تقطع يده. وهى أن الشارع قد نظر إلى المال الذى يدخل فى الذهب فيما تقطع غير شرعى.

چند متفرق نظریات

مذہب اور خدا کو نہ ماننے والے روسی لادین نہیں ہیں

''روسی ان معنوں میں لادینی نہیں جن معنوں میں ہم لادینی کو لیتے ہیں۔ ہم [فکری] لادینی سے بالعموم یہ مراد لیتے ہیں کہ جس کے سامنے کوئی نصب العین نہ ہو، جو کسی مثبت اخلاقی قدر کو نہ مانتا ہو، جس کی زندگی محض اپنی مادی اور سفلی خواہشات ہوں۔ روسی ان معنوں میں ہرگز ہرگز لادینی نہیں۔ ان کے اپنے انسانی نصب العین ہیں، اپنی اخلاقی قدریں ہیں، ایک اعلیٰ مقصد کیلئے انہوں نے انقلاب کیا اور اب وہ اسی مقصد کو حاصل کرنے میں مصروف جدوجہد ہیں۔ تم یوں کہہ سکتے ہو کہ وہ ایک نئے دین کی طرح ڈال رہے ہیں۔ اگر وہ پرانے دینوں کو جس شکل میں کہ وہ ان کے سامنے موجود تھے مان لیتے تو کیا ان کی زندگی اس پرانے ڈھرے پر بدستور نہ چلتی رہتی؟ اور یہ جو وہ نئی دنیا کی تعمیر کر رہے ہیں اس کا انہیں کہاں موقع ملتا۔'' (افادات وملفوظات:۲۰۲) ❶

یعنی فکریوں کے نزدیک کمیونزم، اشتراکیت، الحاد، دہریت اور مادہ پرستی جیسی غیر خدائی اور من گھڑت چیزیں بلند اور اعلیٰ نصب العین ہیں۔

دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں:

''اسی بنا پر ایک بالغ نظر بزرگ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ خدا کو

ماننے والے روس میں آج کل [سوشلسٹ انقلاب کے زمانے میں] سب سے زیادہ ہیں۔"

(حالات، تعلیمات، سیاسی افکار: ۸۱) ❷

اسلام کا حملہ مذہب پر نہیں ظلم پر ہے، خدا کافر سے خوش ہوتا ہے

تنظیم فکر ولی اللّٰہی کے سرپرست اعلیٰ جناب شاہ سعید احمد رائے پوری صاحب خطاب فرماتے ہیں کہ:

"اسلام کا حملہ ظلم پر ہوتا ہے مذہب پر نہیں، اگر انسانیت کی بھلائی کی تڑپ کافر اور مشرک میں ہے تو اللہ اس سے خوش ہوتا ہے۔" (فکری رسالہ عزم: ۱۴ سیریز ۱۷۰) ❸

گویا رائے پوری صاحب کے نقطۂ نظر سے دین، مذہب اور عقیدہ کی چنداں اہمیت نہیں بلکہ اصل چیز معاشی اور سماجی نظام ہے، کفر اور اسلام غیر ضروری مسائل ہیں۔

چار دیواریوں میں محبوس لوگ

"جو لوگ علم الٰہی کو ایک خاص گروہ [مسلمانوں] کی جاگیر سمجھتے ہیں ان کے نزدیک ہدایت کی روشنی صرف ان تک محدود ہے، باقی دنیا ہمیشہ جاہلیت کے گھپ اندھیرے میں رہی اور ان کے یہاں کسی اعلیٰ اخلاق کا وجود ممکن ہی نہیں، یہ لوگ طائفیت کی چار دیواری میں محبوس ہیں۔" (حالات، تعلیمات: ۱۰۰) ❹

تحریک ''ختم نبوت'' جیسی تحریکیں قادیانیوں کا پہلے کچھ بگاڑ سکی ہیں نہ آئندہ بگاڑ سکیں گی

''احمدیت ایک سماجی مظہر (Phenomenon) ہے۔ تحریک ''ختم نبوت'' جیسی تحریکیں نہ پہلے اس کا کچھ بگاڑ سکی ہیں اور نہ آئندہ بگاڑ سکیں گی، بلکہ ان سے اتحاد و ربط اور قوت و صلابت پیدا ہوگی جیسا کہ اب تک ہوا ہے۔ احمدیت اور اس قسم کی دوسری علیحدگی پسند، رجعت پرست اور استعمار دوست مذہبی تحریکوں سے ایک ترقی پسند سماج اور سیکولر و سوشلسٹ نظام ہی کامیابی سے عہدہ برآ ہو سکے گا۔'' (افادات وملفوظات: ۴۱۳، ۴۱۴) ۵

ملائکہ کا مصداق نیک سیرت لوگ ہیں

''والملائکۃ'' ''یعنی اللہ کی نیک طاقتیں، خواہ آسمان پر ہوں خواہ زمین پر یعنی فرشتہ منش اور فرشتہ سیرت لوگ اس بات کو مانتے ہیں کہ اس کے سوائے اور کوئی مذہب بین الاقوامی قانون نہیں ہوسکتا۔'' (القام المحمود: ج۱ ص ۶۵۳ شائع کردہ مکی دارالکتب) ۶

جنت کا مستحق کون؟

ملاحظہ فرمایئے:

''ایک شخص اس دنیا کی زندگی میں سوسائٹی کے خاص قاعدوں کے مطابق عمل کرنے سے جو اثر اپنے نفس میں لیتا ہے وہ اپنی

جگہ آپ خوشی پیدا کرتا ہے۔ یہی خوشی اور اطمینان بہشت میں اس موطن (Stage) کی نعمتوں کی شکل لے کر وہاں کی خوشی اور راحت کا سامان بہم پہنچائے گی۔

ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حکومت کرنے والے گھرانے میں پرورش پاتا ہے، کیا وہ مصر کے بنی اسرائیل کی طرح نچلے درجے کی زندگی پر راضی ہوسکتا ہے؟ پس حکومت کی بھی ایک لذت ہوتی ہے، جسے حاکم قوم ہی سمجھ سکتی ہے، محکوم قوم اس لذت سے محروم ہے۔"

(فکری نصابی کتاب قرآنی شعور انقلاب: ۴۴۳)

فکریوں کے ہاں قرآنی آیت "عرّفها لهم" کے معنی

"اب جس قوم نے دنیا میں حکومت کی لذت نہیں چکھی، ہمیشہ دوسروں کی غلامی اور محکومی میں فنا ہو گئی اور اپنے معاشی، معاشرتی اور روحانی ترقی کے قانون پر عمل کر کے اپنے اندر ان قانونوں کے مطابق کئے ہوئے عملوں کے جوہر نہ لے گی، وہ جنت میں یہ مزے کیسے پائے گی؟ غرض آزادی، حریت اور فتح سے حاصل ہونے والی خوشی اور راحت کی لذت بہشت میں وہی قوم پائے گی جو دنیا میں قرآن حکیم کے قانون کو غالب کر کے اس کے نیچے آزادی، حریت اور کامرانی کی زندگی بسر کر چکی ہوگی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں دنیا میں اللہ کی اس نعمت کی

لذت اور راحت معلوم کرادی گئی ہوگی جو وہ آگے چل کر بہشت میں پانے والے ہوں گے۔ پس جب مسلمان دنیا میں حکومت اور کامیابی کا احساس وعرفان پالیں گے تو بہشت میں بھی اسی لذت سے انتہائی حد تک مزہ پائیں گے۔ ہمارے نزدیک "عرّفها لهم" کے یہ معنی ہیں۔" (ایضاً: ۴۴۳،۴۴۴) ۸

دنیا کو جنت نظیر بنائے بغیر آخرت کی جنت کے مالک ہونے کا تصور اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے

ایک اور مقام پر فکری لکھتے ہیں:

"افسوس ہے کہ ہمارے ہاں محبت و پیار اور مساوات کا درس دینے والے طبقاتی نظام پر غور نہیں فرماتے، جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا مجموعی ترقی کا خواب کیسے پورا ہوسکتا ہے؟ یہاں تک کہ دنیا کو جنت نظیر بنائے بغیر آخرت کی جنت کے مالک ہونے کا تصور اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔"

(عزم: سیریز ۱۲۵ ص ۳۱) ۹

ایک اور مقام پر تنظیم کے بانی وسرپرست رائے پوری صاحب فرماتے ہیں:

"مسلمان اس جماعت کو کہا جاتا ہے کہ جو دنیا میں بھی اللہ کے انعامات کی مستحق ہو اور آخرت میں بھی انعامات کی مستحق ہو"

(عزم: ۱۵۰، ۱۵۱ ص ۸) ۱۰

گویا فکریوں کے ہاں اسلام کی امتیازی خصوصیت صرف یہ ہے کہ وہ انسان کی

معاشی ناہمواری کی اصلاح اور اسے دنیاوی ترقی سے ہمکنار کرتا ہے، لہٰذا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ معاشی لحاظ سے خوشحال، فارغ البال اور دنیاوی ترقی کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ پر فائز ہو، اگر اس کی دنیا درست نہیں تو وہ مسلمان نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس کی آخرت دربست ہوسکتی ہے۔ ہم فکریوں سے پوچھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو ساری عمر نہ جھونپڑا نصیب ہوا، نہ شادی کی، پیدا ہوئے تو یہودیوں کے اتہامات کا نشانہ بنے، ۳۲ سال کی عمر میں مقدمہ چلا، قید ہوئے اور بقول یہودیوں اور عیسائیوں کے مصلوب ہوئے۔ کیا ان کی دنیاوی زندگی خوش حال تھی؟

اور کیا بہت سے وہ انبیاء جن کی تادم مرگ مخالفت کی جاتی رہی اور بالآخر وہ ناحق قتل کر دیئے گئے، ان کی دنیاوی زندگی پر خوش حال زندگی کا اطلاق ہو سکے گا؟ یا وہ مسلمان جو مکہ میں اپنی طبعی موت سے دو چار ہوئے یا کفار و مشرکین کے ہاتھوں شہید ہوگئے ان کی دنیاوی زندگی خوش حال تھی؟ پھر کیا یہ حضرات مؤمن تھے یا نہیں؟ فکریوں کے نظریئے کے مطابق تو یہ حضرات (العیاذ باللہ) مؤمن بھی ثابت نہیں ہوتے کجا یہ کہ وہ انہیں نبی اور رسول برحق اور صحابی تسلیم کریں۔

سجدۂ آدم سے انکار

تمام علماء کرام کا متفقہ نظریہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سب فرشتوں نے سجدہ کیا جیسا کہ قرآن میں بھی انتہائی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿فسجد الملائكة كلهم أجمعون﴾

ترجمہ: ''پس تمام کے تمام ملائکہ نے سجدہ کیا۔''

مگر فکری لوگوں کے ہاں صرف زمینی فرشتے سجدہ گزار ہوئے تھے۔ ملاحظہ ہو:

''آدم کو زمینی فرشتوں نے سجدہ کیا تھا۔''

(بر حاشیہ الہام الرحمٰن: ج ا ص ۹۲) ⑪

آدم اور حوّا زمینی جنت میں رہائش پذیر تھے

ملاحظہ فرمایئے:

''آدم اور حوا زمینی جنت میں رہائش پذیر تھے۔'' (ایضاً: ۹۳) ⑫

ہندوؤں کی تعلیمات حضرت آدم علیہ السلام کی تعلیمات ہیں

فکری لکھتے ہیں:

''جب آدم کے سارے علوم اور معارف صرف اور صرف حنفیت [یہودیت، عیسائیت اور اسلام] تک مختص ہو جائیں اور آدم سے صادر علوم صرف حنفیت میں منحصر رہے تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندومت اور بدھ مت کے شروعات کسی اور آدم سے ہو گئے ہوں۔

کیا اس کا کوئی عقل مند انسان قائل ہے یا کم از کم اس کو جائز سمجھتا ہے۔ اگر ایسا نہیں تو وہ رجحان جو مذہبی طلبہ پر عربیت اور ابراہیمیت کے دعوؤں کی وجہ سے غالب ہے کہ تمام انسانی کمالات ارض مقدس کے ارد گرد منحصر ہیں اور یہ کہ دین اور تمدن ارض مقدس کے علاوہ کہیں موجود نہیں، غلط ہے۔''

اصل عبارت ملاحظہ ہو:

"وإذا حصر جميع مانبغ من آدم صدر منه من الأديان في الحنفية أفلا يلزم من ذلك أن يكون مبدأ البرهمنية والبوذية آدم آخر؟ وهل يقول بذلك عاقل أو يجوزه؟ وإذ ليس فالذى تغلب على أذهان المتعلين فى المدارس العربية بسبب دعايات عربية و فى ضمنها دعايات إبراهيمية، هو حصر جميع كمالات الإنسانية فى الأراضى الواقعة حوالى الأرض المقدسة وإنكار الدين والاجتماع فى غير من انتسب إلى تلك الأراضى غير صحيح."

(فکری تفسیرالہام الرحمٰن: ج۲ص۴۰ شائع شدہ بتعاون عزیز اللہ پنوعاقل) ۱۳

ابتدائے انسانیت آدم سے نہیں بلکہ نظریۂ ارتقاء کے مطابق ہوئی ہے

ابتدائے انسانیت آدم سے نہیں ہے بلکہ وہ تو اپنے معاشرہ کے ترقی یافتہ انسان تھے جب کہ انسانیت کا ظہور عقیدۂ ارتقاء کے مطابق ہوا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں فکریت کی گوہر فشانیاں:

"إن الله اصطفى آدم و نوحا" اس آیت کے ضمن میں فکری تفسیر میں درج ہے: ۱

"آیت نمبر۳۳ میں ارشاد فرمایا کہ انہوں نے آل ابراہیم اور موسیٰ کو منتخب کیا تھا، اس لئے کہ آل ابراہیم بنی اسرائیل میں سب سے پہلے ظاہر ہوئے تھے اور موسیٰ ان کی عظمت کے مرکز تھے۔ اسی طرح انتخاب ابراہیم سے پہلے معاشرے کے دیگر

افراد پر نوح کا انتخاب ہوا تھا۔ اگر وہاں سوسائٹی میں مختلف امم نہ ہوتے صرف ایک نوح ہوتے تو ایک ان کا انتخاب دیگروں پر کیسے ممکن ہوتا؟ اسی طرح خدا نے آدم کو بھی دیگر افراد میں سے منتخب کیا تھا اور اس سے پہلے امم موجود تھیں، ان میں آدم کو فاضل اور منتخب پایا گیا، اس لحاظ سے انسانیت آدم سے پہلے موجود تھی۔ انسانیت کا مبدأ اور نقطۂ آغاز آدم سے نہیں بلکہ وہ اس سے پہلے روئے زمین پر موجود انسانوں میں سے ایک ترقی یافتہ انسان بن کر آیا۔ اس نقطۂ نظر سے نظریہ ارتقاء تخلیق منظم ہو جاتا ہے اور اس کی صحت کے ثبوت کے نشانات روشن ہو جاتے ہیں۔'' عربی متن ملاحظہ ہو۔

"وقد حكم الله في آية ٣٣ بأنه قد اصطفى آل إبراهيم وموسى منهم لأن آل إبراهيم كانوا ظهروا أولا في بني إسرائيل، وكان موسى مركز عظمتهم، كذلك اصطفى قبل اصطفاء آل إبرهيم نوحا على العالمين، فلو لم تكن هناك أمم اصطفى منهم نوحاً كيف يمكن اصطفائه على العالمين؟ واصطفى آدم عليه السلام على العالمين، وكانت الأمم موجودة قبله، وكان هو مفضلا عليهم، ومصطفى منهم فإذا الإنسانية موجودة قبل آدم، وليس هو مبدأ البشر أوله وإنما هو مفضل على مخلوق قبله على وجه الأرض، وبذلك تنظم نظرية ارتقاء الخلق وتثبت صحتها."

(فکری تفسیر الہام الرحمٰن: ج ۲ ص ۴۱ مطبوع بتعاون عزیز اللہ پنوعاقل) ۱۴

زردشت، کرشن، رام، گودم بدھ اور سقراط پیغامبر ہیں

''آج کے مسلم نوجوان جو ہند [برصغیر] میں نشو ونما پا رہے ہیں وہ زردشت، کرشن، رام، گودم بدھ اور سقراط پر اپنے ایمان کو برملا ظاہر کرتے ہیں، جیسے کہ وہ موسیٰ اور عیسیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور وہ علم کلام کے جاہل علماء کو بھی اس کے متعلق درخور اعتناء نہیں سمجھتے، اور ایک مسلم شخص جب علم الکلام کے علماء کے نظریات کے مطابق اعتقاد بنا لے تو وہ نہ تو قرآنی حکمت کو سمجھ سکتا ہے اور نہ اس پر ایمان لا سکتا ہے۔''

عربی متن ملاحظہ فرمائیں:

"وصار شبان المسلمين الآن فی الهند يصرحون بإيمانهم بزردشت وكرشنا ورام وبوذا وسقراط بعد إيمانهم بموسىٰ وعيسىٰ، ولا ينالون بمخالفة الجهال من علماء الكلام. وإذا أخذ أحد من المسلمين بكلام علماء الكلام فإنه لا يقدر أن يعلم ويؤمن بحكمة القرآن."

(فکری تفسیر الہام الرحمٰن: ج ۲ ص ۲۲۶ مطبوعہ بتعاون عزیز اللہ پنوعاقل) (۱۵)

فکریت کے دعوے اور منافقت

فکریت کے تقیہ ومنافقت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ جب عوامی حلقوں میں آجاتے ہیں تو لوگوں کو خاموش کرنے کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا عقائد سے کوئی

تعلق ہے ہی نہیں، ہم تو شاہ ولی اللہ اور جمعیت علماء ہند کے سیاسی، اقتصادی اور تمدنی نظریات پر کام کر رہے ہیں، ہمارے ہاں عقائد پر کوئی بحث و مباحثہ نہیں ہوتا ہم تو صرف سیاسیات اور اقتصادیات سے بحث کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک بہت بڑی منافقت ہے۔ اس کا اندازہ ایسے لگایا جاسکتا ہے کہ فکری تنظیم کے تمام سالانہ موضوعات اور تربیتی مواد پر مشتمل جو کتابچہ شائع ہوتا ہے ''نکات و اشارات'' شائع کردہ شعبہ نشر و اشاعت تنظیم فکر ولی اللہی (پاکستان)، اس کتابچہ سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ان کے پروگرام کا آغاز ہی عقائد سے ہوتا ہے، مثلاً اس میں سب سے پہلے عقیدۂ توحید ہے، پھر عقیدۂ رسالت اور پھر عقیدۂ آخرت۔ اس میں ایک عنوان ہے ''جنت کا عقلی تصور'' ان کے عقائد (توحید، تصور وحی، تصور نبوت، تصور جنت و دوزخ وغیرہ) کا تذکرہ جو پہلے اس مقالے میں ہوا ہے، اس کتابچے میں ان کے عنوانات اور اجمالی مضمرات اور مظہرات موجود ہیں، نیز ان کے سالانہ دور ہائے تفسیر میں ولی اللہی علوم اور معارف کے نام سے مذکورہ تفاسیر ''الہام الرحمٰن'' اور ''المقام المحمود'' کی بھرمار رہتی ہے اور ان تفاسیر کے نظریاتی پس منظر میں نوجوانوں کی ذہن سازی کی جاتی ہے۔

داڑھی فضول ہے اور سوشلزم وقت کی ضرورت ہے

فکریوں کے ہاں ڈاڑھی ایک قدیم رسم ہے، کوٹ پتلون اور ہیٹ، نیشنلزم اور سوشلزم وقت کے تقاضے ہیں۔ فکریوں کی کتاب ''افادات و ملفوظات'' میں ہے:

> ''سیاست میں یورپی طرز کی قومیت اور اقتصادیات میں سوشلزم کو اپناؤ۔ عالمگیر انقلاب آیا چاہتا ہے۔ سیاسی و اقتصادی انقلاب کے ساتھ ساتھ اس کے لئے ہمیں اپنی معاشرت میں انقلاب کی ضرورت ہوگی۔ مولانا سندھی نے اپنے اسی خطبے میں

کوٹ پتلون اور ہیٹ پہننے کو سراہا اور داڑھی اور خاص وضع قطع کو ہم نے جو مقدس بنالیا ہے اسے غلط ٹھہرایا۔"

(افادات ملفوظات:۱۲۱) ۱۶

روسی اشتراکی (لینن، کارل مارکس وغیرہ) لادین نہیں

"میں روسی اشتراکیوں کے عام آدمی کا نہیں کہتا، لیکن جہاں تک ان کے ذی فہم اور عقل مند افراد کا تعلق ہے، میرے نزدیک ان کو لادینی کہنا زیادتی ہے۔ ہاں جس کو تم دین کہتے ہو اسے وہ نہیں مانتے، لیکن جہاں تک دین کی اصل روح اور زندگی میں اس کی کارفرمائی کا تعلق ہے، تم انہیں لادینی نہیں کہہ سکتے۔" (افادات ملفوظات:۲۲۴) ۱۷

ہمارا ہونا عدم محض سے نہیں، ہم اس سے پہلے کسی اور جون میں تھے

فکریوں کا عقیدۂ تناسخ ملاحظہ ہو:

"وجود لامتناہی ہے اور اس وجود کا کوئی ذرہ فنا نہیں ہوتا، گو زندگی ہر لمحہ متغیر ہے لیکن اس کا سلسلہ اٹوٹ ہے۔ ہم اس عالم میں آئے لیکن ہمارا ہونا عدم محض سے نہیں۔ عدم محض کا کوئی وجود نہیں، ہم اس سے پہلے کسی اور جون میں تھے۔"

(افادات، ملفوظات:۲۶۹) ۱۸

لادین اگر انسانیت کے ارتقاء کی کوشش میں لگا ہوا ہو وہ انبیاء کے مقاصد کا مخالف نہیں

فکریوں کے ہاں انبیاء کی بعثت کا مقصد انسانوں کو دنیاوی ترقی سے ہمکنار کرنا تھا، چنانچہ ان کے ہاں اگر کوئی لادین بھی انسانیت کے ارتقاء کی کوشش میں لگا ہوا ہو وہ انبیاء کے مقاصد کے عین مطابق ہے، وہ اگرچہ اللہ، رسول اور قرآن کو نہ مانتا ہو تب بھی انبیاء کے مقاصد کے مخالف نہیں۔ ملاحظہ ہو:

> ''اگر میں کسی دوسرے مذہب کے آدمی کو یا اس شخص کو جو کسی مذہب کو سرے سے نہیں مانتا، انسانی فلاح و بہبود کا کام کرتا دیکھوں تو میرے دل میں اس کی عزت اور محبت جاگزین ہوتی ہے، کیونکہ شاہ صاحب کی حکمت سے میں یہ سمجھا ہوں کہ انبیاء کی تعلیم کا اصل مقصد انسانیت کی ترقی اور تقدم ہے۔ اب اگر کوئی شخص انسانیت کے ارتقاء کے لئے کوشاں ہے تو میں اسے کیسے انبیاء کے مقاصد کا مخالف سمجھوں اور اس سے نفرت کروں؟'' (حالات تعلیمات:۲۸۲) ⑲

یعنی فکریوں کے ہاں انبیاء کا مطمح نظر دنیا تھی اور وہ اسی کے پیچ وخم سدھارنے آئے تھے، انہوں نے جو اذیتیں سہیں، تکالیف برداشت کیں، مصائب کا سامنا کیا وہ سب دنیاوی ترقی کے لئے۔ (العیاذ باللہ) اور ستم بالائے ستم یہ کہ فکری ان گمراہ افکار کو شاہ صاحب کے سر تھوپ رہے ہیں۔

لہٰذا آیئے ذرا شاہ صاحب والے دعوے کو دیکھتے ہیں کہ آیا واقعۃً شاہ صاحب کی کتابوں سے یہ سمجھا جاسکتا ہے یا یہ بھی سابقہ دعوؤں کی طرح ایک بودا دعویٰ ہے۔

شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ انبیاء کی آمد کی اصل غرض و غایت تو یہ ہوتی ہے کہ عبادات کی ضروری شکلوں کی تعلیم دیں، لیکن وہ اس کے ساتھ ہی رسوم فاسدہ کی بندش اور بہترین ارتفاقات کے اختیار کرنے کی ترغیب کو بھی اپنے اصل مشن کا جزء بنالیتے ہیں''

(حجۃ اللہ البالغہ: ج ا ص ۱۰۴)

آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس عبارت میں انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد کیا بتایا ہے؟ ان پر یہ بہتان باندھنا کہ وہ اس کے قائل تھے کہ ''جو کسی بھی مذہب کو نہ مانتا ہو اور انسانیت کی ترقی کے لئے کوشاں ہو وہ انبیاء کے مقاصد کا مخالف نہیں۔'' یہ کتنا بڑا ظلم ہے؟

برطانیہ دشمنی ترک کی جائے اور اس کے نظام سے استفادہ کرنا چاہئے

حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہما اللہ کی قربانیوں سے کون واقف نہیں اور کون نہیں جانتا کہ انہوں نے یہ قربانیاں انگریزوں کو اپنے ملک سے نکالنے ہی کے لئے دی تھیں۔ اسی لئے حضرت شیخ الہند مالٹا کی جیل میں پابند سلاسل ہوئے، مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲۴ سال جلا وطنی میں گزار دیئے، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ انہی حضرات کا نام استعمال کرنے والے کہتے ہیں کہ برطانیہ دشمنی ترک کردی جائے اور وہ قرآنی نظام کی بجائے برطانوی نظام سے استفادہ کی ترغیب دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''علماء کے ہاں منفی قسم کی جو برطانیہ دشمنی چلی آتی ہے اس کو

ترک کیا جائے اور پچھلے دوسو سال سے یہاں جو برطانوی نظام حکومت رائج ہے، ہمارے مذہب وملت و وطن کے اکابر اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی کوشش کریں۔"

(افادات:۷۴) ۲۰

جن نوجوانوں کو فکری شیخ الہند اور مولانا سندھی صاحب کے نام سے دھوکہ دیتے ہیں ان کے لئے یہ عبارت فکریت کا اصل چہرہ دکھانے میں بڑی مددگار ثابت ہوسکتی ہے۔

کوئی ان سے سوال تو کرے کہ شیخ الہند کے نام لیواؤ! انہوں نے تو زندگی برطانیہ دشمنی میں گزار دی، اسی لئے وہ دربدر ہوئے، اس کے چہیتے شاگرد کو عمر کا اکثر حصہ جلاوطنی میں گزارنا پڑا، اسی مشن کو آج آپ غلط کہہ رہے ہیں اور آپ اسی چیز کے ترک کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ شیخ الہند اور مولانا سندھی کو غلط ٹھہرا رہے ہو اور پھر انہی کے گن بھی گاتے ہو!

نیوگ زنا نہیں.....ایک خطرناک نظریہ

"اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ ان قوانین کے سمجھنے سے عاجز آجاتے ہیں، انہی میں سے نیوگ کا مسئلہ ہے، لوگ اسے زنا میں داخل کرتے ہیں یہ غلط ہے، یہ ایک قانون کے تحت ہے اس لئے اسے زنا نہیں کہا جاسکتا۔ زنا سے مراد ہے کسی قسم کا نکاح نہ ہونا اور نیوگ ایک قسم کا نکاح ہے، اسے زنا کے تحت نہیں لایا جاسکتا، اس لئے قرآن حکیم کو اسے جداگانہ طور پر منع کرنا پڑا۔"

(قرآنی شعور انقلاب:۲۴۵) ۲۱

فکریوں کے ہاں اثم (گناہ) کی تعریف

''امام الائمہ کے نزدیک برائی.....اثم.....کا معیار شخصی نہیں بلکہ نوعی تقاضا ہے۔ برائی وہ فعل ہے جسے عام تندرست انسانیت قبول کرنے سے انکار کردے'' (قرآنی شعور انقلاب:۳۶۷) ۲۲

ہندوؤں کی تائید

فکریوں کی کتاب ''افادات وملفوظات'' میں ہے:

''میں عام طور پر یہ بات کہتا نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کے ''آلھة'' (الہ کی جمع) یعنی دیوتا ہمارے ملائکہ ہیں۔ خدا ہندوؤں کے نزدیک ''إله الآلهة'' ان دیوتاؤں کا معبود ہے۔ ہم نے غلطی سے ان کے دیوتاؤں کو خدا سمجھ لیا ہے اور اس طرح ان کے مذہب کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔ دراصل تعبیرات الگ الگ ہیں، اصل حقیقت ایک ہے۔ ان کے ہاں بھی خدا سب سے ماوراء ہے۔'' (افادات وملفوظات:۳۰۳) ۲۳

یعنی فکریوں کے ہاں مسلمان ہندوؤں کے مذہب کو صحیح طور پر سمجھ نہ سکے اس لئے انہیں غلط قرار دیا۔ ورنہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں صرف تعبیرات کا فرق ہے اصل حقیقت ایک ہی ہے۔ (العیاذ باللہ)

جنات کے وجود سے انکار کیلئے ایک بھونڈی تاویل

''جب حجاز میں عربی انقلاب رونما ہوا تو یہ عربی قبائل خفیہ طور پر

مسلمان ہو گئے اور انہوں نے بعد میں مسلمان حملہ آوروں کی امداد کی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عراق اور شام بہت جلد مفتوح ہو گئے۔ ہماری سمجھ میں مکہ معظمہ میں انہی قوتوں کے مخفی ڈیپوٹیشن آتے رہے ہیں جن کو جنوں کے وفود سے تعبیر کیا گیا ہے۔"

(قرآنی شعور انقلاب: ۱۴۸) (۲۴)

تقدس ایک مصیبت اور داڑھی رکھنا غلط ہے

پروفیسر سرور صاحب لکھتے ہیں:

"یہ ذکر کرتے کرتے فرمانے لگے کہ تقدس بھی ایک مصیبت ہے، توہمات اور بے سروپا روایات قدامت کا جامہ پہن کر مقدس بن جاتی ہیں۔ ان کے سامنے نہ ذہن کام کرتا ہے اور نہ آنکھیں ٹھوس حقیقتوں کو دیکھ سکتی ہیں۔ قرآن مجید کو دیکھو وہ جتنا زیادہ چھپتا جا رہا ہے اتنی ہی مسلمانوں میں انتشار ذہنی اور پریشان نظری بڑھتی جا رہی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اسے سمجھنے سمجھانے اور اس پر عمل کرنے کے مقابلے میں اس کے تقدس پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ تقدس، تقدس یہ ایک عذاب بن گیا ہے۔ فلاں لباس مقدس ہے، داڑھی مقدس ہے، اس طرح اٹھنا بیٹھنا مقدس ہے، فلاں زبان مقدس ہے، عربی مقدس ہے، اس میں دعا کرو تو اللہ جلد قبول کرتا ہے۔ غرض ملت کے دماغ کو اس تقدس نے عملاً اپاہج کر کے رکھ دیا ہے اور اس نے سوچنے کی قوتیں سلب کر لی ہیں۔" (افادات وملفوظات: ۳۸، ۳۹) (۲۵)

اسی کتاب میں ایک اور جگہ پروفیسر سرور صاحب لکھتے ہیں:

”مولانا..... نے اپنے اس خطبے میں کوٹ، پتلون اور ہیٹ پہننے کو سراہا اور داڑھی اور خاص وضع قطع کو جو ہم نے مقدس بنالیا ہے اسے غلط ٹھہرایا۔“ (افادات:۱۲۱) ۲۶

مولانا کہتے تھے کہ علاوہ ازیں روسیوں نے اپنے آپ کو لادینی بنا کر ہزاروں بلاؤں سے بچا لیا۔ روسی اپنی نئی دنیا اور اس طرح اپنے لیے نئی زندگی بنانا چاہتے تھے۔ اب اگر وہ دین کا سرے سے انکار نہ کرتے تو ظاہر ہے انہیں کسی نہ کسی دین کو ضرور ماننا پڑتا۔ اس کے معنی یہ تھے کہ اہل مذاہب کے کسی نہ کسی طبقے کو وہ اپنا سردار اور تائید بناتے اور پھر معاملہ وہی کا وہی رہتا۔

مولانا نے فرمایا۔ روسی ان معنوں میں لادینی نہیں جن معنوں میں ہم لادینی کو لیتے ہیں۔ ہم لادینی سے بالعموم یہ مراد لیتے ہیں کہ جس کے سامنے کوئی نصب العین نہ ہو۔ جو کسی مثبت اخلاقی قدر کو نہ مانتا ہو، جس کی زندگی محض اپنی مادی اور سفلی خواہشات ہوں۔ روسی ان معنوں میں ہرگز ہرگز لادینی نہیں۔ ان کے اپنے انسانی نصب العین ہیں، اپنی اخلاقی قدریں ہیں۔ ایک اعلیٰ مقصد کے لیے انہوں نے انقلاب کیا اور اب وہ اسی مقصد کو حاصل کرنے میں مصروفِ جدوجہد ہیں۔ تم یوں کہہ سکتے ہو کہ وہ ایک نئے دین کی طرح ڈال رہے ہیں۔ اگر وہ پرانے دینوں کو جس شکل میں کہ وہ ان کے سامنے موجود تھے، مان لیتے تو کیا ان کی زندگی اسی پرانے ڈھرے پر بدستور نہ چلتی رہتی اور یہ جو وہ نئی دنیا کی تعمیر کر رہے ہیں اس کا انہیں کہاں موقع ملتا۔

مولانا سندھی کی اسی بات کو علامہ اقبال نے جاوید نامہ میں "خاتون عجم" طاہرہ کی زبان سے یوں کہلوایا ہے۔

از گناہِ بندۂ صاحب جنوں — کائنات تازہ آمد بیروں
شوق بے حد پردہ ہا را بر درد — کہنگی را از تماشا می برد

(بندۂ صاحب جنوں کے گناہ سے تازہ کائنات وجود میں آتی ہے۔ بے حد شوق پردوں کو چاک کرتا ہے اور فرسودگی اور پرانے پن کو سامنے سے ہٹا دیتا ہے۔)

اشتراکی نظام کی ان خوبیوں کے ذیل میں اسلام کا بھی ذکر آ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ اسلام کا جو تصور ہے، اس میں زیادہ زور آخرت پر ہے۔ اس کے

حوالہ نمبر 2

یُوں لڑ رہے ہیں جس طرح کبھی مذہب والے اپنے مذہب کی خاطر لڑتے تھے یعنی روس میں اشتراکیت ایک مذہب بن گئی ہے اور لوگ اس پر یُوں ایمان لاتے ہیں جیسے مذہب پر لایا کرتے تھے اور خوشی خوشی اس کے لیے جانیں دے رہے ہیں۔

مولانا نے ایک دفعہ صحیح مذہبیت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ صحیح مذہبیت انسان کو اپنی ذات کے ماوراء کسی اور اعلیٰ مقصد کے لیے ایثار کرنا سکھاتی ہے — خالص مذہبی آدمی وہ ہے جو اپنے اعلیٰ تصور کی خاطر اپنی ذاتی خواہشات کو خواہ وہ کسی قسم کی ہوں، دبانے کی کوشش کرتا ہے اور اگر اسے اس راہ میں دوسروں کی مخالفت بھی مول لینی پڑے تو بغیر کسی خوف و ہراس کے خوشی خوشی مخالفت کو قبول کرتا ہے۔ لیکن اگر یہ مذہب انقلابی نہ ہو تو پھر اس کی افادیت محدود ہو کر رہ جاتی ہے یہ مذہب ناقص ہوتا ہے اور کسی آدمی کے مذہبی ہونے کا پتہ اس کے خلوص اور ثبات سے چلتا ہے۔ مذہبیت کی اس کسوٹی کو غالب نے شاعرانہ رنگ میں یوں بیان کیا ہے:

ع وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے

اسی بنا پر ایک بالغ نظر بزرگ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ خدا کو ماننے والے روس میں آجکل سب سے زیادہ ہیں۔ اس سے ان کا دراصل مقصد یہ تھا کہ ایک اعلیٰ اور بلند نصب العین کے لیے جس خلوص اور استقلال کا ثبوت وہ دے رہے ہیں، اس کی مثال آج دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملے گی۔

حاصل کلام یہ نکلا کہ موجودہ یورپی انقلاب آئندہ کے عالمگیر انسانی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ اور مولانا کے اس ارشاد سے کہ ہمیں اس انقلاب کو اپنا لینا چاہیئے، یہ لازم نہیں آتا کہ اُن کی نظر محض مادیت تک محدود ہو گئی۔ بلکہ دیکھا جائے تو خود یورپ

ہوتے ہیں مگر حقیقت میں بھیڑیے ہیں۔ یہ قوم کو بھوکا مار کر اور دھوکہ دے کر دنیا میں کبھی عزت حاصل نہیں کر سکتے۔ اب بتلاؤ! کوئی ہندو لوٹے تو گناہ اور کوئی مسلمان لوٹے تو ثواب کیا ہم ہندوؤں سے بچ کر اس لئے آئے تھے کہ کم از کم مسلمان ہی لوٹ لے؟ حالانکہ ہندو لوٹتا ہے تو ۵ فیصد کا منافع رکھتا ہے اور پاکستان میں مسلمان صنعت کار لوٹتا ہے تو وہ ۱۰۰ فیصد کا منافع رکھتا ہے۔ یاد رکھو اسلام ظلم کا دشمن ہے کسی مذہب کا نہیں۔ جب حضور ﷺ مکہ پر حملہ کرنے جا رہے تھے تو ایک شخص ملا اس نے کہا آپ کو مکہ سے کیا ملے گا؟ نہ وہاں ترقی ہے اور نہ مال۔ میں آپ کو ایک قبیلے کا پتہ دیتا ہوں جہاں لوگ خوشحال ہیں اور خوب دولت مند ہیں وہاں حسن بھی ہے اور زرخیزی بھی تو حضور ﷺ نے فرمایا ہم تو جہاد صرف ظلم مٹانے کے لئے کرتے ہیں تاکہ لوگ خوشحال ہوں اور ایسا قبیلہ جہاں حسن بھی ہے اور خوشحالی بھی اللہ نے وہاں حملہ کرنے سے روک دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو سیرت الرسول مولانا مفتی محمد شفیع صاحب)۔ اس لئے اسلام کا حملہ ظلم پر ہوتا ہے مذہب پر نہیں۔ اگر انسانیت کی بھلائی کی تڑپ کافر اور مشرک میں ہے تو اللہ اس سے خوش ہوتا ہے اور دنیا میں اس پر عذاب نہیں آتا ہے اور اگر مسلمان میں ہے تو اس کی دنیا و آخرت سنور جاتی ہے۔

اس لئے تو نوجوانو! یہ کالج اور یونیورسٹیاں نظام ظلم کے آلہ کار تیار کرنے کی فیکٹریاں بنا دی گئی ہیں۔ اگر تم نے شعور حاصل نہ کیا تو تم استعمال ہو جاؤ گے یاد رکھو تاریخ تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گی اس لئے اپنے گرد ڈھونڈو کہ کون مخلص ہے۔ ہر بڑا جو سامراج تمہارے ذریعے کرتا ہے اور ظلم کو عام کرتا ہے مگر دنیا میں نام اسلام کا بدنام ہوتا ہے۔ منافق مفاد پرستوں کو مسلمان کہہ کر ہم پر مسلط کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان میں خدا خوفی نہیں ہے اگر تم خدا کے بندوں کے حقوق ادا کرو گے تو تمہیں دنیا و آخرت میں کامیابی حاصل ہوگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں یہودیوں کی طرح گروہ پیدا ہو جائیں گے اور گروہ پیدا کرنا سامراج کی سب سے اولین پالیسی ہے۔ حضرت موسیٰ کو اس وقت کے سامراج نے اسی اعتبار سے فیل کر دیا یعنی بنی اسرائیل کے بارہ گروہ بنا دیئے جو آپس میں تو لڑتے تھے مگر ظالم کے خلاف نہیں لڑتے تھے۔ Divid and Rule کی پالیسی کا سب

حوالہ نمبر 4

مولانا نے فرمایا کہ اگر شاہ صاحب کے اس اصول کو سمجھ لیا جائے تو چینی قوم کے اعلیٰ اخلاقی تصور، یونانی فلسفہ، ایرانیوں کی حکمت آفرینی اور ہندو رشیوں کے بلند فکری نظام اور اسلام، یہودیت اور عیسائیت میں بنیادی طور پر کوئی تضاد نہیں رہتا۔ اور کل انسانیت کے چوکھٹے میں ساری قوموں کے نظام، ادیان اور اخلاق اپنی اپنی جگہ ٹھیک بیٹھ جاتے ہیں۔

مولانا نے فرمایا کہ جو لوگ "علم الٰہی" کو ایک خاص گروہ کی جاگیر سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک ہدایت کی روشنی صرف اُن تک محدود ہے، باقی دنیا ہمیشہ جاہلیت کے گھُپ اندھیرے میں رہی، اور ان کے یہاں کسی اعلیٰ اخلاق کا وجود ممکن ہی نہیں۔ یہ لوگ طائفیت کی چار دیواری میں محبوس ہیں۔ انھوں نے تاریخ انسانی کا مجموعی طور پر کبھی مطالعہ نہیں کیا۔ اور نہ انہوں نے کبھی یہ دیکھا کہ ہر قوم کے پاس اپنے عہدِ اتمال میں اخلاق کا ایک تصور تھا۔ اُن لوگوں نے اس تصور کے مطابق اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو مرتب کیا۔ ان کے ہاتھوں میں انسانیت کے بڑے بڑے کام بھی ہوئے۔ دراصل مختلف تمدنوں اور مذاہب کا تقابلی مطالعہ نہ کرنے کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ انسان کی نظر صرف ایک گروہ اور جماعت تک محدود ہو جائے اور اپنے سوا سب کو جاہل اور نعمتِ علم سے عاری سمجھے۔

نبوت اور استعدادِ نبوت کا فرق نہ کرنے والوں کے نزدیک نبی کی اپنی کوئی مستقل شخصی حیثیت نہیں ہوتی۔ ان کے خیال میں نبی کی مثال فونوگراف کی ہے۔ جو کچھ اس پر القاء ہوا وہ اس نے ہو بہو دوسروں کو پہنچا دیا۔ یہ لوگ نبی کی ہر بات اور ہر عمل کو اصل نبوت کا جزو سمجھتے ہیں۔ اسی بنا پر ان کے ہاں عربی زبان مقدس

حوالہ نمبر 5

سے کہیں زیادہ "نبوت" کا سکہ چلا اور ان کے یہ سارے عجیب و غریب دعاوی خوشی خوشی مان لیے گئے۔ "خلافت" تو ظلی نہیں، مستقل "نبوت" کے بعد ہی ممکن ہوتی ہے۔ اس لیے جب مرزا غلام احمد کے بعد ان کے اولاد کے ہاتھ میں خلافت آگئی تو اس کے استحکام کے لیے مرزا صاحب کو مستقل نبی بنانا ضروری ہوگیا۔ اب یہ "خلافت" محض ایک خال خول دینی منصب نہ تھا بلکہ یہ اپنے ساتھ بے حساب دنیوی فائدے، منافع، سماجی اثر و رسوخ، ادھر کی دوسری دلچسپیاں اور سیاسی ساز باز[1] اور جوڑ توڑ کرنے کے مواقع ساتھ لے آئی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس "خلافت" کو برطانیہ جیسی عظیم و زبردست حکومت کی عملی سرپرستی حاصل تھی، جس کی کہ سلطنت میں ان دنوں سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔

غلطی یہ ہوئی کہ ہمارے علمائے کرام نے احمدیت کو ایک اعتقادی مسئلہ بنا دیا۔ اور اعتقادیات کی جنگ کبھی فیصلہ کن نہیں ہوتی کیونکہ اس میں "تاویلوں" کی بڑی گنجائش ہوتی ہے! اور مرزا صاحب سے لے کر ایک عام مبلغ اور مناظر تک فن تاویل میں احمدیوں کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ "تاویل" کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ایک لفظ سے آپ جو چاہیں، مراد لیں۔ اب مرزا صاحب نے خود اپنی کہی ہوئی اور لکھی ہوئی باتوں کی "تاویل" کی۔ آیات قرآنی اور احادیث کی "تاویل" کی۔ زلزلوں اور وباؤں کے وقوع پذیر ہونے کی "تاویل" کی۔ اس قسم کی "تاویلوں" کی کوئی حد نہیں۔ اب اس میں تمام تر دلائل ہی کے ہتھیاروں کو استعمال کرنا پڑتا ہے، جن کی تیاری کے لیے صرف ذہن کی تیزی کی ضرورت ہوتی ہے نہ کہ جن محدودات

کی احمدیت ایک سماجی مظہر (PHENOMENON) ہے۔ "تحریک ختم نبوت" جیسی تحریکیں نہ پہلے اس کا کچھ بگاڑ سکی ہیں اور نہ آئندہ بگاڑ سکیں گی۔ بلکہ ان سے اتحاد و ربط اور قوت

---

[1] کونسلوں اور اسمبلیوں کے انتخابات کے موقع پر خلیفہ کی طرف سے فرمان جاری ہوتا اور سارے احمدی اس کے مطابق ووٹ دیتے! اس کی وجہ سے ہر امیدوار خواہ وہ عقیدتاً احمدیوں کا مخالف ہی ہوتا، "خلیفہ" کے پاس اس کے مریدوں کے ووٹوں کے لیے جاتا۔ پھر "خلیفہ" کا فرمان سرمعاملے میں اور احمدیوں کی آبادی کے ہر طبقے پر جن میں سے اکثر بڑے بااثر ہوتے، چلتا تھا

وصلابت پیدا ہوگی۔ جیسا کہ اب تک ہوا ہے۔ احمدیت اور اس قسم کی دوسری علیحدگی پسند، رجعت پرست اور استعمار دوست مذہبی تحریکوں سے ایک ترقی پسند سماج اور سیکولر اور سوشلسٹ سیاسی نظام ہی کامیابی سے عہدہ برآ ہو سکے گا۔ اعتقادی ہتھیاروں سے یہ لڑائی نہیں لڑی جا سکتی۔ ہمارے علماء بس وفات مسیح و نزول مسیح کی بحثوں میں الجھے رہے۔

راقم الحروف بہت سے احمدی (قادیانی) حضرات سے متعارف ہے اور بعض سے تو اسے دوستی کا فخر بھی حاصل ہے۔ یہ سب عالم فاضل اور بڑے مخلص لوگ ہیں یہ تقریباً سارے کے سارے اب ربوہ کی "خلافت" کے باغی ہیں۔ ان میں سے ایک احمدی دوست سے جو کافی عرصہ قادیان میں رہے تھے، وہاں کے "کاروبار خلافت" کے نشیب و فراز اور داخلی سیاست کے بارے میں مجھے بہت کچھ معلوم ہوا۔ میں اکثر ان باتوں کا مولانا سندھی سے ذکر کرتا اور پوچھتا کہ یہ کیا ہے اور کیوں ہے؟ مجھے تجسس اس بات کا تھا کہ آخر مذہبی جماعتوں میں اس طرح کی چیزیں کیوں وقوع پذیر ہوتی ہیں؟ حضرت مولانا کو پیروں کی گدیوں اور مذہبی جماعتوں کا ذاتی تجربہ تھا۔ ان امور پر بڑے کھلے دل سے گفتگو فرماتے اور اس ضمن میں مذہبی نفسیات کا تجزیہ کرتے۔ میں احمدیت کو بطور ایک مذہبی مظہر کے سمجھنا چاہتا تھا۔

مولانا سندھی لاہور میں تھے۔ میں نے ان سے خلیفہ قادیان مرزا محمود کے ماموں میر محمد اسحاق کی وفات کا ذکر کیا۔ اس سے ایک دن پہلے میرے احمدی دوست نے ان کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا، وہ میں نے مولانا سے عرض کیا۔ دوست موصوف کے الفاظ یہ تھے:۔ "وہ دراصل ان کے بڑے مداح تھے۔

"میر محمد اسحاق کے ہاتھ میں لاکھوں روپے سالانہ کا حساب کتاب رہتا تھا۔ انہی کی تدبیروں سے "کاروبار خلافت" چلتا تھا۔ مرحوم ہی نے ہر آڑے وقت میں "خلافت" کی گرتی ہوئی عمارت کو تھاما لیکن اس کے باوجود یہ شخص پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتا۔ بڑی مشکل سے اپنی اولاد کا پیٹ پالتا۔ اور اپنے بھانجے کی شان و شوکت اور دولت و ثروت سے کوئی فائدہ نہ اٹھاتا۔ بلکہ بڑے استغنا سے اپنی فاقہ مستی میں مطمئن رہتا۔

"قادیانیوں کی اعصاب زدہ جماعت میں صرف یہی ایک شخص متوازن دماغ کا تھا۔

حوالہ نمبر 6

۶۳

وَالْمُقِيمِينَ الصَّلٰوةَ الآیۃ ۔ مشترک اصول ہیں ان پر جو ایمان لائے اور عمل کرے، وہ بین الاقوامی جماعت میں داخل ہو سکتا ہے اور مختلف دینوں میں یہ اصول مشترک ہیں۔

(۱) قانونِ الٰہی کو پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔ (۲) غریبوں پر رحم کریں۔ (۳) اپنے اعمال کی جزا و سزا پر ایمان لائیں کہ ایک دن ضرور ان اعمال کی جزا و سزا ہم کر لے گی تو اخیر و نصف اپنے اعمال کو درست کرتا رہے گا۔

اَجْرًا عَظِيمًا :۔ یعنی اس کے لئے بین الاقوامی حکومت دنیا میں ہے اور تسلسل حیات میں آئندہ دیدارِ الٰہی ہے۔

(۱۶۳) اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ الآیۃ :۔ ہم نے تمام انبیاء کو ایک ہی طریقہ بتلایا۔ بعض کے نام بیان کئے اور بعض کے نام بیان نہیں کئے۔

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى :۔ ہم کلامی کی فضیلت دوسرے نبیوں کو نہیں دی فقط موسیٰؑ کو دی۔

حَكِيمًا :۔ اس کے کاموں پر اعتراض نہیں ہو سکتا، وہ اگر انسان کا مواخذہ کرتا ہے تو اس کو پہلے علم اور رسولؑ کے ذریعہ تنبیہ کر دیتا ہے۔

(۱۶۶) لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ الخ :۔ مرضع القرآن میں ہے کہ یعنی ہر پیغمبر کو وحی آتی رہی ہے کچھ نئی بات نہیں ہے پر اس قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنا خاص علم اُتارا اور اللہ اس حق کو ظاہر کر دے گا چنانچہ یہ ظاہر ہوا کہ جس قدر ہدایت لوگوں کو اس نبی سے ہوئی اور کسی نبی سے نہ ہوئی۔ انتہیٰ یعنی یہی ایک بین الاقوامی قانون ہے جو تمام دنیا کے لئے مشترک ہو سکتا ہے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ یعنی اللہ کی نیک طاقتیں خواہ آسمان پر ہوں خواہ زمین پر یعنی فرشتہ نفس اور فرشتہ سیرت لوگ اس بات کو مانتے ہیں کہ اس کے سوائے اور کوئی مذہب بین الاقوامی قانون نہیں ہو سکتا۔

(۱۶۷) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الآیۃ باوجودیکہ وہ اپنے نبی کو مانتے ہیں مگر بین الاقوامی نبی کو نہیں مانتے، اس لئے ان کا شمار کفار میں ہوگا۔

(۱۶۷) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا یعنی اپنی ضد پر ہٹ دھرمی کرتے ہیں پھر لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور اس بین الاقوامی تعلیم کو جاری نہیں ہونے دیتے، یعنی سمجھ کر انکار کرنا اور پھر ایسی تجویز سوچنا جس سے یہ تعلیم دخل نہ سکے۔ ایک جماعت تو یہ ہے اور دوسری جماعت (کا کام) صحیح تعلیم کو سمجھ کر انکار کرنا اور پھر لوگوں پر ظلم کرنا تو ان ظالموں کو دنیا سے نیست و نابود کرنا ہے اور ان کے ظلم کو رد کرنا ہے۔ ان کو معافی نہیں دی جائے گی نہ ان کو ہدایت یاب (ہدایت پانے والی) جماعت میں شامل کیا جائے گا ورنہ یہ لوگ اس جماعت میں رہ کر لوگوں کو ظلم کی تعلیم دیں گے۔

درخت خبیث است بجنس برار

(یعنی درخت خبیث ہے اس کو جڑ سے نکال باہر کرو!)

وَلَا يَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا :۔ ہدایت اس لئے دی جاتی ہے تاکہ انسان آگے بڑھے مگر انہیں ہدایت

۱۔ الاتقان نوعِ ۲۵ فی اسماء الانبیاء والمرسلین ص ۱۰ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔

حوالہ نمبر 7

ایک شخص اس دنیا کی زندگی میں سوسائٹی کے خاص قاعدوں کے مطابق عمل کرنے سے جو اثر اپنے نفس میں لیتا ہے وہ اپنی جگہ آپ خوشی پیدا کرتا ہے۔ یہی خوشی اور اطمینان بہشت میں اس موطن (Stage) کی نعمتوں کی شکل لے کر وہاں کی خوشی اور راحت کا سامان بہم پہنچائے گی۔

ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح حکومت کرنے والے گھرانے میں پرورش پاتا ہے کیا وہ مصر کے بنی اسرائیل کی طرح نچلے درجے کی زندگی پر راضی ہو سکتا ہے؟ پس حکومت کی بھی ایک لذت ہوتی ہے جسے حاکم قوم ہی سمجھ سکتی ہے۔ محکوم قوم اس لذت سے محروم ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں آتا ہے کہ جنتیوں میں سے بعض چھوٹے درجے کے جنتی ایسے ہوں گے جنہیں وہ نعمتیں نصیب ہوں گی کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں کو بھی ان کا دسواں حصہ نصیب نہ ہوا ہو گا اب جس قوم نے دنیا میں حکومت کی لذت نہیں چکھی، ہمیشہ دوسروں کی غلامی اور محکومی ہی میں فنا ہو گئی۔ اور اپنے معاشی، معاشرتی اور روحانی ترقی کے قانون پر عمل کر کے اپنے اندر ان قانونوں کے مطابق کیے ہوئے عملوں کے جوہر نہ لے گی وہ جنت میں یہ مزے کیسے پائے گی؟ غرض آزادی، حریت اور فتح سے حاصل ہونے والی خوشی اور راحت کی لذت بہشت میں وہی قوم پائے گی جو دنیا میں قرآن حکیم کے قانون کو غالب کر کے اس کے نیچے آزادی، حریت اور کامرانی کی زندگی بسر کر چکی ہو گی۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہیں دنیا میں اللہ کی اس نعمت کی لذت اور راحت معلوم کرا دی گئی ہو گی جو وہ آگے چل کر بہشت میں پانے والے ہوں گے۔ پس جب مسلمان دنیا میں حکومت اور کامیابی کا احساس و عرفان پالیں گے تو بہشت میں بھی اس لذت سے انتہائی حد تک مزہ پائیں

گے ۔ ہمارے نزدیک عَرَّفَهَا لَهُمْ کے یہ معنی ہیں (باقی صحیح بات اللہ ہی بہتر جانتا ہے)

آیت نمبر (۷) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ○

ترجمہ۔ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے پاؤں جما دے گا۔

کامیابی کی شرط

جب مسلمان تمام قوموں میں سے ظلم اور جہالت دور کرنے کا پکا ارادہ کر لیں اور اس پر اپنی جان کی بازی لگا دیں تو وہ ضرور غالب آئیں گے یہی انقلاب ہے اس صورت میں اللہ تعالیٰ بھی ان کی مدد کرے گا اور ان کی انقلابی جماعت چاہے وہ چھوٹی ہی ہو، بہت بڑی ارتجاعی طاقت پر غالب آ جائے گی کیونکہ اس انقلاب کی بنیاد علم، عقل اور عدل پر ہے ۔ یہ انقلاب سب لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لے گا۔

وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ⑦ (تمہارے پاؤں مضبوطی سے گاڑ دے گا)

پائیداری کی شکل

جب تک کوئی چیز سوسائٹی کے صرف عقلمند طبقے میں رہتی ہے اور عوام میں نہیں آتی ۔ وہ پائیدار نہیں ہوتی ۔ لیکن جب وہ عوام میں گھر کر لیتی ہے وہ پائیدار اور مضبوط ہو جاتی ہے ۔ قرآن حکیم کا انقلاب کسی خاص طبقے کے لیے نہیں ہے ۔ اسے عوام میں جائے گیز کرنا چاہیے ۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ اسلامی انقلاب جس جس علاقے میں سرایت کر گیا وہاں اب تک اس کا اثر باقی ہے ۔

آیت نمبر (۸) وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ○

ترجمہ۔ اور جو لوگ اس کے منکر ہوئے وہ منہ کے بل گرے اور ان کے کام کھو دیئے ۔

۱۲۵

عزم

ادارہ عزم ملتان

عزم سیریز

ماہ نومبر 1993ء | سیریز نمبر 125

مجلس ادارت

سعید اعوان
محمد سعید اختر
عبدالخالق آزاد
چوہدری عبدالرؤف

نگران اعلیٰ

محمد اسلوب قریشی

آئینہ

پہلی بات	عبدالخالق آزاد	۲
دعوت عمل	حضرت رائپوری	۴
فلاحی مملکت کے خدوخال	محمد شبیر	۶
نسل پرستی کا ضربت اور	زاہدہ حنا	۹
جدید اقتصادی نظام کی نوید	مولانا عبدالخالق آزاد	۱۳
فرقہ پرستی اور نظام ظلم	مدثر ستار	۱۸
رفتار کار	ادارہ	۲۰
غزل	مرسلہ غلام مصطفیٰ فوز	۳۱

قیمت فی عدد: ۵ روپے

سالانہ دس عدد ۵۰ روپے

پتہ: ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر۔363 جی پی او۔ ملتان

حوالہ نمبر 9

مرسلہ: علوم مصطفیٰ فوز شہر فریدی

غزل

تم کو مایوس فضاؤں سے نکلنا ہوگا
اب تیرے "عزم" کو فولاد میں ڈھلنا ہوگا
آج سنگینی حالات میں محبوس ہیں ہم
ان سے باہر تو بہرطور نکلنا ہوگا
باغباں نے جو بدل ڈالا قرینہ اپنا
ضابطہ اہل چمن کو بھی بدلنا ہوگا
تم جو چاہو تو بدل جائے زمانے کا چلن
اس کی رگ رگ میں شفا بن کے اترنا ہوگا
زہر آلود ہوئیں ساری فضائیں اب تو
سانس لینے ہی کا انداز بدلنا ہوگا
گھر پہ محفوظ نہیں ہو تو میرے خانہ نشین
زیست کی راہ گذر پر تمہیں چلنا ہوگا
بحر کی طرح بہت ضبط کیا اب تو فوز
موج کی طرح کناروں سے اچھلنا ہوگا

بقیہ: فلاحی مملکت

وپیار اور مساوات کا درس دینے والے اپنے طبقاتی نظام پر غور نہیں فرماتے۔ جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا مجموعی ترقی کا خواب کیسے پورا ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ دنیا کو جنت نظیر بنائے بغیر آخرت کی جنت کے مالک ہونے کا تصور اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔

عزم سیریز نمبر ۱۵۰، ۱۵۱ — عزم سیریز — اگست ستمبر ۱۹۹۶ء

عزم سیریز

نگران اعلیٰ
محمد اسلوب قریشی

مجلس ادارت
سعید اعوان، محمد سعید اختر
عبدالخالق آزاد، چوہدری عبدالرؤف

آئینہ

۱ پہلی بات	سعید اعوان	۲
۲ درس فکر	حضرت مولانا رائے پوری مدظلہ	۸
۳ اختلاف رائے اور فرقہ واریت	مولانا مناظر احسن گیلانی	۱۷
۴ حضرت شیخ الہند	انجینئر خالد سلیم شہید	۴۳
۵ جدید سامراجیت	عامر اعجاز بٹ	۴۸
۶ مولانا سندھی کے ساتھ چند لمحے	مولانا قاضی زاہد الحسینی	۵۵
۷ خانقاہ دین پور شریف	میاں مبشر عرفات	۵۸
۸ راہنما	شورش کاشمیری	۳

قیمت فی عدد ۱۲ روپے — سالانہ زر اعانت ساٹھ روپے

پتہ:- ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان

حوالہ نمبر 10

انسانیت کی شناخت اعلیٰ اخلاق سے ہے

(درج ذیل خطاب حضرت اقدس مولانا سعید احمد مدظلہ نے ۳۱ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو ہائی سکول شہر فرید "چشتیاں" کے اساتذہ و طلباء کے اجتماع میں کیا' اس کا اہتمام مولانا غلام مرتضیٰ ربانی خطیب شہر فرید نے کیا تھا۔ ضبط و ترتیب ..... غلام مصطفیٰ فوز)

میرے قابل احترام معزز اساتذہ' علماء کرام اور میرے نوجوان ساتھیو!

مسلمان اس جماعت کو کہا جاتا ہے کہ جو دنیا میں بھی اللہ کے انعامات کی مستحق ہو اور آخرت میں بھی انعامات کی مستحق ہو' یہ دنیا کی نعمتیں بھی مسلمان کے لئے ہیں یا مسلمان کے واسطے سے ہیں اور آخرت کے انعامات بھی اسلام کے راستے سے ہیں کیونکہ یہ ساری کائنات انبیاء علیہم السلام کے لئے بنائی ان کو اس کا خلیفہ بنایا اور انبیاء پر ایمان لا کر جو جماعت ایمان والی ہوتی ہے اور اس نے انبیاء کے زیر اثر رہ کر تربیت حاصل کی تو اس جماعت کی رہنمائی سے انسان دنیا میں کامیاب ہوتا ہے اور انہی کی رہنمائی سے آخرت میں کامیاب ہوتا ہے۔ اور اگر وہ جماعت غفلت میں پڑ جائے تو وہ ناکام ہو جاتی ہے اور اللہ کی نگاہوں سے گر جاتی ہے اور اس سے جو کام اللہ تعالیٰ پوری انسانیت کی ہدایت کا لیتے ہیں وہ کام اس سے ختم ہو جاتا ہے اور پھر اس کو دنیا میں سزا مل جاتی ہے۔

تو وہ سزا اس دنیا میں کیا ہے؟ کہ کسی قوم سے اس کی آزادی چھین لی جائے اس کی حکومت ختم ہو جائے اس کو غلام بنا دیا جائے اور اس کی عزت ختم ہو جائے۔ تو مسلمان عزت والی قوم تھی پوری انسانیت پر نظام قائم کرنے والی قوم تھی لیکن آج

الامام ولي الله في كتابه الخير الكثير[1] مخالفا للمتكلمين جميعا لانه لا يرى وجوب موافقة المتكلمين على هذه المسائل و قد صرح بهذا في مقدمة حجة الله. و مع ذلك كان يداري اهل زمانه احيانا ويتكلف التأويل لموافقتهم وذلك لعدم صبر اهل زمانه على مخالفة المتكلمين المتقدمين ولذلك قال في بعض مؤلفاته[2] ان ملائكة الملأ الاعلى تمثلوا بالملا السافل عند الأمر بالسجود للملائكة وسجدوا فصار السجود من جميع الملائكة.

قوله:- فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ

مع الملا السافل جنس من المخلوقات تشبه النسمة الحيوانية التي في بدن الانسان وهذه النسمة تستمد من ذلك المخلوق مثل استمداد من المثال كما ان البدن يستفيد من العناصر. وهذه المخلوقات هي الجن وهي في عالم المثال. وقد كانوا مأمورين بالسجود مع الملا السافل فسجدوا الا صنف منهم وهم الابالسة.

وتحقيق هذا يحتاج الى مقدمة:-

وهي ان الانسان مركب من الحيوانية والملكية فطائفة من الحيوانات توافق الحيوانية المتضمة في وجود الانسان وطائفة من

---

[1] قال الامام ولي الله:- و اما سجود الملئكة لآدم عليه السلام فانما كان عند ما حي العنصريين الذين منهم ابليس لا المتملكيين اه راجع الخير الكثير صفحہ ۳۳.

[2] قلت المراد من كتابه تاويل الاحاديث. كتب فيه:- ان الملائكة العنصريين والعملة أمروا بان يسجدوا لآدم بتفهيم وأمر الملائكة الملأ الأعلى بان يسجدوا له باشباههم الخ. راجع تأويل الاحاديث صفحہ ۱. ابو سعيد السندي.

لحیوانات تضاد الانسان۔ مثلاً الحیات لحومها تضر الانسان و تفک بنیته و هذه الحیوانات لاتصلح ان تکون عضوا فی الادارة الانسانیة ولذلک وکل ادارة تلک الحیوانات الی نوع من الجن المشابه للملا السافل وهذا النوع من الجن هوالذي لم یسجد لآدم۔

وصنف من الجن یدبر الحیوانات التي توافق الحیوانیة للنفسة فی الانسان هؤلاء سجدوا مع الملا السافل۔

قولہ۔ اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

ابلیس کان من الکافرین لخلافة آدم واما کفره بالله فلیس بظاهر فانه انما کان ینازع آدم في خلافته ویوشوش في نسمة بني آدم بواسطة وسوسته في بعض انواع الجن و یلقی الوسواس في قلوب بعض لحیوانات حتی یضر الانسان۔ والانسان یفکر دائما فی الخلاص منه۔

قولہ تعالیٰ۔ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

الجنة التي کان یسکنها آدم وزوجه کانت جنة ارضیة لان حالتها کانت تشبه الطفولیة فانهما لم یکونا قادرین علی کسب معیشتهما والجری وراء حاجاتهما ولذلک قیل لهما و کلا منها رغدا حیث شئتما۔ وکانت الجنة بالنسبة لهما شبیهة بارضاع الام لاطفالها۔ ولما کان فطام الاولاد

وأما تجريد الهند من كونها مركزا للأديان كالبراهمة والبوذية، هل يمكن تسليمه لرجل له نظر وفكر فى ارتقاء التاريخ؟ أو إخراج إيران من كونها مركزا للمجوسية، وارتقاء الاجتماع فيها؟

ثم إذا ألحقنا السند بالهند و توران بإيران انتظمت الأمور و انحلت المشاكل.

القرآن العظيم يجعل الحلقة الأولى من سلاسل النبوة، وسلاسل الدين الإجتماعى آدم. وإذا حصر جميع ما نبع من آدم، وصدر منه من الأديان فى الحنيفية أفلا يلزم من ذلك أن يكون مبدأ البرهمنية و والبوذية آدم آخر؟ وهل يقول بذلك عاقل أو يجوزه؟ وإذ ليس فالذى تغلب على أذهان المتعلمين فى المدارس العربية بسبب دعايات عربية، و فى ضمنها دعايات إبراهيمية، هو حصر جميع كمالات الإنسانية فى الأراضى الواقعة حوالى الأرض المقدسة، وإنكار الدين و الإجتماع فى غير من انتسب إلى تلك الأراضى، غير صحيح، و لا لذلك حقيقة. وعلاوة على ذلك فإن ذلك يبعد المرأ من فهم القرآن الكريم، و يقربهم إلى الإيمان بأساطير الأولين.

ترى على ساحل قلزم مدينة حديثة العهد أنشئت بعد الإسلام بمدة تسمى جدة بنوا فى خارجها مقبرة يدفنون فيها الأموات، و جعلوا فى وسطها قبرحواء و بنوا على سرتها قبة عظيمة لأنها جدة بنى آدم (١)

(١) "جده" بضم الجيم و تشديد الدال المفتوحة وآخرها هاء ساكنة بمعنى الساحل كما فى كتب اللغة. وهذه المدينة انشئت فى زمن أمير المؤمنين عثمان لم يكن لها وجود من قبل وكان الرصيف فى جنوبها على بعد أميال. وأما قبرحواء فمزور صرح بذلك الشيخ رشيد رضا فى تفسيره. كتبه محمد نور مرشد.

وعند هؤلاء خرافات أمثال هٰذه يذكرونها في كتب السيرة والتفاسير وكتب التاريخ وبسبب هٰذه الخرافات صعب على الطالب فهم مطالب القرآن كما هو حقها.

وقد حكم الله في آية (٣٣) بأنه قد اصطفى آل إبراهيم، وموسى منهم لأن آل إبراهيم كانوا ظهروا أولاً في بني إسرائيل، وكان موسى مركز عظمتهم. وإذا قرأ المرأ التوراة فأول سفر يصادفه منها فيه ذكر إبراهيم، والبحث عن أحواله، وسيرته. والسفر الثاني فيه ذكر موسى. ثم بعد ذلك العهد الجديد من آل عمران.

كذلك اصطفى قبل اصطفاء آل إبراهيم نوحاً على العالمين. فلو لم تكن هناك أمم اصطفى منهم نوحاً، كيف يمكن اصطفائه على العالمين؟ واصطفى آدم عليه السلام على العالمين، وكانت الأمم موجودة قبله، وكان هو مفضلاً عليهم، ومصطفىً منهم. فإذا الإنسانية موجودة قبل آدم، وليس هو مبدأ البشر وأوله، وإنما هو مفضل على مخلوق قبله على وجه الأرض. وبذلك تنتظم نظرية ارتقاء الخلق وتثبت صحتها.

أما فقيه أو متفقه يقرأ القرآن ويتبجح بقوله بأن كل من كان على غير الحنفية، والشافعية ليسوا على شيء من الدين والإنسانية فذلك فكر مضر بالمرة.

وآية (٣٣) حلاصة صحف أهل الكتاب: اليهود والنصارى. فالكتاب مبدئه آدم. وكان نوح المبدأ الثاني بعد الطوفان، ثم آل إبراهيم بنو إسرائيل، ثم الأنا جيل آل عمران. هٰذه خلاصة الكتب.

ففي هٰذا تأسيس لفكر أن الفضائل الإنسانية، والكمالات البشرية

من الناس لاسيما إذا لم يعرفوهم ولا سمعوا بهم؟ ولذلك بعث الله رسلا منهم إليهم حتى لايكون للناس حجة بعدهم وكان الله عزيزا حكيما.

كان حكماء المسلمين فى إيران مثل جلال الدين الدوانى يؤمنون بنبوة (زردشت) وحكماء المسلمين فى الهند قد كانوا يؤمنون بأنبياء الهند.

وصار شبان المسلمين الآن فى الهند يصرحون بإيمانهم بزردشت وكرشنا، ورام وبوذا وسقراط بعد إيمانهم بموسى وعيسى ولا ينالون بمخالفة الجهال من علماء الكلام. وإذا أخذ أحد من المسلمين بكلام علماء الكلام فإنه لا يقدر أن يعلم ويؤمن بحكمة القرآن. وإن كنا نعتقد أن سلسلة الحنفاء أفضل من سلسلة الآخرين (الصابئة) لأن الله قد صرح بقوله: تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض.

ومقصد القرآن هو الإيمان بجميع الرسل إليه الإشارة فى (١٦٦) لكن الله يشهد بما أنزل إليك ـــ شهيدا.

هذا الذى أنزله الله إليك قد قضى به فى حظيرة القدس ولذلك من خالفه كفر وليس له طريق إلا طريق جهنم. وإلى ذلك الإشارة فى قوله (١٦٧ : ١٦٩) إن الذين كفروا وصدوا عن سبيل الله ـ وكان ذلك على الله يسيرا.

هذا الحكم راجع إلى أهل الكتاب المنحرفين من طريق الإيمان بجميع الأنبياء. وبذلك تم الفصل التاسع.

نتيجة الفصل التاسع: فى ضمن قوله ليهود الذى حكيناه من كفرهم جاء تفصيل يتعلق بمريم والمسيح ليس بمقصود وإنما جاء تبعا ولذلك أخرناه إلى تمام السياق.

فى آية (١٥٦) وبكفرهم وقولهم على مريم بهتانا عظيما. والبهتان

مولانا نے وطن میں واپسی پر اپنے سب سے پہلے خطبے میں ان کے مذہبی معتقدات، سیاسی تصورات، تہذیبی روایات، بزرگوں سے ملے ہوئے معمولات اور تمدنی و معاشرتی اقدار کو یوں ضرب کاری لگائی آپ نے کہا:

(۱) اس دو سو سال سے قائم شدہ برطانوی نظام سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ۔
(۲) یورپ سے نفرت برت کر ہم نے اپنی ترقی کی راہ بند کی۔
(۳) سیاست میں یورپی طرز کی قومیت اور اقتصادیات میں سوشلزم کو اپناؤ۔
(۴) عالمگیر انقلاب آیا چاہتا ہے۔ سیاسی و اقتصادی انقلاب کے ساتھ ساتھ اس کے لیے ہمیں اپنی معاشرت میں انقلاب کی ضرورت ہوگی۔"

مولانا سندھی نے اپنے اسی خطبے میں کوٹ، پتلون اور ہیٹ پہننے کو سراہا اور داڑھی اور خاص وضع قطع کو ہم نے جو مقدس بنا لیا ہے، اسے غلط ٹھہرایا۔ بے شک مولانا کی یہ باتیں نئے تعلیم یافتہ طبقے کے لیے زیادہ تعجب انگیز نہ تھیں۔ لیکن مذہبی حلقوں میں اس بارے میں جو روایات چلی آتی ہیں، ان کے پس منظر میں مولانا کی معاشرتی انقلاب کی یہ دعوت علماء کے لیے ایک چیلنج تھی۔ اور ان کے طبقاتی مفاد کے لیے ایک خطرہ۔ علماء کی مخصوص وضع قطع ان کے طبقے کی لازمی خصوصیت بن گئی ہے۔

سب سے پہلے سرسید احمد خاں کو اپنے دور میں یہ لڑائی لڑنا پڑی۔ ان پر یہ الزام تھا کہ وہ چھری کانٹے سے میز کرسی پر کھانا کھاتے ہیں اور اس طرح وہ یورپی وضع اختیار کر کے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہوگیا) کی زمرے میں داخل ہوگئے ہیں۔ سرسید احمد خاں نے تہذیب الاخلاق میں اس کا یوں دیا تھا۔

"اب تو مسلمانوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ سلطان عبدالحمید خاں خلد اللہ ملکہم بھی مَنْ تَشَبَّهَ کی لپیٹ میں آگئے۔ بچارے مسلمانوں پر کیسی مشکل آن پڑی ہے۔ آج عید کا دن ہے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس منبروں پر کس کا خطبہ پڑھیں۔ کیا سلطان عبدالحمید خاں کا (جن کو خدا بہت سی عیدیں نصیب کرے) وہ

حوالہ نمبر 17

مولانا کہنے لگے کہ میں روسی اشتراکیوں کے عام آدمیوں کا نہیں کہتا لیکن جہاں تک لینن کے ذی فہم اور عقل مند افراد کا تعلق ہے میرے نزدیک ان کو لادینی کہنا زیادتی ہے۔ ہاں جس کو تم دین کہتے ہو اسے وہ نہیں مانتے لیکن جہاں تک دین کی اصل روح اور زندگی میں اس کی کارفرمائی کا تعلق ہے تم انہیں لادینی نہیں کہہ سکتے۔

ایک دن میں نے مولانا کی خدمت میں خدا کے تصور کے بارے میں کمیونسٹوں کا یہ اعتراض پیش کیا: کمیونسٹ کہتے ہیں کہ جب تم خدا کے وجود کا عقل سے ادراک نہیں کر سکتے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ جس کو تم خدا سمجھتے ہو وہ محض تمہارے اپنے دماغ کی تخلیق ہے۔ یعنی تم نے ایک خیال کو وضع کیا اور اُسے اپنا خدا بنا لیا۔ اس خیال کے احکام کو جو دراصل تمہارے اپنے احکام تھے، خدا کے احکام سمجھ لیے اور انہیں خدا کے احکام کہہ کر منوانے پر تُل گئے۔ چنانچہ نبی (کمیونسٹوں کے اعتراض کے بموجب) جن باتوں کو خدا کی باتیں کہتا ہے، وہ دراصل اس کی اپنی باتیں ہوتی ہیں۔ وہ اپنی باتوں کو خدا کی باتیں کہہ کر انہیں آسانی سے انسانوں سے منوا سکتا اور اس طرح وہ اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ نبی کے بعد اس کے جانشین آتے ہیں اور ان کے جانشینوں کے جانشین۔ اس طرح بادشاہت وجود میں آتی ہے۔ اور بادشاہوں کا سلسلہ آگے چلتا ہے۔ یہ لوگ مذہب کو اپنی استبدادی حکومتوں کے استحکام کے لیے آلۂ کار بناتے ہیں اور یوں مذہب اور استبداد ایک ہو جاتے ہیں۔

اسی ضمن میں میں نے مشہور روسی مصنف میکسم گورکی اور لینن کی وہ گفتگو بھی نقل کی، جس میں گورکی نے لینن سے کہا تھا کہ مانا، ہمارے یہ پادری بدکردار اور ظالم و مستبد زار کے گماشتے ہیں اور ان کا عیسائی مذہب توہمات اور غلط کاریوں کی پوٹ بن چکا ہے۔ لیکن اس میں مذہب کا کیا قصور۔ کیوں نہ ان سب لائشوں اور گراہیوں سے پاک و مصفا اعلیٰ اقدار کے حامل ایک مذہب کو اپنایا جائے۔ لینن نے یہ سُنا اور گورکی کو متنبہ کیا کہ دیکھنا ایسی غلطی نہ کرنا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اور پاک سے پاک مذہب آئے گا۔ کچھ عرصہ بعد وہ اپنی اصل حالت پر رہے گا۔ اس کے بعد پھر اس میں یہی پوپ، یہی پادری اور ان کے اہالی موالی۔

تھے۔ اور روح کے تزکیہ کا دار و مدار اس پر تھا کہ مادہ سے دوری اور بیزاری کی تعلیم دی جائے۔ کلیسیائی یورپ اور نار کارکس دونوں اسی قسم کے مذہب کے علمبردار تھے۔

اسلام دراصل ان دونوں تصورات کا جامع ہے۔ اتقانی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ اس کا شعار ہے۔ اگر ہم مادی فکر کا سرے سے انکار کر دیں تو انسانیت نے اس دو سو برس کے عرصے میں جو سائنسی اور دوسری ترقی کی ہے، اس کا انکار لازم آتا ہے میں چاہتا ہوں کہ یورپ کے اس مادی تصور کو کما حقہ مان لیا جائے، یعنی سائنس کی ترقیات کو زندگی کی اساس کی حیثیت دی جائے لیکن مادہ کو حقیقت الحقائق یعنی آخری حقیقت نہ مانا جائے، بلکہ مادہ سے آگے وجود مانیں۔ اور یہ وجود کسی اور وجود کا فیضان سمجھا جائے۔

اب اہل مغرب کائنات کو ایک مادہ سے نکلا ہوا یا صادر شدہ مانتے ہیں۔ ہم اس میں ان کے ساتھ متفق ہیں۔ فرق یہ ہے کہ ہم اس مادہ کو جو وحدۃ الجموع ہے حقیقت الحقائق نہیں سمجھتے بلکہ اس مادہ سے آگے ایک وجود ہے۔ اور یہ ہے عقیدۂ وحدت الوجود کا۔ کسی یورپی صحیح الفکر کو جو خدا کو نہیں مانتا، مادہ کے علاوہ کسی اور خدا کا قائل کرانا ممکن نہیں۔ صرف وحدت الوجود کا عقیدہ ہے جو آج کسی الٰہی فکر کی اساس ہو سکتا ہے۔

مولانا نے فرمایا:۔

> وجود لا متناہی ہے اور اس وجود کا کوئی ذرہ فنا نہیں ہوتا، گو زندگی ہر لمحہ متغیر ہے، لیکن اس کا سلسلہ ٹوٹ ہے ہم اس عالم میں آئے لیکن ہمارا ہونا عدم محض سے نہیں۔ عدم محض کا کوئی وجود نہیں، ہم اس سے پہلے کسی اور جون میں تھے۔ اور اب جب مرتے ہیں تو فنا نہیں ہوتے، ہمارا وجود کسی اور شکل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہمارے وجود کا ایک سرا علل ہے اور دوسرا سرا نتائج۔ مجازات (ہر عمل کی جزا ہوتی ہے) جو کہ دین کی اساس ہے، اس سے ہم نہیں بچ سکتے۔ یہ زندگی کسی دوسرے موطن (جگہ) میں جائے گی اور ظاہر ہے یہ اپنے ساتھ اس زندگی کا کھرا پن اور کھوٹا پن بھی ساتھ لے کر جائے گی۔ ہم اس عالم میں اپنی مرضی سے نہیں آئے۔ زندگی کا ایک دھارا ہے جو ہمیں اس عالم میں بہا لے آیا۔ بے شک ہمیں اپنے قویٰ اور ارادوں پر ایک حد تک اختیار ہے لیکن بحیثیت

مولانا نے ایک دفعہ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ علمائے جن کے پیش نظر عام انسانیت کی مجموعی ترقی اور بہبود ہوتی ہے وہ انبیاء کی تعلیمات کے عمومی پہلو پر زیادہ زور دیتے ہیں اور ان کے نزدیک انبیاء کے وہ احکام اور قوانین جو کسی خاص قوم اور ایک خاص زمانے کے مخصوص حالات کے خیال سے مرتب ہوتے ہیں، عالمگیر اور دائمی نہیں ہوتے مولانا کے خیال میں شاہ صاحب کی حکمت آفرین طبیعت کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے انبیاء کی تعلیمات کی اساس متعین کی۔ اور اس اساس کو انسانیت عامہ اور فطرت کے اصولوں کے ساتھ مطابقت دی۔ پھر اپنی حکمت کے اصول وضع فرمائے۔ چنانچہ شاہ صاحب کی حکمت انبیاء کی تعلیمات اور انسانیت عامہ کے اصولوں دونوں پر شامل اور جامع ہے اور وہ دونوں کو باہم دگر اس طرح سمو دیتی ہے کہ انبیاء کی تعلیمات اور انسانیت عامہ کے اصولوں میں کوئی تضاد اور اختلاف نہیں رہتا۔ شاہ

صاحب کی اس حکمت کو ماننے سے میرے دل پر یہ اثر ہوا ہے کہ اگر میں کسی دوسرے مذہب کے آدمی کو یا اس شخص کو جو کسی مذہب کو بھی سرے سے نہیں مانتا، انسانی فلاح و بہبود کا کام کرتا دیکھوں تو میرے دل میں اس کی عزت اور محبت جاگزیں ہوتی ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب کی حکمت سے میں یہ سمجھا ہوں کہ انبیاء کی تعلیم کا اصل مقصد انسانیت کی ترقی اور تقدم ہے۔ اب اگر کوئی شخص انسانیت کے ارتقاء کے لیے کوشاں ہے تو میں اسے کیسے انبیاء کے مقاصد کا مخالف سمجھوں۔ اور اس سے نفرت کروں۔

حوالہ نمبر 20

(۵) جمعیت العلماء ہند، شاہ ولی اللہؒ کو اپنی انقلابی سیاست کا امام بنائے اس سے اسلام کی صورت اور معنی دونوں محفوظ رہ سکیں گے۔ اور اسلام اور سوشلزم میں مطلوبہ ہم آہنگی بھی ممکن ہوگی۔

(۶) علماء کے ہاں منفی قسم کی جو برطانیہ دشمنی چلی آتی ہے، اس کو ترک کیا جائے اور پچھلے دو سو سال سے یہاں جو برطانوی نظام حکومت رائج ہے، ہمارے مذہب و ملت و وطن کے اکابر اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنے کی کوشش کریں۔

(۷) ہم نے یورپ سے تنفر بہت کر لیا، اپنی ترقی کی راہ مسدود کر لی۔ اب اس تنفر کو خیرباد کہیئے۔ دیوبندی مکتب فکر میں یورپ سے نفرت نہ صرف ایک بنیادی بات تھی بلکہ اس نے پچھلے دو سو سال کے طویل عرصے میں قائم شدہ برطانوی نظام حکومت کی ذہنا ہمیشہ نفی کی اور اسے سرتا پا شر سمجھا۔

(۸) ہمارے ہاں معاشرتی انقلاب[1] کی ضرورت ہے تاکہ ہمارا ملک بین الاقوامی تحریکات میں حصہ لینے کے قابل ہو سکے۔

(۹) تصوف اسلام جو کہ اسلام کا فلسفہ ہے، جس کی فکری اساس وحدت الوجود ہے مسلمانوں اور ہندوؤں کے فلسفہ ہائے مذاہب کو ہم آہنگ کر سکتا ہے۔ امام ولی اللہ دہلوی

---

[1] یہ اصطلاح بڑے وسیع معنی رکھتی ہے بات یہ ہے کہ سیاسی آزادی کا تصور بڑا محدود ہے۔ اقتصادی آزادی کی بھی ایک حد ہے۔ لیکن معاشرتی انقلاب حاوی ہے پورے معاشرے کی ہمہ جہتی تبدیلی پر جس سے کہ اس کی تمام فرسودہ اور بے کار چیزیں ختم ہو جائیں۔ پرانے معاشرے کی جگہ نئے معاشرے کو وجود میں لانا، یہ ہے معاشرتی انقلاب۔ اور آج افریشیائی ترقی پذیر ممالک کی غریبی بیستی اور دوسروں کی محتاجی۔ نیز ان کی داخلی سیاسی ابتری کی وجہ یہی ہے کہ یہ ممالک ابھی اپنے ہاں معاشرتی انقلاب نہیں لا سکے۔ معاشرتی انقلاب سے مولانا کی اسی قسم کا انقلاب مراد ہے۔

کے بادشاہ ہندوستان پر حالم ہو جاتے ہیں اور انگلستان کے تاجر ہندوستان میں آتے ہیں

دونوں اپنے اپنے ملکوں کے قانون یہاں جاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ ان قوانین کے سمجھنے سے عاجز آجاتے ہیں انہی میں سے نیوگ کا مسئلہ ہے لوگ اسے زنا میں داخل کرتے ہیں یہ غلط ہے یہ ایک قانون کے تحت ہے اس لئے اسے زنا نہیں کہا جا سکتا زنا سے مراد ہے کسی قسم کا نکاح نہ ہونا اور نیوگ ایک قسم کا نکاح ہے کہ اسے زنا کے تحت نہیں لایا جا سکتا اس لئے قرآن حکیم کو اسے جداگانہ طور پر منع کرنا پڑا۔

اب تک جو چیزیں تھیں وہ منفی حیثیت میں تھیں اب ایک مثبت چیز سے اس قانون کی تکمیل کر دی جاتی ہے ولا یعصینک فی معروف

معروف کا معنی

جو چیز کسی ملک میں عقلاء کی مجاریٰ (اکثریت) میں معقول مانی جائے اسے معروف کہا جاتا ہے جب بیعت معروف پر ہو گی تو گویا ساری شریعت کو تسلیم کر لیا گیا۔

فبایعھن ان کی بیعت قبول کر لو

واستغفرلھن اللہ اگر وہ غلطی سے خلاف ورزی کر بیٹھیں تو اللہ سے ان کے لئے مغفرت طلب کرو۔

ان اللہ غفور رحیم حزب اللہ کی کمزور حالت میں عورتیں اس کی ممبر بنتی ہیں مگر وہ سیاسیات میں بڑی طاقت نہیں مانی جاتیں اس سے انہیں مایوس نہیں ہونا چاہئے اللہ ان کی کمزوری دور کر دے گا اور یہ چھوٹی طاقت بھی بہت بڑا کام کر سکتی ہے۔

آیت نمبر ۱۳ یایھا الذین امنوا لا تتولوا قوما غضب اللہ علیھم قد یئسوا من الاخرۃ کما یئس الکفار من اصحاب القبور

ترجمہ۔ اے ایمان والو اس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا وہ تو آخرت سے ایسے ناامید ہو گئے جیسے کافر اہل قبور سے ناامید ہو گئے۔

زندگی پر مایوسی کا اثر نہ ہونے دو

کفار جو اہل کتاب سے نہیں ہیں اہل قبور سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں سو مایوسین

سکون اور سرور محسوس کرتا ہے۔ جو ان حالتوں کی موجودگی میں نہیں ہوتا ایسے ہی برے کلام، برے فکر اور برے فعل سے صحت مند انسان کو طبعی انقباض محسوس ہوتا ہے جسے وہ صحت مزاجی کے لئے دور کرنا ضروری سمجھتا ہے۔

اس کا نتیجہ : انسان خلق طہارت میں کمال حاصل کرلے تو وہ عالم مثل کی قوتوں سے ملحق ہو جاتا ہے۔ اور اپنے نفس میں ایک قسم کی مستقل مسرت محسوس کرتا ہے اس سے انابت الی اللہ کو تقویت ہوتی ہے۔

انقلاب صالح کی دوسری مد : لباس کی پاکیزگی جیسے اوپر بیان کیا جا چکا ہے بدن اور ماحول کی پاکیزگی کو ضروری قرار دیتی ہے۔ پس جو جماعت انقلاب قائم کرنے کی کوشش کرے وہ اس سہ گانہ پاکیزگی کو لازم جانے تمام ترقی والی جماعتیں طہارت کی عامل ہوتی ہیں اور جب وہ طہارت کے بلند مقام سے گر جاتی ہیں تو ارتجاع (Reaction) میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

قومی پیمانے پر پاکیزگی کا التزام قومی مزاج کی صحت کی علامت ہے۔

(5) وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (اور گندگی سے دور رہ)

باطنی پاکیزگی : ظاہری پاکیزگی کے ساتھ باطنی پاکیزگی کا بھی خیال رکھ۔ اس ناپاکی سے بھی نفرت کر۔

امام الائمہ کے نزدیک برائی ـــــ اثم ـــــ کا معیار شخصی نہیں بلکہ نوعی تقاضا ہے۔ برائی وہ فعل ہے جسے عام تندرست انسانیت قبول کرنے سے انکار کر دے۔ چنانچہ امام ولی اللہ سعادۃ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

اِعْلَمْ اَنَّ لِلْاِنْسَانِ كَمَالًا تَقْتَضِيْهِ الصُّوْرَةُ النَّوْعِيَّةُ وَكَمَالًا يَقْتَضِيْهِ مَوْضُوْعُ النَّوْعِ مِنَ الْجِنْسِ الْقَرِيْبِ وَالْبَعِيْدِ وَسَعَادَتُهُ الَّتِيْ يَضُرُّهُ فَقْدُهَا وَيَقْصِدُهَا اَهْلُ الْعُقُوْلِ الْمُسْتَقِيْمَةِ قَصْدًا مُؤَكَّدًا هُوَ الْاَوَّلُ (حجۃ اللہ البالغہ جلد اول ص 50)

(یعنی واضح رہے کہ انسان میں دو قسم کے کمالات ہو سکتے ہیں۔ ایک تو وہ جو اس کی صورت نوعیہ کے تقاضے سے پیدا ہوا۔ دوسرے وہ جو اس کی جنس قریب (یعنی حیوانیت) اور جنس بعید (یعنی جمادیت) تقاضا کرتی ہے لیکن سعادۃ جس کی

بنالیا۔ اور ایک نے کتاب کو خدا مانا، بُت بھی ساکت اور جامد ہے، اسی طرح یہ کتاب بھی اُس کے لیے ایک بُت ہی ہے۔ کیونکہ وہ اُسے سمجھتا نہیں۔ اور بغیر سمجھے اس کو پڑھتا ہے۔

اب تم ہندوؤں کو تو بُت پرست کہتے ہو اور اپنی طرف دیکھتے نہیں حالانکہ بت پرستی میں تم اور وہ یکساں ہو۔ قرآن تفکر و تدبّر کے لیے اُترا ہے۔

اسی قسم کی ایک اور مثال سنئے، مولانا نے فرمایا:۔

میں عام طور پر یہ بات کہتا نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کے آلِھۃ (الٰہ کی جمع) یعنی دیوتا ہمارے ملائکہ ہیں۔ خدا ہندوؤں کے نزدیک اِلٰہٌ الآلِھۃ ان دیوتاؤں کا معبود ہے۔ ہم نے غلطی سے ان کے دیوتاؤں کو خدا سمجھ لیا اور اس طرح ان کے مذہب کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔ دراصل تعبیرات الگ الگ ہیں۔ اصل حقیقت ایک ہے۔ ان کے ہاں بھی خدا سب سے ماورا ہے۔

مختصراً حضرت مولانا کی خدمت میں اتنا عرصہ رہنے اور ان کی اس قدر طویل گفتگوؤں کے دوران میں میں نے ان کی زبان سے سوشلزم، کمیونزم یا اشتراکیت کی اس حیثیت سے کہ وہ سوشلزم، کمیونزم یا اشتراکیت ہے، کبھی مذمت نہیں سُنی[1] البتہ یہ واقعہ ہے

---

[1] ۱۷ اپریل ۱۹۴۴ء کو یعنی انتقال سے صرف چار ماہ قبل حیدرآباد میں جمعیت الطلبہ سندھ کے اجلاس میں اپنے خطبۂ صدارت میں مولانا نے فرمایا تھا:۔

"..... ہم کمیونزم کے حقوق سے دست بردار ہونے والے نہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں روس سے آئی ہوئی ایک تحریک چل رہی ہے۔ اس تحریک میں کام کرنے والے کامریڈ کسان کو زمیندار سے لڑانا چاہتے ہیں۔ ہم بھی چونکہ روس سے ہو کر آئے ہیں، اس لیے ممکن ہے بعض لوگوں کا خیال ہو کہ ہم بھی کسان کو زمیندار سے لڑانے کے داعی ہوں گے۔ ہمارے متعلق یہ سمجھنا ٹھیک نہیں ہمارا پروگرام وقتی نہیں۔ ہم ایک طویل راہ عمل کی طرف بلاتے ہیں۔ آج یہ ممکن نہیں کہ ہم اپنے طالب علموں کو اپنا سارا پروگرام پڑھادیں....."

صورت ہے جس کی طرف سورہ صف کی آخری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ فَآمَنَت طَّائِفَةٌ مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَت طَّائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ○

یعنی ہر قوم کو دعوت قرآن دی گئی اس میں سے جو حصہ اس تحریک میں شامل ہو گیا۔ اس نے اپنی قوم کو ان لوگوں سے جنگ کی جو اس تحریک میں شامل نہ ہوئے اور خدا کی مدد سے وہ اپنے مخالفوں پر غالب آگئی۔ اس کام میں عربوں نے ان کی رہنمائی کی۔

غیر ممالک میں مراکز

یہاں ایک مخفی دستور حقیقت کی طرف تنبیہہ کرنے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ عرب اپنے ایام جاہلیت میں ہجرت کر کے عراق اور شام میں جا بسے تھے انہوں نے اپنے عربی قومی خصائص ترک نہیں کئے تھے۔ وہ ان غالب قوموں کے اندر مقہور زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب حجاز میں عربی انقلاب رونما ہوا تو یہ عربی قبائل خفیہ طور پر مسلمان ہو گئے۔ اور انہوں نے بعد میں مسلمان حملہ آوروں کی امداد کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عراق اور شام بہت جلد مفتوح ہو گئے ہماری سمجھ میں مکہ معظمہ میں انہی قوموں کے مخفی ڈیپوٹیشن آتے رہے ہیں جن کو جنوں کے وفود سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس طرح عراق اور شام کی حدود کے اندر آنے والے انقلاب کے مراکز پیدا ہو چکے تھے اسلامی فتوحات کی سرعت کا یہ راز ہے جس کی طرف تاریخ ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ یہ سورہ صف ہی کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ عراق اور شام کے اندر قرآن کی تعلیم پھیلائی گئی۔ جس سے خود ان میں کا ایک طائفہ اس پروگرام کو ماننے والا پیدا ہو گیا اور بعد میں اپنے دشمنوں سے مڑ گیا۔ حضرت نبی اکرم ﷺ کے تمام عملیات میں یہ حکمت ملحوظ نظر آتی ہے۔

(۹) ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○

بین الاقوامی مرکزیت

یہ خصوصیت، جو اس بین الاقوامی مرکز قائم کرنے والی جماعت کو نصیب ہوئی کہ ان

سچی بات یہ ہے کہ مولانا سندھی کی خدمت میں میری حاضری پہلے پہل تو میرے لیے تخریب ہی کی حامل بنی۔ پہلے کے نقش اور تاثرات ذہن و قلب سے بڑے زیادہ اور تشہ بننے کم۔ اور دو سرے الفاظ میں یہ "لا" کامل تھا تاکہ "الا" کی راہ صاف ہو سکے۔

حج کے دوران میں اور اس کے مناسک ادا کرتے وقت اکثر حاجی جو جو کچھ کرتے ہیں اور صدیوں کی مقدس و تاریخی روایات جس طرح توہمات کا شکار ہو گئی ہیں مولانا انہیں دیکھتے اور گڑھتے، فرماتے دیکھو یہ حج جو ایک اجتماعی عمل ہے اب نفسی نفسی کا منظر پیش کرتا ہے۔ ہر شخص اپنے گناہ بخشوانے کے لیے سرگرم ہے۔ ہر چیز میں ماورت آگئی ہے۔ دین کی اصل روح سے کس قدر دوری ہے۔ دنیا کے ہر حصے سے اتنے ذوق و شوق اور اتنی عقیدت سے اللہ کے گھر کی زیارت کو آنا، یہ کتنا پاکیزہ اور بلندی بخشنے والا جذبہ ہے، لیکن یہاں اس جذبہ کی جس طرح مٹی پلید ہوتی ہے، وہ بھی دیکھو۔ اس کا بعض لوگوں پر سخت ردعمل ہوتا ہے۔ وہ عام لوگوں کے خیالات کے مطابق پہلے سے زیادہ سنگدل ہو جاتے ہیں۔ اور حج کا ان پر الٹا اثر ہوتا ہے۔

یہ ذکر کرتے کرتے فرمانے لگے کہ تقدس بھی ایک مصیبت ہے۔ توہمات اور بے سروپا روایات قدامت کا جامہ پہن کر مقدس بن جاتی ہیں۔ ان کے سامنے نہ ذہن کام کرتا ہے۔ اور نہ آنکھیں ٹھوس حقیقتوں کو دیکھ سکتی ہیں۔ قرآن مجید کو دیکھو وہ جتنا زیادہ چھپتا جا رہا ہے اتنی ہی مسلمانوں میں انتشار ذہنی اور پریشاں فکری بڑھتی جا رہی ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اسے سمجھنے سمجھانے اور اس پر عمل کرنے کے مقابلے میں اس کے تقدس پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ تقدس، تقدس۔ یہ ایک عذاب بن گیا ہے۔ فلاں لباس مقدس ہے، داڑھی مقدس ہے۔ اسی طرح اٹھنا بیٹھنا مقدس ہے۔ فلاں زبان مقدس ہے، عربی مقدس ہے[1]۔ اس میں دعا کرو تو اللہ جلد قبول کرتا

[1] مولانا سندھی حسب معمول حرم میں بیٹھے تھے بعض ہندوستانی حاجی مولانا سے شکایت کرنے لگے کہ عرب ہمارے علماء کو خاطر میں نہیں لاتے اور جو اُن کی طرح عربی بولنے کی مہارت

[1] عرش ملت کے دامن کو اس تقدس نے عملاً اپاہج کر کے رکھ دیا ہے۔ اور اس نے ہر جگہ کی قوتیں سلب کر لی ہیں۔

حج کے دوران میں بعض توہم پرست عقیدت مندوں کی طرف سے بالعموم جو کچھ ہوتا ہے اور مجھ پر بھی اس کا بہت اثر ہوا۔ خانہ کعبہ کی عمارت سے بالکل متصل ایک چھوٹا سا حاطہ ہے، جسے حطیم کہتے ہیں۔ اس کے متعلق مشہور ہے کہ اس میں جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہوتی ہے۔ مغرب کی نمازیں جیسے ہی نمازی فرض ادا کر کے سلام پھیرتے ہیں باہر شخص یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ دوسروں سے پہلے اس احاطہ میں پہنچ۔ اسی طرح حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے وہ دھکا پیل ہوتی ہے کہ سنتری کو ڈنڈا استعمال کرنا پڑتا ہے۔ منیٰ میں قربانی کرتے اور شیطانوں پر کنکر پھینکتے وقت جو کچھ ہوتا ہے اس سے بھی طبیعت بڑی منقبض ہوتی ہے۔ اصل روح کو چھوڑ کر محض ظاہری رسموں کو پورا کرنے پر جو غدر سے زیادہ زور دیا جاتا ہے، وہ کافی اذیت بخش ہے علاوہ حاجی جو نقاہت یا کسی بیماری کی وجہ سے خانہ کعبہ کا خود اپنے پاؤں پر طواف نہیں کر سکتے وہ چارپائیوں پر لیٹ کر جنہیں

نہیں رکھتا وہ سے وہ عالم ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ مولانا نے فرمایا کہ ایک دفعہ یہیں ایک عرب عالم نے مجھ سے کہا کہ امام ابو حنیفہ عربی نہیں جانتے تھے۔ میں نے جواب دیا ہو سکتا ہے وہ عربی زبان پر عبور نہ رکھتے ہوں لیکن اسلام اور اسلام کی فقہ پر تو نہیں عبور تھا۔ مجھے دیکھو میں تم سے کم عربی زبان جانتا ہوں۔ لیکن قرآن تو تم سے بہتر سمجھتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ محض زبان کسی چیز کو سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ اس کے لیے ذہنی سطح بھی بلند ہونی چاہیئے۔ زبان کو اہم اور مضمون کو کم اہم سمجھنا صحیح نہیں۔

[1] مولانا نے ایک دفعہ فرمایا بچپن میں اسلام کا اعلان کرنے سے قبل میں ایک عربی مدرسہ میں پڑھتا تھا جو کچھ پڑھا سبق یاد ہیں۔ جہاں اسدک اللہ" شروع کرتے وقت مولوی صاحب نے کہا کہ عربی میں "اسدک اللہ" دعا اس لیے ہے کہ عالم عام بالعربیۃ اسرع بلغۃ جابۃ دعاء ہی دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

مولانا نے وطن میں واپسی پر اپنے سب سے پہلے خطبے میں ان کے مذہبی معتقدات، سیاسی تصورات، تہذیبی روایات، بزرگوں سے ملے ہوئے معمولات اور تمدنی و معاشرتی اقدار کو یوں ضرب کاری لگائی آپ نے کہا:۔

(۱) اس دو سو سال سے قائم شدہ برطانوی نظام سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ۔

(۲) یورپ سے نفرت بہت کر ہم نے اپنی ترقی کی راہ بند کی۔

(۳) سیاست میں یورپی طرز کی قومیت اور اقتصادیات میں سوشلزم کو اپناؤ۔

(۴) عالمگیر انقلاب آیا چاہتا ہے۔ سیاسی و اقتصادی انقلاب کے ساتھ ساتھ اس کے لیے ہمیں اپنی معاشرت میں انقلاب کی ضرورت ہوگی۔"

مولانا سندھی نے اپنے اسی خطبے میں کوٹ، پتلون اور ہیٹ پہننے کو سراہا اور داڑھی اور خاص وضع قطع کو ہم نے جو مقدس بنا لیا ہے، اسے غلط ٹھہرایا۔ بے شک مولانا کی یہ باتیں نئے تعلیم یافتہ طبقے کے لیے زیادہ تعجب انگیز نہ تھیں۔ لیکن مذہبی حلقوں میں اس بارے میں جو روایات چلی آتی ہیں، ان کے پس منظر میں مولانا کی معاشرتی انقلاب کی یہ دعوت علماء کے لیے ایک چیلنج تھی۔ اور ان کے طبقاتی مفاد کے لیے ایک خطرہ۔ علماء کی مخصوص وضع قطع ان کے طبقے کی لازمی خصوصیت بن گئی ہے۔

سب سے پہلے سرسید احمد خاں کو اپنے دور میں یہ لڑائی لڑنا پڑی۔ ان پر یہ الزام تھا کہ وہ چھری کانٹے سے میز کرسی پر کھانا کھاتے ہیں اور اس طرح وہ یورپی وضع اختیار کر کے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہوگیا) کی زمرے میں داخل ہوگئے ہیں۔ سرسید احمد خاں نے تہذیب الاخلاق میں اس کا یوں دیا تھا۔

"اب تو مسلمانوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ سلطان عبدالحمید خاں خلد اللہ ملکہم بھی مَنْ تَشَبَّهَ کی لپیٹ میں آگئے۔ بچارے مسلمانوں پر کیسی مشکل آن پڑی ہے۔ آج عید کا دن ہے۔ کہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس منبروں پر کس کا خطبہ پڑھیں۔ کیا سلطان عبدالحمید خاں کا (جن کو خدا بہت سی عیدیں نصیب کرے) وہ

فکری اشتراکیت اور لادینیت کی دہلیز پر

اشتراکیت کے اصولوں سے بالکل متفق ہیں

فکریوں کے ترجمان پروفیسر سرور صاحب لکھتے ہیں:

''واقعہ یہ ہے کہ انسانیت کے اعلیٰ تقاضے بہت حد تک معاشی اسباب و حالات سے متاثر ہوتے ہیں۔ مولانا نے ایک دفعہ فرمایا کہ بے شک ہم معاشی مرفہ الحالی کے سلسلے میں تو اشتراکیت کے اصولوں سے بالکل متفق ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ انسان کی کل معاشی ضروریات کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دی جائے، لیکن ساتھ ہی انسانیت کے اس رخ کو بھی جو اخلاق اور فکر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، تشنہ نہ چھوڑا جائے۔''

(حالات، تعلیمات: ۱۸۷) [1]

ایک اور مقام پر لکھا ہے:

''اب آپ بتایئے کہ کیا ہندوستان کے حالات کے مطابق اشتراکیت کو نیا عملی جامہ نہیں پہنانا پڑے گا۔ محض نظریات سے تو کام نہیں چلا کرتا۔ جب آپ کو ملک کے ٹھوس مسائل، یہاں کے مخصوص حالات اور اس میں رہنے والے لوگوں سے سابقہ پڑے گا اور معاشرتی ارتقاء کے جس مرحلے سے وہ گزر رہے ہیں، اسے سامنے رکھنا پڑے گا تو لازمی طور پر آپ کو ان کی

ضروریات اور ان کے حالات کے مطابق اشتراکیت کے اپنے فکری تصورات کو عملی شکل دینا ہوگی۔ میں جو کچھ کہتا ہوں ان حقائق کو سامنے رکھ کر کہتا ہوں۔ مجھے کسی گروہ یا طبقہ کے احیاء سے مطلق کوئی دلچسپی نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہمارے اوپر کے طبقے بالکل ناکارہ ہو چکے ہین، ان مین اب جان نہیں رہی۔''

(افادات، ملفوظات: ۲۲۱، ۲۲۲) ❷

سچ پوچھئے تو یہی سچے دین کی تمہید ہے، ساری انسانیت ایک نہ ایک دن اسی (اشتراکیت) کو قبول کرنے پر مجبور ہوگی

فکریوں کی ایک اور کتاب ''حالات تعلیمات'' میں لکھا ہے:

''حاصل کلام یہ نکلا کہ موجودہ یورپی انقلاب آئندہ کے عالمگیر انسانی انقلاب کا پیش خیمہ ہے اور مولانا کے اس ارشاد سے کہ ہمیں اس انقلاب کو اپنا لینا چاہئے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی نظر محض مادیت تک محدود ہوگئی، بلکہ دیکھا جائے تو خود یورپ والے مادی انقلاب سے آگے بڑھ کر ایک نئے انقلاب کے لئے زمین ہموار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ مولانا کا کہنا یہ ہے کہ ہندوستانی مادی زندگی کی اس تنظیم کو بجنسہ قبول کرلیں اور عالمگیر آزادی، اخوت اور معاشی مساوات کو اپنی زندگی کا اساس بنائیں، لیکن یہ سب کچھ کر لینے کے باوجود مولانا کا یہ یقین ہے کہ ہمارے لئے دین سے قطع تعلق کرنا ضروری نہیں ہوگا، بلکہ

سچ پوچھئے تو یہی سچے دین کی تمہید ہے اور ساری انسانیت اسی کو قبول کرنے پر ایک نہ ایک دن مجبور ہوگی۔"

(حالات، تعلیمات: ۸۱، ۸۲) ۳

اشتراکیت کے ناکام ہونے کی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو فکر کی بلندیوں سے حقائق کی پستی میں کبھی نہیں اترے

"روس میں اشتراکیت کو جب عملی شکل دی گئی اور مارکسزم کے نظریوں کو روسی زندگی کی ضرورتوں کے ساتھ مطابقت دینے کی کوشش ہوئی تو اس رجحان والے لوگوں نے چلانا شروع کیا کہ روس میں اشتراکیت ختم ہوگئی۔ اس کے بعد جب ٹراٹسکی اور اس کے ہم خیال معتوب ہوئے تو بار دیگر اشتراکیت کا نوحہ پڑھا گیا اور کومنترن کے ٹوٹنے پر بہتیرے یہ یقین کر چکے ہوں گے کہ اب تو روس سے اشتراکیت کا جنازہ بالکل ہی نکل گیا اور یہ تحریک جس کے اتنے بڑے بڑے دعوے تھے بیس سال بھی نہ چل سکی۔ اس قسم کی باتیں اکثر وہ لوگ کرتے ہیں جو پروازِ فکر تو رکھتے ہیں لیکن فکر کی بلندیوں سے اس زندگی کے ٹھوس حقائق کی پستیوں میں کبھی اترنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ اسلام کے اس طرح کے نظریہ ساز پہلے تو اسلام کے متعلق ایک موہوم تصور پیش کرتے ہیں اور جب اپنی گرد و پیش کی زندگی اور ماضی کی تاریخ میں کہیں بھی اپنے اس موہوم تصور کو عمل کا جامہ پہنتے

نہیں دیکھتے تو پھر اپنی ایک خیالی دنیا بساتے ہیں۔ لوگوں کو اس دنیا میں آباد ہونے کی بڑی گرم جوشی سے دعوت دیتے ہیں اور چونکہ اس کے لئے محض خیال آفرینی شرط ہے اور ماحول سے چھیڑ چھاڑ کرنا ضروری نہیں ہوتا اس لئے عمل پر خیال کو ترجیح دینے والے ذوق وشوق سے ادھر متوجہ ہو جاتے ہیں اور بزعم خویش سمجھ لیتے ہیں کہ اسلام کی نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔ ان لوگوں کی حالت یہ ہے کہ خود تو کچھ نہیں کر پاتے اور نہ خیالی دنیا سے کبھی باہر قدم رکھتے ہیں لیکن جو لوگ عملی زندگی کی دشواریوں، رکاوٹوں اور آلائشوں کی پروانہ کرتے ہوئے اپنی قوم کو جس پستی میں ہے اس سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور جن حالات میں وہ قوم گھری ہوئی ہوتی ہے ان حالات کے مطابق قوم کو پستی سے بلندی کی طرف لے جانے کی تدبیریں کرتے ہیں، وہ ان کے نزدیک مردود اور گھٹیا انسان ہیں۔ دوسرے لفظوں میں جو کہے اور کچھ نہ کرے وہ مجدد ملت اور جو کچھ کرنے کی کوشش کرے اور ظاہر ہے کہ کام ہمیشہ گرد و پیش کے حالات کو مدنظر رکھ کر ہی ہوسکتا ہے اور اس کے لئے بلندی سے نیچے اترنا پڑتا ہے، وہ مردود ٹھہرے۔"

(حالات تعلیمات: ۲۶۳، ۲۶۴) ۴

سیکولرازم کی دعوت

افادات ملفوظات میں لکھا ہے:

"..... اور اس قسم کی دوسری علیحدگی پسند، رجعت پرست اور

استعمار دوست مذہبی تحریکوں سے ایک ترقی پسند سماج اور سیکولر اور سوشلسٹ سیاسی نظام ہی کامیابی سے عہدہ برآ ہو سکے گا۔ اعتقادی ہتھیاروں سے یہ لڑائی نہیں لڑی جا سکتی۔ ہمارے علماء بس وفاتِ مسیح اور نزولِ مسیح کی بحثوں میں الجھے رہے۔"

(افادات ملفوظات: ۴۱۴) ۵

یورپی تہذیب وتمدن اپنانے میں مسلمانوں کا بھی فائدہ تھا، اس سے ان کی سماجی فرسودگی اور ذہنی جمود ختم ہو جاتا

افادات ملفوظات میں ہے:

"غرض یورپی تہذیب وتمدن اپنانے کا فکر سرسید کا خود اپنا تھا۔ اس سے قدرتاً مسلمانوں کا مذہبی کٹر پن ٹوٹتا۔ یہ چیز انگریز حکومت کیلئے مفید تھی۔ مولانا نے کہا میرے نزدیک اس میں مسلمانوں کا بھی فائدہ تھا، اس سے ان کی سماجی فرسودگی اور ذہنی جمود ختم ہوتا تھا۔"

(افادات: ۴۱۰) ۶

قوم جلد از جلد یورپین ازم اپنائے

"میں چاہتا ہوں کہ میری قوم جلد از جلد یورپین ازم کو اپنائے تاکہ وہ شاہ پرستی کی اس دلدل سے نکل سکے۔ شاہ پرستی کی ذہنیت کو چھوڑے بغیر کسی قوم کی ترقی ممکن نہیں۔"

(افادات، ملفوظات: ۴۲۲) ۷

مختصراً یہ کہ سوشلزم کو اپنایا جائے

''مختصراً یہ کہ سوشلزم کو بروئے کار لایا جائے۔ آج تو تقریباً سب جمہوری اور ترقی پسند عرب ملکوں نے سوشلزم (اشتراکیت) کی اصطلاح کو اپنا لیا ہے اور وہ ان کے آئین کا ایک اہم جزو ہے۔''

(افادات وملفوظات: ۱۴۸) ۸

یورپی طرز معاشرت اختیار کی جائے

''صنعتی انقلاب کو بروئے کار لانے کے لئے ضروری ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے پرانے اوضاع و اطوار کو بدلا جائے۔ ہماری یہ چیزیں اس زمانے کی یادگار ہیں جب زندگی دوسرے ڈھنگ پر تھی۔ اب چونکہ زندگی یکسر بدل گئی ہے، اس لئے یہ اوضاع و اطوار بھی فرسودہ ہو چکے ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ یورپی معاشرت اختیار کی جائے۔''

(حالات، تعلیمات، سیاسی افکار: ۴۱۵) ۹

آج کے مسلمان جس دین کو مانتے ہیں وہ دین نہیں

''دین جسے تم دین اور لادینی جسے تم لادینی کا نام دیتے ہو، یہ اصطلاحات تمہاری اپنی ہیں۔ آج کے مسلمان جس دین کو مانتے ہیں اور اسے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں میرے نزدیک وہ دین نہیں، وہ ان کا خاندانی اثاثہ اور باپ دادا کا ترکہ ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کو اپنے ماں باپ کی چیز سے محبت

ہوتی ہے، اس لئے اس محبت کو اسلام سے محبت کا نام دینا ٹھیک نہیں۔ یہ محبت اسلام کے اصولوں سے نہیں، اپنے مفادات سے ہوتی ہے۔" (افادات؛ملفوظات:۲۲۳) ۱۰

روسی اشتراکی لادین نہیں

"میں روسی اشتراکیوں کے عام آدمی کا نہیں کہتا، لیکن جہاں تک ان کے ذی فہم اور عقل مند افراد کا تعلق ہے، میرے نزدیک ان کو لادینی کہنا زیادتی ہے۔ ہاں! جس کو تم دین کہتے ہو۔ اسے وہ نہیں مانتے، لیکن جہاں تک دین کی اصل روح اور زندگی میں اس کی کارفرمائی کا تعلق ہے، تم انہیں لادینی نہیں کہہ سکتے۔" (افادات وملفوظات:۲۲۴) ۱۱

جس کا جی چاہے مذہب کا انکار کردے

"اب جو طلبہ قرآن کی اور اس طرح کی فلسفیانہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مذہب کے انکار کی طرف مائل ہوں تو وہ اپنے خیالات اور اعمال میں پورے آزاد ہوں، ان کا جو جی چاہے مانیں اور جو چاہے کریں۔ ان پر کوئی تعزیر نہ ہو۔ "فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر" (جس کا جی چاہے مانے، جس کا جی چاہے انکار کرے)۔" (افادات وملفوظات:۴۴۶) ۱۲

حوالہ نمبر 1

۱۸۷

اگر کمانے والے تو محنت سے کمائیں، لیکن ایک شخص یا چند اشخاص جن کے ہاتھ میں انتظام ہو، وہ ان کمانے والوں کی کمائی کا بڑا حصہ اپنے انتظام کے عوض مار لیں۔ تو ایسا تمدن بہت دنوں نہیں جی سکتا اور انسانیت کو اس سے کبھی فلاح نہیں ملتی۔

انسانیت کی تباہی اور زبوں حالی کا اکثر یہ سبب ہوتا ہے کہ عام جمہور کو کھانے کو کچھ نہیں ملتا۔ وہ فاقے پر مجبور ہوتے ہیں اور اس طرح انھیں محتاج رکھ کر ان کو معاشی اور اخلاقی حیثیت سے تباہ کیا جاتا ہے۔ معاشی تباہ حالی سے یہ بھی ہوتا ہے کہ خالی پیٹ کو بھرنے کی فکر میں انسانوں کو کسی اور چیز کی سُدھ بُدھ نہیں رہتی۔ انسانی زندگی کی جو اعلیٰ ضرورتیں ہیں، وہ سب بہم نہیں پہنچتیں اور اس طرح انسانیت ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ انسانیت کے اعلیٰ تقاضے بہت حد تک معاشی اسباب و حالات سے متاثر ہوتے ہیں۔ مولانا نے ایک دفعہ فرمایا کہ بے شک ہم معاشی مرفہ الحالی کے سلسلے میں تو اشتراکیت کے اصولوں سے بالکل متفق ہیں، اور ہم چاہتے ہیں کہ انسان کی کل معاشی ضروریات کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دی جائے لیکن ساتھ ہی انسانیت کے اس رُخ کو بھی جو اخلاق اور فکر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، تشنہ نہ چھوڑا جائے۔

اخلاق اور فکر کے بغیر کوئی تمدن پائدار نہیں ہوتا۔ چنانچہ سرمایہ داروں پر جہاں یہ الزام ہے کہ انھوں نے انسانیت کے بہت بڑے حصّے کو محتاج رکھ کر انھیں انسانیت کی سطح سے نیچے گرا دیا۔ ان پر دوسرا الزام یہ بھی

لیکن جہاں تک اس کے مبادی اور اصول کار کا تعلق ہے، میں نے انہیں بڑے غور سے سمجھنے کی کوشش کی ہے اور ان کے عملی نتائج کو بھی پرکھا اور تولا ہے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ کارل مارکس نے اشتراکیت کے جو تصورات پیش کئے تھے، لینن اور اس کے ساتھیوں نے روس کے مخصوص حالات کے تحت ان میں مناسب تبدیلیاں کیں۔ یہ تبدیلیاں ضروری تھیں اور ایک عمومی تصور کو جب ایک معین ماحول میں عملی جامہ پہنایا جاتا ہے تو اس طرح کی تبدیلیاں ناگزیر ہوتی ہیں۔ جن لوگوں نے مارکسی نظریات کی رو سے ان تبدیلیوں یا عملی تعبیرات کو غلط ٹھہرایا، ان کی کسی نے نہیں سنی اور وہ مردود قرار دیئے گئے۔

مولانا نے فرمایا، روس کی طرح ترکی میں بھی انقلاب ہوا، لیکن چونکہ ترکی کے حالات بالکل مختلف تھے۔ اس لیے مصطفیٰ کمال اور اس کے ساتھی دوسرے راستے پر چلے[1]۔ اب آپ بتائیے کہ کیا ہندوستان کے حالات کے مطابق یہاں اشتراکیت کو بنا عملی جامہ نہیں پہنانا پڑے گا۔ محض نظریات سے تو کام نہیں چلا کرتا۔ جب آپ کو ملک کے ٹھوس مسائل، یہاں کے مخصوص حالات اور اس میں رہنے والے لوگوں سے سابقہ پڑے گا اور معاشرتی ارتقا کے جس مرحلے سے وہ گزر رہے ہیں، اسے سامنے رکھنا پڑے گا تو لازمی طور پر آپ کو ان کی ضروریات اور ان کے حالات کے مطابق اشتراکیت کے اپنے فکری تصورات کو عملی شکل دینا ہوگی[2]۔ میں جو کچھ کہتا ہوں، ان حقائق کو سامنے رکھ کر کہتا ہوں۔ مجھے کسی گروہ یا

---

[1] مولانا سندھی کو مصطفیٰ کمال کے انقلاب کے بارے میں بڑا حسن ظن تھا اور یہ شاید اس لیے کہ ۱۹۲۳ء سے ۱۹۲۶ء تک جب مولانا ترکی میں تھے، مصطفیٰ کمال نے بڑے دور رس انقلاب آفرین اقدامات کئے تھے اور ترکی معاشرے کو صدیوں کی فرسودہ روایات سے پاک کرنے کی جرأت مندانہ کوششیں کی تھیں۔

[2] روس کے بعد جب چین میں اشتراکی انقلاب ہوا تو مارکسزم لینن ازم کی ایک نئی عملی تعبیر ہمارے سامنے آئی۔ مارشل ٹیٹو نے یوگوسلاویہ میں تو بالکل نئے انداز سے اشتراکیت کو نافذ کیا ہے۔ افریشیائی اور جنوبی امریکہ کے ترقی پذیر ملکوں میں اشتراکیت کی اور صورتیں نمودپذیر

طبقہ کے احیاء سے مطلق کوئی دل چسپی نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ ہمارے اوپر کے طبقے بالکل ناکارہ ہو چکے ہیں۔ ان میں اب جان نہیں رہی۔ ان کے نعرے، شور و غوغا اور طمطراق سارے کے سارے بناوٹی ہیں۔ یہ لوگ اندر سے بالکل کھوکھلے ہیں۔ ان کے جسموں میں زندگی کا خون ہے، نہ ان کے تمدن میں کوئی صلاحیت اور توانائی باقی ہے اور نہ ان کے مذہب، فکر اور فلسفہ میں جان ہے۔ یہ سب تباہ ہونے اور تباہ کئے جانے کے قابل ہیں۔ ان کا تمدن، ان کی تہذیب اور ان کا فکری نظام فرسودگی کے ہاتھوں دم توڑنے کو ہیں۔ ان دنوں انہوں نے جو زور باندھ رکھا ہے، یہ زور محض باتوں کا ہے۔ یہ تو تاریخ کا گندہ پانی ہے جو اچھل اچھل کر آسمان پر پہنچنا چاہتا ہے۔ یہ گندہ پانی لاکھ اچھلے آخر اس کی بساط ہی کیا ہے۔ سرسید احمد خاں اور اس کے بعد جو بھی آئے سب نے ان طبقوں کی گرتی ہوئی عمارت کو تھامنے کی کوشش کی۔ کسی نے انگریز کا دامن پکڑا، کوئی مذہب کو امام ضامن بنا رہا ہے۔ کوئی کلچر کے نام سے اپنے آپ کو بچانا چاہتا ہے لیکن یاد رکھئے یہ ساری کوششیں بے کار ثابت ہوں گی اور یہ گھروندہ گر کر رہے گا۔ یہ طبقے زندہ رہنے کی اپنی صلاحیتیں کھو چکے ہیں۔

پروفیسر سلامت اللہ اٹھ کر چلے گئے تو مولانا نے اس گفتگو کو جاری رکھا: فرمانے لگے، پروفیسر! اپنی قوم کے اوپر کے طبقوں کو آزما کر، پرکھ کر، ان کے ساتھ رہ کر اور ان کو خوب پہچاننے کے بعد میں اس یقین کے ساتھ باتیں کرتا ہوں میری سنو۔

ہو رہی ہیں۔ اور تو اور بعض ایشیائی ترقی پذیر ملکوں کے ہاں کے قومی جمہوری نظام ہائے حکومت کو کمیونزم کی بارگاہ سے سند جواز مل گئی ہے۔ بہر حال ہر ملک اپنے حالات اور اپنی ضرورتوں کے مطابق اشتراکیت کو قسط وار اور جزو اجزو اپنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اب مصر کی واحد سیاسی پارٹی سوشلسٹ یونین (اتحاد اشتراکی) کو لیجئے گو اس میں مارکسی خیالات رکھنے والے افراد موجود ہیں لیکن وہ پارٹی مارکسی نہیں اس کے باوجود تمام دنیا کی سوشلسٹ اور کمیونسٹ پارٹیوں کے ماسکو وغیرہ میں جو سالانہ اجتماعات ہوتے ہیں ان میں مصر کی پارٹی بھی مدعو ہوتی ہے۔

حوالہ نمبر 3

یوں لڑ رہے ہیں جس طرح کبھی مذہب والے اپنے مذہب کی خاطر لڑتے تھے یعنی روس میں اشتراکیت ایک مذہب بن گئی ہے اور لوگ اس پر یوں ایمان لاتے ہیں جیسے مذہب پر لایا کرتے تھے اور خوشی خوشی اس کے لیے جانیں دے رہے ہیں۔

مولانا نے ایک دفعہ صحیح مذہبیت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ صحیح مذہبیت انسان کو اپنی ذات کے ماورا کسی اور اعلیٰ مقصد کے لیے ایثار کرنا سکھاتی ہے — خالص مذہبی آدمی وہ ہے جو اپنے اعلیٰ تصور کی خاطر اپنی ذاتی خواہشات کو خواہ وہ کسی قسم کی ہوں، دبانے کی کوشش کرتا ہے اور اگر اسے اس راہ میں دوسروں کی مخالفت بھی مول لینی پڑے تو بغیر کسی خوف و ہراس کے خوشی خوشی مخالفت کو قبول کرتا ہے۔ لیکن اگر یہ مذہب انقلابی نہ ہو تو پھر اس کی افادیت محدود ہو کر رہ جاتی ہے یہ مذہب ناقص ہوتا ہے اور کسی آدمی کے مذہبی ہونے کا پتہ اس کے خلوص اور ثبات سے چلتا ہے۔ مذہبیت کی اس کسوٹی کو غالب نے شاعرانہ رنگ میں یوں بیان کیا ہے

ع وفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے

اسی بنا پر ایک بالغ نظر بزرگ نے ایک دفعہ کہا تھا کہ خدا کو ماننے والے دس میں آجکل سب سے زیادہ ہیں۔ اس سے ان کا دراصل مقصد یہ تھا کہ ایک اعلیٰ اور بلند نصب العین کے لیے جس خلوص اور استقلال کا ثبوت وہ دے رہے ہیں، اس کی مثال آج دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملے گی۔

حاصل کلام یہ نکلا کہ موجودہ یورپی انقلاب آئندہ کے عالمگیر انسانی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ اور مولانا کے اس ارشاد سے کہ ہمیں اس انقلاب کو اپنا لینا چاہیئے، یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی نظر محض مادیت تک محدود ہو گئی۔ بلکہ دیکھا جائے تو خود یورپ

۸۲ حوالہ نمبر 3

والے مادی انقلاب سے آگے بڑھ کر ایک نئے انقلاب کے لیے زمین ہموار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ مولانا کا کہنا یہ ہے کہ ہندوستانی مادی زندگی کی اس تنظیم کو بجنسہٖ قبول کریں اور عالمگیر آزادی، اخوت اور معاشی مساوات کو اپنی زندگی کا اساس بنائیں۔ لیکن یہ سب کچھ کر لینے کے باوجود مولانا کا یہ یقین ہے کہ ہمارے لیے دین سے تعلق قائم کرنا ضروری نہیں ہوگا۔ بلکہ سچ پوچھیے تو یہی سچے دین کی تعبیر ہے اور ساری انسانیت اسی کو قبول کرنے پر ایک نہ ایک دن مجبور ہوگی۔

اب مولانا کے ان خیالات کا برطانیہ کی جمعیت فلاسفہ کے صدر وسکونٹ سموئیل کے اس اقتباس سے موازنہ کیجیے:

"اگر عصرِ حاضر کے بسنے والے چاہتے ہیں کہ ان کا مستقبل کی طرف جو قدم اُٹھے، وہ صحیح بصیرت اور یقین کے ساتھ اُٹھے تو ضروری ہے کہ پہلے وہ اس ذہنی کہر سے باہر نکل آئیں جس نے اُن کو انتشارِ دماغی میں مبتلا کر رکھا ہے۔

چاہیے کہ مذہب ان طبعی حقائق کو قبول کرلے جسے موجودہ عالم نے مسلّم قرار دیا ہے۔ خواہ مخواہ فرسودہ خیالی کو سائنس سے نہیں ٹکرانا چاہیے، جیسا کہ خود سائنس بھی ایک ایسے عالم کو ہماری آنکھوں کے سامنے منکشف کر رہی ہے، جس میں خداوند تعالیٰ کی عظمت موجود ہے۔ اور اسی کا جلال پوری طرح چمک رہا ہے لیکن ترقی خود بخود نہیں ہوا کرتی بلکہ عادتاً مجبور ہوتی ہے عمل کی۔"

آگے چل کر صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ انسان کے اپنے عمل

حوالہ نمبر 4

۲۶۳

کرنے والے دوستی کے پردے میں اسلام کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ جو بلند دعاوی وہ زبان سے پیش کرتے ہیں اگر ان دعاوی کو عملی نقطۂ نظر سے پرکھا جائے تو نتیجہ ان دعاوی کے بالکل برعکس نکلتا ہے۔

خیال پرستوں کا یہ گروہ ہر قوم اور ہر تحریک میں ہوتا ہے۔ روس میں اشتراکیت کو جب عملی شکل دی گئی اور مارکسزم کے نظریوں کو روسی زندگی کی ضرورتوں کے ساتھ مطابقت دینے کی کوشش ہوئی تو اس رجحان والے لوگوں نے چلانا شروع کیا کہ روس میں اشتراکیت ختم ہو گئی۔ اس کے بعد جب ٹراٹسکی اور اس کے ہم خیال معتوب ہوئے تو بار دیگر اشتراکیت کا نوحہ پڑھا گیا۔ اور کمنٹرن کے ٹوٹنے پر بہتیرے یہ یقین کر چکے ہوں گے کہ اب تو روس سے اشتراکیت کا جنازہ بالکل ہی نکل گیا اور یہ تحریک جس کے اتنے بڑے بڑے دعوے تھے، بیس سال بھی نہ چل سکی۔ اس قسم کی باتیں اکثر وہ لوگ کرتے ہیں جو پرواز فکر تو رکھتے ہیں لیکن فکر کی بلندیوں سے اس زندگی کے ٹھوس حقائق کی پستیوں میں کبھی اترنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ اسلام کے اس طرح کے نظریہ ساز پہلے تو اسلام کے متعلق ایک موہوم تصور پیش کرتے ہیں اور جب اپنی گرد و پیش کی زندگی اور ماضی کی تاریخ میں کہیں بھی اپنے اس موہوم تصور کو عمل کا جامہ پہنتے نہیں دیکھتے تو پھر اپنی ایک خیالی دنیا بساتے ہیں۔ لوگوں کو اس دنیا میں آباد ہونے کی بڑی گرم جوشی سے دعوت دیتے ہیں اور چونکہ اس کے لیے محض خیالی آفرینی شرط ہے اور ماحول سے چھیڑ چھاڑ کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ اس لیے عمل پر خیال کو ترجیح دینے والے ذوق و شوق سے ادھر متوجہ ہو جاتے اور بزعم خویش سمجھ لیتے ہیں کہ اسلام کی نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔ ان لوگوں

کی حالت یہ ہے کہ خود تو کچھ نہیں کر پاتے اور نہ خیالی دنیا سے کبھی باہر قدم رکھتے ہیں لیکن جو لوگ عملی زندگی کی دشواریوں، رکاوٹوں اور آلائشوں کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنی قوم کو جس پستی میں وہ ہے اس سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں اور جن حالات میں وہ قوم گھری ہوئی ہوتی ہے اُن حالات کے مطابق قوم کو پستی سے بلندی کی طرف لے جانے کی تدبیریں کرتے ہیں، وہ ان کے نزدیک مردود اور گھٹیا انسان ہیں۔ دوسرے لفظوں میں جو کہے اور کچھ نہ کرے وہ مجدد و ملت اور جو کچھ کرنے کی کوشش کرے اور ظاہر ہے کام ہمیشہ گزرے پیش کے حالات کو مدنظر رکھ کر ہی ہو سکتا ہے اور اس کے لیے بلندی سے نیچے اترنا پڑتا ہے، وہ مردود ٹھہرے۔

مولانا کے نزدیک اسلام قومیتوں کا انکار نہیں کرتا۔ وہ قومیت کی اصلاح ضرور کرتا ہے لیکن اسے مٹاتا نہیں۔ عرب مسلمان ہو کر بھی عرب رہے۔ ایرانی مسلمان ہوئے تو انہوں نے اپنی ایرانی قومیت کو کھویا نہیں۔ اسی طرح ترک اسلام لائے اور بحیثیت ایک مسلمان ترک قوم کے انہوں نے اسلام کی بڑی خدمت کی۔ عربوں کے بعد ایرانیوں کا آنا اسلام کی سربلندی کی علامت ہے۔ اور عربی زبان کے اثر سے نئی فارسی زبان کا بننا اسلامی فکر کی وسعت پذیری کی دلیل ہے۔ چنانچہ اسی طرح زمانہ گزرتا جائے گا۔ اور نئی نئی قومیں اسلام لاتی جائیں گی۔ خود مولانا کے اپنے الفاظ میں اسلام کے پہلے داعی عرب تھے۔ انہوں نے بڑے خلوص اور تن دہی سے اسلام کو پھیلایا۔ یوں [illegible] سو برس تک عرب پیام اسلام کے محافظ اور داعی رہے۔ اس عرصے میں اموی، عباسی اور فاطمی خلافتیں قائم ہوئیں اور انہوں نے عربی سلطنت

، صلاحیت پیدا ہوگی۔ جیسا کہ اب تک ہوا ہے، احمدیت اور اس قسم کی دوسری علیحدگی پسند رجعت پرست اور استعمار دوست مذہبی تحریکوں سے ایک ترقی پسند سماج اور سیکولر اور سوشلسٹ سیاسی نظام ہی کامیابی سے عہدہ برآ ہو سکے گا۔ اعتقادی ہتھیاروں سے یہ لڑائی نہیں لڑی جا سکتی۔ ہمارے علماء بس وفات مسیح و نزول مسیح کی بحثوں میں الجھے رہے۔

راقم الحروف بہت سے احمدی (قادیانی) حضرات سے متعارف ہے اور بعض سے تو اسے دوستی کا فخر بھی حاصل ہے۔ یہ سب عالم فاضل اور بڑے مخلص لوگ ہیں یہ تقریباً سارے کے سارے اب ربوہ کی "خلافت" کے باغی ہیں۔ ان میں سے ایک احمدی دوست سے جو کافی عرصہ قادیان میں رہے تھے، وہاں کے "کاروبار خلافت" کے نشیب و فراز اور داخلی سیاست کے بارے میں مجھے بہت کچھ معلوم ہوا۔ میں اکثر ان باتوں کا مولانا سندھی سے ذکر کرتا اور پوچھتا کہ یہ کیا ہے اور کیوں ہے؟ مجھے تجسس اس بات کا تھا کہ آخر مذہبی جماعتوں میں اس طرح کی چیزیں کیوں وقوع پذیر ہوتی ہیں؟ حضرت مولانا کو پیروں کی گدیوں اور مذہبی جماعتوں کا ذاتی تجربہ تھا۔ ان امور پر بڑے کھلے دل سے گفتگو فرماتے اور اس ضمن میں مذہبی نفسیات کا تجزیہ کرتے۔ میں احمدیت کو بطور ایک مذہبی مظہر کے سمجھنا چاہتا تھا۔

مولانا سندھی لاہور میں تھے۔ میں نے ان سے خلیفہ قادیان مرزا محمود کے ماموں میر محمد اسحاق کی وفات کا ذکر کیا۔ اس سے ایک دن پہلے میرے احمدی دوست نے ان کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا، وہ میں نے مولانا سے عرض کیا۔ دوست موصوف کے الفاظ یہ تھے:۔ وہ دراصل ان کے بڑے مداح تھے۔

"میر محمد اسحاق کے ہاتھ میں لاکھوں روپے سالانہ کا حساب کتاب رہتا تھا۔ انہی کی تدبیروں سے "کاروبار خلافت" چلتا تھا۔ مرحوم ہی نے ہر آڑے وقت میں "خلافت" کی گرتی ہوئی عمارت کو تھاما لیکن اس کے باوجود یہ شخص پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتا۔ بڑی مشکل سے اپنی اولاد کا پیٹ پالتا۔ اور اپنے بھانجے کی شان و شوکت اور دولت و ثروت سے کوئی فائدہ نہ اٹھاتا۔ بلکہ بڑے استغنا سے اپنی فاقہ مستی میں مطمئن رہتا۔ "قادیانیوں کی اعصاب زدہ جماعت میں صرف یہی ایک شخص متوازن دماغ کا تھا۔

کے خیالات کا اثر لے لے اور ان کے دام میں پھنس جائے۔ غرض یورپی تہذیب و تمدن کو اپنانے کا فکر سرسید کا خود اپنا تھا۔ اس سے قدرتاً مسلمانوں کا مذہبی کٹرپن ٹوٹتا۔ یہ چیز انگریزی حکومت کے لیے مفید تھی۔ مولانا نے کہا، میرے نزدیک اس میں مسلمانوں کا بھی فائدہ تھا۔ اس سے ان کی سماجی فرسودگی اور ذہنی جمود ختم ہوتا تھا۔

سرسید نے اس مذہبی کٹرپن کو توڑنے کے لیے دلیل و برہان اور مشاہدہ و تجربہ کو ذریعہ بنایا اور مسلمانوں کو انگریزی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے اور اس کے فراہم کردہ ترقی کے مواقع سے فائدہ اٹھانے کی دعوت دی۔ مرزا صاحب نے اس کے لیے مذہب، وحی، نبوت اور الہام سے کام لیا۔ انگریزی حکومت کے لیے سرسید کا اقدام بھی مفید تھا۔ اور مرزا صاحب کی مجددیت، مہدیت اور نبوت بھی دونوں کے سامنے اجنبی حکومت کے خلاف مسلمانوں میں جو مذہبی و قومی تعصب تھا اس کی وجہ سے ان کو جو نقصان پہنچ رہا تھا، اور آگے چل کر اس سے مزید نقصان پہنچنے کا جو اندیشہ تھا، اسے دور کرنا تھا۔

اس مفصل گفتگو کو جس میں منجملہ اور باتوں کے سید جمال الدین افغانی کی عرب ممالک کے حق میں سرگرمیوں کو یورپی طاقتوں کے ساتھ ان کی ساز باز قرار دینے کا بھی ذکر تھا، مولانا نے ختم کرتے ہوئے یوں محاکمہ فرمایا۔

یوں سمجھو کہ سرسید احمد خاں اس دور کے مسٹر محمد علی جناح تھے۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔ مسٹر جناح آج عقل و استدلال سے مسلمانوں کو کانگرس سے بیزار کرتے ہیں اور مولانا مودودی اسلام کے ذریعہ کانگرس کو مسلمانوں میں مردود قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ راقم الحروف کے نزدیک اسی لیے سرسید کی اس انگریز دوستی کا اتباع عام طور پر مسلمانوں کے اعلیٰ اور اعلیٰ متوسط طبقے نے کیا جس میں مذہبیت کا عمل دخل نسبتاً کم تھا، اور مرزا غلام احمد کو پنجاب کے متوسط اور نچلے متوسط طبقوں سے وہ لوگ ملے جنہیں سرکاری نوکریوں کی ضرورت تھی لیکن ان کی راہ میں اس دور میں یہ مذہبی جذبہ حائل ہوتا تھا کہ ایک مسلمان کے لیے کافر حکومت کی نوکری کرنا شاید جائز نہ ہو۔ مرزا صاحب نے مہدی، مسیح موعود اور نبی بن کر ان کی اس ہچکچاہٹ کو دور کر دیا اور ان کے لیے اتنی بڑی

اب ان کے پاس سوائے دربار داری کے طریقوں کے اور رکھا ہی کیا ہے۔ یہ لوگ جلسی آداب کے علاوہ اور کیا جانیں۔ اونچی باتیں اور تکلفات، یہ ان کی زندگی ہے۔

مولانا سندھی کو یہ عام شکایت تھی کہ مسلمانوں کی نس نس میں شاہ پرستی سرایت کئے ہوئے ہے ایک دفعہ اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا۔

میری قوم کے دماغ میں شاہ پرستی گھسی ہوئی ہے۔ ہمارا مذہب، ہمارے علوم و افکار، ہمارا سماج، ہماری سیاست غرض ہماری پوری زندگی شاہ پرستی سے متاثر ہے۔ بے شک اب ہمارے ہاں بادشاہ نہیں رہے لیکن ہماری شاہ پرست ذہنیت نے ان کی جگہ نوابوں، راجاؤں، پیروں، بزرگوں، استادوں یہاں تک کہ سیاسی لیڈروں کو بادشاہ بنا لیا ہے[1]۔ مسلمان ڈیموکریسی کو اختیار کئے بغیر شاہ پرستی کی چنگل سے نہیں نکل سکیں گے۔

ڈیموکریسی کا پہلا اثر تو یہ ہوگا کہ لوگ ووٹ کی حکومت کی اہمیت کو سمجھیں گے۔ ووٹ کے معنی یہ ہیں کہ جس کو میں اپنا ووٹ دوں، وہی میرا حاکم ہوگا یعنی حکومت کسی شاہی خاندان کی نہیں جو پہلے سے چلا آتا ہے۔ بلکہ ووٹ ڈالنے والے کی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میری قوم جلد سے جلد ڈیموکریسی کو اپنائے تاکہ وہ شاہ پرستی کی اس دلدل سے نکل سکے۔ شاہ پرستی کی ذہنیت کو چھوڑے بغیر کسی قوم کی ترقی ممکن نہیں۔

ڈیموکریسی کا دوسرا اثر یہ ہوگا کہ ہم میں صاف رہنے کا احساس پیدا ہوگا۔ ہم

---

[1] اس زمانے میں مسلم لیگ کا بڑا زور تھا اور قائداعظم کی مقبولیت عوام میں روز افزوں تھی۔ جامع مسجد دہلی کے ارد گرد کی دوکانوں اور چھوٹے چھوٹے ہوٹلوں میں قائداعظم کی رنگین تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ ان میں انہیں گھوڑے پر سوار فوجی لباس پہنے ہوئے ترک بادشاہ سلطان عبدالحمید خاں کے انداز میں دکھایا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ عام مسلمان کا آئیڈیل (مثالی) حکمران اب بھی بادشاہ ہے۔ اور وہ صدر جمہوریہ کو بھی جوش عقیدت میں بادشاہ کہنا پسند کرتا ہے۔ مسلمانوں نے ذہناً اور جذباتی طور پر اب تک جمہوریت کے فکر و نظام کو قبول نہیں کیا۔

نہ بنانا۔ گویا اس میں جمہوری اور سیکولر نظام حکومت رائج ہو۔ اور تیسرے کاشت کار اور دست کار محنت کش کی معاشی حالت درست کرنا اور اسے ترقی دے کر یورپ کے محنت کش کے برابر کرنا۔ مختصراً یہ کہ سوشلزم کو بروئے کار لایا جائے۔ آج تو تقریباً سب جمہوری اور ترقی پسند عرب ملکوں نے سوشلزم (اشتراکیت) کی اصطلاح کو اپنا لیا ہے اور وہ ان کے آئین کا ایک اہم جزو ہے۔

سندھ میں ان دنوں ہماری تحریک بھی چل رہی تھی۔ حیدر آباد میں سندھی طلبہ کے اس اجتماع میں مولانا کی توجہ اس طرف بھی مبذول کرائی گئی۔ آپ نے کہا کہ "ہمارے ملک میں روس سے آئی ہوئی ایک تحریک چل رہی ہے۔ اس تحریک میں کام کرنے والے کامریڈ کسان کو زمیندار سے لڑانا چاہتے ہیں۔ ہم بھی چونکہ روس سے ہو کر آئے ہیں، اس لیے ممکن ہے بعض لوگوں کو خیال ہو کہ ہم بھی کسان کو زمیندار سے لڑانے کے داعی ہوں گے۔ ہمارے متعلق یہ سمجھنا ٹھیک نہیں۔"

اس وقت مولانا کا کہنا یہ تھا کہ "ہمارا پروگرام وقتی نہیں۔ ہم ایک طویل راہ عمل کی طرف بلاتے ہیں"۔ یعنی آج طبقاتی جد و جہد یا طبقاتی کش مکش و تصادم کی دعوت نہیں دیتے، لیکن اس کے ساتھ ہی ہم کسان کے حقوق سے دست بردار ہونے والے نہیں۔ چنانچہ "ہم بھی کسان کے طرفدار ہیں۔ ہم کسان کو تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ ان کی سیاسی تربیت کرنا چاہتے ہیں، انہیں اس قابل بنانا چاہتے ہیں کہ وہ اسمبلی میں نمائندہ بن کر بیٹھ سکیں۔"

الغرض "ہم کسان کے لیے سب کچھ چاہتے ہیں۔ لیکن ہم اس کو زمیندار سے ٹکراتے اور لڑاتے نہیں..... ہم جانتے ہیں کہ کس طرح اسمبلی میں جا کر زمینداروں سے کسانوں کے حقوق لیے جا سکتے ہیں....."

ترقی پسند جمہوری اور "سوشلسٹ" عرب ملک جو ہماری طرح پس ماندہ ہیں، اور

لہ یہ اندراجات مولانا کے شائع کردہ "جنازہ بدا سندھ ساگر پارٹی کے اساسی پروگرام" سے لیے گئے ہیں۔

حوالہ نمبر 9

415

۴۔ ہندوستانی اقوام میں سے ہر قوم اپنے اپنے رقبے میں بااختیار اور آزاد ہو۔ اس کو پورا حق ہو کہ وہ اپنی زبان اور اپنے تمدن اور اپنے قومی وجود کو استحکام اور ترقی دے سکے۔

۵۔ ہندوستان کی ان بااختیار اور آزاد اقوام کی ایک وحدت ہو۔ اس وحدت کی حیثیت قومی نہیں بلکہ بین الاقوامی ہوگی۔

۶۔ ہندوستانی اقوام کی اس وحدت کے یہ بنیادی اصول ہوں:۔

۱۔ سیاست: اپنی رائے سے اپنے اوپر حکومت کرنے کا حق، جسے عرفِ عام میں جمہوریت کہتے ہیں۔ قوم کے ہر فرد کی خواہ وہ مرد ہو یا عورت، مساوی حیثیت۔ نسل، مذہب یا قدامت کی بنا پر کسی کو کوئی تفوق نہ ہو۔

۲۔ اقتصادیات: صنعتی انقلاب کا مکمل نفاذ۔ سب کے لیے ایک سی اقتصادی سہولتیں۔ محنت کش طبقوں کا معیارِ زندگی دوسروں سے کم نہ ہو۔ سیاسی آزادی، اقتصادی آزادی کے بغیر بے معنی ہے۔ اقتصادی آزادی ایک گروہ یا جماعت تک محدود نہ ہو، بلکہ ملک کی عام آبادی بلاتمیز مذہب و ملت اس سے بہرہ اندوز ہو۔

۳۔ معاشرت: صنعتی انقلاب کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے پرانے اوضاع و اطوار کو بدلا جائے۔ ہماری یہ چیزیں اس زمانے کی یادگار ہیں۔ جب زندگی دوسرے ڈھنگ پر تھی۔ اب زندگی یک سر بدل گئی ہے۔ اس لیے یہ اوضاع و اطوار بھی فرسودہ ہو چکے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ یورپی معاشرت اختیار کی جائے۔

اس کے بعد مولانا نے اپنی گزری ہوئی زندگی کے بعض حالات سنائے، انہیں کتاب میں کسی اور جگہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

دین اور لادینیت پر باتیں ہو رہی تھیں۔ مولانا سندھی کا اصرار تھا کہ میں مزدور، کاشتکار اور محروم و مظلوم طبقوں کی سیاست کو لادینی نہیں بننے دوں گا۔ میں ان کے انقلاب کو دین کے دائرہ کے اندر رکھوں گا۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں مذہب کا جو تصور نقش ہے، اُسے کھرچے بغیر نئی دنیا کی تعمیر میرے نزدیک ناممکن ہے[1]۔ سوال یہ ہے کہ اس تصور کو کیسے کھرچا جائے۔ تو اس کی صورت کیا صرف یہی نہیں کہ لادینی تصور کو اپنایا جائے۔ اس کے بعد ہی کہیں ہمارے ذہنوں اور دماغوں سے ماضی کے تمام فرسودہ، جمود پسند اور ترقی دشمن اثرات نکل سکیں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ دین جسے تم دین کہتے ہو اور لادینی جسے تم لادینی کا نام دیتے ہو، یہ اصطلاحات تمہاری اپنی ہیں۔ آج کے مسلمان جس دین کو مانتے ہیں اور اسے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں، میرے نزدیک وہ دین نہیں، وہ ان کا اپنا خاندانی اثاثہ اور باپ دادا کا ترکہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کو اپنے ماں باپ کی چیز سے محبت ہوتی ہے۔ اس لیے اس محبت کو اسلام سے محبت کا نام دینا ٹھیک نہیں۔ یہ محبت اسلام کے اصولوں سے نہیں، اپنے مفادات سے ہوتی ہے۔

---

[1] راقم الحروف کے قاہرہ کے زمانۂ قیام میں روزنامہ "الاہرام" کے صفحات پر فرید وجدی اور ایک صوفی شیخ تفتازانی کے درمیان ترکی میں کمالی اصلاحات کے مسئلے پر ایک زبردست قلمی جنگ ہوئی۔ فرید وجدی ان اصلاحات کی تائید کرتے تھے یہاں تک کہ ترکی زبان میں اذان دینے اور ترکی زبان میں نماز ادا کرنے کے جواز کی تائید میں بھی موصوف نے بہت سی فقہی دلیلیں دیں۔ شیخ تفتازانی کمالی اصلاحات کے سخت مخالف تھے۔ اس بحث کے دوران میں فرید وجدی نے ایک دفعہ یہ لکھا کہ مسلمانوں کے ہاں جمود، رجعت پسندی اور ماضی پرستی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اسے ختم کرنے اور ذہن و فکر کی بیداری و آزادی کے لیے وقتی طور پر الحاد کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ [illegible] کسی طرح جمود کی زنجیریں ٹوٹیں۔

حوالہ نمبر 11

مولانا کہنے لگے کہ میں روسی اشتراکیوں کے عام آدمیوں کا نہیں کہتا لیکن جہاں تک ان کے ذی فہم اور عقل مند افراد کا تعلق ہے، میرے نزدیک ان کو لادینی کہنا زیادتی ہے۔ ہاں جس کو تم دین کہتے ہو اسے وہ نہیں مانتے لیکن جہاں تک دین کی اصل روح اور زندگی میں اس کی کارفرمائی کا تعلق ہے، تم انہیں لادینی نہیں کہہ سکتے۔

ایک دن میں نے مولانا کی خدمت میں خدا کے تصور کے بارے میں کمیونسٹوں کا یہ اعتراض پیش کیا: کمیونسٹ کہتے ہیں کہ جب تم خدا کے وجود کا عقل سے ادراک نہیں کر سکتے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ جس کو تم خدا سمجھتے ہو وہ محض تمہارے اپنے دماغ کی تخلیق ہے۔ یعنی تم نے ایک خیال کو وضع کیا اور اسے اپنا خدا بنا لیا۔ اس خیال کے احکام کو جو دراصل تمہارے اپنے احکام تھے، خدا کے احکام سمجھ لیے اور انہیں خدا کے احکام کہہ کر منوانے پر تل گئے۔ چنانچہ نبی (کمیونسٹوں کے اعتراض کے بموجب) جن باتوں کو خدا کی باتیں کہتا ہے، وہ دراصل اس کی اپنی باتیں ہوتی ہیں۔ وہ اپنی باتوں کو خدا کی باتیں کہہ کر انہیں آسانی سے انسانوں سے منوا سکتا اور اس طرح وہ اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ نبی کے بعد اس کے جانشین آتے ہیں اور ان کے جانشینوں کے جانشین۔ اس طرح بادشاہت وجود میں آتی ہے۔ اور بادشاہوں کا سلسلہ آگے چلتا ہے۔ یہ لوگ مذہب کو اپنی استبدادی حکومتوں کے استحکام کے لیے آلۂ کار بناتے ہیں اور یوں مذہب اور استبداد ایک ہو جاتے ہیں۔

اسی ضمن میں میں نے مشہور روسی مصنف میکسم گورکی اور لینن کی وہ گفتگو بھی نقل کی، جس میں گورکی نے لینن سے کہا تھا کہ مانا ہمارے یہ پادری بدکردار اور ظالم و مستبد زار کے گماشتے ہیں اور ان کا عیسائی مذہب توہمات اور غلط کاریوں کی پوٹ بن چکا ہے۔ لیکن اس میں مذہب کا کیا قصور۔ کیوں نہ ان سب لائشوں اور گندگیوں سے پاک و مصفا اعلیٰ اقدار کے حامل ایک مذہب کو اپنایا جائے۔ لینن نے یہ سنا اور گورکی کو متنبہ کیا کہ دیکھنا ایسی غلطی نہ کرنا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ اور پاک سے پاک مذہب آئے گا۔ کچھ عرصہ بعد وہ اپنی اصل حالت پر رہے گا۔ اس کے بعد پھر اس میں یہی پوپ، یہی پادری اور ان کے اتالیق موالی

سے شکست میں کھائے گی اور وہ اس کے چیلنج کا مقابلہ کر سکے گی۔

اب جو طلبہ قرآن کی اور اس طرح کی فلسفیانہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مذہب کے انکار کی طرف مائل ہوں تو وہ اپنے خیالات اور اعمال میں لوسے آزاد ہوں۔ ان کا جو جی چاہے مانیں۔ اور جو چاہیں کریں۔ ان پر کوئی تعزیر نہ ہو۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (جس کا جی چاہے مانے، جس کا جی چاہے انکار کرے) البتہ آپ کے ہاں استاد فلیؤمن کے دوسرے معنی سے ہوں۔

مولانا نے بتایا کہ میں نے ڈاکٹر صاحب کو کہا:۔

اگر آپ نے شاہ ولی اللہ کے قرآن کے ترجمۂ فارسی کو اسلامیات کی اونچی جماعتوں کے نصاب میں شامل کر لیا تو اس سے ایک اور فائدہ یہ ہوگا کہ عربی کے علاوہ طلبہ کی فارسی زبان کی بھی مشق ہو جائے گی۔ اور اس کی مدد سے وہ اسلامی ہند کے علمی و ادبی اور تہذیبی و فکری ورثے سے استفادہ کر سکیں گے۔

میری تحریری یادداشت میں یہ بھی ہے:۔

عید کے دوسرے دن بچوں کا میلا تھا۔ ۱۱ بجے لان کے چبوترے پر کھڑے ہو کر ذاکر صاحب نے مولانا کے ہاتھ سے جامعہ کا پرچم لہرانے کی رسم ادا کرائی۔ اور اس موقع پر ذاکر صاحب نے بڑی زور دار تقریر کی۔ ان کی اس تقریر میں جوش تھا، ولولہ تھا اور عزم و یقین تھا گویا انہوں نے مولانا کی آرزوؤں اور ارادوں کو اپنے شیریں لہجے اور دل کش انداز بیان میں پیش کر دیا تھا۔ مولانا نے بھی مختصر سی تقریر کی۔ وہ ذاکر صاحب کی تقریر سے اتنے خوش تھے کہ باوجود پچھلے کئی دنوں کی بیماری کی نقاہت اور کمزوری کے دن بھر میلے کی سیر کرتے رہے۔ اور بڑے ہشاش بشاش رہے۔

جامعہ نگر دہلی میں ان دنوں عید کے دوسرے دن ہر سال بچوں کا میلہ ہوا کرتا تھا۔ یہ میلا بڑی عید کے بعد وسط دسمبر ۱۹۴۳ء کو ہوا تھا۔ اس کے کوئی آٹھ ماہ بعد مولانا کا انتقال ۲۲ اگست ۱۹۴۴ء کو ہوا۔

کتاب "جامعہ کی کہانی" میں عبدالغفار مدہولی نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

فکریت کا انجام..... الحاد و دہریت

اسلامی قوانین فکریوں کی نظر میں

فکریوں کی نصابی کتاب ''خطبات و مقالات'' میں لکھا ہے:

''لیکن ایک ایسے انسان کے لئے جو مذہبی جماعتوں کی نمائندگی کرتا ہے یہی مصیبت ایک اور راستہ سے آتی ہے۔ سائنس کی ترقی کے ساتھ مذہبی قانون تو الگ رہا سرے سے خدا کا انکار بھی عام طور پر ضروری ہو گیا ہے۔'' (خطبات و مقالات: ۱۱۰، ۱۱۱) ❶

فکریوں کی ایک اور نصابی کتاب میں لکھا ہے:

''القصہ ہمارا تمدن، ہمارا نظام زندگی اور ہمارا قانون جو ہم نے ابھی اس سیلاب کی نذر کیا ہے، اب بجنسہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے، ان کی حیثیت اب ایک تاریخی واقعہ کی ہے۔''

(شعور و آگہی: ۴۲) ❷

ایک اور کتاب میں وہ لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ اورنگزیب کے بعد سے ہماری قومی تاریخ میں ایک بہت بڑا فصل پیدا ہو گیا۔ ہمارے سیاسی شیرازہ کے بکھرنے سے ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون بے کار ہو گئے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہم شکست کھا گئے۔ اگر ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون

ناقص نہ ہوتے تو ہمارا سیاسی وجود کیوں بگڑتا؟ ظاہر ہے اب تو زمانہ اور بھی بدل چکا ہے، اس لئے ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون اب بجنسہ نہیں چل سکتے۔" (حالات تعلیمات: ۴۲۵) ۳

احادیث کے بارے میں فکری نظریہ

حدیث پیغمبر کی ذہنی اختراع ہے، حدیث کو وحی بنا کر قرآن کی تحقیر کی گئی ہے۔

ملاحظہ ہو:

"قرآن نے اجتماعی سیاست کے تناظر میں تدبیر منزل کے اساسی قوانین بدرجہ اتم و اوفر دیئے تھے۔ مسلمان اپنی فہم و فراست کے لحاظ سے ایک مصیبت میں پڑ گئے اور وہ یہ کہ انہوں نے وحی کو قرآن میں منحصر نہیں سمجھا اور قرآن کی متابعت رسول پر لازمی اور ضروری نہیں گردانی اور وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ پیغامبر جس چیز پر عمل کرتے تھے وہ قرآن سے مستنبط اور مستخرج تھی [یعنی وہ قرآن سے استخراج کرتے تھے]۔ اسی وجہ سے کہ مسلمانوں نے وحی کو قرآن میں منحصر نہیں سمجھا ان کے افکار، خیالات اور علوم میں انتشار اور لامرکزیت پیدا ہوگئی۔ جب بھی وہ کوئی روایت دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور اس کو اپنی آخری سند سمجھ لیتے ہیں" (الہام الرحمٰن: ج۱ ص۲۶۶) ۴

احادیث قرآن کے حواشی ہیں، جو لوگ حدیث کو قرآن کی طرح مانتے ہیں وہ تحریف میں مبتلا ہیں۔ ملاحظہ کیجئے:

"تمام مسلمانوں کے نزدیک اصل دین صرف قرآن ہے، احادیث قرآن کے لئے حواشی اور شرح کے درجے میں ہیں۔

اسی طرح منطق، صرف، علم معانی، بیان، اصول فقہ اور حدیث سب کے سب وسائل اور ذرائع قرآن ہیں۔ مگر مسلمانوں نے ان چیزوں کو مقصد بنا لیا ہے اور قرآن کو چھوڑ دیا، البتہ ایک گروہ جو تعداد میں بہت کم ''شاہ ولی اللہؒ'' کے متبعین [فکری] ہیں صرف وہ اس مرض سے مستثنیٰ ہیں اور مرض کتمانِ حق اور تلبیس حق بالباطل ہے۔'' (الہام الرحمٰن: ج۱ص۱۰۲) ۵

فکریوں کے ہاں تورات وانجیل کتب احادیث کے مساوی ہیں، ملاحظہ کیجئے:

''ہم نے بڑی محنت سے طرفین [مسلمانوں اور یہود ونصاریٰ] کی کتابوں کا مطالعہ کیا، آخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ کتب مقدسہ کے ترجمے جو ہمارے شہروں میں ہیں وہ بمنزلہ ہماری احادیث کی کتابوں کے ہیں۔'' (الہام الرحمٰن: ج۱ص۴۳۴) ۶

وہ مزید لکھتے ہیں:

''لیکن اس کے برعکس جو وحی بقول ان کے احادیث میں صورت پذیر ہوئی اس کی ان اہل علم کے نزدیک بھی نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتابت ہوئی اور نہ اس کے بیان اور نقل میں تواتر قائم رہ سکا۔ الغرض اگر حدیث کو ان اہل علم کے دعوے کے مطابق براہ راست مستقل وحی کا حاصل مان بھی لیا جائے تو اس حالت میں بھی اگر سابقہ کتب مقدسہ یعنی تورات و انجیل کو کتب حدیث کے درجے پر رکھا جائے تو یہ بات تسلیم کرنے میں ان کو تأمل نہیں ہونا چاہئے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہماری حدیث کی کتابوں میں بھی غیر صحیح روایات موجود ہیں؟ بالاتفاق سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ نیز ان کتب

حدیث میں ایک واقعہ کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔
پھر ہماری کتب حدیث میں بھی کاتبوں سے غلطیاں ہوتی رہیں
جن کو محققین علماء برابر درست کرتے رہے۔ ان باتوں کے پیش
نظر اگر انجیل کی چار کتابوں کو صحاح اربعہ یعنی صحیح بخاری، صحیح
مسلم، ابوداؤد اور ترمذی کے درجے پر مان لیا جائے تو ذرہ برابر
اختلاف نظر نہ آئے گا۔" (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ: ۱۰۴، ۱۰۵) ۷

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"اس طرح انبیاء کے حالات زندگی جمع کرنا پہلے زمانے میں
بھی رائج رہا ہے، اس سلسلے میں سطعات میں شاہ صاحب
تصریح کرتے ہیں کہ ایسی وحی جس کے الفاظ اور معانی دونوں
کے دونوں جس شکل میں کہ وہ نازل ہوئے تھے قطعی طور پر محفوظ
رہے ہوں کسی مذہب کی کتاب الٰہی میں سوائے چند ٹکڑوں کے
کہیں موجود نہیں ہے ..... پہلے ادیان کی ان کتب مقدسہ
کی مثال ہمارے ہاں کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم ایسی کتب
احادیث کی سمجھئے۔" (شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ: ۱۰۱) ۸

جبرئیل کا انکار

فکریوں کے ہاں جبرئیل کوئی فرشتہ نہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کا کلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے (جیسا کہ تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے) بلکہ ان کے ہاں یہ انبیاء کی قوتوں میں سے ایک قوت کا نام ہے چنانچہ وہ بعض علماء کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"جبرئیل جو انبیاء علیہم السلام کو نظر آتے ہیں اور خدا کی طرف
سے وحی لاتے ہیں، وہ حقیقت جبرئیلیہ ہے جو انبیاء کی قوتوں

میں سے ایک قوت کا نام ہے۔ یہی قوت صورت بن کر عالم مثال میں انبیاء کو محسوس ہوتی ہے اور خدا کی طرف سے قاصد بن کر پیغام لاتی ہے۔ تو انبیاء اپنے آپ ہی سے مستفید ہوتے ہیں نہ کسی اور سے، جو کچھ ان کو نظر آتا ہے وہی ہے جو ان کے خزانہ میں مخزون تھا۔'' (افادات: ۲۲۸) ۹

یعنی جبرئیل علیہ السلام کا کوئی خارجی وجود نہیں بلکہ یہ انبیاء علیہم السلام کی قوت کا نام ہے۔ آگے لکھتے ہیں:

''جبریل محمد در ذات محمد بود صلی اللہ علیہ وسلم وہم چنیں جبریل باہر پیغمبرے در ذات دے بود، وآں قوت باطنی ایشاں بود کہ درغلبۂ آں قوت وحی بر ایشا نازل می گردید، لہٰذا جبریل باہر پیغمبرے بزبان وے سخن گفتہ۔''

ترجمہ: ''محمد کا جبریل محمد کی ذات میں تھا اور اسی طرح ہر پیغمبر کا جبریل اس کی ذات میں ہوتا تھا، اور وہ (جبرئیل) ان کی باطنی قوت کا نام ہوتا تھا، چنانچہ اس قوت کا جب غلبہ ہوتا تو ان پر وحی نازل ہوتی، یہی وجہ ہے کہ ہر پیغمبر کا جبریل اس کی زبان میں اس کے ساتھ گفتگو کرتا تھا۔'' (افادات: ۲۲۸) ۱۰

واضح رہے کہ ملحدین مستشرقین نے انتہائی غور وفکر کے بعد یہ منصوبہ ترتیب دیا کہ مسلمانوں کو ملحد اور لادین بنانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ قرآن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کی کرشمہ سازی ثابت کیا جائے اور کسی طرح ان کے ذہن میں یہ بات اتاری جائے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ نہیں بلکہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کی ایجاد ہے، تاکہ مسلمانوں کے عقائد کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے، مستشرقین تو بحمد للہ اپنے اس منصوبے میں کامیاب نہ ہو سکے، لیکن خود کو

مسلمان کہلانے والے ایک گروہ نے ان کے مشن پر آغاز کر دیا ہے، جبرئیل کے انکار سے ابتداء ہو چکی دیکھئے انتہا کہاں ہوتی ہے؟

لادینی تصور کو اپنایا جائے

فکریوں کی محبوب شخصیت پروفیسر سرور صاحب لکھتے ہیں کہ لادینیت اپنائی جائے۔ ملاحظہ ہو:

''میں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں مذہب کا جو تصور نقش ہے اسے کھرچے بغیر نئی دنیا کی تعمیر میرے نزدیک ناممکن ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس تصور کو کیسے کھرچا جائے تو اس کی صورت کیا صرف یہی نہیں کہ لادینی تصور کو اپنایا جائے، اس کے بعد ہی کہیں ہمارے ذہنوں اور دماغوں سے ماضی کے تمام فرسودہ، جمود پسند اور ترقی دشمن اثرات نکل سکیں گے۔'' (افادات وملفوظات: ۲۲۳) (۱۱)

وقتی طور پر الحاد قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں

پروفیسر صاحب مذکورہ عبارت کے حاشیے پر اپنے اس نظریے کی تائید کے لئے شیخ فرید وجدی نامی کسی آدمی کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس بحث بحثی میں فرید وجدی نے ایک دفعہ یہ لکھا کہ مسلمانوں کے ہاں جمود، رجعت پسندی اور ماضی پرستی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اسے ختم کرنے اور ذہن وفکر کی بیداری و آزادی کے لئے وقتی طور پر الحاد قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ضرورت یہ

ہے کہ کسی طرح جمود کی زنجیریں ٹوٹیں۔"

(برحاشیہ افادات وملفوظات: ۲۲۳) ۱۲

پروفیسر سرور صاحب کے اشہب قلم کی سبک خرامی ملاحظہ کیجئے اور داد دیجئے کہ وہ کس طرح دوسروں کی آڑ لے کر پے در پے اسلام پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ یہ اہل فکر کا وہ انداز ہے جس کے ذریعے وہ معصوم مسلمانوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ طرفہ تماشا یہ کہ اس طرح کی عبارات پر جب ان کی گرفت کی جاتی ہے تو وہ یہ کہہ کر اپنے آپ کو بچا لیتے ہیں کہ یہ تو کسی اور کا کلام نقل کیا گیا ہے، اس میں اعتراض کی کونسی بات؟ حالانکہ اس طرح کی عبارات کی پھوٹ بنا کر معصوم ذہنوں میں اتارنا بھلا کس چیز کی عکاسی کرتا ہے؟ خصوصاً اس وقت جب انہیں اپنے "بیمار ذہن" سے اُگلے گئے نظریات کی تائید کے طور پر پیش کیا جائے! مذکورہ عبارات ہی کو لیجئے کہ پہلے گومگو والی کیفیت ظاہر کر کے "میں نے عرض کیا" سے ایک بات اچھالی گئی پھر اس کی تائید اس طرح کے ایک واقعہ سے کی کہ جس کا صحیح ہونا ضروری نہیں! "**من یضلله فلاهادی له**".

موجودہ اسلام کفر سے بھی بدتر ہے

"یہ گھروندے جو تم نے بنا رکھے ہیں اور انہیں تم فلک الافلاک سے بلند سمجھتے ہو، یہ گھروندے زمانہ کے ہاتھ سے اب بچ نہیں سکتے۔ تمہارا تمدن، تمہارا سماج، تمہارے افکار، تمہاری سیاست اور تمہاری معاشرت سب کھوکھلی ہو چکی ہے۔ تم اسے اسلامی تمدن کہتے ہو لیکن اس تمدن میں اسلام کا کہیں شائبہ بھی نہیں۔

تم مذہب کا نام لیتے ہو لیکن یہ مذہب محض تمہاری ہٹ دھرمی کا نام ہے۔ مسلمان بنتے ہو تو اسلام کو سمجھو۔ یہ اسلام جسے تم اسلام کہتے ہو یہ تو کفر سے بھی بدتر ہے۔"

(حالات، تعلیمات: ۳۷، ۳۸) ۱۳

اس ترقی یافتہ یورپ کو ہم ایک مصیبت میں مبتلا دیکھتے ہیں۔ یورپ کی جس قدر قومیں جمہوریت پسند ہیں۔ اور مشین کے استعمال سے دنیا پر برتری حاصل کر چکی ہیں۔ اگر ان کی پارلیمنٹ میں محافظین اور لبرل کی اکثریت ہے تو ان قوموں کو ایک خطرناک انقلاب ڈرا رہا ہے۔ ان کی پارلیمنٹ میں کاریگروں کا غلبہ ہو رہا ہے گا۔ چونکہ یہ کاریگر اور مزدور ایک طویل زمانہ سے کنزرویٹو اور لبرل کے ظلم کا شکار ہوتے رہے ہیں، اس لیے ان سے انتقام کا جذبہ مزدوروں میں پیدا ہونا ضروری ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جن ملکوں میں مشین پر کام کرنے والے انقلاب پیدا کریں گے۔ اس وقت اگر ملک کے کاشت کار بھی منظم ہو چکے ہوں تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔

اس لیے اس قسم کے انقلاب کا اثر پہلے درجے پر تو نہیں البتہ دوسرے یا تیسرے درجہ پر ہمارے ملک میں بھی آئے گا۔ اگرچہ ہم انقلاب کے ضمن میں آج پہلی صف میں کھڑے نہیں ہو سکتے۔ مگر دوسرے یا تیسرے دن ہم پر سب کچھ عائد ہو سکتا ہے۔ جو یورپ کی جمہوریت پسند اقوام پر آج وارد ہو گا۔

اس قدر جان لینے کے بعد ہماری رائے میں اب کوئی تذبذب نہیں رہا ہم "مکینکل ازم" کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ ورنہ مالی ترقی سے ہمارا ملک محروم ہو گا۔ اور وہ دوسروں کا اچھوت غلام بن کر رہ جائے گا۔ البتہ یورپین قوموں کے بے جو مصیبت آ رہی ہے اس سے ہم کسی قدر مامون ہیں۔

لیکن ایک ایسے انسان کے لیے جو مذہبی جماعتوں کی تائید کرتا ہے۔

یہی مصیبت ایک اور راستہ سے آتی ہے۔ سائنس کی ترقی کے ساتھ مذہبی فاؤن تو الگ رہا رہے سے خدا کا انکار بھی عام طور پر ضروری ہو گیا ہے۔ میں چونکہ مذہب کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لیے اس مشکل کا علاج برابر سوچتا رہا ہوں۔ مجھے اس سلسلہ میں مسئلہ وحدت الوجود کے سوا اور کوئی ذریعہ نہیں ملا جس سے کہ ایک سائنس دان کو خدا کے وجود کا یقین دلایا جا سکے۔

چونکہ یہ مسئلہ ہندو فلاسفی کا بھی اصل اصول ہے اسی لیے ہی امام ولی اللہ اسی کو بیان کر حکمت اور فلسفہ کا ایسا اسکول قائم کرتے ہیں جس سے تمام مذاہب اپنی تشنگی رفع کر سکتے ہیں۔ اس لیے میری مستقل رائے یہ ہے کہ

(۱) مادی ترقی کے لیے ہمیں یورپ کے لبرل ازم اور مکینکل ازم دونوں کو بخوشی قبول کر لینا چاہیے۔ جیسے ترکی وغیرہ ممالک میں ہو رہا ہے۔ میں اس مجموعہ کو یورپین ازم کہتا ہوں۔ جیسے کہ کمال پاشا نے اپنے دیباچوں کو استنبولیوں کے برابر بنا دیا۔ میں اسی طرح اپنے کاشت کاروں کو علی گڑھ سوسائٹی کے اعلیٰ درجہ پر لانا چاہتا ہوں۔

جب امیروں کی اولاد نے یورپین ازم سیکھا۔ تو گھر بیٹھ کر یورپ سے عیاشی کا سامان خرید لائے۔ نہ انہوں نے علم سیکھا نہ فن جس سے قوم میں ترقی پیدا ہوتی، ادنیٰ طبقہ اگر یورپین معاشرت اختیار کرے گا تو زیادہ کمائے گا اور اپنی کمائی خود کھائے گا۔ اگرچہ اعلیٰ طبقہ کو یہ امر ناپسند ہو گا۔ مگر اس انقلابی دور میں انہیں سب کچھ مان لینا چاہیے۔

(۲) روحانی یا مذہبی حفاظت کے لیے امام ولی اللہ کی فلاسفی پڑھانی چاہیے۔

انقلاب نہ تھا۔ ہم شکست کھا گئے اور ہمیں اس شکست کا کھلے دل سے اعتراف کر لینا چاہئے لیکن یہ شکست ہمارے تمدن اور نظام کی شکست ہے' ہمارے فکر کی شکست نہیں' اس فکر نے ایک زمانے میں وہ ڈھانچہ اختیار کیا' اب وہ ڈھانچہ ٹوٹ چکا ہے۔ جہاز ڈوبنے کے بعد محض اس خیال سے کہ کبھی یہ جہاز ہمارا تھا اور اس کے بل پر ہم سمندر کے سینہ پر دوڑتے پھرتے تھے۔ جہاز کے تختوں سے چمٹے رہنا دانشمندوں کا طریقہ نہیں۔ جہاز ڈوب گیا۔ ہم نے بس بھر کوشش کی کہ وہ نہ ڈوبے۔ ہمارے ساتھیوں نے تو اس جہاز کو بچانے کے لئے اپنی جان تک دینے میں بھی دریغ نہ کیا اور آخر وقت تک اس کی خاطر سمندر کی موجوں اور آندھیوں کے جھکڑوں سے لڑتے رہے۔ لیکن اب جب کہ یہ جہاز سمندر کے نیچے جا چکا ہے اور اس کے ترآنے کی امید موہوم تک باقی نہیں رہی۔ اس جہاز پر آنسو بہاتے رہنا' فہم و فراست کے دیوالئے پن کے مترادف ہے' عقل اور ہمت تو یہ تقاضا کرتی ہے کہ جس طرح ہم نے پہلے جہاز بنایا تھا' اب ایک دوسرا جہاز بنا کر کھڑا کر لیں۔ لیکن جب بھی ہم نیا جہاز بنائیں گے تو ظاہر ہے اس کے بنانے میں پچھلے جہاز کے فن' مہارت اور نمونہ سے بڑی مدد لی جائے گی۔

القصہ ہمارا تمدن' ہمارا نظام زندگی اور ہمارا قانون جو ہم نے ابھی اس سیلاب کی نذر کیا ہے اب بجنسہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے۔ ان کی حیثیت اب ایک تاریخی واقعہ کی ہے لیکن اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ایک عرصہ تک ہماری قومی اور ملی شخصیت نے اپنے وجود کو ان مظاہر میں جلوہ گر کیا تھا اور یہ چیزیں ہمارے باطنی وجود کے لئے علامات سی بن گئی ہیں' اس لئے ان کا کلی انکار بھی کسی طرح ممکن نہیں۔ زندگی کا سلسلہ اٹوٹ ہے اور جس طرح پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے زندگی بھی ہمیشہ اپنا تسلسل قائم رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ قوم زندگی کے جن مراحل کو طے کر چکی ہوتی ہے' نیا نظام بشرطیکہ وہ صالح ہو' ان مراحل سے آگے کی طرف بلندی کی راہ دکھاتا ہے لیکن وہ ان مراحل سے کلیتہً انکار نہیں کرتا بلکہ ان کے برے اجزاء کو ضرور الگ

۴۲۵ حوالہ نمبر 3

مولانا کی رائے میں ہندوستانی مسلمانوں کے انتشار اور بے عملی کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اُن کا قومی وجود اپنے ماضی سے بالکل منقطع کر دیا گیا ہے۔ ہم خیالی باتوں کے پیچھے پڑ کر عملی دُنیا اور اس کے لوازمات سے بے خبر ہو گئے ہیں۔ ضرورت اب اس امر کی ہے کہ ہماری قومی تاریخ کا جہاں سلسلہ ٹوٹا تھا، اسے پھر از سرِ نو جوڑا جائے اور موجودہ زمانے کے تقاضوں کی مناسبت سے قومی فکر کی نئی تشکیل ہو۔

اس میں شک نہیں کہ اورنگ زیب کے بعد سے ہماری قومی تاریخ میں ایک بہت بڑا فصل پیدا ہو گیا۔ ہمارے سیاسی شیرازہ کے بکھرنے سے ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون بے کار ہو گئے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہم شکست کھا گئے۔ اگر ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون ناقص نہ ہوتے تو ہمارا سیاسی وجود کیوں بگڑتا۔ ظاہر ہے۔ اب تو زمانہ اور بھی بدل چکا ہے، اس لیے ہمارا تمدن، ہمارا فلسفہ اور ہمارا قانون اب بجنسہٖ نہیں چل سکتے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ہمارا فکر بھی ناکارہ ہو گیا ہے۔ اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے ایک دفعہ مولانا نے فرمایا:۔

"ہندوستان میں مسلمان آئے تو ہندو قوم کی حکومت تھی۔ ہندوؤں کا اپنا قانون تھا۔ اور اُن کا اپنا ایک خاص فلسفہ تھا۔ ہندوؤں کی حکومت گئی۔ حکومت کے ساتھ ان کا قانون بھی رخصت ہوا لیکن فلسفہ باقی رہا۔ اس ہندو فلسفہ کا باہر کی انقلابی قوت سے تصادم ہوا۔ یہ انقلابی قوت اسی قسم کے ایک فلسفہ (تصوف) اور ایک بین الاقوامی

وقد رأينا بعد ذلك جماعة من السياسيين بعد سقوط الدولة العثمانية قاموا بدعاية ان النبي صلى الله عليه وسلم لم يترك لنا نظاما للحكومة الاسلامية والمسلمون مختارون الآن[1] فخطر لي فكري ذلك ورأيت انهم لساءٌ وافي فهم تاريخ فقد ذكر القرآن اشباه من ادارة بعض العظماء في العالم فاذا جمعنا تلك الاشباه ونظمناها فانها تنتج لنا مثلاً اعلى لأعظم الدول واقوى الحكومات في العالم.

واسس قانون السياسة الاجتماعية في امور تدبير المنزل على اكمل قانون واوفر اتقان — ولكن البلاء الذي وقع فيه المسلمون في تدبرهم هو انهم ما حصروا الوحي في القرآن[2]. وما جعلوا اتباع هذا الكتاب فرضا على النبي وما فهموا ان كل ما عمل به النبي عليه السلام انما كان مستنبطا من القرآن او مستخرجا منه[3] فحدث في علمهم الفوضوية فانهم كلما رأوا رواية ثابتة او ضعيفة جعلوها آخر مستند اتهم في امورهم.

وقد نبه الامام ولي الله على كون هذا النحو من الفكر غلطا ويقول انه تتبع الاحاديث الواردة في ابواب الصلاة فوجدها كلها مستنبطة من القرآن ولكن طريقة استنباط النبي غير طريقة استنباط امته. وقد ذكر امثلة لتلك الاستنباطات في بعض كتبه.

[1] اي مختارون في مصالحهم ١٢ — [2] الوحي محصور في القرآن فقط بدليل قول عائشة لو راى رسول الله ما احدثته النساء الحديث مع ملاحظة قوله تعالى وما كان ربك نسيا، و حديث قصة تأبير النخل وقوله انما انا بشر. وحديث زيد بن ثابت حين دخل عليه نفر فقالوا حدثنا بحديث رسول الله وقوله لهم كنا اذا ذكرنا الطعام ذكره معنا واذا ذكرنا الدنيا ذكرها معنا الحديث ونهى ابن بكر وعمر عن كثرة رواية الحديث. وقول سفيان الثوري لو كان في الحديث خير لذهب كما ذهب الخير الى غير ذلك وهنا جماعة يردون قول من يقول الحديث من الوحي ١٢ — [3] وممن قال ان الاحاديث مستنبطة من القرآن الامام الشافعي كما في مقدمة تفسير ابن كثير ومن علمائنا الامام ابوبكر الرازي الجصاص الحنفي في احكامه في مواضع كثيرة والامام ولي الله الدهلوي في الخير الكثير. وكتبه محمد نور رحمه

التغلب عليهم ولكن الناس نسوا ذلك وجعلوه كالفرض والواجب.

يمثل أساس الدين عند جميع المسلمين هو القرآن والأحاديث الشريفة والحواشي له وكذلك المنطق والنحو والصرف والمعاني والبديع والبيان وغيرها كأصول الفقه والحديث كلها وسائل وذرائع الى الوصول الى القرآن ولكن الناس جعلوا هذه الأشياء كلها مقصودة بالذات وتركوا القرآن الا قليلة من اتباع الامام ولي الله. وهذا كتمان للحق ولبسه بالباطل. وقد كانت اليهود في عهد النبي صلى الله عليه وسلم على هذه الصفة.

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرّٰكِعِينَ ﴿٤٣﴾

الأنبياء عليهم السلام يأتون بشرائع وقوانين للحصول على مقاصد الدين ويكون أساسها شيئين. الأول اقامة الصلوة لتأمين التوجه الى حظيرة القدس من كل فرد والتدبر في الكتاب المنزل اليهم.

الأساس الثاني هو ايتاء الزكوة ومقصده الاشتراك في الارتفاقات الضرورية فان كل رجل لديه مال فاضل عن حاجاته يجب عليه ان ينفق من ذلك المال على المحتاجين ويباشر بهذين الأصلين وتعميمها يصير محل الاجتماع معينا.

المساجد والكنائس يصطف الناس فيها صفوفا لأداء الفرائض

الامام ولي الله في فوز الكبير وبعد تفريغ اليهود وبالجملة ان شئت أن ترى انموذج اليهود فانظر الى علماء السوء من الذين يطلبون الدنيا وقد اعتادوا تقليد السلف واعرضوا عن فهوم الكتاب والسنة وتمسكوا بتفسق عام وتشدد متحسان وتعرضوا عن كلام الشارع المحروم وتمسكوا بأحاديث موضوعة وتأويلات فاسدة كانت سبب هلاكهم. راجع النور الكبير بعد طبع المنيرية بمصر ابو سعيد السندي

قولہ (۴۰) یسمعون الخ یعنی دین حق انسان کو اخذ بالصدق کی دعوت دیتا ہے۔ اکل حلال کی دعوت دیتا ہے۔ مگر وہ چند پراڑے ہوئے ہیں تیرے پاس فیصلہ کرانے آتے ہیں۔ ان کی غرض سوائے مسلمانوں میں فساد مچانے کے اور کوئی نہیں تو ان میں اخذ رشوات کی دعوت دیتا ہے۔ اور وہ تورات سے باطل معنی لیتے ہیں۔ حرام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے ساتھیوں کو وصیت کرتے ہیں کہ اس کے علاوہ اور مفہوم نہ لیں۔ پس ان پر فیصلہ کرنا اخذ بالحق کا موصل نہیں بلکہ امر مردود ہے ممکن ہے کہ ان میں کوئی آدمی ہو جو حق پہچانتا ہو۔ اس حالت کی نفی ان کے قبول تحاکم کی علامت نہیں۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔ فان جاءوک فاعرض عنہم (۴۲) میں ہے۔ اس تحاکم سے ان کی منشا اتباع حق نہیں۔ اگر یہ منشا ہوتی تو اتباع تورات کرتے اس کی طرف اشارہ کیف یحکمونک الخ میں ہے۔ بحقیقت تورات کا اثبات ہے نیز یہ کہ اس پر انبیائے ربانیون اور احبار نے عمل کیا ہے۔ ان میں کتاب تمتاز ہے۔ تینوں طبقات اس میں محفوظ ہیں۔ اس کے معانی جانتے ہیں اور فساد ترک تورات سے پیدا ہوا۔ اس کی طرف اشارہ انا انزلنا التوراۃ الخ میں ہے۔

تنبیہ:۔ مناظرین متکلمین کے طفیل مسلمانوں میں مشہور ہے کہ تورات اہل کتاب کے پاس محفوظ نہیں۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے بہت جھگڑے سے کام لیا۔ ملحدوں اور ناقدین کی باتوں سے مدد لی۔ اس میں ایک قسم کا فائدہ بھی ہے۔ مگر سچ یہ ہے مسلمان ہمارے ملک میں معتزلین پر غالب آگئے۔ جب ان کی سلطنت ختم ہوگئی تو ایسا ہوا مگر ساتھ ساتھ اس سے نقصان عظیم بھی حاصل ہوا۔ ملحدوں سے احتراز جیسے تورات کے معاملہ میں ضروری ہے۔ قرآن کے بارہ میں بھی ضروری ہے۔ نوجوانوں کو جب معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے ملحدوں کے کلام سے تورات کے رد کرنے کے لئے تعلق و التزام پیدا کر لیا ہے تو ملحدوں کی کتابوں کا رد بھی ہونے لگا۔ مگر الحاد کے جراثیم سے جوانوں کے دل زیادہ خراب ہوئے۔ ہم نے بڑی محنت سے طرفین کی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ آخر کار اس نتیجہ پر پہنچے کہ کتب مقدسہ کے ترجمے جو ہمارے شہروں میں ہیں بمنزلہ ہماری احادیث کی کتابوں کے ہیں ان میں صحیح و غلط دونوں ہیں لیکن تصحیح ممکن ہے۔ اور غلط الگ کیا جا سکتا ہے۔ مگر اسکے لئے فہم کتب کا ملکہ ہونا چاہیئے۔ جیسے کہ علمائے حدیث نے صحاح ستہ سے تمیز اغلاط کی ہے۔ یہ بات عام کتب احادیث کے بارے میں ہے لیکن ام الکتب موطا مالک، اس کی حدیثیں محفوظ ہیں۔ اور اکثر اہل حق میں معمول ہیں۔ عام مسلمانوں کی

شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے

شمس الرحمٰن محسنی بی۔ اے

ناشر
ایچ۔ وائی پرنٹرز، لاہور
اُردو بازار

طرف ہے۔ مگر اہلِ علم کی ایک جماعت ہے جو اس آیت کو صرف قرآن سے مخصوص نہیں مانتی۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اقوال کو ایک طرح کی وحی ثابت کرنے پر زور دیتی ہے۔ اس کے نزدیک: وما ینطق عن الھوی: صرف قرآن کی نقل کرنے پر محدود نہیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول: ما ھو الا وحی یوحی: میں وحی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کے نزدیک حدیث کی اصل بھی وحی ہی سے ثابت ہے۔ ان کے خیال میں قرآن اور حدیث میں اگر فرق ہے تو فقط الفاظ کا۔ قرآن کے الفاظ وحی سے معین ہیں۔ اور حدیث کے الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے طبعی ملکہ کا نتیجہ ہیں۔ لیکن جہاں تک دونوں کے معانی کا تعلق ہے، ان کے نزدیک وہ سب کے سب وحی ہیں۔

قرآن اور حدیث میں الفاظ کے اس فرق کے علاوہ اہلِ علم کی یہ جماعت ایک اور فرق کو بھی مانتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک تو قرآن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک مصحف میں لکھ کر محفوظ کر دیا گیا۔ دوسرے اس کی روایت اور نقل میں اس قدر تواتر ہے کہ اس کی کسی آیت میں ادنیٰ سے ردوبدل کا بھی شائبہ ممکن نہیں۔ لیکن اس کے برعکس جو وحی بقول ان کے احادیث میں صورت پذیر ہوئی، اس کی ان اہلِ علم کے نزدیک بھی نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتابت ہوئی۔ اور نہ اس کے بیان اور نقل میں تواتر قائم رہ سکا۔ الغرض اگر حدیث کو ان اہلِ علم کے دعوے کے مطابق براہِ راست مستقل وحی کا حاصل مان بھی لیا جائے تو اس حالت میں بھی اگر سابقہ کتبِ مقدسہ یعنی تورات اور انجیل کو کتبِ حدیث کے درجہ پر رکھا جائے تو یہ بات تسلیم کرنے میں ان کو تامل نہیں ہونا چاہیئے۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہماری حدیث کی کتابوں

میں بھی غیر صحیح روایات موجود ہیں۔ بالاتفاق سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ نیز ان کتبِ حدیث میں ایک واقعہ کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ پھر ہماری کتبِ حدیث میں بھی کاتبوں سے غلطیاں ہوتی رہیں۔ جن کو محققین علماء برابر درست کرتے رہتے۔ ان باتوں کے پیشِ نظر اگر انجیل کی چار کتابوں کو صحاح اربعہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، ابوداؤد اور ترمذی کے درجہ پر مان لیا جائے تو ذرا برابر اختلاف نظر نہ آئے گا۔

ایک عرصہ ہوا میری نظر سے مسٹر ہنری اسکاٹ کی شرح انجیل اردو میں گزری تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس میں انجیل کی چار کتابوں کے باہمی اختلافات کو اسی طرح جمع کرنے اور ان میں سے کسی ایک روایت کو دوسری روایتوں پر ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے جیسے ہم کتبِ حدیث کی مختلف روایتوں میں جمع کرتے ہیں۔ اس دلیل سے سابقہ کتبِ مقدسہ کے متعلق تحریف کا وہ الزام جو عموماً ہم تورات اور انجیل کے سلسلے میں اہلِ کتاب پر عاید کرتے ہیں۔ اور جسے مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی نے اپنی کتاب "اظہار الحق" میں بڑے شد و مد سے ثابت کیا تھا، میری نظروں میں کمزور ہوتا چلا گیا۔ اور امام بخاری شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ولی اللہ ایسے محقق عالموں کی تحقیق، جو تورات میں تحریف کا انکار کرتے ہیں، میری سمجھ میں آنے لگی لیکن اس ضمن میں جب تک ہم سابقہ کتبِ مقدسہ کو کتبِ حدیث کے درجہ پر نہ مانیں، یہ مسئلہ صاف نہیں ہوتا۔ جب میں نے امام ولی اللہ کی کتاب "سطعات" میں اس مضمون کو صراحتاً مذکور پایا تو اطمینان کا سانس لیا۔

کتبِ حدیث کے طبقات

حدیث کی کتابیں دو طرح پر مرتب کی گئی ہیں۔ پہلی قسم تو وہ ہے، جس

قصہ مختصر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن عظیم سے خود سمجھ کر جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے ہے، یا مستقل وحی سے اخذ کر کے جیسا کہ عام اہل علم کہتے ہیں، قرآن کی تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے ایک مفصل نظام مرتب فرمایا۔ اس نظام کی تفصیلات کو جسے ہم سنت کہتے ہیں علمائے حدیث نے بڑی محنتوں کے بعد دو سو برس کے عرصے میں احادیث کی کتابوں میں جمع کر دیا۔ اس طرح

انبیاء کے حالات زندگی جمع کرنا پہلے زمانے میں بھی رائج رہا ہے۔ اس سلسلے میں سطعات میں شاہ صاحب تصریح کرتے ہیں کہ ایسی وحی جس کے الفاظ اور معانی دونوں کے دونوں جس شکل میں کہ وہ نازل ہوئے تھے، قطعی طور پر محفوظ رہے ہوں کسی مذہب کی کتاب الٰہی میں سوائے چند ٹکڑوں کے کہیں موجود نہیں ہے

عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ اس مذہب کے علماء اور ائمہ خود اپنے اجتہاد سے کتب الٰہی کو جمع کرتے تھے۔ ان میں نبی کی سیرت اور اس کے اقوال ہوتے۔ نیز ان کتابوں کے ضمن میں وہ باتیں آجاتی تھیں، جو برائے راست لفظاً اور معناً وحی کی صورت میں اس نبی پر نازل ہوتیں۔ اس کی مثال میں تورات کے دس احکام اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض خطبے پیش کئے جاسکتے ہیں۔ وحی کے ان ٹکڑوں کے ساتھ ساتھ مذکورہ بالا کتابوں میں وہ چیزیں بھی آجاتی تھیں، جن کو نبی اپنے اجتہاد سے لوگوں کو تعلیم دیتا تھا۔ اور یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ اگر نبی کے اجتہاد پر اللہ کی جانب سے گرفت نہ ہو، تو نبی کا یہ اجتہاد حکماً وحی سمجھا جائے گا۔ پہلے ادیان کی ان کتب مقدسہ کی مثال ہمارے ہاں کی صحیح بخاری اور صحیح مسلم ایسی کتب احادیث کی سمجھئے۔

---

۵ سطعات صفحہ ۱۴

اور سب اُسے آپؐ کی زبان سے ادا ہوتا دیکھتے اور اُس کو سنتے تھے اب یہ کہنا کہ وہ رسول اللہ کا کلام نہیں، اللہ کا کلام ہے۔ عقلاً کیسے مانا جا سکتا ہے جب کہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔

مولانا سندھی اس وقت بڑی پُرسکون کیفیت میں تھے اور جسے تصوف کی اصطلاح میں بسط کہتے ہیں، وہ اس وقت ان کی کیفیت تھی۔ انہوں نے اکبر صاحب کا سوال سُنا اور اسی طمانیت و سکون کے ساتھ جس کیفیت میں کہ وہ اس وقت تھے بڑی ملائمت اور آہستگی سے فرمایا کہ جب رسولؐ کی زبان سے قرآن ادا ہو رہا تھا، اللہ آپ کے اندر تھا۔ اکبر صاحب نے مولانا کی بات سنتے ہی کہا کہ حضرت! میں سمجھ گیا۔

یہاں دو اقتباسات دیئے جاتے ہیں۔ مولانا شبلی نے "سوانح مولانا روم" میں مولانا عبدالعلی بحرالعلوم کا یہ قول نقل کیا ہے:۔

پس جبرئیل کہ مشہور رسل علیہم السلام است وحی از جانب حق سبحانہ می رساند آں حقیقت جبرئیلیہ است کہ قوتے از قوائے رسل بود متصور شدہ در عالم مثال بہ صورتے کہ کنون بود در رسل مشہود می شود و مرسل می گردد و پیغام حق می رساند۔ پس رسل مستفیض از خود اند نہ از دیگرے۔ پس ہر چہ کہ رسل مشاہدہ می کنند مخزون در خزانۂ جناب ایشاں بود۔

(تو جبرئیل جو انبیاء علیہم السلام کو نظر آتے ہیں اور خدا کی طرف سے وحی لاتے ہیں، وہ حقیقت جبرئیلیہ ہے جو انبیاء کی قوتوں میں سے ایک قوت کا نام ہے۔ یہی قوت صورت بن کر عالم مثال میں انبیاء کو محسوس ہوتی ہے اور خدا کی طرف سے قاصد بن کر پیغام لاتی ہے۔ سو انبیاء اپنے آپ ہی سے مستفید ہوتے ہیں نہ کسی اور سے جو کچھ ان کو نظر آتا ہے، وہی ہے، جو ان کے خزانہ میں مخزون تھا۔ صد ۱۱۱)

شاہجہان کے دور میں الہ آباد میں ایک بزرگ شیخ محب اللہ تھے۔ انہوں نے اپنے رسالہ تسویہ میں لکھا ہے:۔

جبرئیل محمدؐ در ذات، محمد بود صلی اللہ علیہ وسلم و ہمچنیں جبریل باہر پیغمبر سے در ذات دے بود و آں قوت باطنی ایشاں بود کہ در غلبۂ آں قوت وحی بر ایشاں نازل می گردید لہذا جبریل باہر پیغمبرے بزبان دے سخن گفتہ۔

شاہ صاحب کی تصنیف حجۃ اللہ البالغہ جلد دوم "المقامات والاحوال" میں ہے۔

اس کے بعد مولانا نے اپنی گزرتی ہوئی زندگی کے بعض حالات سنائے انہیں کتاب میں کسی اور جگہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔

دین اور لادینیت پر باتیں ہو رہی تھیں۔ مولانا سندھی کا اصرار تھا کہ میں مزدور کاشتکار اور محروم و مظلوم طبقوں کی سیاست کو لادینی نہیں بننے دوں گا۔ میں ان کے انقلاب کو دین کے دائرہ کے اندر رکھوں گا۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم لوگوں کے دلوں اور دماغوں میں مذہب کا جو تصور نقش ہے، اُسے کھرچے بغیر نئی دنیا کی تعمیر میرے نزدیک ناممکن ہے۔[1] سوال یہ ہے کہ اس تصور کو کیسے کھرچا جائے۔ تو اس کی صورت کیا صرف یہی نہیں کہ لادینی تصور کو اپنایا جائے۔ اس کے بعد ہی کہیں ہمارے ذہنوں اور دماغوں سے ماضی کے تمام فرسودہ جمود پسند اور ترقی دشمن اثرات نکل سکیں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ دین جسے تم دین کہتے ہو اور لادینی جسے تم لادینی کا نام دیتے ہو، یہ اصطلاحات تمہاری اپنی ہیں۔ آج کے مسلمان جس دین کو مانتے ہیں اور اسے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں، میرے نزدیک وہ دین نہیں، وہ ان کا اپنا خاندانی اثاثہ اور باپ دادا کا ترکہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کو اپنے ماں باپ کی چیز سے محبت ہوتی ہے۔ اس لیے اس محبت کو اسلام سے محبت کا نام دینا ٹھیک نہیں۔ یہ محبت اسلام کے اصولوں سے نہیں اپنے مفادات سے ہوتی ہے۔

---

[1] راقم الحروف کے قاہرہ کے زمانۂ قیام میں روزنامہ "الاہرام" کے صفحات پر فرید وجدی اور ایک صوفی شیخ تفتازانی کے درمیان ترکی میں کمالی اصلاحات کے مسئلے پر ایک زبردست قلمی جنگ ہوئی۔ فرید وجدی ان اصلاحات کی تائید کرتے تھے یہاں تک کہ ترکی زبان میں اذان دینے اور ترکی زبان میں نماز ادا کرنے کے جواز کی تائید میں بھی موصوف نے بہت سی بھونڈی دلیلیں دیں۔ شیخ تفتازانی کمالی اصلاحات کے سخت مخالف تھے۔ اس بحث کے دوران میں فرید وجدی نے ایک دفعہ یہ لکھا کہ مسلمانوں کے ہاں جمود، رجعت پسندی اور ماضی پرستی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ اسے ختم کرنے اور ذہن و فکر کی بیداری و آزادی کے لیے وقتی طور پر الحاد کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ کسی طرح جمود کی زنجیریں ٹوٹیں۔

حوالہ نمبر 13

۳۷

تھی۔ ان افکار و خیالات سے صرف مولانا کے اہلِ وطن ہی فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ اس لیے جب انھیں واپس آنے کا موقع ملا تو انھوں نے حکومت کی وہ تمام قیود و شرائط مان لیں جن کو مانے بغیر ان کا ہندوستان آنا مشکل تھا۔ مولانا زندگی کے آخری دنوں میں صرف اسی غرض سے وطن آئے ہیں کہ اپنے اہلِ وطن کے سامنے اپنے چوبیس برس کے تجربات کا حاصل پیش کریں۔

۱۰ مارچ ۱۹۳۱ء کو مولانا کراچی کے ساحل پر اترے اور آپ نے اترتے ہی اپنے خیالات کی اشاعت شروع کر دی۔ مولانا نئے عزم و استقلال کے ساتھ اپنے وطن لوٹے ہیں۔ چوبیس برس کا جلاوطنی کا زمانہ جو بقول اُن کے پیہم خطرات کا سامنا کرتے گزرا اور اس طویل مدت میں شاید ہی ان کی ایک رات کبھی اطمینان سے کٹی ہو۔ مولانا بے تاب ہیں کہ اس طویل مدت میں جو جو باتیں ابھر ابھر کر ان کے دل کے اندر ہی اندر دبی رہیں۔ انھیں بے محابا کھلے بندوں سب کو سنائیں۔ مولانا کی یہ باتیں بعض لوگوں کو بڑی تلخ گزرتی ہیں لیکن وہ جانتے نہیں کہ مولانا نے جو حقائق دیکھے ہیں وہ کتنے تلخ ہیں اور ان تلخ حقائق کا جاننا ہندوستان والوں کے لیے کتنا ضروری ہے۔

مولانا کہتے ہیں کہ یہ گھروندے جو تم نے بنا رکھے ہیں اور انھیں تم فلک الافلاک سے بلند سمجھتے ہو، یہ گھروندے زمانہ کے ہاتھ سے اب بچ نہیں سکتے۔ تمھارا تمدن، تمھارا سماج، تمھارے افکار، تمھاری سیاست اور تمھاری معاشرت سب کھوکھلی ہو چکی ہے۔ تم اسے اسلامی تمدن کہتے ہو۔ لیکن اس تمدن میں اسلام کا کہیں شائبہ بھی نہیں۔ تم مذہب کا نام لیتے ہو لیکن یہ مذہب محض تمھاری ہٹ دھرمی کا

نام ہے۔ مسلمان بنتے ہو تو اسلام کو سمجھو۔ یہ اسلام جسے تم اسلام کہتے ہو یہ تو کفر سے بھی بدتر ہے۔ تمھارے امیر جاہ پرست ہیں۔ حکمران شہوات میں پڑے ہیں اور غریب طبقے توہمات کا شکار ہو رہے ہیں۔ بدلو۔ ورنہ زمانہ تمھارا نشان تک بھی نہ چھوڑے گا۔ سنبھلو، ورنہ مٹا دیے جاؤ گے۔

مولانا جو کچھ کہتے ہیں۔ یہ اُن کے محض نظریے نہیں ہیں۔ انھوں نے "مقدس سماجوں" خدائی نظاموں اور الٰہی حکومتوں کو ٹوٹتے دیکھا ہے اور ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ سماج، نظام اور حکومتیں مقدس اور الٰہی نہ تھیں۔ ان ناموں سے لوگوں نے اللہ کی خلق کو لوٹا اور اپنے شخصی اقتدار کے لیے مذہب کی آڑ لی۔ سلطان عبدالحمید "ظل اللہ" کہلواتا تھا معزول ہوا اور آج اس کا خاندان دربدر پھر رہا ہے۔ امیر حبیب اللہ خاں اپنے ہی وطن والوں کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ زار کا جو انجام ہوا سب جانتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہندوستان والے اب تک شیشے کے گھروں میں بند ہیں۔ اس لیے یہاں "مقدس" "خدائی" اور الٰہی القاب سے خلق خدا کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ لیکن اب زمانہ بدل چکا ہے۔ انقلاب کی گھڑی قریب آگئی ہے۔ ان ناموں سے دنیا کو دھوکا نہ دو۔ نفس پرستی کو خدا پرستی نہ کہو۔ تمھارا یہ کھوکھلا سماج اور بے روح تمدن چند دن کا مہمان ہے۔ اس کو خود بدل لو تو بہتر ہے۔ ورنہ زمانہ کا دریا اسے بدل دے گا۔ اور اس وقت تم کہیں نظر نہ آؤ گے۔ مولانا کی ان باتوں سے اکثر لوگ سیخ پا ہو جاتے ہیں اور ان کو برا بھلا کہنے سے بھی نہیں جھجکتے۔ یہ لوگ جانتے نہیں کہ ان کے ارد گرد، دور و نزدیک کتنے بڑے بڑے طوفان اٹھ رہے ہیں۔ جن کے سامنے طوفانِ نوح کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ مولانا کی درس

تضادات فکریت

اس حقیقت میں کوئی کلام نہیں کہ کسی کے خیالات ونظریات کے غیر معیاری اور نا قابل اعتماد ہونے کی ایک بڑی دلیل وہ اختلاف اور تضاد بھی ہوتا ہے جو ان نظریات میں پایا جاتا ہے۔ یہ چیز جہاں ان متضاد نظریات کے کھوکھلے پن کو ظاہر کرتی ہے وہاں اس سے صاحب نظریہ کی فکری الجھن بھی واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ راہ حق سے ہٹ کر فکری الجھنوں کا خار دار صحرا بڑا وسیع ہے۔ انسان جب ایک بار اس میں بھٹکنے لگتا ہے تو وہ ان گھپ اندھیریوں میں ہر سمت ٹامک ٹوئیاں مارتا پھرتا ہے، لیکن منزل کی ڈوری کبھی ہاتھ نہیں آتی۔ اس طرح کے بھٹکے اور الجھے مفکرین کے افکار تضادات کا ملغوبہ ہوتے ہیں۔ قرآن پاک کے "منزل من اللّٰہ" ہونے اور اس کی حقانیت کی ایک دلیل اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ اس میں تضاد اور اختلاف نہیں ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ولو کان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرًا﴾ ظاہر ہے کہ کوئی شخص کسی وقت ایک بات کہہ دے اور پھر دوسرے موقع پر اس کے بالکل برعکس دوسری بات کرے اور دونوں میں تطبیق ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں سوائے اس بات کے مردود اور نا قابل اعتبار ہونے کے اور کیا تصور قائم کیا جا سکتا ہے؟

فکریوں کے "بیمار ذہن" کی جہاں اور غلط بیانیاں، کج رویاں اور کج فکریاں ہیں وہاں ان کے نظریات اور بیانات میں دہشت انگیز، حیرت انگیز حد تک تضاد اور تناقض بھی پایا جاتا ہے، چنانچہ ہم نے ان کی وہ کتابیں جو ان کے ہاں داخل نصاب ہیں یا ان کے نصاب کے لئے بنیادی مآخذ و مراجع کی حیثیت رکھتی ہیں، مطالعہ کیں تو

ہمیں بہت سارے ایسے تضادات نظر آئے جو کسی طور پر بھی قابل فہم وتسامح نہیں اور بے شمار مقامات پر تو اتنے سنگین تضادات ہیں کہ جنہیں پڑھ کر ایک عجیب سی کشمکش سے گزرنا پڑتا ہے۔

دین کو بازیچۂ اطفال سمجھ کر اس کی من مانی اور دلپسند تفہیم وتشریح کے نام سے اس کے ساتھ جو سلوک روا رکھے جانے کی نوبت رہی ہے اس کے پیش نظر فکریوں سے کوئی مستبعد نہیں ہے کہ وہ ایک ہی چیز کو بیک وقت سیاہ وسفید کہنے میں کوئی جھجک محسوس کریں، خصوصاً اس میدان میں اس طبقہ کے اشہب خیال کو کچھ زیادہ چھوٹ ملی ہوئی معلوم ہوتی ہے اور ان کی قلابازیوں کی فہرست نہایت طویل ہے۔

تضادات تلاش کرنا اس لحاظ سے کافی مشکل کام ہے کہ ایک تو پڑھی گئی ہر بات کو ذہن میں محفوظ کرنا ہوتا ہے اور دوسرا اس کے لئے متعلقہ تمام کتب کا مکمل مطالعہ کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے بالاستیعاب تو ایسا نہ ہو سکا، البتہ ہم یہاں تحقیق کرنے والے کو رخ دے رہے ہیں کہ اہل فکر کے سچ اور جھوٹ، کھرا اور کھوٹا پہچاننے کا ایک پہلو یہ بھی ہے، مزید یہ کہ فکری لوگ جو اپنی نسبت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں، اس دعوے میں کتنی صداقت ہے؟ جو ان کی کتب کو اچھی طرح کھنگال لے وہ اس حقیقت کو بے نقاب کر سکتا ہے۔ سردست ان کی کتب سے چند ایک تضادات یہاں نقل کئے جاتے ہیں جنہیں پڑھ کر تھوڑی سی عقل وشعور رکھنے والا بھی یقیناً سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

۱

(۱) آدم سے پہلے بھی انسان تھے۔ (الہام الرحمٰن: ج۲ ص۴۱) ۱

(۲) آدم سے پہلے انسان نہیں تھے۔ (آدم انسان اول تھے)۔

(حالات، تعلیمات، سیاسی افکار: ۳۵۶) ۲

۲

(۱) قرون مشہود لہا بالخیر سے حضرت علی کا دور خارج ہے۔

(قرآنی شعور انقلاب:۵۰۱) ۳

(۲) خلافت راشدہ ابوبکر، عمر، عثمان، علی اور ان کے ساتھیوں سے عبارت ہے۔

(افادات، ملفوظات:۳۲۰) ۴

۳

(۱) قرآن کو عرب کی بدوی ذہنیت کا ترجمان کہنا سخت غلطی ہے۔

(حالات، تعلیمات، سیاسی افکار:۲۱۰) ۵

(۲) حدود وغیرہ ابتدائے اسلام کے بدوی معاشرت میں قانونی طور پر معین ہوئیں، یہ ابدی اور دائمی نہیں۔ (افادات:۲۹۱) ۶

۴

(۱) اشتراکیت نامکمل ہے، انسان محض معاشی حیوان نہیں۔

(حالات، تعلیمات، سیاسی افکار:۲۵۳) ۷

(۰) ہم اشتراکیت کے انتہا پسندانہ اقتصادی پروگرام کے قائل نہیں۔

(افادات ملفوظات:۱۰۹) ۸

(۲) اقتصادیات میں سوشلزم کو اپناؤ۔ (افادات:۱۲۱) ۹

(۰) یورپ [مشرقی یورپ کے اشتراکی ممالک] کے مادی و معاشی نظام کو اپنانا چاہئے ورنہ ہم ریت کے ذروں کی طرح ہوا میں اڑتے نظر آئیں گے۔

(حالات، تعلیمات:۱۳۶) ۱۰

(۰) مختصر ایہ کہ سوشلزم کو بروئے کار لایا جائے۔ (افادات وملفوظات:۱۴۸) ۱۱

۵

(۱) حکومت لادینی ہوگی (سرور راجیہ کا پروگرام)۔ (حالات، تعلیمات: ۴۴۳) ۱۲

(۲) کوئی ایسا نظام قبول نہیں کرتے جس میں مذہب کیلئے بالکل گنجائش نہ ہو۔

(حالات، تعلیمات: ۴۴۷) ۱۳

۶

(۱) عبادات ذرائع ہیں اصل مقصد انقلاب ہے۔ (المقام المحمود: ۲۳۷) ۱۴

(۲) اصل مقصد انبیاء کا یہ ہے کہ عبادات کی ضروری شکلوں کی تعلیم دیں۔

(برحاشیۂ قرآنی شعور انقلاب: ۶۷) ۱۵

۷

(۱) جو مسلمان نماز ادا کرے جماعت کے ساتھ کرے کیوں کہ "اِھدنا" کا تقاضا یہی ہے۔ (قرآنی شعور انقلاب: ۱۰۴) ۱۶

(۲) نماز با جماعت، مسجد میں لازماً جا کر نماز پڑھنے اور اس طرح کے دوسرے زوائد کا التزام اس [نوجوان] کے تمام وقت کو کھا جائیگا اور وہ کبھی دین کی حکمت اور اس کے اسرار کی طرف نہیں آئے گا۔ (افادات ملفوظات: ۴۵۸) ۱۷

۸

(۱) قرآنی سزائیں حدود وغیرہ ابدی نہیں۔ (حالات، تعلیمات: ۲۸۱) ۱۸

(۱) قرآن مجید میں جو تعزیراتی احکام ہیں یا حدیث وسنت میں بعض انتظامی، معاشرتی اور معاشی امور کی جس طرح تعیین اور تحدید کی گئی ہے، وہ ابدی اور غیر متبدل نہیں۔ (افادات، ملفوظات: ۱۲۴، ۱۲۵) ۱۹

(۲) قرآن حکیم غیر متبدل ہے۔ (قرآنی شعور انقلاب: ۱۴۵، ۳۱۱) ۲۰

۹

(۱) فرعون نجات پائے گا۔ (افادات ملفوظات: ۴۶۰) ۲۱

(۲) فرعون کے عذاب کو خلود (ہمیشگی) حاصل ہوگیا (قرآنی شعور انقلاب: ۵۶۶، ۵۶۵) ۲۲

۱۰

(۱) میں چاہتا ہوں کہ کاشت کار، مزدور وغیرہ لادینی نہ بنیں۔

(افادات ملفوظات: ۲۱۰) ۲۳

(۲) یورپی تہذیب وتمدن اپنانے میں مسلمانوں کا بھی فائدہ تھا، اس سے ان کی سماجی فرسودگی اور ذہنی جمود ختم ہوتا تھا۔ (افادات ملفوظات: ۴۱۰) ۲۴

۱۱

(۱) دیوبندی اسکول شاہ صاحب (امام الہند شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ) کے فکر پر مرتکز ہے۔ (شعور وآگہی: ۱۳۸) ۲۵

(۲) مدرسہ دیوبند جمود ورجعیت کا مرکز بن گیا ہے۔ (حالات تعلیمات: ۲۷۴) ۲۶

(۳) دیوبندیوں کی ساری متاع علمی فرسودہ قسم کے رائج الوقت درس نظامی پر منحصر ہے۔ (افادات ملفوظات: ۱۷۰) ۲۷

۱۲

(۱) پروفیسر سرور صاحب لکھتے ہیں:

”مولانا کی خدمت میں اتنا عرصہ رہنے کے باوجود میں نے کبھی مولانا سے اشتراکیت یا کمیونزم کی اس حیثیت سے کہ وہ اشتراکیت یا کمیونزم ہے، مذمت نہیں سنی۔“ (افادات، ملفوظات: ۳۰۳) ۲۸

(۲) سرور صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا اس تحریک کو نامکمل سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک انسان محض معاشی حیوان نہیں۔'' (حالات تعلیمات:۲۵۳) ۲۹

(۰) ہم اشتراکیت کے کسی انتہا پسندانہ پروگرام کے قائل نہیں۔

(افادات ملفوظات:۱۰۹) ۳۰

۱۳

① میرا یقین ہے کہ اسلام سے بہتر انسانیت کے لئے کوئی مذہب، کوئی فلسفہ، کوئی تمدن، کوئی قانون، میسر نہیں آ سکتا۔

(ذاتی ڈائری ص۹۲، بحوالہ عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد) ۳۱

② آج انسانی اجتماعیت سوشلزم کے بغیر منظم نہیں ہو سکتی، جو سوشلزم کو نہیں مانتا وہ مجھ سے نہیں۔ (افادات ملفوظات:۱۹۲) ۳۲

(۰) یورپی معاشرت اختیار کی جائے۔ (حالات تعلیمات:۴۶۵) ۳۳

۱۴

① قرآن میں کہیں کہیں جو احکام ہیں وہ دراصل ایک مثالی حیثیت رکھتے ہیں، ان احکام کو اپنی مخصوص شکل میں ابدی اور عالمگیر ماننا صحیح نہیں۔

(حالات، تعلیمات:۲۸۱) ۳۴

② چنانچہ آیات احکام کے سلسلے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اجتماعی طور پر عام نوع بنی انسان میں جو بداخلاقیاں اور بداعمالیاں ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں ان آیات کا سبب نزول ان کو سمجھنا چاہئے۔ یہاں کسی زمانے اور قوم کی تخصیص نہیں۔ عرب ہوں یا عجم، آج کا زمانہ ہو یا کوئی پہلے کا گزرا ہوا دور، جہاں بھی یہ خرابیاں پیدا ہوں گی قرآن کی ان آیات کا انطباق ان پر ہوگا۔

(شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ:۴۶) ۳۵

(۲) قرآن حکیم جو نظام لے کر آیا ہے وہ تمام اقوام کے لئے قیامت تک کافی ہے۔ (قرآنی شعور انقلاب: ۲۲۶) ۳۶

۱۵

(۱) ایک عرصہ ہوا میری نظر سے مسٹر ہنری اسکاٹ کی شرح انجیل اردو میں گزری تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس میں انجیل کی چار کتابوں کے باہمی اختلافات کو اسی طرح جمع کرنے اور ان میں سے کسی ایک روایت کو دوسری روایتوں پر ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے، جیسے ہم کتب حدیث کی مختلف روایتوں میں جمع کرتے ہیں۔ اس دن سے سابقہ کتب مقدسہ کے متعلق تحریف کا وہ الزام جو عموماً ہم تورات اور انجیل کے سلسلے میں اہل کتاب پر عائد کرتے ہیں اور جسے مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی نے اپنی کتاب ''اظہار الحق'' میں بڑے شد و مد کے ساتھ ثابت کیا تھا، میری نظروں میں کمزور ہوتا چلا گیا۔

(شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ: ۱۰۵) ۳۷

(۲) یہودی تورات میں لفظی و معنوی تحریف کرتے تھے۔ (عزم: ۱۷۱ ص ۱۵) ۳۸

۱۶

(۱) یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ ''میرے قدموں میں اٹھائے جائیں گے'' کے یہ معنی ہیں کہ وہ یوم حشر میں ان کے امام ہوں گے اور وہ ان کی شفاعت کے محتاج ہوں گے۔ (قرآنی شعور انقلاب: ۳۰۷) ۳۹

(۲) امت کے بخشوانے کا مسئلہ زیادہ تر مسیح علیہ السلام کے کفارہ کی نقل ہے اور یہ دوسری صدی کے بعد ہوا، جب مسلمان عیسائی قوموں سے ملے۔

(القام المحمود جزء عم: ۱۳۵، صفہ اکیڈمی) ۴۰

۱۷

(۱) ہمارا ایک عالم دین خواہ وہ مولانا مودودی صاحب جیسا کتنا ہی روشن خیال کیوں نہ ہو، صحیح معنوں میں ایک جمہوری حکومت کے قیام پر کبھی راضی ہو ہی نہیں سکتا اور تو اور غلام احمد پرویز جیسے صاحب قلم جو بہت سی مروجہ اعتقادی بندھنوں اور روایتی زنجیروں کو توڑ چکے ہیں اور آزاد ذہن کے ساتھ سوچتے اور دیکھتے ہیں لیکن ان کے پیش نظر بھی ایک اسلامی حکومت ہے جسے وہ ''قرآنی حکومت'' کا نام دیتے ہیں، تو وہ بھی جمہوری نظام کے شدید ترین مخالف ہیں اور وہ یہ برداشت کرنے کو تیار نہیں کہ ایک وطن میں رہنے والے لوگ بلا تمیز مذہب ایک جمہوری اور سیکولر حکومت بنا کر رہیں۔ (افادات:۱۶۶) [۴۱]

(۲) قرآن حکیم غالب کرنے کی کوشش کی جائے ورنہ سب کام (نماز روزہ وغیرہ) بے کار جائیں گے۔ (قرآنی شعور انقلاب:۴۷۶) [۴۲]

۱۸

(۱) یہ جو روایت ہے کہ مؤمن کچھ عرصہ دوزخ میں رہ کر اس سے نکل آئیں گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دوزخ کی سزاؤں سے ان کے نسمہ کی اصلاح وتہذیب ہو جائے گی اور ان کے نفس ناطقہ قابل بن جائیں گے نفس کلیہ سے پھوٹنے والے فیضان الٰہی قبول کرنے کے۔ (افادات، ملفوظات:۴۵۹) [۴۳]

(۲) یہود کہتے تھے کہ ''خواہ وہ کس قدر ہی گناہ گار کیوں نہ ہوں گے صرف چند روز ہی جہنم میں رہیں گے اس کے بعد جنت میں آئیں گے'' یہود کے اس خیال کی تردید کی جارہی ہے اور لطف یہ ہے کہ آج کل مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مسلمان گناہ گار چند دن جہنم میں رہنے کے بعد جنت میں منتقل کر

دیئے جائیں گے اور باقی امتیں جہنم میں رہیں گی۔ (القام المحمود: ۲۷۵، ۲۷۶) ۴۴

۱۹

(۱) تنظیم سلف کے اجماعی فیصلوں کو اپنے نظریہ کی بنیاد سمجھتی ہے۔ یہ پروپیگنڈہ کہ وہ دینی مدارس کے خلاف ہیں نہایت لغو اور بے ہودہ ہے۔ ہم نوجوانوں کی دینی شعوری تربیت کے میدان میں کام کر رہے ہیں۔

(عزم: ۱۷۷ص۸ ۲) ۴۵

(۲) تنظیم کے سرپرست اعلیٰ رائے پوری صاحب فرماتے ہیں:

''دینی مدارس کا حقیقی کردار ختم ہو چکا۔ چندے کے محتاج دنیا دار مولوی مسجد و منبر کا غلط استعمال کر رہے ہیں۔ موجودہ نظام مدارس سے حقیقی اسلامی انقلابی تحریک پیدا نہیں ہو سکتی۔'' (عزم: ۱۹۴ص۶) ۴۶

(۳) مزید فرماتے ہیں:

''کالجوں اور یونیورسٹیوں میں عصری علوم کے ساتھ مذہبی علوم اس طرح پڑھائے جائیں کہ مدارس سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہ رہے کیونکہ دھرے نظام تعلیم سے فرقے پیدا ہو رہے ہیں۔'' (عزم: ۱۹۴ص۶) ۴۷

(۴) ہمارے دینی مدارس پرانا نصاب پڑھا رہے ہیں ہمارے اکثر فارغ التحصیل علماء اسلامی معیشت سے بالکل کورے ہیں صرف اسلام کی شرعی سزاؤں کو غلط رنگ میں پیش کر کے عوام الناس کو دین سے دور کیا جا رہا ہے۔

(عزم: ۱۵۴ص۷) ۴۸

(۵) مدرسہ کے گریجویٹ کو نہ خدا ملتا ہے نہ وصال صنم۔ یہ بے چارہ بیچ ہی بیچ میں معلق رہتا ہے کیونکہ اس کا طریقۂ تعلیم تمام تر فرسودہ ہے۔

(عزم: ۱۶۶ص۲۵) ۴۹

۲۰

① رائے پوری صاحب نے اور تنظیم کے ناظم عمومی عبدالمتین نعمانی نے شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کو اپنے ایک خط میں لکھا ہے:
''حدود کا ثبوت قطعی نصوص سے ہے، ان کا نفاذ قیام عدل میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے اور ان ہی سے صحیح معنوں میں جرائم کی بیخ کنی ہوگی۔''

② اس طرح تنگ نظری اور کافر سازی کے ماحول میں حد ارتداد کے نفاذ سے معاشرہ میں جو ابتری پھیلے گی اس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ (عزم:۱۲۶ص۴)

وعند هؤلاء خرافات أمثال هٰذه يذكرونها في كتب السيرة والتفاسير وكتب التاريخ وبسبب هٰذه الخرافات صعب على الطالب فهم مطالب القرآن كما هو حقها.

وقد حكم الله في آية (٣٣) بأنه قد اصطفى آل إبراهيم، وموسى منهم لأن آل إبراهيم كانوا ظهروا أولاً في بني إسرائيل، وكان موسى مركز عظمتهم. وإذا قرأ المرأ التوراة فأول سفر يصادفه منها فيه ذكر إبراهيم، والبحث عن أحواله، وسيرته. والسفر الثاني فيه ذكر موسى. ثم بعد ذلك العهد الجديد من آل عمران.

كذلك اصطفى قبل اصطفاء آل إبراهيم نوحاً على العالمين. فلو لم تكن هناك أمم اصطفى منهم نوحاً، كيف يمكن اصطفائه على العالمين؟ واصطفى آدم عليه السلام على العالمين، وكانت الأمم موجودة قبله، وكان هو مفضلا عليهم، ومصطفىً منهم. فإذا الإنسانية موجودة قبل آدم، وليس هو مبدأ البشر وأوله، وإنما هو مفضل على مخلوق قبله على وجه الأرض. وبذلك تنتظم نظرية ارتقاء الخلق و تثبت صحتها.

أما فقيه أو متفقه يقرأ القرآن ويتبجح بقوله بأن كل من كان على غير الحنفية، والشافعية ليسوا على شيء من الدين والإنسانية فذلك فكر مضر بالمرة.

وآية (٣٣) حلاصة صحف أهل الكتاب: اليهود والنصارى. فالكتاب مبدئه آدم. وكان نوح المبدأ الثاني بعد الطوفان، ثم آل إبراهيم بنو إسرائيل، ثم الأنا جيل آل عمران. هٰذه خلاصة الكتب.

ففي هٰذا تأسيس لفكر أن الفضائل الإنسانية، والكمالات البشرية

حوالہ نمبر 2

356

[redacted] ابن عربی کے عقیدہ وحدۃ الوجود سے امام ربانی کو اختلاف تھا اور اکبر کی سیاسی حکمتِ عملی جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا ہے ایک حد تک وحدت الوجود کے عقیدہ کا نتیجہ تھی۔ اس کے برخلاف امام ربانی نے اپنا نیا فکر پیش کیا چنانچہ اس کی بنا پر اورنگ زیب کے عہد میں جو نظامِ سلطنت بنا، وہ اکبر کے سیاسی مسلک سے بالکل جدا تھا۔ شاہ صاحب ابن عربی کے عقیدہ وحدت الوجود کو صحیح مانتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ امام ربانی کے فکر کو بھی ایک لحاظ سے ٹھیک سمجھتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ دونوں بزرگوں میں اصولاً کوئی فرق نہیں۔ امام ربانی نے جس خیال کو وحدت الشہود سے تعبیر کیا ہے، وہ ابن عربی کے وحدت الوجود میں خود موجود ہے۔ امام ربانی اور ان سے پہلے امام ابن تیمیہ کو ابن عربی سے یہ شکایت تھی کہ ان کے تصورِ توحید سے اسلام کی حقانیت پر زد پڑتی ہے۔ شاہ صاحب نے ابن عربی کے وحدت الوجود کے تصور کی اس طرح تشریح کی کہ اس میں اور اسلام میں کوئی بنیادی تضاد نہ رہا۔

شاہ صاحب نے "تفہیماتِ الٰہیہ" جزو اوّل میں اس موضوع پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہر زمانے میں نیا ظہور ہوتا ہے اور ہر ظہور کے اپنے احکام ہوتے ہیں۔ چنانچہ جیسے جیسے زمانہ بدلتا ہے اس کے ساتھ ساتھ احکام بھی بدلتے ہیں اور نئے نئے ترجمانِ حق آتے ہیں۔ منشائے الٰہی کا پہلا ظہور معدنیات کی صورت میں ہوا۔ معدنیات کے بعد عالمِ نباتی قدرتِ حق کا محور بنا۔ نباتات سے حیوانات نے یہ منصب لیا اور پھر انسان کی شکل میں ارادۂ حق کا ظہور ہوا۔ انسان اوّل یعنی حضرت آدمؑ کو پیدا کر کے اس سے خدا نے کہا

ف ص ۱۷۲۔

شاہ ولی اللہ اور جمہوری نظام (حوالہ نمبر 3)

جس قدر مواد شاہ ولی اللہ کی کتابوں میں ملے گا جو وہ حضرت عثمانؓ کی خلافت تک کے دور سے استنباط کرتے ہیں وہ اس نئے دور میں کافی ہے ان کو بعض مسائل میں جمہور اہل علم سے مقابلہ کرنا پڑا ہے اس لئے ان کی بات آسانی سے لوگوں میں شائع نہ ہو سکی صاف لفظوں میں کہا جائے تو بات یوں ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے دور کو خلافت راشدہ سے خارج کر دیتے ہیں اس میں وہ نرم نرم الفاظ استعمال کرتے ہیں تاکہ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں آجائے۔ اگر ہماری طرح وہ بھی صاف اور کھلے لفظوں میں کہہ دیتے تو ان کی کتاب پڑھی بھی نہ جاتی اور آج بھی اہل علم کا دماغ اتنا جلد ہے کہ وہ اس حقیقت پر غور کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اگر حضرت علیؓ کا دور جو فتنے کا زمانہ تھا قرآن حکیم کی تعلیم کا صحیح مصداق ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن حکیم نظام کی پابندی نہیں سکھاتا۔ حضرت ابوبکر اور سیدنا عمر کے زمانے میں نظام تھا تو بھی قرآن کی حکومت ہے حضرت علیؓ کے زمانے میں نظام نہیں ہے تو بھی قرآن کی حکومت ہے اس سے آج کل کے اہل علم کو یہ لکھنے کا موقع ملتا ہے کہ قرآن حکیم براہ راست کوئی نظام نہیں سکھاتا۔ اسی لئے ٹرکی میں لادینی حکومت پیدا ہو گئی ہے اور کل کو مصر میں ہو کر رہے گی اور مصر عربی ممالک کا دماغ ہے ایرانی آدھی سے زیادہ لادینی حکومت پیدا کر چکا ہے۔ افغانستان ٹرکی کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ اس طرح جس قوم میں جمہوریت کے ساتھ قرآن حکیم کا نظام چلانے کے لئے کوئی عقلمندی باقی نہیں رہی ان کے علماء ان کو براہ راست چلانے کا دعویٰ کر سکتے ہیں مگر جمہوریت کے ساتھ قرآن حکیم چلے گا تو فقط شاہ ولی اللہ کا بنایا ہوا نظام چلے گا۔

قرون ثلاثہ اور حضرت علیؓ کی خلافت

جمہوریت کے ساتھ قرآن حکیم کو چلانے کی سمجھ پیدا کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت کو قرون ثلاثہ مشہود بہا الخیر سے خارج کر دیا جائے اور حضرت عثمانؓ کا زمانہ ہی تسلیم کر لیا جائے اور اسی کو قرون ثلاثہ المشہود بہا الخیر کا مصداق قرار دیا جائے پھر اس دور کے مندرجہ ذیل تین درجے ہوئے۔

① رسول اکرم ﷺ

② سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا عمرؓ کا زمانہ

③ سیدنا عثمانؓ کا زمانہ۔

یہ امام الہند ولی اللہ کی تعلیم ہے جس میں ہم نے تھوڑا سا تصرف کیا ہے۔ شاہ ولی اللہ

یا جماعت کے کام ہوتے ہیں، جن کی وہ شخص نمائندگی کر رہا ہوتا ہے۔ اسی لحاظ سے میں عہد رسالت میں محمد رسول اللہ[1] اور "والذین آمنوا معہ" کو ایک جماعت مانتا ہوں خلافت راشدہ میرے نزدیک حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ علیہم اور ان کے ساتھیوں سے عبارت ہے۔ بعینہٖ مغلوں کی حکومت میں میں اکبر اور جہانگیر کو ایک سمجھتا ہوں اور شاہ جہان اور اورنگ زیب کو ایک۔ شاہ ولی اللہ صاحب، شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے ذہنی عہد کی پیداوار ہیں۔

عید کا دن تھا (ماہ دسمبر ۱۹۴۳ء) ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب اور پروفیسر محمد مجیب مولانا سے ملنے آئے۔ عید سے ایک دن پہلے مولانا کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہو گئی تھی۔ انہیں سخت بخار ہوا اور ساتھ ہی قے آنے لگی۔ وہ اتنے نڈھال ہو گئے تھے کہ ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی تھی۔ ذاکر صاحب اور ان کے ساتھی آئے تو گو مولانا کافی کمزور تھے لیکن جیسے ہی وہ بیٹھے، مولانا نے باتیں شروع کر دیں فرمانے لگے۔

بڑی مایوسی کے بعد میں اس یقین پر پہنچ سکا ہوں کہ ہندوستانی مسلمان اس ملک میں سربلند اور حاکم ہو سکتا ہے اور یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے کہ اس کا اسلام انقلاب کا علمبردار ہو اور اس انقلاب کا پیغام عالمگیر ہو۔ یہ پیغام ہر فرد و بشر کے لیے

---

[1] اشارہ ہے قرآن مجید کی اس آیت کی طرف:۔

محمد رسول اللہ والذین آمنوا معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود ذلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل۔

(سورۃ الفتح۔ ۲۹)

محمد رسول اللہ کا اور جو لوگ اس کے ساتھ ہیں زور آور ہیں کافروں پر نرم دل ہیں آپس میں۔ تو دیکھے ان کو رکوع میں اور سجدے میں ڈھونڈتے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی خوشی نشان ان کی منہ پر ہے سجود کے اثر سے یہ مثال ہے ان کی تورات میں اور مثال ان کی انجیل میں.....

روایات کو بھی سمجھتے تھے اور قرآن میں علم و حکمت کی جو باتیں بیان کی جاتی تھیں ان سے بھی محظوظ ہوتے تھے۔ البتہ ان کے دماغوں میں اپنا کوئی واضح اور مستقل فکر نہ تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنی مادی اغراض میں اس طرح الجھے ہوئے تھے کہ وہ ادھر توجہ نہ کرتے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ قرآن کو عرب کی بدوی ذہنیت کا ترجمان کہنا سخت غلطی ہے۔ قرآن کا خطاب تو قریش کی اس ترقی یافتہ سوسائٹی کی طرف تھا۔ لیکن قریش قرآن ایسی کتاب تصنیف نہ کر سکتے تھے اور نہ ان کے بس میں تھا کہ وہ قیصر و کسریٰ سے ٹکر لیتے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلعم کی وساطت سے قریش کے لیے یہ دو چیزیں ممکن کر دیں۔ بے شک قرآن قریش کی زبان اور ان کی ذہنیت کے مطابق نازل ہوا لیکن تھا وہ خدا کا پیغام، جو قریش کے واسطہ سے ساری دنیا کو دیا جا رہا تھا۔

مکہ میں قریش کا اپنا ایک باقاعدہ نظام تھا۔ تجارتی اور سیاسی معاملات کو سلجھانے کے لیے قواعد و ضوابط تھے۔ قومیت کا ان کا اپنا ایک مخصوص تصور تھا اور انھوں نے اس سلسلے میں ایسی مذہبی رسوم بھی بنا لی تھیں، جو ان کے مادی اور جماعتی مفاد کے لیے مفید تھیں۔ اور اس کی وجہ سے بدو قبائل میں ان کا مذہبی وقار بھی قائم ہوتا تھا۔ اور ایک مشہور[1] اہل قلم اس عہد کے محقق کے الفاظ میں متعدد کارروانی راستوں کا اہم جنکشن ہونے کی وجہ سے یہاں کی آبادی میں یک نسلی نہ رہی تھی۔ اسمٰعیلی خاندان عراق یا فلسطین سے آئے تھے۔ خزاعہ یمن کے تھے۔ مکہ والوں کی رشتہ داری اور کاروباری تعلقات شہر مدینہ اور طائف سے بھی کافی تھے۔ قصیٰ کا تعلق شمالی عرب کے قبیلہ قضاعہ سے تھا۔ قصیٰ کی کوشش اور

---

[1] محمد حمید اللہ استاد قانون جامعہ عثمانیہ

حوالہ نمبر 6

چوری پر ہاتھ نہیں کاٹے جاتے اور فقہ میں غلاموں اور لونڈیوں کے جو ابواب ہیں وہ بھی اب بے کار ہو گئے ہیں کیونکہ غلام لونڈی رکھنا اقوام متحدہ کی طرف سے ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔ اور کوئی ملک اس کی اجازت دے کر اس عالمی برادری کا رکن نہیں رہ سکتا۔ ایسے ہی کوئی مسلمان ریاست اپنی غیر مسلم رعایا پر قرآن کے حکم کے مطابق جزیہ عائد کرنے کا آج نہیں سوچتی۔

راقم الحروف کا کہنا تھا کہ بے شک زنا اور چوری حرام ہیں اور یہ اللہ کا حکم ہے لیکن ان جرائم کو خاص اس صورت میں روکنے کی کوشش کرنا جو ابتدائے اسلام کے بدوی معاشرے میں قانونی طور پر معین ہوئی، یہ ابدی اور دائمی نہیں۔

شیخ موصوف کا برابر اصرار رہا کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس ضمن میں شیخ محمد نور نے بیان کیا کہ البتہ مولانا کے نزدیک اجماع سے سنت[1] میں تبدیلی کی جا سکتی ہے اس کی تائید میں میں نے بہت سے شواہد بھی جمع کئے تھے ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ گو رسول اللہ صلعم نے عورتوں کو مسجدوں میں جانے کی اجازت دی تھی، لیکن اب جو حالت ہو گئی ہے اگر آپ موجود ہوتے تو انہیں مسجدوں میں جانے سے ضرور منع کر دیتے۔

مذہب کے معاملے میں ایک اور دقت یہ ہے کہ اس کے ہاں "حق" یعنی جس چیز، جس قانون اور جس نظام کو بھی وہ حق سمجھتا ہے، قطعی یعنی FINAL ہے اور مارکسیت کے نزدیک جیسے جیسے معاشرہ بدلتا ہے، حق کی تدبیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ مثلاً مذہب شخصی ملکیت کو مقدس سمجھتا ہے۔ یہ اس کی نظر میں حق ہے۔ اور اس کی کبھی خلاف ورزی نہیں ہونی چاہیئے۔

---

[1] مولانا نے لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ سنت کو قرآن سے مستنبط مانتے ہیں۔ اگر شاہ صاحب کے اس نظریے کو تسلیم کر لیا جائے تو سنت قرآن ہی کی تشریح اور تفصیل بن جاتی ہے۔ دراصل مولانا کے نزدیک اجماع سے قرآنی احکام کی بھی نئی تعبیر کی جا سکتی ہے، بات یہ ہے کہ بالعموم وہ مذہبی ذہنوں کو براہ راست جھٹکا نہیں دیتے تھے۔ ایسے معاملات میں وہ گھما پھرا کر بات کرتے تھے۔ خود شاہ ولی اللہ کا بھی یہی انداز بیان ہے۔

حوالہ نمبر 7

۲۵۳

اشتراکیت کی افادیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور جو دشمن تھے۔ وہ بھی اس کے مفید ہونے کے قائل ہو گئے۔ یہ ہے روسی اشتراکیت کا عمومی پہلو۔ قومی پہلو محدود زمانے کے لیے ہوتا ہے۔ اور عمومی پہلو جب تک انسانیت کے لیے کسی تحریک میں کچھ بھی فائدہ ہے، برسرِ کار رہ سکتا ہے۔ اشتراکیت کی وجہ سے آج روس کو سربلندی ملی۔ کل کو کوئی دوسری قوم اس کی بدولت بین الاقوامی قیادت کی مالک بن سکتی ہے۔ اور پرسوں کوئی تیسری قوم وعلیٰ ہذا القیاس۔ ہر قوم کیلئے اس کا دروازہ کھلا ہے۔ اور اس کے ذریعہ وہ عزت و عظمت حاصل کر سکتی ہے۔ ایک بین الاقوامی اور عمومی تحریک کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔

یہ مثال ہے اس عہد کی ایک بین الاقوامی تحریک کی۔ مولانا اس تحریک کو نامکمل سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان محض معاشی حیوان نہیں۔ اشتراکیت نے انسانیت کی خارجی زندگی کی تنظیم کر کے بڑا کام کیا ہے۔ لیکن انسان کی ایک معنوی زندگی بھی ہے۔ بے شک اسلام اور اشتراکیت دونوں بین الاقوامی تحریکیں ہیں اور دونوں کا پیغام تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ پھر دونوں کی دونوں انقلابی ہیں۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ اشتراکیت صرف معاشی زندگی پر سارا انحصار رکھتی ہے۔ اسلام معاشی زندگی کا انکار تو نہیں کرتا لیکن وہ زندگی کو محض معاشی دائرہ تک محدود بھی نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک زندگی دوام چاہتی ہے۔ اور وہ اس دنیا ہی میں ختم نہیں ہو جاتی۔ بے شک یہ فرق بھی کوئی معمولی فرق نہیں۔ لیکن جہاں تک دونوں کے بین الاقوامی اور انقلابی ہونے کا تعلق ہے۔ دونوں آپس میں ملتی ہیں اور ایک کے مطالعہ سے دوسرے

ان علاقوں پر ہماری پارٹی اسلامی اکثریت کے صوبوں میں صحیح اسلامی اور انسانی فضا پیدا کرنا چاہتی ہے۔ یہ فضا نہ ہندو دشمنیت کے منافی ہے۔ اور نہ اس میں ہندوؤں اور سکھوں سے تنازعہ کا امکان ہے۔ اور نہ برطانیہ کے ساتھ متنازعت ہے۔

مولانا سندھی کے ذہن میں اس برعظیم کے مسلم اکثریت کے صوبوں کے لیے کس قسم کا اقتصادی نظام تھا، اسی بیان میں اسے ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

چونکہ یہ پارٹی غیر مسلم عناصر کو بھی شامل کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس لیے وحدت فکری کے لیے وہ غیر مسلم طاقتوں کو ایک ایسے فلسفے کی طرف دعوت دیتی ہے، جو مسلم و غیر مسلم دونوں کے لیے یکساں قابل تسلیم ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ ہم اشتراکیت کے انتہا پسندانہ اقتصادی پروگرام کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن ہم محنت کش طبقے کے لیے روٹی، کپڑے، تعلیم اور صحت کی اصلاح کو نظر انداز کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس میں ہم مسلم و غیر مسلم کا امتیاز روا نہیں رکھیں گے۔ کیوں۔ یہ تو اس فلسفی فکر کا جزو لازم ہے، جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔

مولانا اشتراکیت کے کسی انتہا پسند اقتصادی نظام کے اصولاً مخالف نہ تھے لیکن جو حالات اس وقت ہندوستان کے تھے، ان میں مولانا سمجھتے تھے کہ کسی انتہا پسند اقتصادی نظام کے نفاذ کا سوال اٹھانا محض شاعری اور اصل کام کو ٹالنا ہے۔ اور یوں بھی اکثر بڑے بڑے خواب دیکھنا اور اونچی اونچی باتیں کرنا کچھ نہ کرنے کا بہانہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کہا کرتے تھے کہ عمل تحدید چاہتا ہے۔ یعنی عمل کے لیے بلندیوں اور وسعتوں سے اتر کر محدود ہونا پڑتا ہے۔ اس لیے اس میں حالات گرد و پیش سے کسی نہ کسی حد تک سمجھوتہ (COMPROMISE) ناگزیر ہوتا ہے۔ یہ سمجھوتہ اصولوں پر نہ ہو۔ اصولوں پر قائم رہتے ہوئے ماحول کی ضرورتوں کے تحت عمل اور ٹھوس عمل کے لیے ہو۔

ضلع مظفر گڑھ (پنجاب) کے موضع ٹھٹھہ قریشیاں کے ایک صاحب خدا بخش قریشی

مولانا نے وطن میں واپسی پر اپنے سب سے پہلے خطبے میں ان کے مذہبی معتقدات، سیاسی تصورات، تہذیبی روایات، بزرگوں سے ملے ہوئے معمولات اور تمدنی و معاشرتی اقدار کو یوں ضرب کاری لگائی آپ نے کہا :-

(۱) اس دو سو سال سے قائم شدہ برطانوی نظام سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاؤ۔

(۲) یورپ سے نفرت بند کرو ہم نے اپنی ترقی کی راہ بند کی۔

(۳) سیاست میں یورپی طرز کی قومیت اور اقتصادیات میں سوشلزم کو اپناؤ۔

(۴) عالمگیر انقلاب آیا چاہتا ہے۔ سیاسی و اقتصادی انقلاب کے ساتھ ساتھ اس کے لیے ہمیں اپنی معاشرت میں انقلاب کی ضرورت ہوگی "۔

مولانا سندھی نے اپنے اسی خطبے میں کوٹ، پتلون اور ہیٹ پہننے کو سراہا اور داڑھی اور خاص وضع قطع کو ہم نے جو مقدس بنا لیا ہے، اسے غلط ٹھہرایا۔ بے شک مولانا کی یہ باتیں نئے تعلیم یافتہ طبقے کے لیے زیادہ تعجب انگیز نہ تھیں۔ لیکن مذہبی حلقوں میں اس بارے میں جو روایات چلی آتی ہیں، ان کے پس منظر میں مولانا کی معاشرتی انقلاب کی یہ دعوت علماء کے لیے ایک چیلنج تھی۔ اور ان کے طبقاتی مفاد کے لیے ایک خطرہ۔ علماء کی مخصوص وضع قطع ان کے طبقے کی لازمی خصوصیت بن گئی ہے۔

سب سے پہلے سرسید احمد خاں کو اپنے دور میں یہ لڑائی لڑنا پڑی۔ ان پر یہ الزام تھا کہ وہ چھری کانٹے سے میز کرسی پر کھانا کھاتے ہیں اور اس طرح وہ یورپی وضع اختیار کر کے مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ (جس نے کسی قوم کی مشابہت کی وہ انہی میں سے ہوگیا) کی زمرے میں داخل ہوگئے ہیں۔ سرسید احمد خاں نے تہذیب الاخلاق میں اس کا یوں دیا تھا۔

"اب تو مسلمانوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ سلطان عبدالحمید خاں خلد اللہ مُلکہم بھی مَنْ تَشَبَّہَ کی لپیٹ میں آگئے۔ بچارے مسلمانوں پر کیسی مشکل آن پڑی ہے۔ آج عید کا دن ہے۔ کہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مقدس منبروں پر کس کا خطبہ پڑھیں۔ کیا سلطان عبدالحمید خاں کا (جن کو خدا بہت سی عیدیں نصیب کرے) وہ

کئی طریقے ہیں اور ہر قوم نے اپنے اپنے رنگ میں جذب و سلوک کے قواعد وضع کئے ہیں۔ مولانا کے نزدیک فلسفہ ولی اللہی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے جذب و سلوک کی ایک ایسی راہ بتائی ہے، جو سب قوموں کے طُرقِ جذب و سلوک کی جامع ہے۔ اس میں اور اسلام میں تضاد بھی نہیں۔ نیز سارے ادیان اور مذاہب کا بھی اس پر اتفاق ہو سکتا ہے۔

مولانا کا کہنا یہ ہے کہ یورپ کے موجودہ مادی اور معاشی نظام کو ہمیں لابدی طور پر قبول کر لینا چاہیئے۔ ان کے خیال میں یہ مادی نظام سارے کا سارا محض یورپ کی اپنی تخلیق نہیں۔ ہزارہا سال سے انسان دنیائے اسباب کی تسخیر کے لیے تگ و دو کرتا چلا آرہا ہے۔ ہر قوم نے اپنے اپنے وقت میں تسخیر کے اس عمل کو آگے بڑھایا۔ اس زمانے میں اسباب کی دنیا میں یورپ سب کا امام ہے۔ اس لیے ہمیں یورپ کی سائنس اس کی تنظیم اور صنعت کو اپنانا ہوگا۔ خدانخواستہ اگر ہم نے یہ نہ کیا تو ہمارا وجود اس دنیا میں باقی نہیں رہ سکتا۔ اور ہم ریت کے ذروں کی طرح ہوا میں اُڑتے نظر آئیں گے۔

دوسری طرف مولانا کا یہ ارشاد ہے کہ زندگی کے مادی پہلو کی طرح اس کے باطنی پہلو کی ترقی کا سلسلہ بھی ابتدائے آفرینش سے جاری ہے۔ ہر قوم نے نفسِ انسانی کے باطنی شعور کو تہذیب اور ترقی دینے کے لیے طریقے سوچے۔ باطنی شعور کے تصفیہ اور ترقی کے طریقہ کو ہم تصوف کہتے ہیں۔ مغربی اسے "مسٹسزم" کا نام دیتے ہیں۔ ہندوؤں نے اسے ویدانت کہا۔ قدیم مصری ایرانی اور یونانی اسے دوسرے ناموں سے پکارتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ شاہ

نہ بنانا۔ گویا اس میں جمہوری اور سیکولر نظام حکومت رائج ہو اور تیسرے کاشت کار اور دست کار محنت کش کی معاشی حالت درست کرنا اور اسے ترقی دے کر یورپ کے محنت کش کے برابر کرنا۔ مختصراً یہ کہ سوشلزم کو بروئے کار لایا جائے۔ آج تو تقریباً سب جمہوری اور ترقی پسند عرب ملکوں نے سوشلزم (اشتراکیت) کی اصطلاح کو اپنا لیا ہے اور وہ ان کے آئین کا ایک اہم جزو ہے۔

سندھ میں ان دنوں ہماری تحریک بھی چل رہی تھی۔ حیدر آباد میں سندھی طلبہ کے اس اجتماع میں مولانا کی توجہ اس طرف بھی مبذول کرائی گئی۔ آپ نے کہا کہ "ہمارے ملک میں روس سے آئی ہوئی ایک تحریک چل رہی ہے۔ اس تحریک میں کام کرنے والے کامریڈ کسان کو زمیندار سے لڑانا چاہتے ہیں۔ ہم بھی چونکہ روس سے ہو کر آئے ہیں، اس لیے ممکن ہے بعض لوگوں کو خیال ہو کہ ہم بھی کسان کو زمیندار سے لڑانے کے حامی ہوں گے۔ ہمارے متعلق یہ سمجھنا ٹھیک نہیں۔"

اس وقت مولانا کا کہنا یہ تھا کہ "ہمارا پروگرام وقتی نہیں۔ ہم ایک طویل راہ عمل کی طرف بلاتے ہیں"۔ یعنی آج طبقاتی جد و جہد یا طبقاتی کش مکش و تصادم کی دعوت نہیں دیتے، لیکن اس کے ساتھ ہی ہم کسان کے حقوق سے دست بردار ہونے والے نہیں۔ چنانچہ "ہم بھی کسان کے طرفدار ہیں۔ ہم کسان کو تعلیم دینا چاہتے ہیں۔ ان کی سیاسی تربیت کرنا چاہتے ہیں، انہیں اس قابل بنانا چاہتے ہیں کہ وہ اسمبلی میں نمائندہ بن کر بیٹھ سکیں۔"

الغرض "ہم کسان کے لیے سب کچھ چاہتے ہیں۔ لیکن ہم اس کو زمیندار سے ٹکراتے اور لڑاتے نہیں۔۔۔ ہم جانتے ہیں کہ کس طرح اسمبلی میں جا کر زمینداروں سے کسانوں کے حقوق لیے جا سکتے ہیں۔۔۔۔"

ترقی پسند جمہوری اور سوشلسٹ عرب ملک جو ہماری طرح پس ماندہ ہیں، اور

لہ یہ اندراجات مولانا کے شائع کردہ "جماز بدا سندھ ساگر پارٹی کے اساسی پروگرام" سے لیے گئے ہیں۔

دے سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ مذہب پارٹی کے مندرجہ بالا اقتصادی اور اجتماعی اصولوں کا مخالف نہ ہو۔

مرکزی حکومت وفاقی جمہوریت

مرکزی حکومت ہند کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ اور نہ اس کو ان مذاہب میں دخل دینے کا حق ہوگا۔ جو پارٹی کے مندرجہ بالا اقتصادی اور اجتماعی اصولوں کو مانتے ہیں۔ (یعنی مرکزی حکومت ایک لادینی حکومت ہوگی)۔

مرکزی حکومت خارجی اور جنگی معاملات اور خارجی تجارت اپنے ہاتھ میں رکھے گی۔

مختلف جمہوریتیں مرکزی حکومت میں اپنے تناسب آبادی، اقتصادی اہمیت اور فوجی اہمیت کی بنا پر حق نمائندگی حاصل کریں گی۔

امپیریالزم کو توڑنے اور ایشیا میں مندرجہ بالا اصولوں پر آزاد حکومتیں قائم کرنے کے لیے ایشیاٹک فیڈریشن بنائی جائے گی۔ جس میں روس کو بھی شامل کیا جائے گا۔

روس کو ایشیاٹک فیڈریشن میں شامل کرنے میں یہ مقصد مدنظر تھا کہ اس سے انگریزی امپیریالزم کے خلاف مدد لی جائے۔ اور اس کو آزادی کے بعد ہندوستان کے معاملات میں محنت کشوں کی حمایت کے بہانے سے دخل اندازی کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔

مندرجہ بالا خاکے سے قارئین کو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس پروگرام کے ذریعہ (مذہبی سوال کو درمیان لائے بغیر) ہندوستان میں رہنے والی اقلیتوں کی ہستی کو محفوظ کرنا اور ہندوستان کے ان علاقوں کو جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے جمع کرنا اور ان علاقوں میں اسلام کو سرکاری مذہب بنانا اور مسلمانوں کا ہندستان

پایا جاتا ہے۔ ان قومی اختلافات کو مذہبی یگانگت بھی نہیں مٹا سکتی۔ (حوالہ نمبر 13)

اس کے بعد ہر ایک قوم میں طبقاتی پیچیدگی موجود ہے۔ مالدار و محنت کش، زمیندار و کسان، سرمایہ دار و مزدور کی باہمی کشمکش ہر ایک ہندوستانی قوم کو دو طبقاتی اور متعارض صفتوں میں آسانی تقسیم کر سکتی ہے۔ اس لیے صرف مذہبی بنا پر تمام ہندوستانی مسائل اور خصوصاً ہندو مسلم اختلافات کو حل کرنا کوئی راہِ نجات پیدا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا ہم اپنے پروگرام میں مذہب کو ان مسائل کو حل کرنے کی اساس نہیں قرار دیتے بلکہ قومی اور طبقاتی تفریق اور اقتصادی و سیاسی اصول پر ان مشکلات کا حل پیش کرتے ہیں، جس کے ذیل میں مذہبی اختلافات بھی معقولیت سے رفع ہو سکتے ہیں۔ ہم ہندوستان کو ایسے ممالک میں تقسیم کرتے ہیں، جہاں ایک قوم آباد ہو، جس کی زبان اور معاشرت میں یکسانی پائی جاتی ہو۔ اس تقسیم کے بعد ہر ایک مذہب کے لیے کسی نہ کسی ملک میں اکثریت حاصل ہونے کی گنجائش ہے۔ اس لیے مذہبی تنازعات کا قطعی طور پر سدباب ہو سکتا ہے۔ ان ممالک کی جمہوریتوں میں انتخاب کے لیے حق نمائندگی مذہبی تفریق کی بجائے طبقاتی اختلافات کی بنا پر دیا جائے گا۔ اس لیے چھوٹے مذہبی فرقوں کی بھی حق تلفی نہیں ہوگی۔

مروجہ نظامِ سرمایہ داری کو ہم رد کرتے ہیں لیکن اس کے بجائے کوئی ایسا نظام قبول نہیں کرتے جس میں مذہب کے لیے بالکل گنجائش نہ ہو اور وہ چھوٹی انفرادی ملکیت کی اجازت نہ دیتا ہو۔ کیونکہ ہمارے ملک کی ۷۰ فیصدی آبادی اپنے طریقۂ کاشت کاری سے اوقات بسر کر رہی ہے۔ عوام میں مذہبی رسوم ان کی معاشرت کا جزو بن چکی ہیں۔ اگر ان امور کا خیال نہ رکھ کر کوئی پروگرام بنایا جائے تو تحریکِ آزادی بہت دور پیچھے پڑ جائے گی۔"

"ہندوستان جیسے ملک کا دنیا سے علیحدہ رہنا ممکن نہیں اور نہ وہ دنیا سے کبھی علیحدہ رہ سکا ہے۔ ہماری پارٹی ہندوستان کے تعلقاتِ خارجیہ بتدریج پیدا کرنے کے لیے سب سے بہتر طریقہ ایشیاٹک فیڈریشن تحریک کو سمجھتی ہے اس لیے ہم نے اسے اپنے پروگرام کا اہم حصہ قرار دیا ہے۔ ہماری کمیٹی کا خیال ہے کہ ایشیاٹک فیڈریشن کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک ایشیا روس کو اپنے اندر شامل نہیں کر لیتا۔ روس ہی ایک ایشیائی قوم ہے جو

نہ فلاں آں باد دنا مرسلہ اپریل ۱۹۳۲ء میں پیغام افغانی باطلب روسیہ کے تحت فرماتے ہیں

ملتے می خواہد ایں دنیائے پیر — آنکہ باشد ہم بشیر و ہم نذیر
زمی آید سوئے اقوامِ شرق — بستۂ ایام تو با ایامِ شرق

یہ بوڑھی دنیا ایک ایسی قوم چاہتی ہے۔ جو خوش خبری دینے والی بھی ہو اور ڈرانے والی بھی۔ تم پہلے مشرقی قوموں کی طرف لوٹو تمہاری تاریخ مشرق کی تاریخ سے وابستہ ہے۔

مذہبی سوسائٹی ہے۔ وہ چند مذہبی قانون جو بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں ان پر جماعت کو آگاہ نہیں کرتی اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ لوگ اس پر عمل درآمد نہ کر سکیں اور جب انہوں نے لوگوں کو احکام بتلائے لوگوں نے عمل نہ کیا تو وہ مذہبی سوسائٹی کی ساکھ نہ رہی۔ اس لئے وہ آئندہ اس قسم کے سخت قوانین یا کسی اور قسم کے قوانین لوگوں کو نہ بتلائے گویا وہ اپنی اغراض کے لئے اللہ تعالیٰ کی آیات کو ایک قلیل رقم پر فروخت کر رہے ہیں۔ وَاِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ۔ تقویٰ کے معنی ہیں۔ قانون انصاف کی پابندی کرنا یعنی میرے قانون کی پابندی کرو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور مت چھپاؤ سچ کو جان بوجھ کر ﴿۴۲﴾

(۱) انسان کے مدِنظر دو باتیں ہوتی ہیں۔ ایک مقصد بالذات دوسرا ذرائع مقصد مثلاً جہاد مقصد ہے اور حج اور نماز اور زکوٰۃ ذرائع مقصد، حج اس لئے تھا کہ اس سے مسلمانوں میں فوجی قوت نمایاں ہو اور انہیں میدانِ جنگ کا نقشہ دیکھ کر آئندہ قتال کے لئے تیار کیا جا سکے۔ نماز اس لئے تھی کہ میدانِ جنگ میں سخت مصروف ہونے کے باوجود خدا کی یاد سے مسلمان غافل نہ رہیں اور زکوٰۃ سے مراد تھا کہ ہر ایک اپنے لئے بافراط (فراوانی سے) سامانِ جنگ خرید سکے۔ اب صرف ظاہری چیزوں یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ پر زور دیا جا رہا ہے۔ گویہ بھی فرائض ہے ہیں مگر اصلی غرض جو تھی وہ فوت ہو رہی ہے۔ غرض اب ذرائع پر تو زور دیا جا رہا ہے اور مقصد کا نام نہیں لیا جاتا۔ اسی کا نام ہے سچ میں جھوٹ ملا دینا۔ بنی اسرائیل کو دینی حکومت عطا کی گئی مگر انہوں نے اسے اب دنیاوی حکومت کے سانچے میں ڈھال دیا۔ اس میں صرف سہل اصطلاب کے قوانین نافذ کئے، باقی کو ترک کر دیا۔ اس لئے حکم ہوتا ہے۔ کہ سچ کو جھوٹ سے نہ ملاؤ اور نہ ہی اصل قوانین یعنی سچ کو چھپاؤ۔

تورات میں نبی آخرالزمان کی آمد کے متعلق صاف پیشین گوئی تھی مگر اس کی اب بنی اسرائیل اپنے الفاظ میں تاویل کرنے لگے اور اسی طرح سچائی کو جھوٹ سے ملاتے تھے اور فارقلیط کی تاویل کر دی ورنہ فارقلیط کے صحیح معنی احمد ہیں جیسے "خطباتِ احمدیہ" مصنفہ سرسید احمد میں ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ ﴿۴۳﴾

(۲) اب ابتدائی فرائض کو ٹھیک مطلب کے لئے ادا کرو جس سے اصلی مقصد پورا ہو۔ وَارْكَعُوْا جو جماعت اصلی مقصود کو حاصل کرنے کے لئے جھکی ہوتی ہے اور کوشاں ہے تم بھی اس کے ساتھ مل جاؤ۔ یعنی جن لوگوں کو دیکھو کہ وہ نماز اور زکوٰۃ ٹھیک اور درست طریقہ پر ادا کرتے ہیں تم ان کے ساتھ نور شامل ہو جاؤ۔

حوالہ نمبر 15

(1) اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام چیزیں۔

(2) مخلوقات کی مختلف قسمیں مثلاً عالم موالید (Organic World) عالم جمادات (Inorganic World)

(3) مختلف انسانی اقوام (Groups)

"رَبُّ الْعَالَمِیْنَ" کے معنی : اس میں شک نہیں کہ تمام کمالات الٰہی مخلوقات کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں اور ذات الٰہی ان کمالات کی وجہ سے لائق حمد و ستائش ہے لیکن ذرا غور کیا جائے تو اس سورت میں تیسرے معنی زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ تمام انبیاء کرام کی دعوت کا موضوع ہمیشہ اجتماعیت انسانی (Human Social Order) ہی رہا ہے اور وہ انسانی سوسائٹی (مجتمع) کی ہر قسم کی اصلاح کے لئے آتے ہیں[1]۔

خصوصاً خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا خصوصی مقصد ہی یہ ہے کہ انسانیت کی فطرت کے تحت تمام اقوام کے لئے عمومی اجتماعی تحریک کی تکمیل کریں۔[2]

جب قرآن کریم کا یہ مقصد ہے اور سورۂ فاتحہ اس کا خلاصہ ہے تو اس سورت میں رب العالمین کے یہ معنی ہی زیادہ موزوں ہیں کہ وہ اقوام کا پروردگار ہے۔

---

[1] انبیاء کی بعثت کی غرض امام ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں

"اس میں شک نہیں کہ انبیاء کی آمد کی اصل غرض و غایت تو یہ ہوتی ہے کہ عبادات کی ضروری شکلوں کی تعلیم دیں لیکن وہ اس کے ساتھ ہی رسوم فاسدہ کی بندش اور بہترین ارتفاقات کے اختیار کرنے کی ترغیب کو بھی اپنے اصل مشن کا جز بنا لیتے ہیں۔... بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں چاہتا کہ انسان اجتماعیت کے ارتفاق دوم اور ارتفاق سوم مہمل چھوڑ دے۔ چنانچہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی نے بھی ان ارتفاقات کے ترک کر دینے کا کبھی حکم نہیں دیا۔ وہ ہمیشہ ارتفاقات میں راہ اوسط اختیار کرنے کا حکم دیتے رہے ہیں۔" (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص 104) (مرتب)

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی غرض : امام ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ :
چونکہ ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تمام ملتوں میں خلل پڑ چکا تھا اور ارتفاقات خراب ہو چکے تھے اور یہ حالت نہایت بری حد تک پہنچ چکی تھی اس لئے اب حق اس غرض سے نازل ہوا کہ جملہ (انقلاب) جاری کیا جائے عبادات کی اشاعت کی جائے اور انہیں اوقات معینہ پر ادا کرنے کی تاکید کی جائے اور ایرانی اور رومی سلطنتوں کو ختم کر کے ان کی جگہ نبوی نظام حکومت بین الاقوامی پیمانے پر قائم کیا جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیر و برکت کا وہ دروازہ کھولا جو پہلے نہیں کھلا تھا اور اس ذریعے سے ایسی جماعت (امہ) منظم کی جو تمام انسانوں کے لئے بہترین جماعت تھی (تفہیمات الٰہیہ ج ۱ ص 82-83) (مرتب)

صلوٰۃ کیا ہے؟ : صلوٰۃ (نماز) اصل میں اس بات کا نام ہے کہ انسان اپنے پورے ارادے اور اپنی ہمت کے ساتھ ملاء اعلیٰ کے ساتھ اتصال پیدا کرے اور وہاں سے آنے والی تجلی الٰہی سے قلبی رابطہ قائم کرے۔ اس اتصال اور رابطے کا فائدہ یہ ہوگا کہ وہ جو چیز طلب کرے گا حسب حالات اسے دی جائے گی اور سب سے بڑی اور سب سے اہم چیز جو انسان اللہ تعالیٰ سے طلب کر سکتا ہے وہ اپنی فطرت سلیمہ کے تقاضہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی توفیق ہے۔ انسان کی فطرت سلیمہ کے تقاضے ہی صراط مستقیم ہے۔ اس لئے ملا اعلیٰ میں تجلی الٰہی کے ساتھ رابطہ قائم کر کے وہ دعا کرتا ہے کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ یہ اصل چیز ہے جو انسان کو ترقی کی راہ پر لگاتی ہے۔ اس لئے نماز گویا یہ دعا مانگنے یا سورہ فاتحہ پڑھنے کا نام ہے طہارت اور قبلے کی طرف منہ کرنا اس صلوٰۃ کے مبادی ہیں اور رکوع و سجود اس کے مکملات ہیں۔ اس کی روح یہ ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ وہ اپنے رب کے حضور میں کھڑا ہے اور اپنی احتیاج پیش کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے اس کے ساتھ جو آیات یا سورت پڑھی جاتی ہے وہ گویا اس دعا کا جواب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ ہدایت یہی قرآن ہے تم جتنا آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو تو ہدایت یاب رہو گے اس کے بعد رکوع و سجود اس دعا کے قبول ہونے کے لئے شکریے کے ساتھ اظہار کے طور پر ہیں۔

اب جو مسلمان صلوٰۃ ادا کرے وہ جماعت کے ساتھ ادا کرے کیونکہ احدنا کا یہی تقاضا ہے[2]۔

---

[1] نماز کا یہ مفہوم مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے معین فرمایا ہے۔ (عبیداللہ سندھی) [2] حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب نماز میں بندہ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ (یہ نماز میرے اور میرے بندے کے درمیان آدھی آدھی تقسیم ہو گئی ہے)
جب بندہ کہتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ (میرے بندے نے میری ستائش و تعریف کی) پھر جب بندہ کہتا ہے : اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ
تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے : مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ (میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی)
اور جب بندہ عرض کرتا ہے : اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ
تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : هٰذَا بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَبْدِيْ (یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے)
اور جب بندہ کہتا ہے : اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ○
تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : هٰذَا لِعَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَاَلَ (یہ میرے بندے کے لئے ہے اور میرے بندے کو وہ ملے گا جو اس نے مانگا ہے) (مرتب)

۴۵۸

حوالہ نمبر 17

نے مجھے کہا کہ میں خود شاہ صاحب کے اس ارشاد پر عمل کرتا ہوں۔ اور فرض نمازوں کے بعد سب سے بڑی عبادت یہ سمجھتا ہوں کہ دین کی حکمت لوگوں تک پہنچاؤں[1]۔"

نمازوں ہی کے بارے میں ایک دفعہ فرمایا:۔

بے شک نماز واجب ہے لیکن اس کے فرض ہی۔ ہر نماز کے ساتھ سنتوں اور نفلوں کی زیادتی نے نفس نماز کو بوجھل بنا دیا ہے۔ چنانچہ نوجوان اس سے بھاگتا ہے مولانا امام مالک کی مروی حدیث میں صرف فرض نماز ہے اور سائل کا یہ کہنا کہ "لا أزيدُ ولا انقص۔ (نہ میں اس سے زیادہ پڑھوں گا اور نہ کم)۔ میرے نزدیک ایک مسلمان کو اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے فرض نمازیں پڑھنی چاہئیں۔ نماز باجماعت مسجد میں لازماً جاکر نماز پڑھنے اور اس طرح کے دوسرے زوائد کا التزام اس کے تمام وقت کو کھا جائے گا اور وہ کبھی دین کی حکمت اور اس کی اسرار کی طرف نہیں آئے گا۔

جنت و دوزخ اور فرعون کی نجات

انسان میں ایک نوع نفس ہے جسے روح حیوانی کہتے ہیں۔ اس سے انسان کے افعال، ارادہ و شعور کے ساتھ صادر ہوتے ہیں اور ایک اس کا ہے نفس ناطقہ جس سے وہ جزئیات اور کلیات کا ادراک کرتا ہے۔ اب انسان کا نفس ناطقہ نسیم میں موثر ہوتا

---

[1] حجۃ اللہ کی یہ عبارت دریا چہ میں ہے اور اس کا اردو ترجمہ یہ ہے:۔ "یہ سب کچھ ہی مگر میرے نزدیک تمام نوع حدیث میں سب سے زیادہ دقیق اور سب کی اصل اور سب سے بلند و برتر اور تمام علوم شرعیہ سے اعلیٰ و افضل علم اسرار دین ہے جس میں احکام کی حکمت اور خاص اعمال کے خواص و نکات بیان ہوئے ہیں۔ بھلا یہ وہ علم ہے جسے خدا نصیب کرے اور فرض عبادات سے فراغت کے بعد اپنے تمام عزیز اوقات اسی میں صرف کرے اور اس کو اپنا توشۂ آخرت بنا لے....."

۲۸۱

حوالہ نمبر 18

کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ہر قوم اور ہر پیشوائے قوم کو ہر زمانے میں اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنی شریعت آپ بنالیں۔ اس سے تو شریعت کا جو مقصود ہے وہ بھی فوت ہو جائے گا۔ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر قوم کی عادات اور خصوصیات کا پتہ لگایا جائے اور ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت بنائی جائے۔ اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان کوئی اور طریقہ نہیں کہ خاص اس قسم کی عادات، شعائر، تعزیرات اور انتظامات کا لحاظ کیا جائے، جن میں یہ اقوام پیدا ہوا ہو، اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چنداں سخت گیری نہ کی جائے۔

اس کے بعد مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ اس اصول سے یہ بات ظاہر ہو گی کہ شریعت اسلامی میں چوری، زنا، قتل وغیرہ کی جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں، ان میں کہاں تک عرب کی رسم و رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ کہ ان سزاؤں کا بعینہا اور بخصوصہا پابند رہنا کہاں تک ضروری ہے۔ یہاں مولانا شبلی کا بیان ختم ہوتا ہے۔

یقیناً قرآن نے جس قوم میں کہ وہ نازل ہوا، اس قوم کی عادات، شعائر، تعزیرات اور انتظامات کا لحاظ رکھا ہے لیکن اس سے قرآن کی عمومیت اور ہمہ گیریت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کیونکہ بقول مولانا شبلی "جو احکام ان عادات اور حالات کی بنا پر قائم ہوتے ہیں۔ ان کی پابندی مقصود بالذات نہیں ہوتی اور نہ اس پر چنداں زور دیا جاتا ہے۔ مولانا کے نزدیک بھی قرآن میں کہیں کہیں جو احکام ہیں، وہ دراصل ایک مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان احکام کو اپنی مخصوص شکل میں ابدی اور ناقابل تغیر ماننا صحیح نہیں۔ عرب کے خاص حالات میں قرآن نے [illegible] ان احکام کے ذریعہ ہی عملی صورت دی جا سکتی تھی۔

کا سانا فقہ بن جائے اور یہ فقہ زندگی پر حاوی ہو جائے تو دماغ جامد ہو کر رہ جاتا ہے اور انسان کی ترقی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم حکیم تھے۔ اور مولانا رشید احمد گنگوہی فقیہ۔ نہ اول الذکر فقہ کی اہمیت کے منکر تھے۔ اور نہ آخر الذکر حکمت کی افادیت سے انکار کیونکہ زندگی میں تقدم و تبدیل اور تسلسل و اثبات دونوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اب جو یہ دیوبندی علماء ہیں، ان پر جمود اس طرح مسلط ہے کہ اس سے حرکت کی توقع کرنا خیال خام ہے۔ ماضی صرف ماضی، روایت صرف روایت اور تقدس محض تقدس، اس سے مستقبل کے لیے راہ کیسے نکلے گی۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔ ان کو تم خشب مسندۃ[1] دیوار سے لگی ہوئی لکڑی) سمجھو۔ یہ قوم کو تی زندگی نہیں دے سکتے۔

ایک روز عام علماء کا ذکر ہو رہا تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ اگر کوئی مولوی مجھے کافر کہے تو میں کہوں گا کہ کافر وہ خود ہے کیونکہ وہ جس عقائد و بداری کی بنا پر مجھے کافر ٹھہراتا ہے، وہ ان عقائد و بداری کو عملی شکل دینے کے لیے کچھ نہیں کرتا۔ اس کے برخلاف میں جس چیز کو حق سمجھتا ہوں، اسے اس زندگی میں برتنے کا کر لانے کے لیے سرگرم کار ہوں لیکن وہ مولوی جس بنا پر مجھے کافر کہہ رہا ہے، وہ اسے نافذ کرنے کے لیے

خدا بھی کوشش نہیں کرتا۔ مولانا نے فرمایا، مثلاً میں یہ مانتا ہوں کہ قرآن مجید میں جو تعزیراتی احکام بحیثیت سنت و سنت میں بعض انتظامی، معاشرتی اور معاشی امور کی جس طرح تلمیح اور تحدید کی گئی ہے، وہ ابدی اور غیر متبدل نہیں، ان کی حیثیت عملی

[1] قرآن مجید کی آیت ہے۔ وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ۔ ۶۳-۴۔ اور جب تو دیکھے ان کو تو بھلے لگیں تجھ کو ان کے ڈیل اور اگر بات کہیں سنے تو ان کی بات کیے ہیں جیسے لکڑی لگا دی دیوار سے، جو کوئی چیز ہیں ہم سمجھتے ہیں۔

شاخوں کی ہے کہ اس [redacted] میں قرآن کی عمومی و ہمہ گیر ہدایت صرف اپنی صورتوں میں متشکل ہو سکتی تھی اور وہ ہوئی۔ اب ہمارے لیے وہ قانونی نظائر[1] ہیں، جنہیں سامنے رکھ کر ہم ہر دور میں قرآن و سنت کی ابدی و لازوال حکمت کی روشنی میں اپنے لیے نئے قانون بنا سکتے ہیں۔ مولوی اس بنا پر مجھے کافر کہتا ہے اس کے نزدیک قرآن مجید کے تعزیراتی احکام جیسے قتل یہ وغیرہ اور حدیث میں جو رجم یعنی زانی اور زانیہ کو سنگسار کرنے کی سزا دی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی جو شرح معین کی گئی ہے۔ وہ منزل من اللہ ہونے کی حیثیت سے ابدی ہیں۔ اور انہیں اسی شکل میں نافذ کرنا اسلام کا حکم ہے۔ اب اس مولوی سے کوئی پوچھے کہ آپ نے ان احکام کے نفاذ کو ممکن بنانے کے لیے کیا عملی جدوجہد کی تو اس کا جواب صفر ہوگا۔ میں کہتا ہوں کہ سب سے بڑا کافر تو یہ مولوی ہے جو ایک چیز کو مانتا ہے لیکن اسے قابل عمل بنانے کے لیے کچھ نہیں کرتا۔

ایک صاحب جو برسوں سے قرآن مجید کا درس دے رہے تھے۔ اور انہوں نے قرآن مجید پر بڑی بڑی کتابیں بھی لکھی ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے سالہا سال تک قرآن اور اسلام کے نام سے مولانا ابوالکلام آزاد کے خلاف بڑی بڑی تقریریں کیں، اور جب مولانا سندھی واپس وطن آئے تو ان کی مخالفت میں بھی جی بھر کر لکھا۔ ایک دفعہ ان صاحب کی مولانا سے جامعہ نگر میں ملاقات ہو گئی۔ اور آپس میں باتیں ہونے لگیں۔ موصوف بات بات پر قرآن کی کسی آیت کا حوالہ دیتے۔ مولانا نے انہیں کہا کہ اپنی بات کیجئے اور قرآن کے حوالے نہ دیجئے۔ وہ پھر کسی آیت کا حوالہ دے دیتے۔ اس پر مولانا بگڑ گئے اور بڑے غصے میں کہنے لگے کہ تم ایسی غیر موثر کتاب کا حوالہ کیوں دیتے ہو کہ اسے تم برسوں سے پڑھ رہے ہو اور اس کا درس دے رہے ہو۔ وہ تم سے انگریز کی نوکری تک نہیں چھڑا سکی۔ وہ بات جس کو تم حق سمجھو اور اسے حق سمجھنے کی بنا پر دوسروں کو گمراہ اور کافر قرار دو اور تمہاری زندگی میں اس کا کوئی عملی اثر نہ

[1] نظیر کی جمع PRECEDENT

دوسرے پر زیادتی نہ کرنا یہ رفقاء سمجھتے ہیں کہ ہم ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں رکھتے۔ فکر کو عمل میں لانے کے لئے جذبے کے لحاظ سے ہم سب برابر ہیں انقلابی تخیل صاف ہو تو یہ بات آسان ہو جاتی ہے۔

رفاقت کی دوسری منزل : اس کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے۔ کہ تخیل (Idea) کو ساتھیوں کے ذہنوں کی انتہا تک پہنچا دیا جائے اور وہ اسے اچھی طرح سمجھ کر فیصلہ کر لیں کہ وہ اس پر قربان ہو سکتے ہیں اور اپنا سب کچھ قربان کر سکتے ہیں کیونکہ اگر بعد میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اوہو! میں تو دھوکے میں رہا میں تو یہ سمجھا تھا مگر یہ تو بات ہی اور نکلی تو سب کیا کرایا برباد ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا تعلق اپنے رفقاء کے ساتھ : اس نقطہ نگاہ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی پوزیشن پر غور کیا جائے تو آپ کی دو حیثیتیں نظر آتی ہیں:

(1) **آپ نبی ہیں** : آپ صاحب فکر ہیں اور ساتھ ہی خدا کے پیامبر بھی ہیں۔ خدا کا جو پیغام آپ کو پہنچتا ہے آپ کا فکر اسے جذب کر لیتا ہے۔ ناواقف لوگوں کو محسوس ہوتا ہے کہ آپ اپنی بات فرما رہے ہیں پھر آپ وہ فکر دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں یہ آپ کی ذاتی حیثیت ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ یعنی آپ پیام قبول کرنے میں کسی کو شامل نہیں کر سکتے۔ نہ کسی کو رسول بنا سکتے ہیں۔ آپ کو جو پیام الٰہی پہنچا وہ حرف بحرف کتابی شکل میں دنیا کے سامنے موجود ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی اس کے باہر کوئی وحی نہیں ہے اب ہر قوم اپنا پروگرام اس آئین مکتوبی سے لے گی آگے جا کر وہ سب قومیں قرآن کی پوری تشریح میں مل جائیں گی۔

(2) **آپ معلم شفیق ہیں** : آپ کی دوسری حیثیت فکر سکھانے والے کی ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے: يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ 62:2) (یعنی انہیں قانون الٰہی اور اس کی حکمت سکھاتا ہے) آپؐ خود فرماتے ہیں کہ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (میں تو استاد بنا کر بھیجا گیا ہوں) معلم کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک چیز جانتا ہے جو وہ دوسروں کو اپنے برابر سمجھا دیتا ہے۔ اس علم کو پہلے سیکھنے اور بعد میں سکھانے کا جو طبعی فرق ہے ہے گا۔ لیکن علم سے جو روشنی پیدا ہوتی ہے اور اس سے کام کی جو ہمت

رہے تو ممکن ہے مگر افراد میں مل کر رہنے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی اس قانون میں تبدیلی نہیں ہوتی وہ اس جماعت کا مستقل عنوان ہوتا ہے۔

ناقابل تبدیل قانون کو عربی میں لکھا ہوا قانون کہا جاتا ہے۔ حاکم جب ایک قانون کو لکھ دیتا ہے تو اس میں تبدیلی نہیں کرتا۔ اس لئے توریت کے غیر متبدل احکام عشرہ کو الکتاب کہا گیا ہے اسی طرح قرآن حکیم کو بھی جو رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات میں غیر متبدل ہے اور جو حقیقت میں توریت ہی کا دوسرا ایڈیشن ہے الکتاب کہا گیا ہے۔

قرآن حکیم کی ایک ایک سورت بھی الکتاب ہے۔ اس میں مفرد جملوں کے تعلیمی درجے ہیں۔ بعض میں اونچی تعلیم ملحوظ رکھی گئی ہے کتاب سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس ایک سورت کے ان مفرد جملوں یا آیتوں کے نظام کو سمجھا جائے۔

یُعَلِّمُهُمُ : رسول اللہ ﷺ ان کو سکھاتے ہیں یعنی ان میں یہ سمجھ پیدا کر دیتے ہیں۔ اب ایک سورت پڑھنے والا اس کا مطلب نکال لے گا اس میں کوئی تمہید ہوگی کوئی دلیل ہوگی اور کوئی نتیجہ ہوگا۔ سب میں ایک نظام اور ربط پایا جائے گا اس کے بغیر کوئی مجموعہ کتاب کہلا ہی نہیں سکتا۔

تناسق سُور اور ربط آیات کی ضرورت

نہایت افسوس ہے کہ گزشتہ پانچ سو برس میں سورتوں کے تناسق کا علم بہت تھوڑا رہ گیا ہے گو آیات کے تناسق کا علم کافی حد تک محفوظ ہے۔ ایک ہی قسم کی آیتیں مختلف سورتوں میں رکھی گئی ہیں۔ لوگوں نے ان کے خصائص پر بحث کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے۔ اگر یہ علم باقی رہتا تو دو مختلف خیال اپنے فکر کے لئے قرآن سے استدلال نہ کر سکتے۔ چونکہ سورتوں کے تناسق اور ایک ہی مضمون کی مختلف سورتوں کی آیتوں کے ربط کا علم نظر سے گم ہو چکا ہے۔ اس لئے عالم ایک سورت کی ایک آیت سے ایک نتیجہ نکال لیتا ہے اور دوسرا عالم کسی دوسری سورت کی آیت سے ایک اور مطلب نکال لیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن حکیم سے دو مختلف چیزوں کے لئے سند مل سکتی ہے۔ قرآن حکیم کے متعلق اس قسم کا فکر پیدا کر دینا عقلمندوں کے نزدیک نہایت نازیبا ہے۔

قانون کی پابندی سے جماعت کی جو شیرازہ بندی ہوتی ہے وہ اس جماعت کو عزت مند بناتی ہے تو خدائے عزیز اس کتاب (قانون) کے ذریعے سے مومنوں کو عزت دینی چاہتا

حوالہ نمبر 21

۴۶۰

یہ جو بتایا گیا ہے کہ کافر ابد دوزخ میں رہے گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہاں اس امر کی کوئی تصریح نہیں ہے کہ کافر کے نفس کی وہاں کب اصلاح ہوگی اور اس کا نفس ناطقہ کس طرح نفس کی کدورتوں سے پاکیزہ ہو سکے گا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کے نفس ناطقہ کی کبھی اصلاح ہی نہ ہوگی۔ اور وہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔

اس بنا پر ابن عربی کا یہ کہنا کہ آخر میں فرعون بھی نجات پا جانے کا صحیح ہے کیونکہ کبھی نہ کبھی تو فرعون کا نفس ناطقہ نفس کی آلائشوں سے پاک ہو کر اس قابل ہو جائے گا کہ وہ اپنے مرکز اصلی یعنی نفس کلیہ کی طرف انجذاب حاصل کرے۔

شریعت کو حکمت کے ساتھ سمجھنے کا یہ طریقہ ہے اور بغیر حکمت کے سمجھنے کا طریقہ دوسرا ہے۔

نفس کلیہ — وجود

یہ کائنات کس طرح موجود ہے اس کا سراغ لگاتے لگاتے انسان آخر کار اس حقیقت تک پہنچا کہ ایک وجود ہے جس سے یہ ساری کائنات ظہور پذیر ہوئی ہے۔ یہ وجود واحد شخص ہے اور تمام کثرتیں اسی سے نکلی ہیں۔ اسے نفس کلیہ بھی کہتے ہیں۔

غایت احدیت کا تجلی اسی نفس کلیہ پر ہوتی ہے۔ تمام چیزیں اسی سے نکلتی ہیں اور اسی میں فنا ہو جاتی ہیں۔ وحدت وجود کا تصور یہی ہے۔

بعض لوگ اسی وجود یا نفس کلیہ کو آخری اور کلی حقیقت[1] سمجھ لیتے ہیں انہیں "عینیہ" کہا جاتا ہے۔ یعنی ان کے نزدیک خدا ہے تو یہی کائنات کا مصدر و منبع ہے تو یہی۔ بعض وجودی صوفی قرآن آیت انا للہ و انا الیہ راجعون (ہم اللہ کے لیے ہیں اور اسی طرف لوٹنا ہے) کو انہی معنوں میں لیتے ہیں۔ عقل انسانی کی یہی معراج و کمال ہے اور یہیں رک

---

[1] ULTIMATE REALITY

گویا قرآن کے نزدیک جنگ اجتماعی چیز (Total War) ہے جس میں جہاں تک طاقت ہو اس میں حصہ لے کوئی مرد اور عورت تندرست اور بیمار اس سے بچ نہیں رہ سکتے لڑنے والی طاقت (Battle Force) کو سامان جنگ اور روٹی کپڑا وغیرہ بہم پہنچانا اور ملک کے انتظام کے لئے پیچھے سے نظام خانگی (Home Front) کو قائم رکھنا جنگ جیتنے کے لئے ضروری ہے۔ ہماری عورتیں اور بچے مریض ابھرے اور لولے لنگڑے ہوم فرنٹ (Home Front) کے کام میں مصروف رہیں گے۔

وہ کیسے مسلمان ہیں جو عذروں کی بناء پر جہاد سے الگ رہنا چاہتے ہیں؟ میرے استاد فرما چکے ہیں کہ تم اکیلے جہاد کر سکتے ہو۔ اور دنیا پر فتح پا سکتے ہو افسوس ہے کہ ہمارے استاد کے ارشاد کے لئے جس سند کی ضرورت تھی وہ وقت پر ہاتھ نہ آسکی[2]۔ ورنہ ہماری دیوبندی جماعت میں سے سوائے اس شخص کے جو سچ مچ منافق ہوتا کوئی پیچھے نہ رہتا اب ضرورت ہے کہ اس جماعت میں سے نفاق کو دور کیا جائے۔ جو جہاد کے لئے تیار نہیں ہے وہ کیوں میرے استاد کی جگہ پر بیٹھتا ہے؟ اسے اس جگہ سے ہٹا دیا جائے۔

غرض اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ (سخت جنگجو لوگوں) سے لڑنا پڑے گا ان سے یہ لڑائی قیامت تک جاری رہے گی۔ اس مقابلے کے متعلق قرآن حکیم کی کوئی آیت کبھی منسوخ نہیں ہو سکتی۔ اور بھرحال یہ متعلق مذکورہ بالا حکم پر عمومی اور دائمی حیثیت رکھتا ہے۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے گا اسے اللہ باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں)

دنیا اور آخرت کی زندگی کا تسلسل : اس حصہ آیت میں خَالِدِیْنَ (ہمیشہ) کا لفظ نہیں ہے۔ اس لئے اس سے مراد دنیا کی جنت ہیں۔ جہاں خالدین کا لفظ آئے گا وہاں مراد یہ ہوگی کہ مومن اس دنیا کے باغوں سے نکل کر سیدھے ان جنت میں پہنچ جائیں گے جو دائمی (خالدین) ہیں۔

ایک شخص (مثلاً فرعون) دنیا میں غرق کر دیا گیا اور وہ اس کے بعد ہی عذاب میں

1۔ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (مرتب)

2۔ یعنی جصاص الرازی کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر (مرتب)

حوالہ نمبر 22

ڈال دیا گیا گویا اس کا عذاب لگاتار رہا اور اس عذاب کو خلود (ہمیشگی) حاصل ہو گیا۔ ہمیشگی کے بلغات میں داخلہ بھی اسی طرح ہو گا کہ یہاں دنیا میں حکومت امن اطمینان و راحت کی زندگی بسر کرتے ہوئے خدا کی راہ میں شہید ہوئے تو سیدھے جنت عدن (ہمیشگی کے بلغات) میں پہنچ گئے۔

وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا (جو شخص پیٹھ پھیرے گا اسے دردناک عذاب دیا جائے)

غلامی کا عذاب : جو لوگ ہمت اور طاقت کے باوجود جہاد میں حصہ نہیں لیں گے انہیں دوسری قوم کی غلامی کے عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا اور جو لوگ اس عذاب غلامی میں مبتلا ہونے کے باوجود اس سے بچنے کی پوری کوشش نہ کریں گے انہیں اس میں مبتلا رکھا جائے گا۔

افسوس ہے اس قوم کے حال پر جو غلامی کا احساس بھی کھو بیٹھے اور بڑے اطمینان سے غیر فکر کی حکومت کا جوا برداشت کرتی رہے! اس کے عوام انقلاب یا جہاد میں کیا حصہ لے سکتے ہیں؟

وہ لادینی نظام فکر کا علمبردار ہے۔ اس [illegible] بڑی فکری توانائی ہے۔ اس کے کارکن بھی عزم و ہمت، بہادری و جرأت اور صدق و یقین میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ میں دین کو مانتا ہوں اور دین کو ماننے ہوئے مزدوروں اور کاشت کاروں کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن میں دنیا میں دیکھ آیا ہوں اور [illegible] بھی دیکھ رہا ہوں کہ مزدور اور کاشت کار اس لادینی تحریک کے زبردست دھارے میں بہتے جا [illegible] ہیں یا بہہ جانے والے ہیں۔ میرے نزدیک اب اس کو روکنا اور پہلے کی سی حالت پر مطمئن یا قانع رکھنا ناممکنات میں سے ہے۔ یہ لوگ اٹھ کر رہیں گے۔ ہم چاہیں یا نہ چاہیں انہیں دبانا اب ممکن نہیں۔ نہ سیاسی طاقت سے اور نہ دین و مذہب کے نام سے بھی۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ لوگ اٹھیں ضرور ان کے ہاتھ میں طاقت بھی آئے۔ ان پر جو مظالم ہوتے ہیں، وہ یک قلم ختم ہوں۔ یہ اپنی تقدیر خود بنائیں اور اس کے خود ہی مالک بنیں۔ میں یہ سب کچھ چاہتا ہوں لیکن اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ وہ لادینی نہ بنیں اور میرے نزدیک اس کی صرف ایک ہی صورت ممکن ہے۔ میں ان کو خدا کا ایک ایسا تصور دینا چاہتا ہوں کہ وہ اگر اسے ٹھیک طرح سمجھ لیں تو وہ کبھی لادینی نہ بنیں۔ میرے اس تصور کو مان کر ان کی قومی، تاریخی، تہذیبی اور انفرادی شخصیت بھی قائم رہے گی۔

اس تصور سے مولانا کی مراد عقیدۂ وحدت الوجود ہے۔ شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ" میں مولانا سندھی نے اجمالی طور پر اس کی وضاحت کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

"جب ہم موجودات پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں دو حقیقتیں پائی جاتی ہیں ایک اشتراک۔ دوسری امتیاز۔ مثلاً تمام انسان انسانیت میں باہم مشترک ہیں۔ اور اپنی مخصوص تعینات میں ایک دوسرے سے ممتاز۔ اسی طرح تمام حیوانات ہیں اب انسان اور حیوانات میں جاندار ہونا مشترک ہے۔ غرض تمام موجودات میں جو چیز مشترک ہے وہ وجود ہے اور ممکن اور واجب دونوں میں وجود پایا جاتا ہے۔ اس وجود سے محض ہونا مراد نہیں بلکہ وہ نسبت مراد ہے جس کی بنا پر ہم کسی چیز کو موجود کہتے ہیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ پر بلا کسی موجود کرانے والے کے موجود ہے۔ اس لیے کہ یہی ذریعۂ وجود ہے۔ لہٰذا

کے خیالات کا اثر لے لے اور ان کے دام میں پھنس جائے۔ غرض یورپی تہذیب و تمدن کو اپنانے کا فکر سرسید کا خود اپنا تھا۔ اس سے قدرتاً مسلمانوں کا مذہبی کٹرپن ٹوٹتا۔ یہ چیز انگریزی حکومت کے لیے مفید تھی۔ مولانا نے کہا، میرے نزدیک اس میں مسلمانوں کا بھی فائدہ تھا۔ اس سے ان کی سماجی فرسودگی اور ذہنی جمود ختم ہوتا تھا۔

سرسید نے اس مذہبی کٹرپن کو توڑنے کے لیے دلیل و برہان اور مشاہدہ و تجربہ کو ذریعہ بنایا اور مسلمانوں کو انگریزی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے اور اس کے فراہم کردہ ترقی کے مواقع سے فائدہ اٹھانے کی دعوت دی۔ مرزا صاحب نے اس کے لیے مذہب، وحی، نبوت اور الہام سے کام لیا۔ انگریزی حکومت کے لیے سرسید کا اقدام بھی مفید تھا۔ اور مرزا صاحب کی مجددیت، مہدیت اور نبوت بھی دونوں کے سامنے اجنبی حکومت کے خلاف مسلمانوں میں جو مذہبی و قومی تعصب تھا اس کی وجہ سے ان کو جو نقصان پہنچ رہا تھا، اور آگے چل کر اس سے مزید نقصان پہنچنے کا جو اندیشہ تھا اسے دور کرتا تھا۔

اس مفصل گفتگو کو جس میں مجدد اور باتوں کے سید جمال الدین افغانی کی عرب ممالک کے حق میں سرگرمیوں کو یورپی طاقتوں کے ساتھ ان کی ساز باز قرار دینے کا بھی ذکر تھا ــــ مولانا نے ختم کرتے ہوئے یوں ممکن فرمایا۔

یوں سمجھو کہ سرسید احمد خاں اس دور کے مسٹر محمد علی جناح تھے۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔ مسٹر جناح آج عقل و استدلال سے مسلمانوں کو کانگرس سے بیزار کرتے ہیں۔ اور مولانا مودودی اسلام کے ذریعہ کانگرس کو مسلمانوں میں مردود قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ راقم الحروف کے نزدیک اسی لیے سرسید کی اس انگریز دوستی کا اتباع عام طور پر مسلمانوں کے اعلیٰ اور اعلیٰ متوسط طبقے نے کیا جس میں مذہبیت کا عمل دخل نسبتاً کم تھا، اور مرزا غلام احمد کو پنجاب کے متوسط اور نچلے متوسط طبقوں سے وہ لوگ ملے جنہیں سرکاری نوکریوں کی ضرورت تھی۔ نیز ان کی راہ میں اس دور میں یہ مذہبی جذبہ حائل ہوتا تھا کہ ایک مسلمان کے لیے کافر حکومت کی نوکری کرنا شاید جائز نہ ہو۔ مرزا صاحب نے مہدی، مسیح موعود اور نبی بن کر ان کی اس ہچکچاہٹ کو دور کر دیا اور ان کے لیے اتنی بڑی

مذہب کے خلاف ہیں فرق یہ ہے کہ سوشلسٹ اپنے ما فی الضمیر کو چھپانے کی ضرورت نہیں سمجھتے' اس لئے وہ علانیہ اور برسر مذہب پر حملہ کرتے ہیں۔ اس کے برعکس سرمایہ دار معناً تو مذہب۔۔۔۔۔۔۔کی مخالفت میں ان کے ہمنوا ہیں لیکن وہ بظاہر اس کا اعلان نہیں کرتے' سرمایہ داروں کا مذہب کی مخالفت نہ کرنا اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ مذہب کا بھلا چاہتے ہیں اور دل سے اس کے مخالف نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ یہ اپنی سیاسی مصلحتوں کے لئے مذہبی لوگوں کو استعمال کرتے ہیں اس لئے یہ لوگ علانیہ مذہب کی مخالفت کر کے مذہبی طبقوں کی دشمنی نہیں خریدتے۔

دوسری طرف محنت کش طبقوں نے جو اجتماع بنایا ہے' ہم نے ان کی اس اجتماعی تحریک کا لادینیت سے کوئی طبعی ربط اور بنیادی تعلق محسوس نہیں کیا۔ ہمارے نزدیک محنت کش طبقوں کی یہ تحریک اور لادینیت لازم ملزوم نہیں' یعنی یہ ضروری نہیں کہ جب کبھی انسانیت کے پس ماندہ اور محنت کش طبقے کوئی اجتماع بنائیں تو لازمی طور پر وہ اجتماع لادینی اور مذہب کے خلاف ہو۔ غرضیکہ قومی زندگی میں ہم فرد کی بجائے انسانی اجتماع کو اہم مانتے ہیں اور ہم نے شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ وہ بھی انفرادیت کی بجائے اجتماعیت پر بہت زور دیتے ہیں۔ اب ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ پڑھا ہے وہ دیوبند سے پڑھا ہے اور دیوبندی سکول جیسا کہ ساری دنیا جانتی ہے شاہ صاحبؒ کے اساسی فکر پر مرتکز ہے چنانچہ دیوبند کی تعلیم یورپ کی سیاست کا مطالعہ اور شاہ ولی اللہؒ کا فکر یہ چیزیں ہیں۔ جنہوں نے ہمیں تاریخ کے واقعات اور حوادث کو اجتماعی نقطۂ نظر سے دیکھنے کا عادی بنا دیا ہے لیکن یہاں ہم پھر اس امر کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اجتماعیت کے لئے لادینیت ضروری نہیں ہے۔

قرآن اور اجتماعیت

اس فیصلے کا میرے افکار پر پہلا اثر یہ ہوا کہ مجھے قرآن شریف کی اپنی

حوالہ نمبر 26

۲۷۴

ہیں۔ اگر زندگی ان قواعد و ضوابط سے آزاد ہو جائے اور انسان کسی ایسے قانون کا پابند نہ رہے جو اس کی حرکات و سکنات اور شب و روز کی سرگرمیوں کو ضبط میں نہ رکھے تو اس کا نتیجہ مکمل بدنظمی اور نزاج ہے۔ زندگی میں فقہ یعنی مدون قانون کی بھی ضرورت ہے اور حکمت کی بھی۔ اگر حکمت اور فقہ ساتھ ساتھ رہیں تو انسان آگے بھی بڑھتا ہے اور ماضی سے بھی اپنا رشتہ قائم رکھتا ہے۔ حکمت تقدم Progressiveness اور فقہ تحقق Conservatism کا باعث بنتی ہے۔ لیکن اگر فقہ سے بالکل بے تعلقی اختیار کی جائے تو لازمی طور پر اس سے جماعت میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اور اگر فقہ ہی فقہ زندگی پر حاوی ہو جائے تو دماغ جامد ہو جاتا ہے اور ترقی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔

مولانا نے مثال کے طور پر ایک دفعہ فرمایا کہ مدرسہ دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم صاحب حکیم تھے اور مولانا رشید احمد گنگوہی فقیہ۔ نہ اول الذکر فقہ کی اہمیت کے منکر تھے۔ اور نہ مولانا گنگوہی حکمت کے مخالف۔ لیکن آخر الذکر بزرگ جانتے تھے کہ زندگی کے تسلسل کے لیے فقہی نظام کی اشد ضرورت ہے۔ اس لیے وہ اس پر زور دیتے رہے۔ مولانا کے خیال میں بعد میں آنے والے

حکمت اور فقہ کا یہ لزوم بھول گئے اور اسی وجہ سے اب مدرسہ دیوبند جمود اور رجعیت کا مرکز بن کر رہ گیا ہے۔

قرآن کی حکمت متقاضی تھی کہ اس کی تعلیمات جتنی بھی عام اور عالمگیر ہو سکیں ہوں لیکن زندگی کے سرے رُخ یعنی تحقق کا جس کا مظہر فقہ اور قانون ہوتا ہے وہ مطالبہ تھا کہ جس ماحول اور قوم میں یہ تعلیم عملی جامہ پہن رہی ہے، اس کے

حوالہ نمبر 27

شاہ ولی اللہ کے ماننے والے یہ حضرات ان کی کتابیں بھی پڑھنا ضروری نہیں سمجھتے۔ ان کی ساری متاعِ علمی فرسودہ قسم کے رائج الوقت درسِ نظامی پر منحصر ہے

شاہ صاحب کے نام لیواؤں کی دوسری جماعت اہلِ حدیث حضرات کی ہے اس جماعت کی بدعات کے خلاف اور ملک کی سیاسی آزادی کے حق میں اس صدی میں جو جدوجہد رہی ہے، وہ بے شک قابلِ تعریف ہے۔ لیکن اب وہ وطن پرستی کی جس منزل کو پہنچ چکی ہے، وہ سب کے سامنے ہے۔ ہماری ذہنی پراگندگی اور فکری اپاہج پن دونوں کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہوگا کہ جماعت اہلِ حدیث اور جماعت دیوبند دونوں شاہ ولی اللہ کی پیروی کی مدعی ہوتی ہوئیں حدیث و فقہ میں ان کے خیالات کی مدد سے کوئی ایسا مسلک وضع نہیں کر سکیں جس پر دونوں کو اتفاق ہو۔ ذہنی فکر کے بانجھ پن کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہوگی۔ شاہ ولی اللہ نے تصوف کے عقیدۂ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں تصوف و فقہ میں، فقہ و حدیث میں، حدیث و قرآن میں، قرآن اور دنیا کی دوسری الہامی کتابوں میں، تاریخ اسلام کے مختلف دوروں اور ان کی مابہ النزاع شخصیات میں اور تو اور مختلف ادیان بھی توافق و تطابق پیدا کیا۔ ساری کائنات کی کثرت کو ایک وحدت میں اور اس وحدت کو ایک وجود میں جمع کر دیا۔ اور ان کے ماننے والے حدیث و فقہ میں تطابق نہیں پیدا کر سکے۔

یہ ہماری فکری بے چارگی، فکری سستی اور فکری ناتوانی ہے اور بس، ہمارے ذہن اب تک قید ہیں۔ ماضی کی روایات میں، رسوم میں اور خوش عقیدگیوں میں۔ نیا قدم اٹھانے پر ہمیشہ گالیاں پڑتی ہیں۔ بے عزتی ہوتی ہے اور سماجی و معاشی دباؤ پڑتا ہے بزرگوں کی راہ پر آنکھیں بند کر کے چلنے والے بزرگ مانے جاتے ہیں۔ اور ان کی توقیر بھی ہوتی ہے۔ اور "خدمت" بھی۔ ظاہر ہے اب نیا قدم کون اٹھائے۔ سب کا بڑا کون بنے۔ بھوکا کون مرے۔ ملحد و زندیق کون کہلائے۔

اسی موت کی ذہنی زندگی سے جل کر عربی زبان کے مشہور عراقی شاعر جمیل الزہاوی نے آج سے پچاس ساٹھ سال قبل یہ شعر کہے تھے۔

بنالیا۔ اور ایک نے کتاب کو خدا مانا، بُت بھی ساکت اور جامد ہے، اسی طرح یہ کتاب بھی اُس کے لیے ایک بُت ہی ہے۔ کیونکہ وہ اُسے سمجھتا نہیں اور بغیر سمجھے اس کو پڑھتا ہے۔

اب تم ہندوؤں کو تو بُت پرست کہتے ہو اور اپنی طرف دیکھتے نہیں حالانکہ بت پرستی میں تم اور وہ یکساں ہو۔ قرآن تفکر و تدبّر کے لیے اترا ہے۔

اسی قسم کی ایک اور مثال سنئے، مولانا نے فرمایا:۔

میں عام طور پر یہ بات کہتا نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں کے آلِھۃ (الٰہ کی جمع) یعنی دیوتا ہمارے ملائکہ ہیں۔ خدا ہندوؤں کے نزدیک اِلٰہُ الآلِھۃ ان دیوتاؤں کا معبود ہے۔ ہم نے غلطی سے ان کے دیوتاؤں کو خدا سمجھ لیا اور اس طرح ان کے مذہب کو صحیح طور پر نہ سمجھ سکے۔ دراصل تعبیرات الگ الگ ہیں۔ اصل حقیقت ایک ہے۔ ان کے ہاں بھی خدا سب سے ماورا ہے۔

محترم حضرت مولانا کی خدمت میں اتنا عرصہ رہنے اور ان کی اس قدر طویل گفتگوؤں کے دوران میں میں نے ان کی زبان سے سوشلزم، کمیونزم یا اشتراکیت کی اس حیثیت سے کہ وہ سوشلزم، کمیونزم یا اشتراکیت ہے، کبھی مذمت نہیں سنی۔[1] البتہ یہ واقعہ ہے

---

[1] ۱۷ اپریل ۱۹۷۲ء کو یعنی انتقال سے صرف چار ماہ قبل حیدرآباد میں جمعیت الطلبہ سندھ کے اجلاس میں اپنے خطبۂ صدارت میں مولانا نے فرمایا تھا۔

"..... ہم کمیونزم کے حقوق سے دست بردار ہونے والے نہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں روس سے آئی ہوئی ایک تحریک چل رہی ہے۔ اس تحریک میں کام کرنے والے کامریڈ کسان کو زمیندار سے لڑانا چاہتے ہیں۔ ہم چونکہ روس سے ہو کر آئے ہیں، اس لیے ممکن ہے بعض لوگوں کا خیال ہو کہ ہم بھی کسان کو زمیندار سے لڑانے کے داعی ہوں گے۔ ہمارے متعلق یہ سمجھنا ٹھیک نہیں۔ ہمارا پروگرام وقتی نہیں۔ ہم ایک طویل راہ عمل کی طرف بلاتے ہیں۔ آج یہ ممکن نہیں کہ ہم اپنے طالب علموں کو اپنا سارا پروگرام پڑھا دیں ....."

حوالہ نمبر 29 (37)

اشتراکیت کی افادیت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور جو دشمن تھے۔ وہ بھی اس کے مفید ہونے کے قائل ہو گئے۔ یہ ہے روسی اشتراکیت کا عمومی پہلو۔ قومی پہلو محدود زمانے کے لیے ہوتا ہے۔ اور عمومی پہلو جب تک انسانیت کے لیے کسی تحریک میں کچھ بھی فائدہ ہے، برسرِ کار رہ سکتا ہے۔ اشتراکیت کی وجہ سے آج روس کو سربلندی ملی۔ کل کو کوئی دوسری قوم اس کی بدولت بین الاقوامی قیادت کی مالک بن سکتی ہے۔ اور پرسوں کوئی تیسری قوم وعلیٰ ہذا القیاس۔ ہر قوم کیلئے اس کا دروازہ کھلا ہے۔ اور اس کے ذریعہ وہ عزت و عظمت حاصل کر سکتی ہے۔ ایک بین الاقوامی اور عمومی تحریک کا یہ لازمی نتیجہ ہے۔

یہ مثال ہے اس عہد کی ایک بین الاقوامی تحریک کی۔ مولانا اس تحریک کو نامکمل سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک انسان محض معاشی حیوان نہیں۔ اشتراکیت نے انسانیت کی خارجی زندگی کی تنظیم کر کے بڑا کام کیا ہے۔ لیکن انسان کی ایک معنوی زندگی بھی ہے۔ بے شک اسلام اور اشتراکیت دونوں بین الاقوامی تحریکیں ہیں اور دونوں کا پیغام تمام بنی نوع انسان کے لیے ہے۔ پھر دونوں کی دونوں انقلابی ہیں۔ لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ اشتراکیت صرف معاشی زندگی پر سارا انحصار رکھتی ہے۔ اسلام معاشی زندگی کا انکار تو نہیں کرتا لیکن وہ زندگی کو محض معاشی دائرہ تک محدود بھی نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک زندگی دوام چاہتی ہے۔ اور وہ اس دنیا ہی میں ختم نہیں ہو جاتی۔ بے شک یہ فرق بھی کوئی معمولی فرق نہیں۔ لیکن جہاں تک دونوں کے بین الاقوامی اور انقلابی ہونے کا تعلق ہے۔ دونوں آپس میں ملتی ہیں اور ایک کے مطالعے سے دوسری تحریک

ان اصولوں پر ہماری پارٹی اسلامی اکثریت کے صوبوں میں صحیح اسلامی اور انسانی فضا پیدا کرنا چاہتی ہے۔ یہ فضا نہ ہندوستانیت کے منافی ہے۔ اور نہ اس میں ہندوؤں اور سکھوں سے تنازعہ کا امکان ہے۔ اور نہ برطانیہ کے ساتھ متنازعت ہے۔

مولانا سندھی کے ذہن میں اس برعظیم کے مسلم اکثریت کے صوبوں کے لیے کس قسم کا اقتصادی نظام تھا، اسی بیان میں اسے ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

چونکہ یہ پارٹی غیر مسلم عناصر کو بھی شامل کرنے کے لیے تیار ہے۔ اس لیے وحدت فکری کے لیے وہ غیر مسلم طاقتوں کو ایک ایسے فلسفے کی طرف دعوت دیتی ہے، جو مسلم و غیر مسلم دونوں کے لیے یکساں قابل تسلیم ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اگرچہ ہم اشتراکیت کے انتہا پسندانہ اقتصادی پروگرام کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن ہم محنت کش طبقے کے لیے روٹی، کپڑے، تعلیم اور صحت کی اصلاح کو نظر انداز کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس میں ہم مسلم و غیر مسلم کا امتیاز روا نہیں رکھیں گے۔ کیوں۔ یہ تو اس فلسفی فکر کا جزو لازم ہے، جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے۔

مولانا اشتراکیت کے کسی انتہا پسند اقتصادی نظام کے اصولاً مخالف نہ تھے لیکن جو حالات اس وقت ہندوستان کے تھے، ان میں مولانا سمجھتے تھے کہ کسی انتہا پسند اقتصادی نظام کے نفاذ کا سوال اٹھانا محض شاعری اور اصل کام کو ٹالنا ہے۔ اور یوں بھی اکثر بڑے بڑے خواب دیکھنا اور اونچی اونچی باتیں کرنا کچھ نہ کرنے کا بہانہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کہا کرتے تھے کہ عمل تحدید چاہتا ہے۔ یعنی عمل کے لیے بلندیوں اور وسعتوں سے اتر کر محدود ہونا پڑتا ہے۔ اس لیے اس میں حالات گرد و پیش سے کسی نہ کسی حد تک سمجھوتہ (COMPROMISE) ناگزیر ہوتا ہے۔ یہ سمجھوتہ اصولوں پر نہ ہو۔ اصولوں پر قائم رہتے ہوئے ماحول کی ضرورتوں کے تحت عمل اور ٹھوس عمل کے لیے ہو۔

ضلع مظفر گڑھ (پنجاب) کے موضع ٹھٹھہ قریشیاں کے ایک صاحب خدا بخش قریشی

پس ایسی جماعت ہی مخالفین پر غالب آئے گی۔ لیکن ان کا غلبہ انتقامی شکل میں نہیں ہوگا۔ بلکہ ہدایت اور ارشاد کے طریق پر ہوگا۔ جیسا کہ والد اپنی اولاد پر غالب ہوتا ہے۔ اب اس نظام کے خلاف جو بھی اٹھے کھڑا ہوگا وہ فنا کر دینے کے قابل ہوگا۔ (ترجمہ از الہام الرحمٰن)

ظالم بزدل ہوتے ہیں اور لڑائی میں شجاعت کے ساتھ موصوف وہی لوگ ہوتے ہیں جو عادل ہوں۔ اور قتال فی سبیل اللہ صرف عادل ہی کر سکتا ہے۔ ہم نے یہ بات سمجھی ہے اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کہ جو شخص چاہتا ہے کہ وہ عزیز اور محترم ہو۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر ممکن طریق پر سعی و کوشش کرے ایسی حکومت کی تشکیل میں جس کی بنیاد ایسے قانون پر ہو جس کے بارہ میں اس کو یقین ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ اور یہ سعی یقیناً اس شخص سے ہوگی جو عدل کو پسند اور ظلم کو ناپسند کرتا ہو۔ اور جو امت (جماعت) بھی عدل کے نقطۂ نگاہ سے تشکیل پائے گی تو ایسے لوگ ہی دنیا میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔ (الہام الرحمٰن)

میرا یقین ہے کہ اسلام سے بہتر انسانیت کے لئے کوئی مذہب کوئی فلسفہ کوئی تمدن کوئی قانون میسر نہیں آسکتا۔ (ذاتی ڈائری ص۲)

میرا یہ غیر متزلزل یقین اور عقیدہ ہے کہ اسلام کا مستقبل بڑا روشن اور شاندار ہے بے شک اسلام پوری قوت اور توانائی کے ساتھ ایک بار پھر ابھرے گا۔ لیکن خاتمہ میں اس کا ڈھانچہ وہ نہیں رہے گا جو اس وقت ہے (ذاتی ڈائری ص۳۳)

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے مسلمانوں کی دا، عضال (لاعلاج بیماریاں) شاہ ولی اللہ کی حکمت کے مطابق دو چیزوں کو قرار دیا ہے (۱) قرآن کریم کی حکمت عملی سے دوگردانی (۲) دولت کو ملت کے تمام اخلاقی اور عملی مفاسد کا مرجع اور مدار اقتصادی عدم توازن کو قرار دیا ہے۔

(حزب ولی اللہ کی اجمالی تاریخ) ص۲۱

جو امت قرآن کریم کا پروگرام نہیں اپنائے گی وہ کبھی کامیاب نہ ہوگی۔ مسلمان قرآن کی عالمی تنظیمی دعوت کا پروگرام لیکر اٹھے تھے اور پھر اپنی اس تنظیمی دعوت میں کامیاب ہو گئے اور صرف پچاس سال کی مدت یعنی واقعہ صفین کی تحکیم تک ہوا۔ اب جو کوئی امت تنظیمی دعوت لے کر اٹھے گی تو وہ کبھی بھی کامیاب نہ ہوگی جب تک وہ قرآن کے پروگرام کو نہ اپنائے گی۔

سمجھتے ہو، عمل کرنا ملتوی نہ کرو۔ اپنا مطالعہ جاری رکھو۔ ایک نہ ایک دن تم حجۃ اللہ کے مشکل مباحث کو بھی سمجھ جاؤ گے۔

یہ گفتگو کرتے کرتے مولانا سندھی ذرا جوش میں آ گئے۔ فرمانے لگے میں شاہ ولی اللہ صاحب کے سوا کسی کو اپنا امام نہیں مانتا۔ پہلے جو گزرے گزر گئے۔ کیا شاہ صاحب ان کو نہیں مانتے۔ اب اگر وہ ان ائمہ کو مانتے ہیں تو میں ان کا انکار نہیں کرتا۔ لیکن میرے ذہن کی اساس شاہ ولی اللہ کا فکر ہے۔ اس کے سوا میں کسی کو نہیں مانتا۔ تصوف میں اس قسم کے رجحان ذہنی کو "توحید فی الشیخ" کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں صرف شیخ کو مانتا ہے۔ اب جن جن چیزوں کو شیخ مانتا ہے، اس کے واسطے سے میں بھی انہیں مانتا ہوں۔ اس قسم کے رجحان ذہنی میں یقیناً خرابیاں بھی ہیں۔ لیکن اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے قوت عمل کو غیر معمولی محرک ملتا ہے۔ اور ذہن ایک مقصد پر مرکوز ہو جاتا ہے۔

ایک دفعہ باتوں باتوں میں فرمانے لگے میرے نزدیک سوشلزم مادی زندگی کا ایک ریاضی نظام ہے۔ اسی سلسلے میں ارشاد ہوا۔ مجھے ریاضی سے بچپن ہی سے بڑی دلچسپی رہی ہے۔ میں جب ابتدائی جماعتوں میں پڑھتا تھا، اپنے سے اونچی جماعتوں کے ریاضی کے سوال حل کر لیا کرتا تھا۔ میری اس ریاضی پسند ذہنیت نے مجھے حقائق پسند بنا دیا۔ میرے نزدیک سوشلزم یا کیمونزم زندگی کی بنیادی ضرورتوں کا ایک ریاضی نظام ہے۔ انسانی زندگی میں یہ منزل ضروری ہے۔ جس طرح تعلیم اور تعلیمی تربیت کی اساس علم ریاضی ہونا چاہیئے، اسی طرح آج انسانی اجتماعیت سوشلزم کے بغیر منظم نہیں ہو سکتی۔ جو شخص آج سرے سے سوشلزم کا انکار کرتا ہے، وہ میرے فکر سے استفادہ نہیں کر سکتا۔ میں تو یہ کہوں گا کہ سوشلزم کا انکار کرنے والا مجھ سے نہیں۔ میں سوشلزم کے اصولوں پر اپنے اجتماع کی تنظیم کرنا چاہتا ہوں اور اس کے اوپر شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کو حاکم بنانے کی دعوت دیتا ہوں۔ شاہ صاحب کا یہ فلسفہ انسانیت عامہ کا حامل ہے۔ یہ پوری کائنات اور اس کے ماوراء جو عالم ہیں، ان سب کو ایک

حوالہ نمبر 33

۴۱۵

۴- ہندوستانی اقوام میں سے ہر قوم اپنے اپنے رقبے میں با اختیار اور آزاد ہو۔ اس کو پورا حق ہو کہ وہ اپنی زبان اور اپنے تمدن اور اپنے قومی وجود کو استحکام اور ترقی دے سکے۔

۵- ہندوستان کی ان با اختیار اور آزاد اقوام کی ایک وحدت ہو۔ اس وحدت کی حیثیت قومی نہیں بلکہ بین الاقوامی ہوگی۔

۶- ہندوستانی اقوام کی اس وحدت کے یہ بنیادی اصول ہوں:-

۱- سیاست: اپنی رائے سے اپنے اوپر حکومت کرنے کا حق، جسے عرف عام میں جمہوریت کہتے ہیں۔ قوم کے ہر فرد کی خواہ وہ مرد ہو یا عورت مساوی حیثیت۔ نسل، مذہب یا قدامت کی بنا پر کسی کو کوئی تفوق نہ ہو۔

۲- اقتصادیات: صنعتی انقلاب کا مکمل نفاذ۔ سب کے لیے ایک سی اقتصادی سہولتیں۔ محنت کش طبقوں کا معیار زندگی دوسروں سے کم نہ ہو۔ سیاسی آزادی، اقتصادی آزادی کے بغیر بے معنی ہے۔ اقتصادی آزادی ایک گروہ یا جماعت تک محدود نہ ہو، بلکہ ملک کی عام آبادی بلا تمیز مذہب و ملت اس سے بہرہ اندوز ہو۔

۳- معاشرت: صنعتی انقلاب کو کامیاب بنانے کے لیے ضروری ہے کہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے پرانے اوضاع و اطوار کو بدلا جائے۔ ہماری یہ چیزیں اس زمانے کی یادگار ہیں۔ جب زندگی دوسرے ڈھنگ پر تھی۔ اب چونکہ زندگی یکسر بدل گئی ہے۔ اس لیے یہ اوضاع و اطوار بھی فرسودہ ہو چکے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ یورپی معاشرت اختیار کی جائے۔

حوالہ نمبر 34

۲۸۱

کیونکہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ہر قوم اور ہر پیشوائے قوم کو ہر زمانے میں اجازت دے دی جائے کہ وہ اپنی شریعت آپ بنالیں۔ اس سے تو شریعت کا جو مقصود ہے وہ بھی فوت ہو جائے گا۔ نہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہر قوم کی عادات اور خصوصیات کا پتہ لگایا جائے اور ہر ایک کے لیے الگ الگ شریعت بنائی جائے۔ اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان کوئی اور طریقہ نہیں کہ خاص اس قسم کی عادات، شعائر، تعزیرات اور انتظامات کا لحاظ کیا جائے، جن میں یہ اقوام پیدا ہوا ہو، اس کے ساتھ آنے والی نسلوں پر ان احکام کے متعلق چنداں سخت گیری نہ کی جائے۔

اس کے بعد مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ اس اصول سے یہ بات ظاہر ہوگی کہ شریعت اسلامی میں چوری، زنا، قتل وغیرہ کی جو سزائیں مقرر کی گئی ہیں، ان میں کہاں تک عرب کی رسم و رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ کہ ان سزاؤں کا بعینہا اور بخصوصہا پابند رہنا کہاں تک ضروری ہے۔ یہاں مولانا شبلی کا بیان ختم ہوتا ہے۔

یقیناً قرآن نے جس قوم میں کہ وہ نازل ہوا، اس قوم کی عادات، شعائر، تعزیرات اور انتظامات کا لحاظ رکھا ہے لیکن اس سے قرآن کی عمومیت اور ہمہ گیریت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کیونکہ بقول مولانا شبلیؒ "جو احکام ان عادات اور حالات کی بنا پر قائم ہوتے ہیں۔ ان کی پابندی مقصود بالذات نہیں ہوتی اور نہ اس پر چنداں زور دیا جاتا ہے۔ مولانا کے نزدیک بھی قرآن میں کہیں کہیں جو احکام ہیں، وہ دراصل ایک مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان احکام کو اپنی مخصوص شکل میں ابدی اور عالمگیر ماننا صحیح نہیں۔ عرب کے خاص حالات میں قرآن کے عمومی پیغام کو صرف ان احکام کے ذریعہ ہی عملی صورت دی جا سکتی تھی۔

لیکن ہمارے مفسرین کا یہ حال ہے کہ آپ جس تفسیر کو اٹھا کر دیکھیں گے، ہر آیت کے متعلق ایک جزئی واقعہ مذکور ہوگا۔ مثلاً یہ آیت ابوجہل کے حق میں ہے، یہ آیت عبداللہ بن اُبی منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق کی فضیلت میں اتری۔ اس آیت میں اہلِ بیت کے فضائل کا بیان ہے۔ غرضیکہ قرآن کی آیات کو مخصوص اشخاص اور واقعات سے مختص کر دینے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آپ اساتذہ اور طلبہ کو انہیں جزئی چیزوں میں غور کرتا ہوا پائیں گے۔

قرآن عظیم کو عملاً آیاتِ احکام تک محدود کر دینے، نیز اس کی آیات کو عمومی مطالب کے بجائے جزئی واقعات سے مختص کرنے کا اثر یہ ہوا کہ قرآن بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی زندگی میں مؤثر نہ رہا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ وہ ہماری تمام عملی سرگرمیوں میں مشعلِ ہدایت بنتا۔ لیکن ہوا یہ کہ وہ محض پڑھنے پڑھانے تک محدود ہو کر رہ گیا۔ شاہ صاحب نے "الفوز الکبیر" کی ابتداء میں اس غلطی کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ آیاتِ احکام کے سلسلے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اجتماعی طور پر عام بنی نوعِ انسان میں جو بداخلاقیاں اور بداعمالیاں ظہور پذیر ہوتی رہتی ہیں، ان آیات کا سببِ نزول ان کو سمجھنا چاہیئے۔ یہاں کسی زمانے اور قوم کی تخصیص نہیں۔ عرب ہوں یا عجم، آج کا زمانہ ہو یا کوئی پہلے کا گزرا ہوا دور، جہاں بھی یہ خرابیاں پیدا ہوں گی، قرآن کی ان آیات کا انطباق ان پر ہوگا۔ اس ضمن میں "الفوز الکبیر" کی عبارت ملاحظہ ہو۔

"تحقیق شدہ امر یہ ہے کہ جہاں بھی بُرے اعمال اور ظلم کا وجود ہوگا، وہ ان آیات کا سببِ نزول سمجھا جائے گا۔"

شاہ صاحب نے قرآن عظیم کے مطالب کو اس شکل میں پیش کرنے پر صرف اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے اپنے صحبت یافتہ لوگوں میں سے اس طریقے پر

حوالہ نمبر 36

226

ترجمہ! وہی اللہ ہے پیدا کرنے والا ٹھیک ٹھیک بنانے والا' صورت دینے والا اسی کے اچھے اچھے نام ہیں۔ سب چیزیں اس کی تسبیح کرتی ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔

کیا کوئی نیا نبی آئے گا

اس تحریک کی کامیابی کے بعد آگے کیا دور شروع ہوگا؟ کیا کوئی نیا نبی آئے گا جس کا انتظار کرنا چاہیے؟ کیا وہ عالمگیر انقلاب کے کوئی نئے اصول لے کر آئے گا؟ ہماری سمجھ یہ ہے کہ یہ تحریک کسی نئے نبی کا انتظار نہیں سکھاتی اور نبی اکرم ﷺ کو خاتم النبیین قرار دیتی ہے تو کیا دنیا اب ایک ہی ڈھنگ پر چلتی رہے گی۔

اگر دنیا میں تبدیلیاں آئیں گی تو ان کے مطابق نئے نظام بھی آنے چاہئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن حکیم جو نظام لے کر آیا ہے۔ وہ تمام اقوام کے لئے قیامت تک کے لئے کافی ہے۔

الخالق:- چونکہ اللہ خالق ہے اس لئے نئی نئی چیزیں پیدا ہوتی رہیں گی۔

(یخلق مالا تعلمون ، (النحل:8) ان سے بڑے بڑے کام جن کو پہلی قومیں نہیں کر سکیں آسان ہو جائیں گے۔ خلق کے معنی ہیں ایک چیز سے دوسری چیز بنانا یہ نظام کائنات اس طرح چل رہا ہے کہ ایک نظام اپنے مابعد نظام کے لئے انڈے کا کام دیتا ہے۔

المصور:- اللہ تعالیٰ اس مادے کو نئی نئی صورتیں دیتا رہے گا۔

الباری ع:- اور ان میں نئی نئی استعدادیں پیدا کرتا رہے گا۔

لہ الاسماء الحسنیٰ:- وہ اپنی صفات حسنہ سے ہر وقت کام لیتا رہے گا۔ اس نظام میں کسی نئے اضافے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو نظام آپ کا ہے یہ کافی ہے اب انسانیت بہ اعتبار آلات ترقی کرے گی۔ اصول انسانیت قرآن حکیم میں منضبط ہو چکے ہیں۔ انسانیت ہمیشہ ان کی مدد سے اپنے اندر انقلابات پیدا کرتی رہے گی اس لئے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح اس انقلاب کو قیامت تک کامیاب بنایا جاتا رہے گا۔

نئے نظام کی خوبیاں

یسبح لہ مافی السموات والارض وھو العزیز الحکیم○

آسمان و زمین کی تمام چیزیں اپنی ساخت میں بالکل بے عیب ہیں اور قواعد مسلمہ کے اندر کام کر رہی ہیں پس وہ خدا جس نے یہ نیا نظام دنیا کو دیا ہے۔ اس نئے نظام کو بے عیب طور پر انسانیت دے رہا ہے اب اسی کے ذریعے سے انسانیت کو عزت حاصل ہوگی۔ کیونکہ یہ نظام حکمت پر مبنی ہے اور انسانیت کو حکمت سکھاتا ہے یہ عزت و حکمت اللہ کی طرف سے آتی ہے۔

الحمدللہ کہ سورۃ الحشر کی تفسیر ختم ہوئی۔ جن اہل علم حضرات نے اس شرح کا مطالعہ بنظر غائر کیا ہے۔ ان سے مخفی نہیں ہے کہ حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ نے عجیب عجیب نکات بیان کئے ہیں۔ اللہ رب العزت نے انہیں قرآن دانی کا جو ملکہ عطا کیا ہوا تھا وہ خاص الخاص تھا۔ ایسی ہستیاں دنیا میں بار بار پیدا نہیں ہوا کرتیں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت قرآن کے صلہ میں اس صدقہ جاریہ کو ہمیشہ ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ آمین

میں بھی غیر صحیح روایات موجود ہیں۔ بالاتفاق سب اس بات کو تسلیم کرتے ہیں۔ نیز ان کتب حدیث میں ایک واقعہ کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ پھر ہماری کتب حدیث میں بھی کاتبوں سے غلطیاں ہوتی رہیں۔ جن کو محققین علماء برابر درست کرتے رہتے۔ ان باتوں کے پیش نظر اگر انجیل کی چار کتابوں کو صحاح اربعہ یعنی صحیح بخاری صحیح مسلم، ابوداؤد اور ترمذی کے درجہ پر مان لیا جائے تو ذرا برابر اختلاف نظر نہ آئے گا۔

ایک عرصہ ہوا میری نظر سے مسٹر ہنری اسکاٹ کی شرح انجیل اردو میں گزری تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس میں انجیل کی چار کتابوں کے باہمی اختلافات کو اسی طرح جمع کرنے اور ان میں سے کسی ایک روایت کو دوسری روایتوں پر ترجیح دینے کی سعی کی گئی ہے جیسے ہم کتب حدیث کی مختلف روایتوں میں جمع کرتے ہیں۔ اس لئے سابقہ کتب مقدسہ کے متعلق تحریف کا وہ الزام جو عموماً ہم تورات اور انجیل کے سلسلے میں اہل کتاب پر عاید کرتے ہیں۔ اور جسے مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی نے اپنی کتاب "اظہار الحق" میں بڑے شد و مد سے ثابت کیا تھا، میری نظروں میں کمزور ہوتا چلا گیا۔ اور امام بخاری، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور امام ولی اللہ ایسے محقق عالموں کی تحقیق، جو تورات میں تحریف کا انکار کرتے ہیں، میری سمجھ میں آنے لگی لیکن اس ضمن میں جب تک ہم سابقہ کتب مقدسہ کو کتب حدیث کے درجہ پر نہ مانیں، یہ مسئلہ صاف نہیں ہوتا، جب میں نے امام ولی اللہ کی کتاب "مسطعات" میں اس مضمون کو صراحتاً مذکور پایا تو اطمینان کا سانس لیا۔

کتب حدیث کے طبقات

حدیث کی کتابیں دو طرح پر مرتب کی گئی ہیں۔ پہلی قسم تو (ملاحظہ ہو، جن

۱۶۱

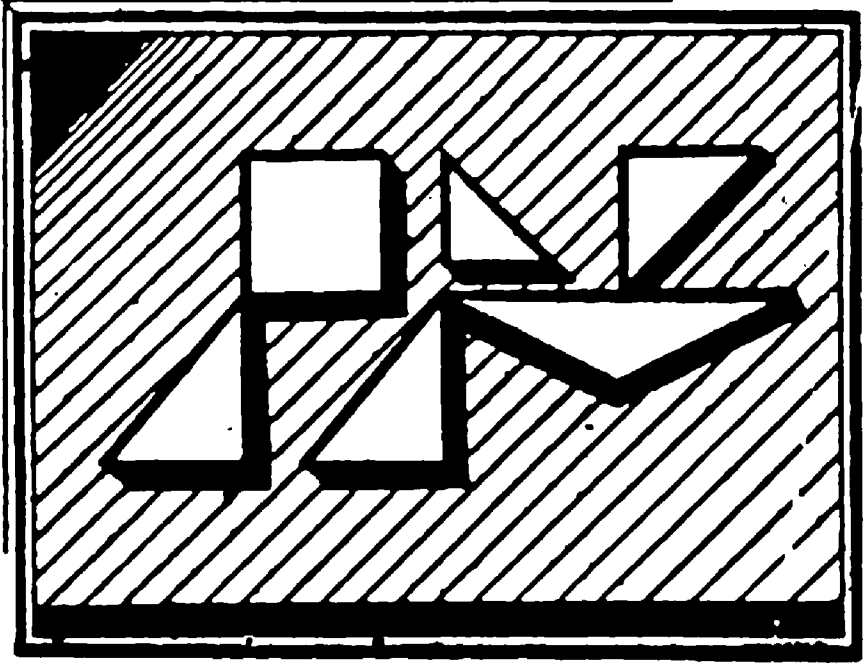

ادارہ عزم ملتان

عزم سیریز

فکر اور اعمال
سید اصغر علی شاہ

عزم سیریز نمبر ۱۷

دسمبر 1998ء

آئینہ

روس چین تعلقات	سید سیف الاسلام خالد	۲
قرآن اور علوم پنجگانہ	امام شاہ ولی اللہ	۱۳
امام حمید الدین سندھی	میاں مبشر عرفات دین پوری	۱۸
مسجد اور سماج	محمد جاوید غزالی	۲۳
چند قدم کی دوری	ماخوذ	۲۹
انسانیت میں اللہ کی صفات	حضرت رائے پوری	۳۲

قیمت فی عدد ۶ روپے سالانہ زر اعانت ساٹھ روپے

پتہ :- ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان۔

(ب) یہود: یہود کی گمراہی یہ تھی کہ وہ توریت میں لفظی اور معنوی تحریف کرتے تھے۔ بعض آیات کو چھپاتے اور جو احکام اس میں نہ ہوتے وہ ملا دیتے۔ احکام کی پابندی میں تساہل برتتے، تعصب مذہبی میں شدت، رسول اللہ ﷺ کی رسالت میں تامل، بے ادبی، طعنہ زنی، بخل اور حرص میں مبتلا تھے۔ قرآن مجید تمام کتب سابقہ کا محافظ ان کے اشکالات کو کھولنے والا ہے۔ اس لئے اس نے ان کی تحریف، آیات کو چھپانا اور افترا پردازی کو پوری طرح کھول کر رکھ دیا ہے۔ رسالت نبی کریمؐ کو تسلیم کرنے میں ان کے تامل کی نشاندہی کر کے اس کے اسباب بیان کر دیئے گئے ہیں۔

(ج) نصاریٰ: نصاریٰ کی گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے خدا تعالیٰ کو تین ایسے حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا جو بعض وجوہ سے الگ الگ اور بعض وجوہ سے متحد تھے۔ اس کو وہ اقانیم ثلاثہ کہتے ہیں۔ ایک اقنوم باپ، دوسرا ابن اور تیسرا روح القدس۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اقنوم ابن نے حضرت مسیح کی روح کا لباس اختیار کر لیا تھا اس لئے حضرت عیسیٰ خدا بھی ہیں ابن اللہ اور بشر بھی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ قدیم زمانہ میں لفظ ابن، مقرب اور محبوب کے ہم معنی تھا۔ حضرت عیسیٰ نے بعض دفعہ اللہ کے افعال کو اپنی جانب منسوب کیا ہے۔ اس کا جواب دیا گیا کہ یہ نسبت بطریق نقل و حکایت ہے جیسے کسی بادشاہ کا ایلچی یہ کہے کہ ہم نے فلاں ملک فتح کر لیا۔ خدا نے ان کے ان عقائد کو رد کر کے کہا حضرت عیسیٰ خدا کے بندے تھے۔ نیز نصاریٰ کی یہ گمراہی تھی کہ وہ حضرت عیسیٰ کو مقتول سمجھتے تھے۔ اس شبہہ کا قرآن سے ازالہ کیا۔ ان کی ایک گمراہی یہ تھی کہ وہ فار قلیط موجود سے مراد حضرت عیسیٰ لیتے جو قتل کے بعد حواریوں کے پاس گئے تھے۔ قرآن نے بتایا کہ یہ بشارت ہمارے نبی کریمؐ کے لئے تھی

(د) منافقین: منافقین دو طرح کے تھے، اول وہ جو زبان سے کلمہ ایمان کہتے مگر ان کا قلب کفر اور سرکشی پر پختہ تھا۔

۲دوسرے وہ جنہوں نے اسلام قبول کر لیا مگر ایمان ضعیف تھا۔ دنیاوی لذتوں کی پیروی کرتے تھے۔ اس لئے خدا اور رسول کی محبت باقی نہ رہی تھی۔ حرص مال اور حسد و کینہ

سیرت مبارک کے مناسب ہوں۔

حوالہ نمبر 39

المزمل کی پہلی تشریح : (1) (الف) موطا امام مالکؒ میں ایک روایت آتی ہے کہ:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لِيْ خَمْسَةُ اَسْمَاءٍ اَنَا مُحَمَّدٌ، وَاَنَا اَحْمَدُ، وَاَنَا الْمَاحِيْ الَّذِيْ يَمْحُوا اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِيْ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيَّ وَاَنَا الْعَاقِبُ (یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں کہ میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے اور میں حاشر ہوں کہ لوگ میرے قدموں میں اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب ہوں)

علماء کرام نے حضرت نبی اکرم ﷺ کے بیسیوں نام گنوائے ہیں تو ان پانچ ناموں کی خصوصیت کیا ہے؟ ذرا تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ نام ہیں جو قرآن حکیم میں آئے ہیں۔ چنانچہ محمد اور احمد تو صاف مذکور ہیں:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (الفتح 48:29)

يَاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (61:6)

الحاشر کے معنی : الحاشر کی تشریح کرتے ہوئے امام الائمہ امام ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: قیل معنی قوله علی قدمی انه اما مهم یوم الحشر یحتاجون الی شفاعته (المسوّیٰ جلد 2 ص 516 باب اسماء النبی ﷺ)

یعنی حضرت نبی اکرم ﷺ کے اس ارشاد کہ "میرے قدموں میں اٹھائے جائیں گے" کے یہ معنی ہیں کہ وہ یوم حشر میں ان کے امام ہوں گے اور وہ ان کی شفاعت کے محتاج ہوں گے۔

اس سے ظاہر ہے کہ الحاشر کے معنی ہیں جمع کرنے والا۔ چنانچہ قرآن حکیم میں آیا ہے کہ:

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ (النمل 27:17) (یعنی سلیمانؑ کے لئے اس کے لشکر جمع کئے گئے)

نیز قرآن حکیم میں الحشر نام ایک سورت بھی ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ:

حوالہ نمبر 40

نسل نقل کرتے چلے آئے ہیں بعینہ اسی طرح جس طرح آج کل مسلمان حضرت مہدی کا انتظار کر رہے ہیں۔ غرض اس میں وعدہ دیا گیا ہے کہ اے رسول! تیری حالت میں ارتقا ہوتا جائے گا، یہاں تک کہ تیرا مطلب پورا ہوجائے۔ دوسری قوموں سے مباحثہ کرنے والے مسلمانوں نے نبوت کے یہ معنی مقرر کیے ہیں کہ نبی کے دل میں کوئی خیال نہیں ہوتا۔ اور خدائے تعالیٰ اپنی طرف سے نبی کے دل میں زبردستی ایک بات ڈال دیتا ہے۔ ان مباحثہ کرنے والے مسلمانوں کے اس قاعدہ کا لحاظ رکھ کر ان کے مقلد یہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے سامنے کوئی مقصد نہیں تھا اب اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے سامنے ایک اعلیٰ مقصد تھا۔ اس واسطے وہ اب اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ مقصد یہ تھا کہ آپ قیامت کے دن اپنی امت کو بخشوالیں گے۔ مناظرہ کرنے والے اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ جو آدمی کوئی کام کرے اس میں پہلے اس کام کرنے کی استعداد ہونی چاہیے۔ اسی طرح نبی جو نبوت کا کام سرانجام دے گا اس کے لیے نبوت کی استعداد ضروری چیز ہے۔ تو رسول کریم ﷺ کی طبیعت میں طبعی طور پر یہ بات آئے گی۔ کہ ان کی قوم ذلت سے بچے۔ اور ان کی قوم میں جو تاریخی فخر رکھا گیا ہے وہ قوم کو حاصل ہو۔ امت کے بخشوانے کا مسئلہ زیادہ تر مسیح علیہ السلام کے کفارہ کی نقل ہے اور یہ دوسری صدی کے بعد ہوا، جب مسلمان عیسائی قوموں سے ملے۔

* آیت۶ الم یجدک یتیماً فاوی آپ کی زندگی کا ابتدائی واقعہ ہے کہ آپ کے لیے بچپن ہی میں مصیبت پڑ گئی۔ آپ بچپن ہی میں یتیم ہوگئے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے ایسا سامان پیدا کردیا کہ آپ کے خاندان کا سب سے بڑا آدمی (عبدالمطلب) آپ کی تربیت پر لگ گیا۔ لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اب نبوت کی تعلیم ختم ہوجائے گی۔ یعنی آپ چونکہ خاتم الانبیاء ہیں اور نبوت کے خاتمے کی طرح اب نبوت کی تعلیم بھی پوری ہوجائے گی۔ اس واسطے اب یہاں سمجھایا جارہا ہے کہ لوگوں کو ایسا خیال نہیں کرنا چاہیے ان کو رسول کریم ﷺ کی ابتدائی زندگی پر غور کرنا چاہیے کہ آپ بچپن ہی میں یتیم ہوگئے اور آپ کا یتیم ہونا ایک قدرتی واقعہ تھا۔ اللہ

عمل اور ساری اسلامی تاریخ کو اسی رنگ میں صدیوں سے پیش کر رہے ہیں۔ انکی تمام دینی روایات بھی اسی کی تائید کرتی ہیں۔ ان حالات میں اور اس ذہنی و تاریخی ماحول میں ان کی اسلامی حکومت کا جمہوری حکومت ہونا ناممکنات میں سے ہے۔

مولانا سندھی کے اس خیال کی تائید جماعت اسلامی اور دوسرے علماء کی تحریروں اور بیانات سے ہوتی ہے کہ وہ جس قسم کی اسلامی حکومت کا برابر مطالبہ کرتے آئے ہیں، وہ کسی اعتبار سے بھی جمہوری نہیں۔ ہمارا ایک عالم دین خواہ وہ مولانا مودودی صاحب جیسا کتنا بھی روشن خیال کیوں نہ ہو، صحیح معنوں میں ایک جمہوری حکومت کے قیام پر کبھی راضی ہو ہی نہیں سکتا۔ اور تو اور غلام احمد پرویز جیسے صاحب قلم جو بہت سی مروجہ اعتقادی بندشوں اور روایاتی زنجیروں کو توڑ چکے ہیں اور آزاد ذہن کے ساتھ سوچتے اور دیکھتے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کے پیش نظر بھی ایک اسلامی حکومت ہے جسے وہ "قرآنی حکومت" کا نام دیتے ہیں تو وہ بھی جمہوری نظام حکومت کے شدید ترین مخالف ہیں اور وہ یہ برداشت کرنے کو تیار نہیں کہ ایک وطن میں رہنے والے لوگ بلا تمیز مذہب ایک جمہوری اور سیکولر حکومت بنا کر رہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ آج اسلام کے نام سے جو بھی حکومت بنے گی وہ غیر جمہوری ہوگی۔ موجودہ مذہبی اور اسلامی ذہن جمہوریت کو مع اس کے جملہ لوازم کے اپنانے کو تیار نہیں۔

مولانا سندھی نے ایک دفعہ بڑے دکھ سے فرمایا۔ حضرت سید احمد شہید کتنے بڑے بزرگ تھے۔ لیکن دیکھو وہ بھی اسی رو میں بہہ گئے۔ بجائے اس کے کہ وہ افغان نمائندوں پر مشتمل ایک جمہوری نمائندہ حکومت بناتے، وہ خود امام اور مہدی بن گئے اور اس طرح سارا معاملہ عذر بود ہو گیا۔ تقریباً اسی زمانے میں مہدی سوڈانی ہوئے (سنہ ۱۸۴۳ء سنہ ۱۸۸۵ء) ان کی بغاوت سوڈانی عوام کی بغاوت تھی لیکن وہ بھی اسے جمہوری رنگ نہ دے سکے اور وہ مہدی بن گئے۔ اب ان کے نام پر ایک گدی ہے جس کے نام لیوا رجعت پسندی کے سب سے بڑے نقیب ہیں۔ خود ہندوستان میں اس طرح کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔ ہمارا مذہبی ذہن جمہوریت کا سوچ ہی نہیں سکتا۔

حوالہ نمبر 42

476

ترجمہ :۔ جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے روکا اور مخالف ہو گئے رسولؐ کے ' سیدھی راہ ظاہر ہو چکنے کے بعد ' وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور وہ اکارت کر دے گا ان کے سب کام۔

جو لوگ قرآنی انقلاب کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی کوششیں ناکام رہیں گی۔

مومنوں سے خطاب

آیت نمبر ۳۳ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ○

ترجمہ :۔ اے ایمان والو ! اللہ کے حکم پر چلو ' اور رسول کے حکم پر چلو اور اپنے عمل ضائع مت کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے معنیٰ

مسلمانوں کو اپنی تمام توجہ قرآن حکیم کی پیروی پر لگائے رکھنی چاہیے اور جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قرآن حکیم کے نظام کے لئے لڑتے رہے تم بھی انہی کے قدموں کے نشانوں پر چلو ۔ اور جو لوگ آگے بڑھنے سے رک گئے یا پیچھے ہٹ گئے ان کی اطاعت کر کے اپنے عملوں کو برباد مت کر لو تم جو نماز' روزہ وغیرہ اچھے اعمال کر رہے ہو ' وہ اس مقصد کی تمہید تھی ۔ جب یہ مقصد کہ قرآن حکیم غالب آئے اور اللہ کے بندوں میں سے ظلم دور کیا جائے بھول گئے' یا تم اس کے لئے کھڑے نہ ہوئے ۔ تو پہلے کیے ہوئے سب کام بے فائدہ ہو جائیں گے۔

آیت نمبر (۳۴) اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ

ترجمہ :۔ جو لوگ منکر ہوئے اور انہوں نے اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا ۔ پھر مرگئے اور وہ منکر ہی رہے ' تو اللہ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔

ہے۔ اگر نسمہ پر نفس ناطقہ غالب رہتا ہے تو وہ فیضان الٰہی کا محل بنتا ہے لیکن اگر اس اثر و تاثیر میں نفس ناطقہ پر نسمہ غالب رہے تو فیضان الٰہی کی شعاعیں نفس ناطقہ پر نہیں پڑتیں۔ اس صورت میں نفس انسانی کا انجذاب فیضان الٰہی کی طرف نہیں ہوتا۔

تہذیب نفس کے معنی یہ ہیں کہ نفس ناطقہ میں نسمہ کی تاثیر سے جو کدورتیں پیدا ہو جاتی ہیں انہیں کسی طرح دور کیا جائے۔ اگر نفس انسانی خارجی اسباب و حالات کی وجہ سے بالکل معطل ہو کر رہ گیا ہو تو اس کی اصلاح مشکل ہوتی ہے۔ یہ کفر کا درجہ ہے جن اعمال اور محرکات سے کسی نفس کی اصلاح ہو جائے، خاص ان اعمال و محرکات کو اسی شکل میں تہذیب نفس کا اصل سبب اور حقیقی ذریعہ جاننا صحیح نہیں۔ درحقیقت اصل مقصد تو نفس ناطقہ کو نسمہ کے کدورتیں پیدا کرنے والے اثرات سے آزاد کرانا ہے۔ تاکہ نفس ناطقہ پر براہ راست فیضان الٰہی ہو۔

ایک خاص زمانے اور خاص حالات میں ایک مخصوص قوم کے نفوس کی اصلاح و تہذیب جن اعمال و محرکات سے ہوتی ہے، لوگ غلطی سے اس خاص زمانے اور خاص حالات کا خیال نہیں کرتے اور ان مخصوص اعمال و محرکات کو ہی تہذیب و اصلاح نفوس کا اصلی اور حقیقی سبب مانتے ہیں اور یوں بھی ایک ظاہر کلام ہوتا ہے، جس کا اظہار لفظوں میں ہوتا ہے۔ اور دوسرا باطن کلام جو دراصل کلام کا مدلول ہوتا ہے۔

غرض کفر ہے نفس ناطقہ کا نسمہ کی کدورتوں سے منقلب ہونا۔ اور اس سے نفس انسانی کو جو اذیت ہوتی ہے، وہ ہے دوزخ کا عذاب۔ دوزخ میں جانے کے یہ معنی نہیں کہ ایک انسان کے نفس ناطقہ کا تعلق نفس کلیہ سے، جہاں سے کہ فیضان الٰہی کا صدور ہوتا ہے ہمیشہ کے لیے کٹ گیا۔ نفس ناطقہ کا دوزخ میں بھی نفس کلیہ سے تعلق رہتا ہے البتہ اس کے

مختلف درجے ہوتے ہیں۔ یہ جو روایت ہے کہ مومن کچھ عرصہ دوزخ میں رہ کر اس سے نکل آئیں گے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دوزخ کی سزاؤں سے ان کے نسمہ کی اصلاح و تہذیب ہو جائے گی اور ان کے نفس ناطقہ قابل بن جائیں گے نفس کلیہ سے پھوٹنے والے فیضان الٰہی کو قبول کرنے کے۔

مسلمانوں کو نہ بتلائیں۔ اس لئے کہ مسلمان ان سے حجت قائم کریں گے۔ ان کے اس خیال کی اگلی آیت میں تردید کی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سچ سچ ہی تھا خواہ اسے بنی اسرائیل ظاہر کریں یا پوشیدہ رکھیں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٧٨﴾

ترجمہ: اور بعض ان میں بے پڑھے ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور ان کے پاس کچھ نہیں مگر خیالات ﴿٧٨﴾

اب ان پڑھ لوگوں کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ أَمَانِيَّ یعنی وہ لوگ جو صرف الفاظ پڑھتے ہیں مگر معنی نہیں سمجھتے، نہ جانتے ہیں یعنی وہ صرف تلاوت کرنا ہی جانتے ہیں۔ بعینہٖ آج کل مسلمانوں کا یہی حال ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَوَيْلٌ لَّهُم مِّمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ ﴿٧٩﴾

ترجمہ: سو خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ لیویں اس پر تھوڑا سا مول سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو اپنی اس کمائی سے ﴿٧٩﴾

یہ علماء کا ذکر ہے جن کا پہلے آیت نمبر ۷۵ میں بھی ذکر ہوا ہے کہ وہ خدا کی کتاب کے معانی اپنے مطلب پر ڈھال لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کتاب کا مطلب درحقیقت یہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔

وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَاتَّخَذْتُمْ عِندَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۖ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٠﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر چند روز گنے چنے کہہ دو کیا تم لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے قرار کہ اب ہرگز خلاف نہ کرے گا اللہ اپنے قرار کے یا جوڑتے ہو اللہ پر جو تم نہیں جانتے ﴿٨٠﴾

ولو کنا عاصین غایۃ العصیان الا ایاما معدودۃ ثم ندخل الجنۃ۔ "یعنی یہود کہتے تھے کہ خواہ وہ کتنی قدر ہی گنہگار کیوں نہ ہونگے صرف چند روز ہی جہنم میں رہیں گے اس کے بعد جنت میں آجائیں گے۔" یہود کے اس خیال کی تردید کی جا رہی ہے اور لطف یہ ہے کہ آج کل مسلمانوں کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ مسلمان گنہگار چند دن

جہنم میں رہنے کے بعد جنت میں منتقل کر دیئے جائیں گے اور باقی اُمتیں جہنم میں رہیں گی۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

ترجمہ: کیوں نہیں جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۸۱﴾

یہود کے اس عقیدے کی تردید ہے۔ بُرے عمل کی سزا ضرور ملے گی۔ بُرے کام کا نتیجہ ہمیشہ بُرا ہوتا ہے اور اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جس کو اس کی خطاؤں نے ہر طرف سے گھیر رکھا ہو۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک وہی ہیں جنت کے رہنے والے۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۸۲﴾

جو اللہ تعالیٰ کے قانون کو مانتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں وہ لوگ بہشت کے مالک ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے لیا قرار بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے سلوک کرنا نیک اور کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے اور کہیو سب لوگوں سے نیک بات اور قائم رکھیو نماز اور دیتے رہیو زکوٰۃ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے تم میں اور تم ہو ہی پھرنے والے۔ ﴿۸۳﴾

الفوز الکبیر میں اس خیال کو معنوی تحریفات میں شمار کیا ہے ملاحظہ ہو الفوز الکبیر مندی، عربی اردو طبع قرآن محل کراچی ص ۳۴ (ادارہ)

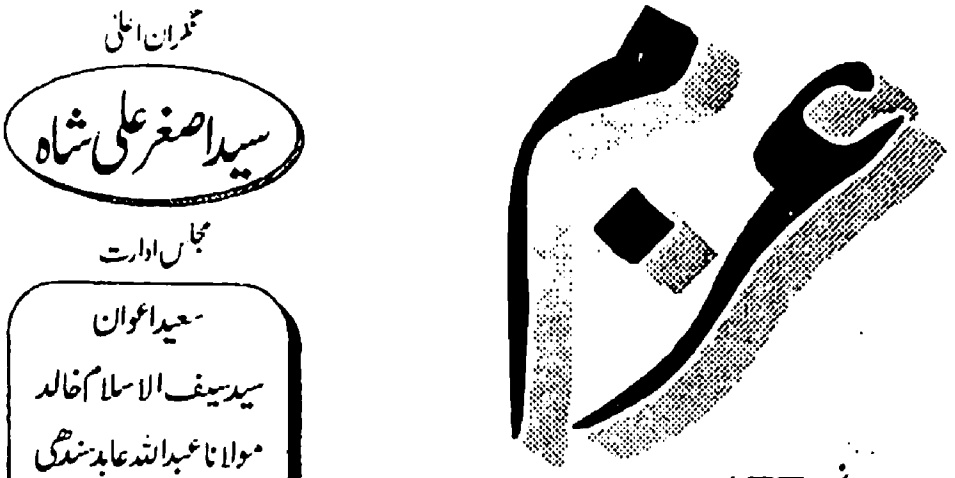

نگران اعلیٰ

سید اصغر علی شاہ

مجلس ادارت

سعید اعوان

سید سیف الاسلام خالد

مولانا عبداللہ عابد سندھی

سلطان محمد

سیریز نمبر 177

ماہ۔ نومبر۔ دسمبر۔ 1999ء

آئینہ

پہلی بات	مدیر	2
قرآنی انقلاب اور نظم وضبط	حاجی محمد بلال بلوچ	5
مسلمانوں کی سائنسی خدمات	محمد جاوید غزالی	17
علاقائی اتحاد کی ضرورت واہمیت	عمران عباسی	23
مرکزی ناظم عمومی کا دورہ وسطی کشمیر	رپورٹ مولانا سجاد الرحمٰن	26
ممبر مرکزیہ کا انتخاب		30

فی شمارہ 7 روپے ✱ سالانہ زراعانت 71 روپے

ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان

کے بعد جناب مفتی صاحب کو سنگ کے اس تاریخی مقام پر لے جایا گیا جہاں ۱۸۳۲ء کو سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی تحریک کے ایک قافلہ کو سبز علی خان اور ولی خان کی قیادت میں شہید کیا گیا اور انہوں نے اس درخت کو دیکھا جس کے ساتھ ان مجاہدین حریت کو لٹکا کر ان کی زندہ کھالیں کھینچی گئیں۔ کچھ وقت وہاں بیٹھنے کے بعد جناب مفتی صاحب مولانا رفیق صاحب کے گھر تشریف لے گئے جہاں انہوں نے نماز مغرب ادا کی رات گئے دوستوں کے سوالات کے جوابات دینے میں مصروف رہے۔

پلندری

صبح یعنی ۲۷ جون کو جناب مفتی صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف خاں صاحب دامت برکاتہم سے شرف ملاقات حاصل کرنے پلندری روانہ ہوئے ہمراہ جناب محمد یونس صاحب، جناب محمد شفیق صاحب اور جناب شفاعت صاحب تھے۔ جہاں آزاد کشمیر کی معروف دینی درسگاہ مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن پلندری میں صاحبزادہ قاری مسعود یوسف نے وفد کا خیر مقدم کیا۔ بعدازاں شیخ الحدیث صاحب سے ملاقات کے لئے ان کے دفتر گئے، جہاں انہوں نے شفقت و محبت سے مفتی صاحب کو اپنے ہمراہ بٹھایا۔ مفتی صاحب نے حضرت شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ العالی کا سلام پہنچایا اور ان کے دورہ بند سے آگاہ کیا۔ اس موقع پر شیخ صاحب نے علماء کے حوالہ سے اشکالات کا ذکر کیا تو

مفتی صاحب نے ان کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے گذارش کی کہ معترضین سے مستند ثبوت کا تقاضہ کیا جائے تو صورتحال واضح ہو جائے گی۔ واضح کیا کہ تنظیم فکر ولی اللہی علماء دیوبند کے اجماعی فیصلوں کو ہی اپنے نظریہ کی بنیاد سمجھتی ہے اور اس سلسلے میں جمعیۃ علماء اسلام اور جماعت شیخ الہند سے رہنمائی حاصل کرتی ہے۔ دینی مدارس کے حوالہ سے مفتی صاحب نے بتایا کہ تنظیم کے بانی اور تنظیم کے کئی نمایاں دوست دینی مدارس کے ہی متخرج فاضلین ہیں۔ اس لئے ان کے بارے میں یہ پروپیگنڈہ کہ وہ دینی مدارس کے مخالف ہیں

نہایت لغو اور بے ہودہ ہے بلکہ تنظیم دینی مدارس کے نظام تعلیم کو زیادہ موثر اور بار آور دیکھنا چاہتی ہے۔ تنظیم کے قیام کے بارے میں اشکال کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی صاحب نے بتایا کہ وہ نوجوانوں کی دینی شعوری تربیت کے میدان میں کام کر رہی ہے جبکہ دیگر تنظیمیں موجودہ عملی سیاست یا اعمال کے میدان میں مصروف ہیں اس لئے ان کی جماعتوں سے براہ راست کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ اس موقع پر شیخ الحدیث صاحب نے کہ ان کی حضرت رائے پوری سے ملاقات و تبادلہ خیالات ہوا ہے اس میں تو کوئی قابل اعتراض بات سامنے نہیں آئی۔ مزید برآں شیخ الحدیث صاحب نے اکابرین بالخصوص مولانا عبیداللہ سندھی کی جدوجہد اور مولانا حسین احمد مدنی کی سیاسی بصیرت کو خراج تحسین پیش کیا اور انتخابی سیاست میں عوام کی طرف سے علماء کی پذیرائی نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا۔ انہوں نے پاک بھارت کشیدگی پر بھی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ فریقین اسلحہ پر اٹھنے والے اخراجات اگر اپنی معیشت کی مضبوطی پر خرچ کرتے تو اس خطہ میں غربت پر قابو پایا جا سکتا تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ فریقین کی طرف سے ایٹمی اسلحہ کے استعمال سے دونوں ملک خسارے میں رہیں گے۔ بعدازاں قاری مسعود یوسف نے وفد کے اعزاز میں ظہرانہ دیا۔ نماز ظہر قراءت کے بعد قاری صاحب نے مدرسہ اور مسجد کے تعمیر نو کے کروڑوں کے منصوبہ کی بعض تفصیلات سے آگاہ کیا اور مدرسہ کے بعض حصوں کا معائنہ کرایا۔ آخر میں مفتی صاحب کی درخواست پر شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف خان صاحب نے دعا فرمائی جس کے بعد وفد کو بس اڈہ تک پہنچانے کے لئے قاری صاحب کو اپنی کار پر رخصت کرنے کی ہدایت کی چنانچہ مفتی صاحب، جناب محمد شفیق کے ہمراہ راولپنڈی کے لئے روانہ ہو گئے اور یوں یہ تین روزہ دورہ اپنے اختتام کو پہنچا (رپورٹ مولانا سجاد الرحمٰن)

جہاد نمبر 45

عزم

ریزنمبر 194

ماہ جنوری، فروری ۲۰۰۲ء

نگران اعلیٰ
سید اصغر علی شاہ

مجلس ادارت
سعید اعوان
سید سیف الاسلام خالد
مولانا عبداللہ عابد سندھی
سلطان محمد

آئینہ

پہلی بات ____ مدیر ____ 2

انٹرویو حضرت مولانا رائے پوری مدظلہ ____ ماخوذ ____ 6

بدلتی صورتحال میں ہماری ذمہ داری ____ سید سیف اللہ خالد ____ 9

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ ____ ماخوذ ____ 14

مطالعہ تاریخ کیوں اور کیسے؟ ____ محمد نعیم سعید ____ 20

گردوپیش ____ انتخاب ____ 25

فی شمارہ 8 روپے سالانہ زرِاعانت (75) روپے

ترسیل زر کیلئے پتہ

40 گلگشت متصل تعلیمی بورڈ ملتان

حوالہ نمبر 46 حوالہ نمبر 47

انگریز کے مراعات یافتہ لوگوں کی بجائے تحریک آزادی کے حقیقی راہنماؤں کا کردار اُجاگر کیا جائے

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری

ملتان (خبریں فورم رپورٹ) معروف عالم دین، خانقاہ عالیہ رائے پور (اتر پردیش، بھارت) کے صدر نشین اور بانی ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نے کہا ہے کہ جہاد حکومت وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے، جہادی تنظیمیں مردہ قومیں ہیں کیونکہ انہوں نے حقیقی اسلامی کردار ادا نہیں کیا، خانقاہوں کے حقیقی تصور سے ہٹ کر موجودہ دور میں غلط روایات کے تحت نسل در نسل گدی نشینی کا سلسلہ جاری رہتا ہے حالانکہ نااہل اولاد کا سجادہ نشین بن جانا خانقاہ کی بے حرمتی ہے۔ دینی مدارس کا حقیقی کردار ختم ہو چکا ہے، چندے کے محتاج دنیادار مولوی مسجد و منبر کا غلط استعمال کر رہے ہیں، موجودہ نظام مدارس سے حقیقی اسلامی انقلابی تحریک پیدا نہیں ہو سکتی، اسی لیے علماء کرام اور اسلامی سکالر اپنا کردار ادا کریں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں عصری علوم کے ساتھ مذہبی علوم اسی طرح پڑھائے جائیں کہ مدرسہ سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہ رہے کیونکہ دہرے نظام تعلیم سے فرقے پیدا ہو رہے ہیں، نوجوان نسل میں جعلی ہیرو کے بجائے تحریک آزادی کے حقیقی رہنماؤں کے کردار کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے وہ خبریں فورم میں خصوصی بات چیت کر رہے تھے۔ اس موقع پر شعبہ اسلامیات بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمن بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام عالمگیر مذہب ہے جس میں ہر حوالے سے مکمل رہنمائی ملتی ہے۔ قتال فرض کفایہ ہے اور یہ حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اسے پورا کرنے کے لئے حکومت دفاعی شعبہ قائم کرتی ہے، بوقت ضرورت یہ شعبہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے جو کردار ادا کرتا ہے اس سے پوری قوم کی ترجمانی ہو جاتی ہے۔ دفاعی شعبہ میں عسکری قوت بڑھانے کے لئے کسی بھی وقت مزید بھرتی کی جا سکتی ہے۔ تشدد اور جہاد کے

ہیں۔ ہم پاکستان میں مکمل دین الٰہی کا نفاذ چاہتے ہیں لادین مغربی جمہوریت اور امریکن ڈکٹیٹر شپ کو ہم کافرانہ نظام سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری سیاسی جدوجہد کا محور خلافت راشدہ کا عادلانہ نظام ہے جس میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خوراک، لباس اور مکان ایک عام شہری کے برابر تھا۔ جبکہ پاکستان میں ایک آفیسر کی کوٹھی پر چالیس لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ علاوہ ازیں پریذیڈنٹ سیکرٹریٹ اور پرائم منسٹر سیکرٹریٹ کی آرائش پر کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں۔

مولانا رائے پوری نے فرمایا پاکستان کا سالانہ بجٹ تقریباً ساڑھے تین کھرب روپے بنا جبکہ صرف سود کی واپسی دو کھرب روپے دینے ہیں۔ ایک کھرب چالیس ارب روپے کی خطیر رقوم دفاعی بجٹ کے لئے مختص کی گئی۔ حالانکہ پاکستان نے امریکہ سے دفاعی معاہدہ کیا ہوا ہے۔ کہ وہ بھارت پر فوج کشی نہیں کرے گا۔

انہوں نے فرمایا سرمایہ دارانہ نظام کے کولہو میں غریب انسان بری طرح پس رہا ہے اور امیر مزے اڑا رہا ہے۔ جبکہ اسلام نے دولت کی منصفانہ تقسیم کا درس دیا ہے پاکستان میں اربوں روپے سامان تعیش پر خرچ ہو رہے ہیں مسلمان اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہیں ہمارا نظام تعلیم لارڈ میکالے کا مرتب کردہ ہے جس میں سرکار کی اعانت کے لئے کل پرزے فراہم کرنا ہے۔

ہماری دینی مدارس پرانا نصاب پڑھا رہے ہیں۔ ہمارے اکثر فارغ التحصیل علماء اسلامی معیشت سے بالکل کورے ہیں صرف اسلام کی شرعی سزاؤں کو غلط رنگ میں پیش کر کے عوام الناس کو دین سے دور کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ اسلام دین رحمت ہے جس کا ایک حصہ حقوق اللہ اور دوسرا حقوق العباد ہے اسلام انسانوں کے جان و مال کا تحفظ اور عزت و آبرو کی ضمانت دیتا ہے۔

اسلامی حکومت میں ایک ذمی کے حقوق کی بھی نگہداری کی جاتی ہے اور رزق کے وسائل پر کوئی جبری بندش نہیں امن عامہ کا قیام ریاست کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ حضرت مولانا سعید احمد رائے پوری نے کہا فلسفہ ولی اللہی کو مدنظر

زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے چند مستثنیات نے سوا اداروں کا مہتمم وغیرہ) ان کے نام کو بر سربازار نیلام کر کے اور ان کی عرفی حیثیت (یتیم و نادار وغیرہ) کی بولی لگا کر سرمایہ داروں کے مفادات پر واضح یا خاموش سمجھوتہ کے ذریعہ امداد لے کر اپنی معاشی حالات سنوار لیتا ہے یوں یہ لوگ قیصر کو بھی خوش رکھتے اور اپنے من کے "ھوئی" (خواہش نفس) کا پوجا پاٹ بھی کر لیتے ہیں۔

مزید برآں یونیورسٹی اور کالج کے طلبہ کا تعلیمی ماحول کلاس رومز' دفاتر' لائبریز اور ہاسٹلز وغیرہ کافی حد تک ستھرے اور مدرسہ کے طلبہ کی انفرادی حالت سے لے کر اجتماعی ماحول تک سب کچھ پر آلودگی کی تہہ جمی ہوئی ہوتی ہے۔(الا ماشاءاللہ!)

کالجیٹ طبقہ اپنی ذات کے حوالے سے تو پاکیزگی و صفائی اہتمام کرتا ہے طرز معاشرتی سطح پر وہ اجتماعی نقطہ نظر سے ناکام ہے کیونکہ اعلیٰ سطح پر پہنچ کر وہ استحصال کی علامت بن جاتا ہے جبکہ مدرسہ کے گریجویٹ کو نہ خدا ملتا ہے نہ "وصال صنم" یہ بیچارہ بیچ ہی بیچ میں معلق رہتا ہے۔ کیونکہ اس کا طریقہ تعلیم تمام تر فرسودہ ہے۔

شاہی نظام حکومت کا دور کب کا دفن ہو چکا اور یہ آج بھی بے شعوری کے سبب منبر و عظ پر "ظل الٰہی" کا ورد کرتا نہیں تھکتا۔

الغرض مروجہ دونوں طریقہ ہائے تعلیم اسلام کی جامع سماجی تعلیم کی رو سے نرم سے نرم الفاظ میں انتہائی ناقص ہیں۔ کیونکہ ایک مادہ پرست بنا کر غرض کا بندہ بناتا ہے جبکہ دوسرا نام نہاد' تقدس کا پجاری بناتا ہے حالانکہ اسلام میں تقدس (جو بت پرستی کی علامت کو چھوڑنے) کی کوئی گنجائش نہیں

[illegible] کی رہنمائی

تعلیم کا مقصد چونکہ انسان کی نفس کی تہذیب کرنا ہے [illegible] یہ ہے کہ اگر انسان اپنے آپ کو پہچان بھی لیا تو وہ اپنی "خودی" کو عصری حالات اور سماج کے

بلاتبصرہ

(تنظیم کے ترجمان رسالہ عزم کے اقتباسات)

مذہب اور اہل مذہب کے خلاف

✧ ''رائج الوقت مذہب زندگی میں افادیت کے جوہر پیدا کرنے میں ناکام ہے۔'' (عزم:۱۶۰ص۲۷) ❶

✧ ''مذہبی انسان جمود وخمود کی نذر ہوکر نہایت تنگ دائرہ میں محدود ہو جاتا ہے۔'' (عزم:۱۶۰ص۲۷) ❷

✧ ''سرمایہ داری کا ساتھ دینے سے مذہب بدنام ہوگیا ہے۔'' (۱۲۴ص۳۱) ❸

✧ ''اپنے مفادات کے حصول کے لئے مذہب کو بطور آلہ کار استعمال کیا جا رہا ہے۔'' (عزم:۱۷۳ص۲۷) ❹

✧ ''سامراج سے دشمنی کی وجہ مذہب نہیں بلکہ وہ ظلم ہے جو اس نے تیسری دنیا کے ممالک پر ڈھایا۔'' (عزم:۱۷۶ص۲۴) ❺

✧ ''مذہبی تحریکیں سامراج پیدا کرتا ہے۔'' (عزم:۱۷۶ص۲۴) ❻

✧ ''سویت یونین کے خلاف مذہبی حکمت عملی کو بھرپور انداز میں استعمال کیا گیا۔'' (عزم:۱۶۵ص۲) ❼

✧ ''مسلمانوں کے ساتھ اللہ کی مدد نہیں، اللہ کی مدد کا مطلب ان کے پاس حکمرانی نہیں۔'' (عزم:۱۶۶ص۶) ❽

✧ ''مذہبی جماعتیں ظلم مٹانے، معاشی مسئلے حل کرنے اور..... کے لئے کام نہیں

کریں گی تو ان کے نماز روزہ کی کوئی ضرورت نہیں اور اللہ تعالیٰ انہیں جہنم میں ڈالنے کا حکم دیں گے۔" (۱۶۶ص۱۵) ۹

✧ "پچاس سال سے نظام ظلم کی آلۂ کار سیاسی و مذہبی جماعتیں شعور مار کر، بے وقوف بنا کر نوجوانوں کو قتل کروا رہی ہیں۔" (۱۸۵ص۹) ۱۰

✧ "جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی تو اس وقت کے مذہبی نمائندے (بیت اللہ کے متولی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف بن گئے اور لوگوں کو آپ کے خلاف خوب بھڑکایا، حتیٰ کہ مسجد الحرام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر بھی پابندی عائد کر دی۔" (۱۹۴ص۸) ۱۱

✧ "پاکستان کی نام نہاد مذہبی و سیاسی جماعتیں سامراجی ہاتھوں میں کھیل رہی ہیں۔" (۱۸۴ص۲۱) ۱۲

✧ "سیاسی مذہب کی نمائندہ جماعتیں اپنے قیام کے وقت سے ہی سامراجی پلڑے میں اپنا وزن ڈال رہی ہیں۔" (۱۷۶ص۴) ۱۳

✧ "نفسیات کے مریضوں کا مذہب سے تعلق کی وجہ سے اختلافات ہوتے ہیں۔" (۱۵۰،۱۵۱ص۳۱) ۱۴

✧ "مذہبی تفرقہ بازی..... آنے والی نسلیں اس بک بک کو ختم کرنے کے لئے مذاہب ہی کو ختم کرنے پر مجبور ہو جائیں گی۔" (۱۵۶ص۸) ۱۵

✧ "مشائخ مشائخ نہیں رہے، انہیں پیٹ بھرنے کے لئے بھتہ درکار ہے۔" (۱۵۶ص۱۳) ۱۶

✧ "بنی اسرائیل نے کئی پیغمبروں کو قتل کر ڈالا کیونکہ ان کے مذہبی طبقے پیغمبروں پر ایمان لانے کے لئے تیار نہ تھے۔" (۱۱۱ص۸) ۱۷

مخالفین و قاتلین انبیاء کو مذہبی قرار دے کر فکری اشتراکیت کے لئے راہ ہموار کرنا چاہتے ہیں کہ اگر آج بھی یہ مذہبی اشتراکیت کی مخالفت کر رہے ہیں تو کوئی

بات نہیں کیونکہ انہوں نے تو انبیاء کی بھی مخالفت کی اور انہیں قتل تک کر ڈالا، اس لئے ان کی مخالفت پر کان نہیں دھرنا چاہئے۔

مذہب سے بیزاری اور سیکولرازم کی دعوت

✳ ''دور حاضر میں انسانیت کی تقسیم کے علمبردار مذاہب کی بنیاد پر جہاں بھی سیاست ترتیب پا رہی ہے، وہاں نتائج کی نوعیت کم وبیش یکساں ہے۔ ایسی سیاست میں خون کی ارزانی ہو جاتی ہے، تنگ نظری عروج پر ہوتی ہے، انسانی حقوق پامالی کی زد میں ہوتے ہیں اور معاشرہ کی اجتماعی اقدار تباہ ہو کر رہ جاتی ہیں، یوں معاشرہ کی چولیں ہل کر رہ جاتی ہیں۔'' (۱۲۰ص۲) ۱۸

✳ ''کیا مذہب کا احیاء ممکن ہے؟ یہ ایک نازک سوال ہے، تاریخ کا یہ اصول ہے جو حقیقت ایک دفعہ ماضی کا حصہ بن جائے وہ بعینہٖ دوبارہ اپنا تشخص حاصل نہیں کر پاتی اور اس اصول سے عام مذہب بھی مستثنیٰ نہیں ہے، تاہم اگر کوئی مذہب ابدی اصول فطرت اور انسانی اقدار کا علمبردار ہو اور ان پر معاشرہ کی تشکیل جدید اور مؤثر حکمت عملی کی راہ سمجھاتا ہو تو ایسی صورت میں اس کے احیاء کی کوششوں کی نوعیت دوسری ہوگی۔ اس وقت مذہبی دنیا جس دوراہے پر کھڑی ہے اس میں ایک طرف اس کی تمنا یہ ہے کہ مذہب کا احیاء ہو اور ہر طرف اس کا غلغلہ ہو، دوسری طرف مذہب کی شریانیں اس قدر سکڑ چکی ہیں کہ اس میں مادۂ حیات کا گزر بھی مشکل ہو چکا ہے۔ ایسے میں احیاء مذہب کی کوشش اور اس پر مبنی سیاست کا فروغ معاشرہ کو ایسے الاؤ میں دھکیلنے کے مترادف ہے جو تمام معاشرتی عناصر کو بھسم کر ڈالنے والا ہے۔'' (۱۲۰ص۲،۳) ۱۹

✳ ''انبیاء کو اپنے اپنے دور میں ہمیشہ ایسے طبقات کی طرف سے مزاحمت کا سامنا ہوا جو مروجہ معنوں میں اپنے آپ کو مذہب سے وابستہ قرار دیتے تھے

اور ان کے ہاں مذہب کا ایک تصور ضرور موجود ہوتا تھا، لیکن یہ تصور جمود کو سمجھ عطا کرنے اور ظلم کو باقی رکھنے کے لئے بطور آلۂ کار استعمال ہوتا تھا۔"

(۱۱۸ص۲) ۲۰

یعنی مذہب اتنی بری چیز ہے کہ جو بھی اس کا شکار ہوا وہ انبیاء کے بھی مخالف رہا اور یہ آج کی طرح شروع سے جمود کو سمجھ اور ظلم کو باقی رکھنے کے لئے بطور آلۂ کار استعمال ہوتا آ رہا ہے، لہٰذا خبردار! کبھی مذہب کی گرفت میں نہ آنا!!!

✧ "دنیا جو کئی براعظموں میں تقسیم ہے اور ان میں سے ہر براعظم بے شمار اقوام و ممالک میں بٹا ہوا ہے، اسی وقت صحیح معنوں میں امن وسکون کا گہوارہ ثابت ہوسکتی ہے جب یہاں انسانوں پر ظلم وجور کا خاتمہ اور بلا لحاظ رنگ ونسل، قوم وملک یا ملت و مذہب ہر شخص آزادی اور رواداری کی فضا میں سانس لے اور جب تک رنگ ونسل یا قوم وملک یا ملت و مذہب کی اساس پر ظلم وانصاف کے پیمانے بنائے جاتے رہیں گے اس وقت تک دنیا کا کوئی خطہ اپنے باشندوں کیلئے گہوارہ ثابت نہ ہوگا۔ دنیا میں امن وآشتی اور خوش حالی کا دور اسی وقت شروع ہوسکتا ہے جب یہاں ایسا نظام قائم ہو جو تمام اقوام کے مسائل حل کرے اور ان کے باہمی تنازعات کا عدل و انصاف کے حوالے سے تصفیہ کرے، جس کی اساس اقوام وافراد کی باہمی مساوات ہو تاکہ طبقاتی، جغرافیائی، علاقائی اور مذہبی حد بندیاں اس میں فیصلہ کن ہوں۔"

(۱۰۹ص۸) ۲۱

✧ "دانش کا تقاضا اور قیام امن کے لئے ضروری ہے کہ فرسودہ ماضی کے احیاء میں سرگرمی دکھانے کی بجائے ابدی، اجتماعی، اصول فطرت پر مبنی حال اور مستقبل کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے راہ اپنائی جائے اور اس کے لئے پرتشدد حکمت عملی اپنانے سے گریز کیا جائے۔ بھارت اور اس کے پڑوسی

ممالک جو اس وقت مذہبی جنون کے بادلوں میں گھرے ہوئے ہیں، تمام مذاہب کے ماننے والوں کو مذہب کے نام پر دائرۂ انسانیت سے تجاوز کر جانے کی خودکشی پر مبنی پالیسی سے دست کش ہو جانا چاہئے، تاکہ اس خطے کو مستقل جہنم کے ماحول سے نکالا جا سکے، چنانچہ یہی سبب ہے کہ جدید بھارت کے بانیوں نے اس کیلئے سیکولرازم کا راستہ تجویز کیا تھا" (۱۴۰ص۳) ۲۲

مدارس کے خلاف فکری یلغار

تنظیم کے سرپرست اعلیٰ سعید احمد رائے پوری صاحب فرماتے ہیں:

✧ "دینی مدارس کا حقیقی کردار ختم ہو چکا ہے، چندے کے محتاج دنیا دار مولوی مسجد و منبر کا غلط استعمال کر رہے ہیں، موجودہ نظام مدارس سے حقیقی اسلامی انقلابی تحریک پیدا نہیں ہو سکتی۔" (۱۹۴ص۶) ۲۳

رائے پوری صاحب مزید فرماتے ہیں:

✧ "کالجوں اور یونیورسٹیوں میں عصری علوم کے ساتھ ساتھ مذہبی علوم اس طرح پڑھائے جائیں کہ مدرسہ سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہ رہے کیونکہ دھرے نظام تعلیم سے فرقے پیدا ہو رہے ہیں۔" (۱۹۴ص۶) ۲۴

(تنظیم کے سرپرست اعلیٰ) مولانا شاہ سعید احمد نے کہا:

✧ "آج دینی مدارس بھی اپنا رخ تبدیل کر چکے ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد دینی مدارس وجود میں آئے جس کا بنیادی مقصد آزادی کے جذبات کو تعلیم و تربیت کی صورت میں آگے بڑھانا تھا، تقسیم ہند کے بعد اس مذہبی طبقہ کو جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے خلافت راشدہ کا نعرہ دے کر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ اس لئے مدارس کی اکثریت ان کی محتاج بن کر اپنا اصل کردار کھو بیٹھی۔ انہوں نے کہا دینی اور دنیاوی دھرے

معیار کے تحت ایک اسلامی معاشرے کی ترقی ممکن نہیں ہے۔ کالجز اور یونیورسٹیوں میں عصری علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم کو بھی اس طرح رائج کیا جانا چاہئے کہ مدارس کی تعلیم کی ضرورت ہی نہ رہے۔ مسلمان ہی ماضی میں علم وادب کا گہوارہ رہے ہیں، اب بھی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے ضروری ہے کہ ملک میں ایک ہی نظام تعلیم رائج کیا جائے، ویسے بھی دہرے نظام تعلیم سے فرقہ واریت بڑھی ہے۔ قومی اداروں کی موجودگی میں نجی اداروں کو تعلیم کا نظام سونپنا غلامی کے دور کی یادگار ہے" (۱۹۴ص۸) (۲۵)

✧ "مدرسہ کے گریجویٹ کو نہ خدا ملتا ہے نہ وصال صنم۔ یہ بے چارہ بیچ ہی بیچ میں معلق رہتا ہے، کیونکہ اس کا طریقۂ تعلیم تمام تر فرسودہ ہے۔ شاہی نظام حکومت کا دور کب کا ختم ہو چکا اور یہ [مدرسہ والا] آج بھی بے شعوری کے سبب منبر وعظ پر "ظل الٰہی" کا ورد کرتے نہیں تھکتا۔" (۱۶۶ص۲۵) (۲۶)

✧ "الغرض مروجہ دونوں طریقہ ہائے تعلیم اسلام کی جامع سماجی تعلیم کی رو سے نرم سے نرم الفاظ میں انتہائی ناقص ہیں کیونکہ ایک مادہ پرست بنا کر غرض کا بندہ بناتا ہے جب کہ دوسرا نام نہاد تقدس کا پجاری بناتا ہے۔"

(۱۶۶ص۲۵) (۲۷)

✧ "تمام جدید فنون چونکہ عقلیت سے تعلق رکھتے ہیں (مثلاً میڈیکل سائنس، انجینئرنگ، کیمسٹری، فزکس اور کمپیوٹر، سائنس وغیرہ) لہٰذا وہ دور کا لازمی تقاضا ہیں جس کو بحال رکھا جائے گا، جب کہ دیگر نظریاتی و تاریخی علوم [مدارس میں پڑھائے جانے والے] چونکہ سو فیصد بھونڈی شکل میں درآمد شدہ ہیں....."

(۱۶۶ص۲۶) (۲۸)

✧ "ہمارے دینی مدارس پرانا نصاب پڑھا رہے ہیں، ہمارے اکثر فارغ التحصیل علماء اسلامی معیشت سے بالکل کورے ہیں، صرف اسلام کی شرعی سزاؤں کو

غلط رنگ میں پیش کر کے عوام الناس کو دین سے دور کیا جا رہا ہے۔"

۲۹ (۱۵۴ص ۷)

جہاد کے خلاف اور جہاد کی فکری تعریف

- "انبیاء وصحابہ مظلوم کے نمائندے ہیں، ایران اور روم میں عیسائی اور مظلوم یہودی اور مجوسی کے لئے صحابہ کرام شہید ہوتے رہے۔" (۱۸۵ص ۲۶) ۳۰
- "جہادی قربانیوں کے ذریعے سامراجی مفادات کی تکمیل کرنے والے عناصر اور نظام کی نقاب کشائی ضروری ہے۔" (۱۸۱ص ۱۲) ۳۱
- "تنظیم کے سرپرست اعلیٰ رائے پوری صاحب کا جہاد کشمیر سے انکار۔"

۳۲ (۱۵۴ص ۸)

- "دنیا کے مادی وسائل اور ذرائع تمام انسانیت میں مشترک ہیں۔ اگر ان پر کچھ اقوام اور طبقات قبضہ کریں اور صرف اپنی ذات کی حد تک یا قوم کی حد تک محدود کریں تو اس کے خلاف جہاد کیا جاتا ہے۔" (۱۵۹ص ۱۴) ۳۳

گویا جہاد کی تعریف یہ ہے کہ وہ وسائل اور ذرائع پر ناجائز قبضے کے خلاف ہوتا ہے۔

- "سماج کی ترقی میں رکاوٹ بننے والے عناصر کے خلاف جدوجہد کا نام جہاد ہے۔" (۱۶۴ص ۳۰) ۳۴
- "سماج کی ترقی جاری وساری رکھنے کے لئے جدوجہد کرنے کو جہاد کہتے ہیں۔" (۱۶۷، ۱۶۸ص ۳۴) ۳۵
- "عدم تشدد کے دور میں تشدد پسند مذہبی تحریکات کو میڈیا کی طرف سے بھرپور حمایت تبدیلیٔ نظام کی جدوجہد کے رخ کو تبدیل کرنے کی سازش ہے۔"

۳۶ (۱۶۷ص ۳۹)

✧ ''روس کے خلاف عظیم جہاد کی تنقیص۔'' (۱۷۵ص۲،۳) ۳۷

✧ ''جہاد کے لئے خودمختار نظام کی ضرورت ہے۔ مسلح جدوجہد ترک کرنا ضروری ہے۔'' (۱۷۵ص۴) ۳۸

✧ ''اسلام نے کسی نظام کو مٹانے کے لئے اسلحہ کی زبان میں چیلنج نہیں دیا۔''

(۱۳۶ص۳) ۳۹

✧ ''جہادی تنظیمیں سامراجی مقاصد کے حصول کے لئے ہی استعمال ہوتی ہیں۔''

(۱۹۴ص۷) ۴۰

✧ ''رسمی مذہب کی وجہ سے جہاد کو متشدد نظریہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ امت مسلمہ جارح اور تشدد پسند کہلائی جا رہی ہے۔'' (۱۷۴ص۱۰) ۴۱

✧ ''موجودہ جہاد جہاد فی سبیل الطاغوت ہے۔'' (۱۷۵ص۶) ۴۲

✧ ''تشدد اور جہاد کے نام پر مسائل میں اضافہ کرنے کی پالیسی پر عمل کرنے والی جہادی تنظیمیں دراصل سامراجی قوتوں کے ایماء پر سامراجی مقاصد کے حصول کے لئے ہی استعمال ہوتی رہیں ..... (تنظیم کے سرپرست اعلیٰ) مولانا شاہ سعید احمد (رائے پوری) نے کہا جہادی تنظیموں کے منفی کردار سے اسلام کی بدنامی ہوئی ہے، ان تنظیموں کا طرز جہاد غیر اسلامی ہے۔'' (۱۹۴ص۷) ۴۳

تنظیم کے سرپرست علی رائے پوری صاحب فرماتے ہیں:

✧ ''اسلام محض مخالف عقیدے کی بناء پر کسی سے جنگ نہیں کرتا۔''

(۱۷۴ص۲۸) ۴۴

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

✧ ''مذہبی بنیادوں پر جنگ و جدل اور انسانوں سے نفرت کی پہلی وجہ کا تعلق مذہب سے آنے والی اس گمراہی سے ہے جس کی بنیاد جہالت پر ہے۔ جہالت سے مراد دین کی روح سے عدم واقفیت۔'' (۱۴۲ص۱۰) ۴۵

خلفائے راشدین، صحابہ کرام حتی کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام غزوات مذہبی بنیادوں پر ہی تھے۔ فکری اس بارے میں کیا فتوی صادر فرمائیں گے؟ وہ روح اسلام سے ناواقف و جاہل تھے یا واقف؟

✧ ''مذہبی بنیادوں پر قتل و غارت کی دوسری وجہ کا تعلق ایک سازش سے ہے۔ تاریخ عالم کے مطالعے کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذہب کی بنیاد پر لڑنا خاص طور پر غلام قوموں کا شیوہ ہے۔'' (۱۴۲ص۱۱) ۲۶

لیجئے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا طرز عمل اور قرآن کے احکام پر عمل کرنا غلام قوموں کا شیوہ ٹھہرا۔

✧ ''سویت یونین ریاستوں سے ہماری زیادہ دلچسپی ان ریاستوں سے ہے جہاں مسلم اکثریت آباد ہے۔ جن کا ماضی میں نہ صرف ہماری تہذیب و ثقافت اور علوم وفنون بلکہ سیاست تک کے ساتھ گہرا تعلق رہا ہے۔ اور یہ ریاستیں زرعی ومعدنی لحاظ سے مالا مال ہیں، جس کی وجہ سے ان کی مزید ترقی کے امکانات نہایت روشن ہیں اور اس طرح وہ خطہ میں اہم سیاسی و معاشی کردار کی صلاحیتیں بھی رکھتی ہیں۔ اسی اہمیت کو سبوتاژ کرنے کے لئے ان ریاستوں کو داخلی انتشار سے دوچار کیا گیا اور وہاں ایسی تحریکات کو پروان چڑھایا جا رہا ہے جن کی باگ ڈور وہاں کی مقامی قیادت کے پاس نہیں بلکہ سامراجی ملکوں کے پاس ہے جو اپنی کٹھ پتلیوں سے کام لے رہے ہیں۔''

(۱۷۶ص۲،۳) ۲۷

یعنی وسط ایشیاء کی آزاد ریاستوں میں کمیونسٹ اقتدار کے خاتمہ اور اسلامی حکومت کے قیام کے لئے جدو جہد کرنے والے مجاہدین سامراجی قوتوں کے ایجنٹ ہیں۔

✧ ''کسی بڑی ہستی کا اقرار، اس کے مخصوص طریقوں سے پرستش، مخلوق سے محبت، ظالم سے نفرت، مظلوم سے ہمدردی، قول کو پورا کرنا، سچی بات کہنا،

آپس میں مل بانٹ کر کھانا اور زندگی گزارنا ایسے نکات ہیں جو تقریباً ہر مذہبی راہنما نے اپنی انہی تعلیمات اور عالمگیر سچائیوں کو انسانیت کی فلاح اور نجات کا راستہ قرار دیا۔ دوسرے مذہب والوں کی گردنیں کاٹنے کو کہیں بھی فلاح و نجات کا راستہ نہیں کہا گیا۔" (۱۴۲ص۷) ۴۸

✧ "یہ امر واقعہ ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی مذہب کی بنیاد پر ہونے والی تمام لڑائیاں انگریز کے سو سالہ دور میں ہوئیں، جب کہ پچھلے سات سو سال سے وہ اکھٹے رہ رہے تھے۔" (۱۴۲ص۱۲) ۴۹

سات سو سال پہلے محمود غزنوی اور سلطان شہاب الدین غوری کی ہندوؤں کے ساتھ لڑائی کی آخر کیا بنیاد تھی؟ کیا یہ لڑائیاں خالص مذہب کی بنیاد پر نہ تھیں؟ اور پھر انگریز دور سے قبل ہندوؤں کے خلاف لڑی جانے والی دیگر مذہبی جنگوں کو نظر انداز کرتے ہوئے فکریوں سے پوچھتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی دعوت پر افغانستان کے سردار احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان آکر پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو جو شکست دی وہ لڑائی کس بنیاد پر تھی؟

✧ "اس حوالے سے افغانستان میں سوشلسٹ نظام کے خلاف دینی جدوجہد کا دم بھرنے والے معروف جہادی لیڈروں اور ان کی جماعتوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ اپنا کوئی آزادانہ نظام رکھتی ہیں نہ حالات کا صحیح ادراک وشعور، بلکہ ان کی اکثریت امریکہ، مغربی یورپ اور ان کے آلہ کار عرب ممالک کے سامراجی نظاموں کی امداد کے بل بوتے پر مصروف عمل رہیں۔" (۱۷۵ص۴،۵) ۵۰

اشتراکیت کی تائید

✧ "دنیا کی تمام انقلابی تحریکات کو اس وقت بہت تقویت ملی جب روس میں

اشتراکی انقلاب ۱۹۱۷ میں آیا۔ کاش کہ محنت کش طبقہ کی اس تحریک کی مخالفت سچے مذہب [اسلام] والے نہ کرتے تو آج بدترین جدید سامراج کا وجود نہ ہوتا۔" (۱۲۲ص۱۱) ۵۱

✳ "یہ انقلاب دراصل کسی مذہب کے خلاف تو نہ تھا، لیکن چونکہ مذہب (عیسائیت) کے نام پر حکمران ظلم ڈھا رہے تھے، اس لئے انقلابیوں نے مذہب کے نام پر ظلم کے خلاف ردعمل کے طور پر مذہب کا بھی انکار کر دیا۔"

(۱۱۴ص۱۹) ۵۲

✳ "اشتراکی انقلاب جس کے گرد مغربی سرمایہ دار بلاک نے سرد جنگ کا گھیرا تنگ کر رکھا تھا، آج دنیا نے جب حقیقت کی آنکھ سے دیکھا تو دنگ رہ گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اتنے بڑے خطے کی تقدیر بدل گئی۔" (۱۱۴ص۲۰) ۵۳

✳ "یورپ نے پوری دنیا کی دولت کو لوٹا، امریکہ نے جنگ عظیم اول اور دوم میں اسلحہ کی تجارت میں اپنی معاشی ترقی کو چار چاند لگائے، پھر ابھی تک امریکی قوم کو کسی جنگ جیسی آفت نصیب نہ ہوئی۔ اس کے برعکس روسی عوام نے لاکھوں جانوں کا نذرانہ دے کر دنیا کے امن کو بچا لیا، ورنہ ایشیا پھر سے مستقل غلام بن جاتا۔" (۱۱۴ص۲۱) ۵۴

✳ "ایسا نظام جس میں بنیادی ضروریات کی ضمانت اور افرادی محنت کو اجتماعی شکل دے کر ملک کو دنیا کی سپر طاقت بنا دیا گیا ہو، اس کے خلاف پروپیگنڈہ آخر کب تک چلے گا؟ دنیا کی مظلوم انسانیت تو عمل کی زندگی دیکھنے کی خواہش مند رہی ہے۔" (۱۱۴ص۲۱) ۵۵

✳ "حیرت کی بات ہے جس سسٹم کے تحت سویت یونین کے عوام نے دنیا میں ترقی کی اور سپر پاور بنے، تیسری دنیا کے کم ترقی یافتہ حکمران اور نام نہاد دانش ور کہتے ہیں کہ وہ نظام دنیا میں ناکام ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تاریخی اور

شعوری ترقی کے باعث اگلے بہتر نظام میں داخل ہوئے ہیں۔"

(۱۱۴ص۲۶) ۵۶

✧ "اس پس منظر میں اندازہ کریں کہ انسانیت کے لئے سابق سوویت یونین کی قیادت نے کتنا اہم کام کیا ہے۔ دنیا سے جنگ کے خطرات کو بہت حد تک کم کر دیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ امریکہ کو یورپ میں شکست دے کر تخفیف اسلحہ کے ذریعہ اس کی یورپ میں فوجی طاقت کو کم کر دیا ہے۔"

(۱۱۴ص۲۷) ۵۷

✧ "سوچنے کی بات ہے کہ سوویت یونین کی ری پبلکس نے خود مختار ملک بننے اور کامن ویلتھ کے فیصلے کتنے سکون اور مشترکہ طریقے سے کئے، ورنہ اگر کسی ملک کا نظام فیل ہو جائے تو وہاں زوال آتا ہے اور زوال کی بیماریوں سے ہم ہندوستانی اور پاکستانی مسلمان گزر چکے ہیں، لیکن ہماری تمام بیماریوں کا کوئی نشان بھی سوویت یونین میں نہیں ملتا، بلکہ وہ تو بہتر جمہوری انداز میں آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ عمرانیات کی زبان میں اب وہ صحیح قومی انقلاب (ارتفاق سوئم) سے گزر رہے ہیں اور اسی احسن انداز میں وہ رضا کارانہ طور پر چوتھے ارتفاق یعنی بین الاقوامیت میں داخل ہو گئی تو دنیا کا نقشہ بدل جائے گا۔"

(۱۱۴ص۲۷) ۵۸

✧ "سوویت یونین میں مسلمان لیڈروں نے نئے دور کی سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ مذہب کے نام پر انقلابیوں [اشتراکیوں] کی مخالفت کی، جس سے انقلاب کے بعد اسلام بھی ردعمل سے نہ بچ سکا۔"

(۱۱۴ص۱۹) ۵۹

✧ "عالمی سیاست میں جنگ عظیم دوم کے بعد جس نظام نے استحصالی اجارہ داری کا علم اٹھایا تھا، وہ امریکی نظام کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ اسی نظام نے دنیا میں قتل و غارت، دہشت گردی، تخریب کاری اور غلامی و

استحصال کے الاؤ جلائے رکھے، جس میں تیسری دنیا کے پسماندہ عوام کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا گیا، حتی کہ اس نے مذہب سے جلتی پر تیل کا کام لینے کا مکروہ دھندا بھی روا رکھا، چنانچہ سویت یونین کے خلاف مذہبی حکمت عملی کو بھرپور انداز میں استعمال کیا گیا اور مذہبی جماعتوں نے اس عمل میں شرکت اور تعاون کو اس لئے کار خیر سمجھ کر انجام دیا کہ ان کی اکثریت کو یہ جھانسہ دیا گیا تھا کہ امریکی نظام دہریت ولادینی کے خلاف مذہب کے تحفظ کی جنگ بھی لڑ رہا ہے۔" (۱۶۵ص۲) ۶۰

✧ "امریکہ نے مختلف ملکوں کو بہت سے معاہدوں میں جکڑ رکھا ہے اور اپنے دشمن کمیونسٹ روس کے خلاف پوری دنیا کے مذاہب کو استعمال کیا۔ اسلام جیسے مذہب کے ماننے والے تو فرنٹ لائن پر استعمال ہوئے۔"

(۱۲۲ص۱۲) ۶۱

✧ "یہ دنیا کے امن پسندوں کی فتح ہے۔ کاش! کہ یہ کردار دین اسلام کے ماننے والے ادا کرتے تو آج عالمی سامراج سے دنیا آزاد ہوتی۔" (۱۲۲ص۱۴) ۶۲

✧ "اس کا حل صرف یہ ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی کو پیداواری یونٹ کا مالک بنانے کی بجائے ورکروں کی نمائندہ تنظیموں کے ذریعہ عوامی انتظامیہ اور حکومت کے اشتراک عمل سے صنعت کاری کو بڑھایا جائے۔ ہمارا دین اسلام تو دولت کی تقسیم کا قائل ہے اور امداد باہمی کے اصولوں پر تجارتی پالیسی وضع کرتا ہے۔"

(۱۱۷ص۶) ۶۳

گویا ذرائع معیشت سے شخصی ملکیت کا خاتمہ کر دیا جائے۔

✧ "اللہ رب العالمین ہے، اس کی ربوبیت عالمگیر ہے، جو ہر فرد، ہر قوم اور ہر گوشۂ وجود کے لئے ہے، چنانچہ اس کے نائب کے لئے ضروری ہے کہ وہ انسانی اجتماع کے لئے جو نظام ترتیب دے اس میں سامان معیشت کی

مساویانہ تقسیم کا انتظام ہو۔" (۱۱۹ص۱۴) ۶۴

✳ "یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ جب معاشرہ میں ایسا غیر عادلانہ نظام زندگی رائج ہو جس میں چند اشخاص یا چند خاندانوں کی عیش و عشرت کے سبب دولت اور ذرائع پیداوار کی مساویانہ تقسیم میں خلل واقع ہو جائے تو دو طبقات بن جاتے ہیں۔" (۱۱۹ص۱۵) ۶۵

گویا ذرائع معیشت سے شخصی ملکیت کا خاتمہ اور سامان معیشت کی مساویانہ تقسیم کی جائے۔

حوالہ نمبر 1 حوالہ نمبر 2

احیاء مذہب

زیر نظر تحریر "لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر" کے مقدمے سے ماخوذ ہے (ادارہ)

دنیا کے پیچیدہ مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ احیاء مذہب اور اس کی نشاۃ ثانیہ کا ہے اس کی پیچیدگی کے بڑے اسباب دو ہیں ایک یہ کہ موجودہ سیاست' مذہب کے عقائد و اصول کے خلاف ہے اور قوت و اقتدار' حشمت و طاقت اس کے قبضہ میں ہے۔ دوسرا یہ کہ رائج الوقت مذہب زندگی میں افادیت و صلاحیت کے جوہر پیدا کرنے میں ناکام ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ وہ اس پر مطمئن بھی ہے۔ درحقیقت مذہب و سیاست میں باہمی کشمکش نہیں بلکہ کشش ہے وہ ایک دوسرے کے حریف نہیں بلکہ حلیف ہیں ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جب دونوں کے استعمال اور طریق میں توازن برقرار نہ رہے تو ان دونوں کے کردار مختلف صورتوں میں نمودار اور ظاہر ہوتے ہیں۔ سیاست مستقل مکتبہ فکر اور مخصوص ذہنیت کی نمائندہ بنجاتی ہے جبکہ مذہب چند فرسودہ عقائد اور اعمال کہنہ کا نمائندہ بنجاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک جانب تو سیاست' انسان کو بے لگام عقل و ہوس کا اندھا مقلد بناتی ہے اور عقل پر جذبات کو غالب کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتی تو دوسری طرف مذہب اپنی حقیقی شکل و صورت سے ہٹ کر زندگی سے گریز کی تعلیم دینے لگتا ہے اور نتیجتاً" مذہبی انسان جمود و خمود کی نذر ہو کر نہایت تنگ دائرہ میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔

چونکہ سیاست کو غلبہ اور آزادی حاصل ہوتی ہے اس لئے وہ اپنے مفاد کی خاطر انسانیت کی تعبیر و توجیہ ہر دور میں جدید انداز سے کرتی ہے کہ اس کے علاوہ بے لگام عقل و ہوس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی اور کوئی صورت نہیں ہے۔ جبکہ مذہب کے مغلوب و محدود ہونے کی بناء پر ابتداء ہی سے انسان کا

پسند طبیعت اور اس مذہب میں رسہ کشی شروع ہو جاتی ہے اور انجام یہ ہے کہ "محراب و منبر" کی پرچائیت سرزمین بھی جنگ و جدل کے خون سے آلودہ رہتی ہے اس موقع پر ایک اور "سیاسی مذہب" نمودار ہوتا ہے جو درحقیقت قابو یافتہ سیاست ہی کی ایک شکل ہوتی ہے لیکن بسا اوقات مذہب کے نام پر سیاست کو اپنے تقاضے اور خواہشات کو پورا کرنے میں زیادہ آسانی اور سہولت میسر ہوتی ہے اور مذہب انتہائی آسانی کے ساتھ سیاست کا آلہ کار بنا رہتا ہے۔ اس بناء پر سیاستدان طبقہ سیاسی مفادات کے لئے مذہب کو استعمال کرنا ضروری سمجھتا ہے اور یہ صورت اس وقت زیادہ نمایاں اور واضح ہو کر سامنے آتی ہے جب اقتدار پسند طبیعت احساس کمتری میں مبتلا ہونے کے ساتھ ہوس اقتدار کا کوئی سامان تمکین اپنے مذہب میں نہیں پاتی ہے۔

مذہب پر سیاست کے غلبہ کی بنا پر مذہب کی حقیقی ساخت بگڑ جاتی ہے اور انسان کا مفاد مذہب کے مفاد پر حاوی اور غالب ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اس قابل نہیں ہوتا کہ انسان کی اندرونی اور داخلی زندگی میں کوئی بنیادی و اساسی تغیر پیدا کر کے اقدام عزم، شجاعت وغیرہ زندگی کے "عناصر" پیدا کر سکے کیونکہ اس وقت مذہب کی اصلی روح اور حقیقی اسپرٹ ختم ہونے کے ساتھ اس کی افادیت و صلاحیت کے "جوہر" بھی بڑی حد تک فنا ہو جاتے ہیں اور ایسی صورتحال پیدا ہو جاتی ہے کہ "مذہب" کا تصادم مذہب سے نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ مذہبی تصادم کی بجائے مفادات کا باہمی تصادم ہوتا ہے مگر لوگ مذہب کے بطور آلہ استعمال ہونے کی بناء پر اس کو مذہبی تصادم قرار دے کر مذہب کو بدنام کرتے ہیں۔

حالانکہ یہ بدیہی اور امر ہے کہ جو مذہب زندگی اور اس کی ضروریات سے کنارہ کشی کر چکا ہے اور سیاسی تسلط نے اس کو نچوڑ کر پامال بنا دیا ہے اب اس میں اتنی سکت کہاں کہ وہ کسی مقابلے کی تاب لا سکے اور "تنازع للبقاء" کی الجھنوں میں پھنسے؟۔

درجات معیشت کے موضوع پر بہت اچھا خطاب کیا انہوں نے کہا کہ معاشی تفاوت فساد کی جڑ ہے جبکہ سرمایہ داری کا ساتھ دینے سے مذہب بدنام ہو گیا ہے حالانکہ مذہب حق معیشت میں مساوات کا قائل ہے کیونکہ کائنات کی تمام چیزوں پر انسانوں کا حق ہے جبکہ درجات معیشت میں تفاوت ہے مگر یہ تفاوت اس قدر زیادہ نہ ہو کہ حقوق غصب ہونا شروع ہو جائیں

اس ماہ میں نئے پرانے یونٹس میں درس قرآن کے حلقے شروع کئے گئے جن میں مرضی پور، ے یوسف بلاک مجاہد کالونی اور عربیہ اسلامیہ میں باقاعدہ پروگرام ہوئے درس قران کے حلقوں میں مجلس عاملہ اور مختلف دوستوں کے دورے مولینا محمد ظہیر صاحب کی قیادت میں ہوئے زونل جنرل سیکرٹری صاحب نے ان پروگراموں کو فعال بنانے کے لئے وقت فوقتاً درس دینے والے علماء اور دیگر دوستوں کو ہدایات دیں

مورخہ ۱۳ اگست بروز جمعۃ المبارک غلہ منڈی بورے والہ میں ماہانہ تربیتی پروگرام ہوا میاں محمد سلطان جنرل سیکرٹری بورے والہ نے تبدیلی نظام کو اسوہ حسنہ کی روشنی میں خطاب کیا جبکہ دوسرے گروپ میں ساتھیوں نے تیسری دنیا میں سامراجی سازشیں پر گفتگو کی اس کے بعد اسلام میں اجتماعیت کی اہمیت پر خطاب فرماتے ہوئے مولینا محمد ظہیر صاحب نے اجتماعیت کے مفہوم اور معاشرے کی ترقی کی اہمیت کو واضح کیا گروپس کی صورت میں مولینا عبدالمجید نے انقلابی حکمت عملی اسوہ حسنہ کے تناظر میں مزمل حسین صاحب نے دین کا جامع تصور نعیم عاصم صاحب نے فرقہ واریت کے مضر اثرات پر روشنی ڈالی تیسری نشست میں مولینا عبدالرحمان صدیقی صاحب نے خدا پرستی انسان دوستی کے موضوع پر دلکش خطابات فرمایا خطاب کے بعد پینل کی صورت میں مولینا عبدالرحمان صاحب میاں محمد سلطان صاحب قاری محمد امید صاحب اور جناب نعیم الرحمان صاحب جنرل سیکرٹری چشتیاں (شاخ) نے سوالات کے جوابات دیئے آخری نشست دور جدید میں ولی اللہی دعوت کے موضوع پر جنرل سیکرٹری پنجاب مولینا عبدالمتین نے بہت عمدہ خطاب فرمایا جبکہ اس نشست کی صدارت جناب ڈاکٹر شکور الرحمان صاحب کی تھی مولانا عبدالمتین صاحب نے کہا کہ انسانیت کا ارتقاء ایک فطرتی چیز ہے فطری ارتقاء تقاضوں کو سمجھ کر حکمت عملی اپنا کر جماعت اپنے اعلیٰ مقاصد میں کامیابی حاصل کر سکتی ہے

مورخہ ۳۱ اگست بروز منگل شام ۶ بجے بورے والہ میں ۱۲ ربیع الاول کے سلسلے میں ایک۔ عمومی تربیتی پروگرام ہوا جس میں مولینا عبدالمتین صاحب جنرل سیکرٹری پنجاب نے محسن انسانیت کا پیغام امن و محبت کے موضوع پر خطاب فرمایا جبکہ خطاب سے پہلے شہزاد حسین اور انجم ضیاء (اسکول کے طالب علمین) نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حضور نذر نہ عقیدت پیش کیا

(رپورٹ:۔ میاں محمد سلطان ناظم دی بوریوالہ)

27

دین اسلام اور ہمارا معاشرہ (حوالہ نمبر 4)

"بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین (کامل نظام حیات) اسلام ہی ہے" (سورہ آل عمران)۔

مذہبی ملکوں میں آج اسلام کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے اور مذہبی طبقے اس کی مختلف تشریحات کرتے ہیں جو کہ عام ذہنیتوں میں الجھنیں پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے اور ظلم یہ ہے کہ آج اپنے مفادات کی دکان چمکانے کے لئے اسے ایک آلہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے یوں عوام متنفر ہو جاتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اسلام کو ان تاریخی حقائق کی روشنی میں متعارف کرایا جائے جن کی تشکیل رسول ﷺ اور ان کی جماعت نے کی ہے۔ اس حوالہ سے اس وقت حضرت جعفر طیارؓ کا وہ بنیادی خطاب پیش نظر ہے جو انہوں نے نجاشی کی پارلیمنٹ میں کیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ جب جماعت صحابہ کی تکلیفیں حد سے بڑھ گئیں تو انقلابی سردار رسول اکرم ﷺ نے انہیں حبشہ (ایتھوپیا) ہجرت کی اجازت دے دی تو مظلوم صحابہ کی ایک جماعت وہاں چلی گئی جب کہ مکہ کے سرداروں اور حکمرانوں کو پتہ چلا تو ان کے تعاقب میں وہاں ایک وفد بھیجا تاکہ حبشہ میں بھی ان کا آرام حرام کیا جائے اور ساتھ دربار امراء اور پادریوں کو تحائف بھیجے تاکہ ان سے نجاشی پر سفارش کا دباؤ ڈلوایا جا سکے یہ لوگ جب نجاشی کی پارلیمنٹ میں گئے تو نجاشی سے عرض کیا کہ یہ لوگ (صحابہ) اپنے باپ دادا کے دین کو خیرباد کہہ چکے ہیں یہ باغی ہیں اور ایک نیا دین ایجاد کیا ہے لہٰذا ان کو ملک بدر کر کے قریش مکہ کے حوالہ کیا جائے اور رشوت خور درباریوں نے ان کے موقف کی تائید کی لیکن نجاشی (جو کہ ایک عقل مند دانا آدمی تھے) نے کہا کہ دوسرے فریق کو بلایا جائے تاکہ بات صاف ہو جائے بغیر تحقیق کے وہ واپس نہیں بھیجے جا سکتے چنانچہ صحابہ کا وفد پہنچا اور اس کا نجاشی سے مکالمہ ہوا۔ نجاشی نے اس سوال پر کہ "اس دین کی حقیقت کیا ہے؟" جماعت صحابہ کے امیر

24 | حوالہ نمبر 5 | حوالہ نمبر 6

سامراج نے جنگ عظیم دوم جیتنے کے لئے برصغیر پاک و ہند کے لوگوں سے بہت وعدے کئے لیکن جنگ جیتنے کے بعد تمام وعدے قدریں اور اخلاق پامال کر دیئے اور وہ تمام کام کئے جس سے اس کو مفادات حاصل ہوتے تھے۔ دشمنی کی وجہ مذہبی نہیں بلکہ وہ ظلم ہے کہ اس نے تیسری دنیا کے ممالک پر تسلط کر رکھا ہے اور مذہبی جنگیں کروا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کا آپس میں ملی معاہدہ ہے اور اسی ذمہ داری کے تحت جہاں کہیں بھی مسلمانوں پہ ظلم ہوگا اس کے خلاف احتجاج کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔

انہوں نے کہا استعماری قوتوں نے معاشی اعتبار سے ایسا نظام متعارف کروایا ہے کہ پسماندہ قومیں کبھی اپنے پاؤں پر کھڑی نہ ہو سکیں اور بنیادی صنعت قائم نہ کر سکیں۔ غیر پیداواری خرچے اور قرضے دے کر بری عادتیں ڈال دیں کہ وہ ہمیشہ قرضے لینے کے لئے کشکول ہاتھ میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مذہب جو کہ کسی بھی قوم کی ترقی کی علامت ہوتی ہے مگر عالمی استعمار نے مذہب کے نام پر نام نہاد تنظیمیں پیدا کر کے مذہب کا مذاق اڑایا ہے مذہب کا رسمی تصور دے کر اسے عبادت خانوں تک محدود کر دیا اور ظلم کے خلاف جذبہ کو سرد کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ سامراج مذہبی تحریکیں پیدا کر کے تشدد کا راستہ دکھاتا ہے اور پھر خود ہی بنیاد پرست تشدد، جذباتی اور ظالم ہونے کا سرٹیفکیٹ جاری کرتا ہے اس لئے موجودہ دور میں سامراج کے اس کردار کو مدنظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

مندرجہ بالا موضوعات کے علاوہ صوبہ پنجاب کے صدر محترم جناب مفتی عبدالمتین نعمانی صاحب نے دوستوں کے سوالات کے انتہائی جامع انداز میں جوابات دیئے اور آخر میں مفتی عبدالمتین نعمانی صاحب کے خطاب کے بعد لاہور زون کے صدر جناب عامر افتخار صاحب نے تمام مہمان شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔

(رپورٹ: محمد ارشد شاہین)

جنوبی ایشیاء کی سلامتی

حوالہ نمبر 7

عالمی سیاست میں جنگ عظیم دوم کے بعد جس نظام نے استحصالی اجارہ داری کا علم اٹھایا تھا وہ امریکی نظام کے نام سے جانا پہنچانا جاتا ہے' اسی نظام نے دنیا میں قتل و غارت' دہشت گردی و تخریب کاری' غلامی و استحصال کے الاؤ جلائے رکھے

جس میں تیسری دنیا کے پسماندہ عوام کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا گیا' حتی کہ اس نے مذہب سے جلتی پر تیل کا کام لینے کا مکروہ دھندا بھی روا رکھا۔ چنانچہ سوویت یونین کے خلاف مذہبی حکمت عملی کو بھرپور انداز میں استعمال کیا گیا اور مذہبی جماعتوں نے اس عمل میں شرکت اور تعاون کو اس لئے کار خیر سمجھ کر انجام دیا کہ ان کی اکثریت کو یہ جھانسہ دیا گیا تھا کہ امریکی نظام دہریت ولادینی کے خلاف مذہب کے تحفظ کی جنگ بھی لڑ رہا ہے اور انہیں اس حقیقت سے شعوری طور پر لا علم رکھا گیا کہ امریکی نظام کی اپنی بنیادیں ہی لامذہبیت پر استوار ہیں اور اس کے قوانین و ضوابط کے تحت مذہب چند ایک عبادت گاہوں میں منہ چھپائے بیٹھا ہے یا چند مذہبی شخصیات کے ملمع چہروں اور خوشنما لباسوں کی زینت بنا ہوا ہے۔ سوویت یونین کی تحلیل سے جب سرد جنگ کا مہینہ اختتام ہوا اور امریکی نظام نے مذہبی کندھوں اور لاشوں پر اپنی عالمی ہوس زر کی جنگ کا ایک اور دور مکمل کیا تو اس نے دنیا میں واحد عالمی طاقت ہونے کا نعرہ بلند کیا اور ساتھ ہی مذہبی جماعتوں کے اس تاثر کی اصلاح شروع کر دی کہ 'افغانستان کی جنگ انہوں نے جیتی ہے۔ نیز وہ ملکی نظاموں میں اپنا موثر کردار ادا کر سکتی ہیں'

امریکی نظام نے ایک طرف تو ان مذہبی حلقوں کو ان کا حدود اربعہ بتانے کی حکمت عملی اختیار کی تو دوسری طرف اپنی مخصوص مذہبی جماعتوں کو ایک اور "دہریہ نظام" کی جانب متوجہ کرنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں اور اسی کے ساتھ ملک کے مقتدر حلقوں کو یہ باور کرایا ہے کہ وہ امریکہ دشمن قوتوں کا مقابلہ پچاس سالہ حکمت عملی کا ابھی تک حصہ ہیں چنانچہ ماہ مارچ میں آرمی

جھوٹی قیادت، قوم کو تباہ کر دیتی ہے

(مندرجہ ذیل خطاب حضرت شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ نے ۲۸ مارچ ۱۹۹۷ء کو ریلوے مسجد ہارون آباد میں نماز جمعۃ المبارک سے قبل ارشاد فرمایا، جس کو مولانا شہاب الدین بخش نے قلمبند کیا اور مفتی عبدالقدیر صاحب نے مرتب کیا۔)

خطبہ مسنونہ اور اس آیت کی تلاوت سے آغاز کرتے ہوئے جس کا ترجمہ یہ ہے "اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں" (سورۃ التحریم) ارشاد فرمایا!

آج بڑے غور و فکر کا مقام ہے کہ مسلمان مظلوم، غلام اور پریشان ہے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ اللہ کی مدد ہمارے ساتھ ہو اور ہم اس قسم کی زندگی بسر کریں ہمیں یہ ماننا ہو گا کہ آج مسلمان اللہ کی مدد سے محروم ہے۔ اللہ کی مدد کا مطلب یہ ہے کہ ہماری حکمرانی ہو ہم دنیا کے رہنما ہوں اور انسانیت کو گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستے پر چلائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے مسلمانوں کو انسانیت کی رہنمائی کے لئے منتخب کیا ہے۔ میرے بھائیو! جس جماعت سے اللہ پوری انسانیت کی نگرانی کا کام لینا چاہتے ہیں آج وہ جماعت گمراہوں کے قبضے میں ہے اللہ کی مدد سے محروم ہے۔

دنیا میں اللہ کے دو انعامات ہوتے ہیں یعنی جس جماعت کو اللہ منتخب کر دے اس کو اللہ تعالیٰ یہ نعمتیں دے دیتے ہیں۔ (۱) ان کی خلافت قائم کر دیتے ہیں۔ (۲) نوع انسانی میں اس کی عزت قائم کر دیتے ہیں اور جب کسی جماعت کی سمجھ بوجھ صحیح نہ ہو اس کا سیاسی شعور ختم ہو جائے اور انسانیت کی رہنمائی کے اہل نہ رہے تو اللہ تعالیٰ اس کو حکومت سے نیچے گرا دیتے ہیں اور انہیں غلام بنا کر بے عزت کر دیتے ہیں۔

اور کرنے کی چیز مانگے نہ دیویں (الماعون پ ۳۰) یعنی اگر مذہبی جماعتیں ظلم مٹانے کے لئے معاشی مسئلے کے حل کرنے کے لئے اور مسائل کو حل کرنے والے سسٹم کے لانے کے لئے کام نہیں کریں گی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی جماعتوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے اور نہ ہی ان کی عبادت کی کوئی ضرورت ہے اور انہیں جہنم میں ڈالنے کا حکم دیں گے اس لئے قریشی اور ہاشمی نماز پڑھتے اور حج کرتے اور ملت ابراہیمی کے دعوے دار تھے' مگر ظلم کا معاشرہ پیدا کرنے' تکبر کرنے اور مسائل حل نہ کرنے کی وجہ سے ان کے قتل کا حکم صادر ہوا۔

میرے بھائی! اس طرح جھوٹے پیروں اور مولویوں کے دھوکوں کی وجہ سے تو تباہی آئی کیونکہ ہماری مساجد کے اندر نظریہ نام کی کوئی شئی نہیں' اس لئے طاقت نہیں فروعی مسائل میں الجھ رہے ہیں فرقے فرقے بن گئے اور سمجھتے ہیں کہ دین کے کام کر رہے ہیں' کفر نے سارے ملک کو غلام بنا کر رکھا ہوا ہے۔ ظلم کا نظام مسلط ہے۔ اخلاق خراب ہو رہے ہیں۔ معاشرہ تباہ ہو رہا ہے' قتل و غارت کی فضاء قائم ہے' ڈاکے اور رشوت عام ہیں اور تم مسائل میں الجھے ہوئے ہو اور ہر جگہ "مسجد ضرار" کی شاخ بنا رکھی ہے۔ اپنی آزادی کی تمہیں فکر نہیں۔ اسلام غالب ہو کر رہتا ہے اور انسانیت کے مسائل حل کرتا ہے اس لئے صحابہ کرام اور تابعین کی سیرت کو دیکھو انہوں نے دنیا بھر میں ظلم کے مقابلہ کے لئے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹنے' انسانی معاشروں کو آزادی دلانے' اخلاق اور محبت کی فضاء پیدا کرنے لئے اور دنیا کے عذابوں کو مٹانے کے لئے اپنی کوششیں اور توانائیاں صرف کر دیں مگر یہاں اپنی دکانداری چمکائی جا رہی ہے۔ نظام سارا کفر کا' حرام معیشت اور سود کا بے حیائی اور ننگی تصویروں کا' لادینیت کا اور تہذیب مغرب کا اور ہم مسجدوں کے بنانے پر شاداں ہیں افسوس صد افسوس حالانکہ ہمیں صریح حکم ہے کہ

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے ل پر مت چلو' یقیناً وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ (آیت ۲۰۸ سورۃ البقرہ پ ۲)

حوالہ نمبر 10

جو کالج جاتا ہے وہ مسجد سے دور ہے اور مسجد والا کالج سے۔ تاریخ میں کبھی دو نظام تعلیم نہیں تھے۔ ایک ہی مدرسے میں ہندو بھی پڑھ رہا تھا اور سکھ بھی، مسلمان بھی پڑھ رہا تھا اور عیسائی بھی، آج دین کی تعلیم اور ہے دنیا کی اور، مسجدیں بے جان ہو گئیں۔ گریجویٹ مسجد سے کٹ رہا ہے کہ مسجد اس کے حقوق کی بات نہیں کرتی، امام کو چوکیدار اور کی بنا دیا گیا حالانکہ امام تو خلیفہ کا نائب ہوا کرتا تھا اور سب شعبوں کی پالیسیوں پر نظر رکھتا تھا۔ سچ کہاں سے نکلے، غلطی کا اعتراف اور احساس ندامت ہی غلامی کے عذاب سے نکال سکتا ہے، اس لئے جب تک ذہنوں کو صاف کر کے حقیقت تک نہیں جاؤ گے، ذلت اور غلامی کا عذاب رہے گا۔

پچاس سال سے نظام ظلم کی یہ آلہ کار سیاسی و مذہبی جماعتیں شعور مار کر بے وقوف بنا کر نوجوانوں کو جذبات میں لا کر قتل کروا رہی ہیں۔ ان جماعتوں نے طالب علموں کے مابین ایک دوسرے کی نفرت پیدا کر دی، تمہارے ان جماعتوں کے لیڈر طالب علموں کو قتل کرواتے ہیں خود گول میز کانفرنس کرتے ہیں۔ آج درسگاہیں قتل گاہیں کیوں بن گئیں ہیں؟ پچاس سال کے اندر ہم امریکہ، آئی۔ ایم۔ ایف۔ اور ورلڈ بینک کے غلام بن گئے، حکم دیا جاتا ہے کہ ٹیکس لگاؤ ورنہ کان پکڑ کر اقتدار سے الگ کر دیا جاتا ہے۔

ایمان کی بنیادی روح اور اس کے تقاضے:

میرے نوجوان ساتھیو! آج ایمان کا حقیقی تصور بھی ہمارے ذہن سے نکل چکا ہے۔ ایمان چند الفاظ کے رٹنے اور چند رسوم کی ادائیگی کا نام نہیں۔ بلکہ ایمان عمل پر ابھارتا ہے مثلاً اگر آزادی پر ہمارا پختہ نظریہ اور یقین ہے کہ ہم نے نظام ظلم توڑنا ہے غلام نہیں رہنا اور پھر اس نظریے پر اخلاص کے ساتھ محنت کی جائے تو کامیابی ہوگی جبکہ ہمارا یہ حال ہے کہ دعویٰ اللہ پر ایمان کا اور نعرہ ہیں کہیں گے کہ اسلام میں سچ ہے لیکن جھوٹ بولیں گے جب قوم منافق ہو گی تو

حوالہ نمبر 11

۸

والے دہشت گردی کے لیبل کو اتارنے اور فرقہ پرستی کے خاتمے کے لئے علماء کرام اور اسلامی سکالرز اپنا کردار ادا کریں کیونکہ نام نہاد مولوی چندے اور دیگر مفادات و مقاصد کے لئے مسجد اور منبر جیسی مقدس جگہوں کا غلط استعمال کر رہے ہیں۔ جب حضور ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو اس وقت کے مذہبی نمائندے (بیت اللہ کے متولی) حضور ﷺ کے مخالف بن گئے اور لوگوں کو آپ کے خلاف خوب بھڑکایا، حتی کہ مسجد الحرام میں حضور ﷺ کی آمد پر بھی پابندی عائد کردی۔ انہوں نے کہا تشدد کے ذریعے بھی آزادی ملی نہ کوئی تبدیلی آئی بلکہ اس کے لئے عدم تشدد کا راستہ مفید رہا۔ مولانا شاہ سعید احمد نے کہا آج دینی مدارس بھی اپنا رخ تبدیل کر چکے ہیں۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد دینی مدارس موجود میں آئے، جس کا بنیادی مقصد آزادی کے جذبات کو تعلیم و تربیت کی صورت میں آگے بڑھانا تھا، تقسیم ہند کے بعد اس مذہبی طبقہ کو جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے خلافت راشدہ کا نعرہ دیکر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا، اس لیے مدارس کی اکثریت ان کی محتاج بن کر اپنا اصل کردار کھو بیٹھی۔ انہوں نے کہا دینی اور دنیاوی تعلیم کے دہرے معیار کے تحت ایک اسلامی معاشرے کی ترقی ممکن نہیں ہے۔ کالجز اور یونیورسٹیوں میں عصری علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی تدریس کو بھی اس طرح رائج کیا جانا چاہیے کہ مدارس کی تعلیم کی ضرورت ہی نہ رہے مسلمان ہی ماضی میں علم و ادب کا گہوارہ رہے ہیں اب بھی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے ضروری ہے کہ ملک میں ایک ہی نظام تعلیم رائج کیا جائے، ویسے بھی دہرے نظام تعلیم سے فرقہ واریت بڑھی ہے۔ قومی اداروں کی موجودگی میں نجی اداروں کو تعلیم کا نظام سونپنا غلامی کے دور کی یادگار ہے۔ انہوں نے کہا شاہ جہاں دور کے وزیر اعظم نواب سعد الدولہ اور حضرت مجدد الف ثانی ایک ہی نظام تعلیم کے فارغ التحصیل تھے۔ ایک نے روحانی اور اصلاحی منصب پر اپنی ذمہ داریاں پوری کیں اور دوسرے نے سیاسی کردار ادا کیا۔ ہمارے بیشتر علماء کرام نظام اسلام کا مکمل مطالعہ کرنے کے بجائے صرف عبادت اور عقائد کی بحث پر ہی پوری توجہ دیتے ہیں۔ اس لیے مدارس کے فارغ التحصیل طلباء فروعی اختلافات میں الجھے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ موجودہ نظام مدارس سے حقیقی اسلامی اور انقلابی تحریک پیدا نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے کہا زندہ قومیں اپنی تحریک آزادی اور اس کے رہنماؤں کو کبھی فراموش نہیں کرتیں، ہماری تحریک

باقی صفحہ نمبر 31 پر

عزم نو

سیرز نمبر 184

ماہ دسمبر 2000ء، جنوری 2001ء

نگران اعلیٰ

سید اصغر علی شاہ

مشاورت

سعید اعوان

سید سیف الاسلام خالد

مولانا عبداللہ عابد سندھی

سلطان محمد

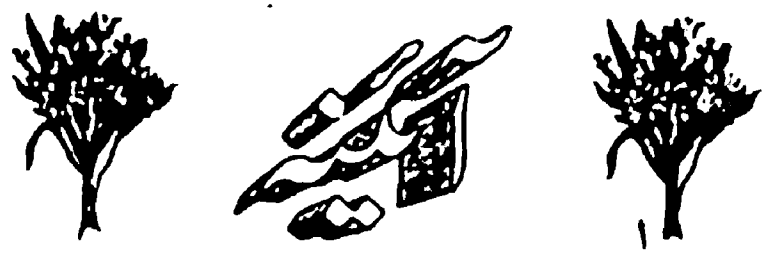

علماء کے لئے باعث شرم عناصر ---- شعبہ نشر و اشاعت ---- 2

اتمام حجت ---- مفتی عبدالمتین نعمانی ---- 7

بانی محترم کا دورہ زیریں سندھ ---- مولانا عابد سندھی ---- 10

حضرت رائے پوری کا دورہ مانسہرہ ---- ساجد علی ---- 17

صدر مرکزیہ کا دورہ شمالی پنجاب ---- ممتاز الحسن ---- 21

نظم ---- مرسلہ ڈاکٹر صفدر ضیاء ---- 31

فی شمارہ 7 روپے سالانہ زر اعانت مبلغ (70) روپے

ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان

حوالہ نمبر 12

صدر مرکزیہ کا دورہ شمالی پنجاب

۱۱ جون بروز اتوار صدر مرکزیہ جناب سید اصغر علی شاہ لاہور سے بذریعہ بس صبح ۹ بجے راولپنڈی تشریف لائے۔ صوبائی ناظم عمومی جناب خالد ریاض بخاری' زونل صدر جناب عامر حفیظ' زونل ناظم عمومی جناب آصف شریف کے ہمراہ راولپنڈی اور اسلام آباد کی تنظیموں کے صدور بالترتیب جناب جاوید حمید اور عرفان احمد پہلے سے آپ کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ ان تمام احباب کی معیت میں آپ جامعہ امینیہ تشریف لے گئے۔ جہاں راولپنڈی کا ماہانہ سیمینار منعقد ہو رہا تھا۔ اس پروگرام میں شاہ صاحب کے دورہ کی مناسبت سے مختلف نشستوں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ پہلی نشست کی صدارت جناب سید سیف الاسلام خالد صاحب نے کی جبکہ شہزاد شاہ نے پروگرام کی غرض و غایت پر روشنی ڈالی اور اس کے بعد جناب مرزا محمد رمضان نے اپنے موضوع "تحریک اور فکر" پر روشنی ڈالی۔ دوسرا موضوع جناب صدر مرکزیہ کا تھا جس میں راولپنڈی کے علاوہ اسلام آباد' مری اور دینہ کے احباب شامل ہوئے اور اس طرح یہ تقریباً دو سو افراد کا ایک بھرپور اجتماع تھا جس میں شاہ صاحب نے "پاکستان میں عدم استحکام کے اسباب" پر تفصیلی اظہار خیال کیا۔ آپ نے اپنے خطاب میں فرمایا کہ "پاکستان کی موجودہ صورتحال کی تمام تر ذمہ داری قیام پاکستان کے بعد کی ابتدائی نااہل قیادت پر ہے جو برطانوی سامراج کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے۔ آج بھی پاکستان کی نام نہاد مذہبی و سیاسی جماعتیں انہی سامراجی ہاتھوں میں کھیل رہی ہیں۔ جبکہ ہندوستان میں برطانوی سامراج سے آزادی کی جدوجہد کرنے والے علماء کرام تھے۔ اس مقصد کے لئے تقریباً ۵۰ ہزار علماء کرام شہید ہو گئے۔ انہوں نے اپنی جانوں کے نذرانے دیئے۔ اس دوران انگریز ہندوستان میں اپنے وفاداروں کو نوازتا رہا اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے جو لوگ اس نے یہاں تیار کئے پاکستان بننے کے بعد وہی بیوروکریسی کے روپ میں یہاں منتقل ہو گئے"

صدر مرکزیہ نے سامراجی ہتھکنڈوں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ "آج ہم لوگ جس

حوالہ نمبر 13

اقتدار کم ہوتا ہے یا ختم ہوتا ہے۔ دراصل جس چیز پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ بعض شخصیات و تحریکات جو آج کل میڈیا کی نظر میں امریکہ کو بظاہر ایک آنکھ نہیں بھاتیں' کی آڑ میں کردار ان ممالک میں ہی ادا کیا جا رہا ہے جو امریکی بالادستی کو ریاستی سطح پر چیلنج کر رہے ہیں۔ یوں امریکہ اپنے "دشمنوں" کے ذریعہ وہ مقاصد حاصل کر رہا ہے جس کو اس کے ماضی کے دوست علی الاعلان پورا کرنے سے قاصر ہو گئے تھے۔

سوویت یونین کی تحلیل سے تیسری دنیا کے ممالک میں اب امریکہ دشمنی کا موضوع خاصا زیر بحث آنے لگا ہے اور اس کے ماضی کے حلیف بھی اس کو بے وفائی کے طعنے دے رہے ہیں لیکن اس لعن طعن کے باوجود حکمت عملیوں میں ماضی کا تسلسل ہی نظر آتا ہے کیونکہ رد عمل میں امریکہ مردہ باد کہنے اور شعوری بنیادوں پر سامراجی نظام کی مخالفت میں بہرحال بڑا بنیادی فرق ہے جس کو سمجھے بغیر سامراجی بالادستی کو صحیح معنوں میں چیلنج ہی نہیں کیا جا سکتا اور پھر عالمی سامراجی قوتوں کی مخالفت کا تمام کریڈٹ ایک یا چند افراد کو دینے کا پروپیگنڈہ بھی اپنی جگہ سوال رکھتا ہے چند افراد کا وسیع عسکری او مالیاتی نیٹ ورک (اگر یہ درست ہے) کسی بڑی طاقت کے بغیر زیادہ عرصہ نہیں چل سکتا یا سامراج ایسے نیٹ ورک کا تاثر دے کر اپنے سامراجی تانے بانے پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔

اس وقت دینی حلقوں میں امریکی سامراج کی مخالفت کرنے والے عناصر کا تجزیہ کیا جائے تو تین قسم کے رویے سامنے آتے ہیں۔

ایک رویہ تو سیاسی مذہب کی نمائندہ ان جماعتوں کا ہے جو اپنے قیام کے وقت سے ہی سامراجی پلڑے میں اپنا وزن ڈالتی چلی آ رہی ہیں اور امریکہ سوویت کشمکش میں سامراجی گماشتہ کے طور پر معروف ہوئیں حتی کہ انہوں نے سوشلزم کے مقابلہ کے نام پر سرمایہ داری نظام پر اسلام کی ملمع سازی کر کے اس کے حق میں لٹریچر تیار کیا۔ اور دین شناس علماء حق تک کو سوشلسٹ قرار دیکر معاشرے میں انہیں نیچا دکھانے کی کوشش کی اور اب امریکہ کی زبانی مخالفت کے ساتھ امریکہ مخالف ملکوں کے مقابلہ پر مسلح کاروائیوں میں مصروف ہیں چنانچہ معروف جماعت کے مرکزی امیر کے دست راست (امیر پنجاب تنظیم) نے ایک مضمون

حوالہ نمبر 14

۳۱

مذکورہ بالا نفسیاتی مرض کے مریضوں میں سے کسی کا ذہنی رشتہ کسی وجہ سے مذہب یا دین کے ساتھ جب قائم ہو جاتا ہے اس کے تماشے بھی عجیب ہوتے ہیں اچانک اپنے ہم مذہب افراد کی عمومیت سے دیکھا جاتا ہے کہ اچک کر باہر ہو گیا جو کچھ سب مانتے ہیں وہی وہ بھی مانتا ہے' جو کچھ سب جانتے ہیں وہی سب کچھ وہ بھی جانتا ہے لیکن اس نفسیاتی بحران کے زمانہ میں چشم وابرو کے ہر اشارہ سے یہی ظاہر کرتا ہے کہ دین اور دینیات کے سوا نہ اس کے اندر باقی رہا ہے اور نہ باہر' حرکت ہو یا سکون' نشست ہو یا برخاست' ہر حال میں ایسا معلوم ہوتا ہے اور شائد دوسروں کو وہ یہی معلوم بھی کرانا چاہتا ہے کہ براہ راست خدا سے اسی کا تعلق قائم ہے مذہب کے واحد جاگیردار اور دین کے تنہا ٹھیکیدار کی شکل میں اپنے آپ کو نمایاں کرتا ہے اور یوں اپنے متعلق طرح طرح کی خوش فہمیوں میں غلطاں و پیچاں رہتا ہے۔

شائد اسی قسم کے نفوس اور ان کے نفسیاتی مرض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت ابو سعید خراز رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے تاریخ دمشق میں ابن عساکر نے ان ہی کے حوالے سے یہ قول ان کا نقل کیا ہے:۔

"کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کو دیکھا جاتا ہے کہ عالم میں جو حوادث پیدا ہوتے ہیں یا احکام الٰہی جاری ہوتے ہیں ان کو خدا کی طرف منسوب کرنے میں سب سے زیادہ پیش پیش نظر آتے ہیں۔ ابو سعید نے ان کا ذکر کر کے کہا' جو خدا کی طرف اشارہ کا اور خدا سے نزدیک ہونے کا مدعی ہو وہ سب سے زیادہ خدا سے دور ہے۔ خدا کے غصہ کا سب سے بڑا نشان وہی ہے جو سب سے زیادہ اسی کی طرف اشارہ کرتا ہوا دکھائی دے"۔ (ج ۱ ص ۳۳۹)

مذہبی فرقہ پرستی 'خود مذہب کو ختم کر کے رکھ دے گی

فرمایا :۔ ہم مذہبی سوال بنا کر لوگوں کو آپس میں لڑنے کا موقع پیدا کر دیتے ہیں قومی حکومت اور آنے والی نسلیں اس بک بک کو ختم کرنے کیلئے' مذاہب کو ہی ختم کرنے پر مجبور ہو جائیں گی۔ (ارشادات حضرت رائے پوری۔ ص ۱۲۷)

فرمایا ۔ پورا تو پتہ نہیں مگر خیال ہے کہ ہندوستان کی اگلی نسلیں یہ دیکھ کر کہ مذہب آپس میں نفاق کا موجب ہے مذہب کو ہی خیرباد کہہ دیں گی۔ حالانکہ مذہب نفاق نہیں سکھاتا' یہ تو کوئی اور ہی چیز ہے جو نفاق سکھا رہی ہے۔ (ارشادات حضرت رائے پوری۔ ص ۷۷)

فرمایا :۔ لوگوں کو مذہبی لڑائی کی بجائے اب زمیندار اور کاشتکار' مزدور اور سرمایہ دار وغیرہ سوالات پر لڑنا چاہیے اس سے مذہب کو بدنام کرنے کا قصہ تو ختم ہو جائے گا ورنہ یہ خیال ہے کہ مذہب کو بدنام تو اب بھی کر دیا گیا ہے اور بھی زیادہ بدنام ہو جائے گا۔ (ارشادات حضرت رائے پوری۔ ص ۷۵)

فرمایا :۔ منافرت کی پالیسی' ہندوستان میں نہایت ہی ناعاقبت اندیش اور بے وقوفی کی پالیسی ہے جس سے مسلمانوں کا ہی زیادہ نقصان ہے۔۔۔۔۔۔' مسلمان بولتے شور مچاتے زیادہ ہیں۔ اور کام کم کرتے ہیں۔ (ارشادات حضرت رائے پوری۔ ص ۱۱۴)

دولت کا ارتکاز صحیح نہیں ہے

فرمایا :۔ مال و دولت کی کثرت' وراثت وغیرہ پر عمل نہ کرنے سے بھی ہے' لوگ حیلے حوالے کر لیتے ہیں ٹھیک طرح سے حصہ نہیں بانٹتے' ورنہ دولت تو ایک جگہ ہو کر (استحصال) سرمایہ نہ بنا کرے"۔ (ارشاد حضرت رائے پوری۔ ص ۲۲۳' ۲۲۴)

تصرف میں عقاب کا نشین والی پھٹی کسی تھی۔ ٹی وی کے نیرنامہ پر ان کی تصویروں کو دیکھ کر مجھے ۱۹۱۹ کا وہ دور یاد آگیا جب برطانوی حکومت نے پنجاب کے بعض شہروں میں مارشل لا لگایا اور ایک شہر امرتسر میں چند منٹ میں سینکڑوں افراد کو بھون دیا گیا۔ اس تمام تر واقعہ کے براہ راست ذمہ دار جنرل اڈوائر تھے۔ وہ جب یہاں سے واپس برطانیہ جانے لگے تو انہی نام نہاد مشائخ کے نام نام نہاد بزرگوں نے اسے استقبالیہ دیا' اس ظالم و سفاک کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کیا' اپنی آہوں' سسکیوں' آنسوؤں اور دعاؤں سے اسے رخصت کیا۔ وہ سپاس نامہ آج بھی ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ ہمارے محترم جانباز مرزا صاحب نے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سوانح میں اسے درج کیا۔ ان مشائخ کے نام درج کئے جنہوں نے شریعت و طریقت کی مسند کو رسوا کر کے ایک خون خوار درندے کو استقبالیہ دیا۔ پھر اس کتاب میں شاہ جی کے اس جہاد کا تذکرہ ہے جو انہوں نے ان نام نہاد مشائخ کے خلاف کیا اور ان کی دست برد سے طریقت و ہدایت کے مراکز کو بچانے کی سعی کی..... وائیں صاحب مشائخ کو خراج تحسین پیش کر رہے تھے تو کوئی ایسا نہ تھا جو اٹھ کر پوچھتا کہ مشائخ کی گردنوں پر سوار ہو کر تم نے اور تمہارے قائدین نے اپنے لئے جنت ارضی تو حاصل کر لی لیکن اس اسلام کا کیا ہوا جس کے لئے تم نے مشائخ کا تعاون حاصل کیا تھا۔؟ مشائخ کو پوچھنا چاہئے تھا کہ جناب والا تمہارے قائداعظم نے پیر مانکی' پیر زکوڑی اور پیر سیال سے کیا حسن سلوک کیا؟ اور اب سندھ میں بابا جی شریف کی درگاہ کی مسجد میں نماز کے دوران متعدد نمازیوں کو شہید کرنے اور سجادہ نشین سمیت متعدد افراد کو اغوا کر کے انہیں ہلاک کرنے کا ذمہ دار کون ہے؟

اصل بات صرف اتنی ہے کہ مشائخ مشائخ نہیں رہے صرف نام ہیں انہیں پیٹ بھرنے کے لئے بھتہ درکار ہے تو وائیں اور ان کے بڑوں کو اپنے گرتے اقتدار کو

عزم

سہ ماہی مجلہ

۱۱۱

جون ۱۹۹۲

نگران اعلیٰ: محمد ایوب قریشی

ہدیہ اعانت

فی عدد :: ۵ روپے

سالانہ ۴ شمارے :: ۵۰ روپے

مرتب: سعید اعوان

آئینہ

پہلی بات	مرتب	۲
ذکرِ مبارک	حضرت مولینا رائے پوری	۷
تاریخ کے جھروکوں سے	این اے جاسمی	۱۰
مہلک ترین علالتِ انسانی	مولانا ابوالکلام آزاد	۱۷
اجتماعی مسائل	فرخ حبیب	۱۹
میڈیا کی ضرورت و اہمیت	پرویز اے فاروق	۲۱
ایک بات	مقصود الحسن	۲۶
رفتارِ کار	ادارہ	۲۷

شائع کردہ: ادارہ عزم

جیسے نظام چاہتا ہے ویسا ہی وہ کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ کی مثال واضح ہے آپ بنی اسرائیل کو انعامات دلوانے آئے لیکن وہ طبقہ نظام ظلم کے ساتھ اتنا وابستہ ہوچکا تھا کہ آپکی ذات کو پہنچانتے ہوئے بھی آپ پر ایمان لانے کو تیار نہ تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کیلئے پیغمبر پر ایمان لانا ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے تربیت ہوئی ہے اور جماعت بنتی ہے۔ بنی اسرائیل نے کئی پیغمبروں کو قتل کرڈالا کیونکہ ان کے مذہبی طبقے پیغمبروں پر ایمان لانے کیلئے تیار نہ تھے انکی مرکزیت کو نہیں مانتے تھے۔ نظام ظلم نے انکے مزاج بگاڑ دیئے اور انکی خواہشات بڑھادی تھیں۔ یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے کہ حق کو قبول نہیں کیا جاتا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ پہلے بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ معاشرے میں اگر جامعیت والا طبقہ موجود نہ رہے تو زوال آجاتا ہے۔ بنی اسرائیل کو دیکھ لیں بڑے بڑے انعامات دیئے گئے۔ لیکن انکو زوال بھی بڑا آیا انکی انعام والی حالت کا اور زوال والی حالت کا دونوں کی وجوہ دیکھنی ہیں تورات بڑی پھیلی ہوئی تھی۔ عبادات موجود تھیں۔ لیکن پھر بھی عذاب دنیا میں مبتلا ہوگئے۔

ہمارے علماء کرام لکھتے ہیں کہ زوال سے نکالنے کیلئے تینوں چیزوں علم کا اعلیٰ درجہ، تقویٰ کا اعلیٰ درجہ اور تنظیم کی اعلیٰ صلاحیت کا ہونا ضروری ہے۔

جب دین رہنمائی کرے گا تو ایسی جماعت پیدا ہوگی جس سے انقلاب آئیگا۔ اسکی نظام سیاست و معیشت پر عقل اتنی ہوگی کہ اس کے سامنے سب گھٹنے ٹیک دیں گے۔

اسی طرح اگر خانقاہ سے علم والوں کا جوڑ نہیں رہتا تو وہ علم نافع نہیں رہتا اور اگر خانقاہی نظام میں علم نہ ہو تو وہ رہنمائی کے لائق نہیں رہیگی اسی طرح جو سیاست اٹھے اسمیں اہل علم اور اہل تقویٰ کا ہونا ضروری ہے اگر اسمیں یہ دونوں موجود نہ ہوں تو سیاست تباہی کے کنارے پر لے جائیگی۔

عزم سیریز

مئی جون 1993 | سیریز نمبر 120

مجلس ادارت

سعید اعوان
محمد سعید اختر
عبدالخالق آزاد
چوہدری عبدالرؤف

نگران اعلیٰ

محمد اسلوب قریشی

آئینہ

پہلی بات	سعید اعوان	۲
غربت دور کرنے کے عالمی منصوبے	چوہدری عبدالرؤف	۴
مذہب روح عدل کے بغیر رسم ہے	مولانا عبدالمتین منعامی	۹
قطب الارشاد حضرت راپوری	شکیل احمد ساجد	۱۴
حضرت راپوری کا دورہ سندھ	ایم بی بلوچ	۲۰
حضرت راپوری کا دورہ سکھر ڈویژن	مولانا عابد سندھی	۲۶
قصیدہ مرثیہ	مولانا صاحبزادہ محمود	۳۱

قیمت فی عدد: ۵ روپے

سالانہ دس عدد ۵۰ روپے

پتہ: ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر۔363 جی پی او۔ ملتان

پہلی بات

سید احمد احیاء مذہب کی سیاست

حوالہ نمبر 18 حوالہ نمبر 19

بھارت میں انتہا پسند ہندو تنظیموں کی مذہب پر مبنی سیاست فروغ پذیر ہے۔ اس کا تذکرہ اگرچہ ٹائمز آف انڈیا نے ۱۲ اپریل ۹۳ء کی اشاعت میں ایک خصوصی رپورٹ کے تحت کیا ہے لیکن یہ خبر کوئی انکشاف نہیں بلکہ اس سے تقریباً ہر باخبر شخص آگاہ ہے اور اسپر ہر صاحب دل متفکر ہے، نور مذکورہ سیاست کے نتیجہ میں بھارت میں مذہب، فسادات کا باعث بن کر رہ گیا ہے۔ دور حاضر میں انسانیت کی تقسیم کے علمبردار مذاہب کی بنیاد پر جہاں بھی سیاست ترتیب پارہی ہے، وہاں نتائج کی نوعیت کم و بیش یکساں ہے۔ ایسی سیاست میں انسانی خون کی ارزانی ہوجاتی ہے۔ تنگ نظری عروج پر ہوتی ہے، انسانی حقوق پامالی کی زد میں ہوتے ہیں اور معاشرے کی اجتماعی اقدار تباہ ہو کر رہ جاتی ہیں۔ یوں معاشرہ کی چولیں ہل کر رہ جاتی ہیں۔

مذہب کا احیاء، مذہبی وابستگان کے لئے ہمیشہ اہم رہا ہے، اور اس کے لئے قربانیاں دی جاتی رہی ہیں اور قربانیاں وصول بھی کی جاتی رہی ہیں بلکہ فی زمانہ دوسروں کی جان لینا مذہب کے احیاء کا ایک لازمی جزو بن گیا ہے کیا مذہب کا احیاء ممکن ہے؟ یہ ایک نازک سوال ہے تاریخ کا یہ اصول ہے "جو حقیقت ایک دفعہ ماضی کا حصہ بن جائے وہ بعینہ دوبارہ اپنا تشخص حاصل نہیں کرپاتی" اور اس اصول سے عام مذہب بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ تاہم اگر کوئی مذہب ابدی اصول فطرت اور انسانی اقدار کا علمبردار ہو اور اُنپر معاشرہ کی تشکیل جدید کی اور مؤثر حکمت عملی کی راہ سجھاتا ہو تو ایسی صورت میں اس کے احیاء کی کوششوں کی نوعیت دوسری ہوگی۔

اس وقت مذہبی دنیا جس دوراہے پر کھڑی ہے اسمیں ایک طرف اس کی تمنا ہے کہ مذہب کا احیاء ہو اور ہر طرف اس کا غلغلہ ہو دوسری طرف مذہب کی شریانیں اس قدر سکڑ چکی ہیں کہ اسمیں مادہ حیات کا گزر بھی مشکل ہوچکا ہے۔ ایسے میں احیاء مذہب کی کوشش اور اسپر مبنی سیاست کا فروغ معاشرے کو ایسے الاؤ میں دھکیلنے کے مترادف ہے جو تمام

تعاشرتی عناصر کو بھسم کر ڈالنے والا ہے کیونکہ ماضی کے مذہب کے احیاء کے خواہشمند عناصر جلد یا بدیر ہاتھ میں آلات جبر لئے میدان میں کود پڑتے ہیں اور ہر معاملہ کو طاقت کی زبان میں منوانے کی سیاست کو فروغ دیتے ہیں۔ اور ایک لحاظ سے یہ ان کی "مجبوری" بھی ہوتی ہے کہ وہ معاشرے کو خوفزدہ کئے بغیر اپنے مقصد کے فروغ کے لئے کوئی اور راہ نہیں پاتے لیکن اس سے جو پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں، ان کا مداوا ممکن نہیں ہوتا نتیجتہ معاشرہ کا سفر نہ صرف رک جاتا ہے بلکہ وہ اپنا نشان راہ بھی گم کر بیٹھتا ہے۔

دانش کا تقاضہ ہے اور قیام امن کے لئے ضروری ہے کہ فرسودہ ماضی کے احیاء میں ہی دکھانے کی بجائے ابدی اجتماعی اصول فطرت پر مبنی حال اور مستقبل کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے راہ اپنائی جائے۔ اور اس کے لئے پُرعزم حکمت عملی اپنانے سے گریز کیا جائے، بھارت اور اسکے پڑوسی ممالک جو اس وقت مذہبی جنون کے بادلوں میں گھرے ہوئے ہیں تمام مذاہب کے ماننے والوں کو مذہب کے نام پر دائرہ انسانیت سے تجاوز کر جانے کی خود کشی پر مبنی پالیسی سے دستکش ہو جانا چاہئے تاکہ اس خطے کو مستقل جہنم کے ماحول سے بچایا جا سکے۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ جدید بھارت کے بانیوں نے اس کیلئے سیکولرازم کا راستہ تجویز کیا تھا۔ جسکو وہاں کی بھاری اکثریت نے قبول کیا تھا بلکہ اب بھی تمام سلجھے ہوئے عناصر اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کی معقول اکثریت اسی نظریہ کو بھارت کے استحکام کا ذریعہ سمجھتی ہے، حتی کہ بھارت اور پاکستان کی مذہبی تنظیمیں بھی اس کی افادیت کی نہ صرف قائل ہیں بلکہ سیکولرازم کے تقاضوں سے روگردانی پر اظہار ناراضگی بھی کرتی رہی ہیں چنانچہ بابری مسجد کے واقعہ تہدیم پر اظہار رنج و غم کے ساتھ ساتھ پاکستان کے سرکاری ذرائع ابلاغ کثیر الاشاعت اخبارات اور تمام سیاسی و مذہبی حلقوں نے اسے سیکولرازم کے منافی قرار دیا اور بھارتی اقتدار پر ہندو تنگ نظری کے سامنے اپنے اصولوں کی بلی چڑھانے کا الزام بھی لگایا۔ جس سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ احیاء مذہب کی کاوشیں، جہاں مذہبی حلقوں میں بھی پریشانی کا باعث ہیں، وہ فرسودہ مذاہب کے احیاء کی جگہ سیکولرازم کے حقیقی تقاضوں پر عملدرآمد کے خواہاں ہیں اسلئے ایسے میں انہیں اس بات کا جائزہ لینا ہوگا کہ کسی جگہ ان کے خیالات میں تضاد تو در نہیں آتا اور اگر ایسا ہے تو جس روز وہ اس تضاد پر قابو پالیں گے وہ روز ایک بہتر راہ عمل کی نوید بن کر سامنے آئے گا۔

عزم سیریز

مارچ 1993 | سیریز نمبر 118

مجلس ادارت

سعید اعوان
محمد سعید اختر
عبدالخالق آزاد
چوہدری عبدالرؤف

نگران اعلیٰ

محمد اسلوب قریشی

آئینہ

پہلی بات	سعید اعوان	۲
حضرت رائپوری کا خطاب کراچی	عبدالرحمن عابد	۵
حضرت رائپوری رحمہ اللہ ثالث	مولانا عبدالخالق آزاد	۸
حضرت رائپوری رابع کا دورہ بالائی سندھ	مولانا عابد سندھی	۱۴
حضرت رائپوری کا خطاب سکھر	خرم معراج سید	۲۳
حضرت رائپوری کا خطاب ہارون آباد	عبدالرحیم طاہر	۲۵
جدید زبان کا سیکھنا	مرسلہ ذوالفقار علی	۲۷
رفتار کار	نمائندگان	۲۸

قیمت فی عدد: ۵ روپے

سالانہ دس عدد ۵۰ روپے

پتہ: ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر۔363 جی پی او۔ ملتان

۲

تجزیاتی انداز فکر کی ضرورت

دنیا کے اندر ابتدائے آفرینش سے مذاہب کا وجود انسانی ارتقاء کی علامت رہا ہے۔ اور جب بھی معاشرہ میں جمود آیا اور فرسودہ روایات اور مسخ شدہ تصورات کی حکمرانی قائم ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی معاشرہ میں تبدیلی کے لئے نظام الٰہی کے تحت انبیاء مبعوث ہوئے جنہوں نے معاشرے کو اس جمود سے نکالنے اور اسکو ارتقائی منازل سے روشناس کرانے کے لئے اصول فطرت کی نقاب کشائی کی اور انپر مبنی نظام نو سے روشناس کرایا انبیاء نے اپنے دور میں ہمیشہ ایسے طبقات کی طرف سے مزاحمت کا سامنا ہوا جو مروجہ معنوں میں اپنے آپکو مذہب سے وابستہ قرار دیتے تھے اور ان کے ہاں مذہب کا ایک تصور ضرور موجود ہوتا تھا لیکن یہ تصور جمود کو سند عطا کرنے اور ظلم کو باقی رکھنے کے لئے بطور آلہ استعمال ہوتا تھا۔

مذہب جب بگڑ کر ارتقاء دشمنی کا منصب سنبھالتا ہے تو اس کے نتیجے میں معاشرہ کی فطری صلاحیتوں دب کر رہ جاتی ہیں لیکن یہ کیفیت زیادہ دیر نہیں رہتی اور ہر عمل کا رد عمل ضرور ہوتا ہے چنانچہ آج کیفیت یہ ہے کہ یورپ کے تنگ نظر مذہبی ماحول فرسودہ رویوں اور جامد سوچوں کے رد عمل میں رونما ہونے والے نظریات کی آج دنیا پر حکمرانی ہے اور یوں یہ نظریات یہودی و عیسائی مذاہب کے فرسودہ ہونے کی علامت بن کر سامنے آئے ہیں ایسے ماحول میں ہمارے ملک کے سیاسی مذہبی افراد جس نہج پر سوچ رہے ہیں وہ مسائل کو حل کرنے کی بجائے مسائل کو الجھانے اور ذہنوں کو مضطرب کرنے کے سوا کچھ نہیں، ان کے ہاں اچھے پہلوؤں سے استفادہ اور برے پہلوؤں سے اجتناب کے منافقے کے تحت نظریات کو سرسری انداز سے زیر بحث لانے کا تصور ہی عنقا ہے۔ وہ ہر معاملہ میں موضوعی، جذباتی اور غیر استدلالی انداز فکر اپناتے ہیں، اور پھر اس کو اصول پرستی قرار دیکر اس سے اختلاف رائے کا دروازہ بند کرنے کی سعی بھی انجام دیتے ہیں اور یہ عمل خواہ اسکو کوئی بھی بنیاد فراہم کی جائے، قرآن حکیم کے نقطہ نظر سے کسی طور پر مستحسن نہیں، وہاں تو حکمت و شعور اور موعظت حسنہ (دلنشیں انداز میں نصیحت) کو اسلوب دعوت قرار دیا گیا ہے، اور مخالف فکر کی تردید کیلئے بھی اچھے انداز کو اپنانے کی طرف متوجہ کیا گیا۔

اپریل ۹۲

عزم

نگران اعلیٰ: محمد اسلوب قریشی

ہدیہ اعانت

فی عدد :: ۵ روپے

سالانہ دس عدد :: ۵۰ روپے

مرتب: سعید اعوان

آئینہ

پہلی بات	مرتب	۲
ذکر مبارک	مولانا عبید اللہ سندھی	۴
ملکات انسانیت	محمد مقبول عالم	۶
نوحوں کا سکہ	سعید اعوان	۸
مسلمانوں کی فتوحات فرانس	سیم الف کیلانی	۱۸
رفتار کار	ادارہ	۳۲

شائع کردہ ادارہ عزم

پاکستان میں قومیتوں کا مسئلہ اور مولانا سندھی کا نقطۂ نظر

حوالہ نمبر 21

تحریر:- سعید اعوان

دنیا جو کئی براعظموں (CONTINENTS) میں تقسیم ہے اور ان میں سے ہر براعظم بے شمار اقوام و ممالک میں بٹا ہوا ہے، اسی وقت صحیح معنوں میں امن و سکون کا گہوارہ ثابت ہو سکتی ہے جب یہاں انسانوں پر ظلم و جور کا خاتمہ اور بلا لحاظ رنگ و نسل و قوم و ملک اور ملت و مذہب ہر شخص آزادی اور رواداری کی فضا میں سانس لے اور جب تک رنگ و نسل یا قوم و ملک یا ملت و مذہب کی اساس پر ظلم و انصاف کے پیمانے بنائے جاتے رہیں گے اس وقت تک دنیا کا کوئی خطہ اپنے باشندوں کے لئے خوشحالی کا گہوارہ ثابت نہ ہوگا۔

دنیا میں امن و آشتی اور خوشحالی کا دور اسی وقت شروع ہو سکتا ہے جب یہاں ایسا نظام قائم ہو جو تمام اقوام کے مسائل حل کرے اور ان کے باہمی تنازعات کا عدل و انصاف کے حوالے سے تصفیہ کرے۔ اور جس کی اساس اقوام و افراد کی باہمی مساوات ہو نہ کہ طبقاتی جغرافیائی، علاقائی اور مذہبی حد بندیاں اس میں فیصلہ کن ہوں۔

شاہ ولی اللہ اور ان کا سلسلہ

برعظیم ہند (Sub-Continent) میں مغل دور حکومت

معاشرتی عناصر کو بھسم کرڈالنے والا ہے کیونکہ ماضی کے مذہب کے احیاء کے خواہشمند عناصر جہاد یا بدیر ہاتھ میں آلات جبر لئے میدان میں کود پڑتے ہیں اور ہر مسالمہ کو طاقت کی زبان میں منوانے کی سیاست کو فروغ دیتے ہیں۔ اور ایک لحاظ سے یہ ان کی "مجبوری" بھی ہوتی ہے کہ وہ معاشرے کو خوفزدہ کئے بغیر اپنے مقصد کے فروغ کے لئے کوئی اور راہ نہیں پاتے۔ لیکن اس سے جو پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں، ان کا مداوا ممکن نہیں ہوتا نتیجتہ معاشرہ کا سفر نہ صرف رک جاتا ہے بلکہ وہ اپنا نشان راہ بھی گم کر بیٹھتا ہے۔

دانش کا تقاضہ ہے اور قیام امن کے لئے ضروری ہے کہ فرسودہ ماضی کے احیاء میں سبھی دکھانے کی بجائے ابدی اجتماعی اصول فطرت پر مبنی حال اور مستقبل کے تقاضوں کی تکمیل کے لئے راہ اپنائی جائے۔ اور اس کے لئے پُرتشدد حکمت عملی اپنانے سے گریز کیا جائے، بھارت اور اسکے پڑوسی ممالک جو اس وقت مذہبی جنون کے بادلوں میں گھرے ہوئے ہیں تمام مذاہب کے ماننے والوں کو مذہب کے نام پر دائرہ انسانیت سے تجاوز کرجانے کی خود کشی پر مبنی پالیسی سے دستکش ہوجانا چاہیے تاکہ اس خطے کو مستقل جہنم کے ماحول سے نکالا جاسکے۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ جدید بھارت کے بانیوں نے اس کیلئے سیکولرازم کا راستہ تجویز کیا تھا۔ جسکو وہاں کی بھاری اکثریت نے قبول کیا تھا بلکہ اب بھی تمام بکھرے ہوئے عناصر اور مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کی معقول اکثریت اسی نظریہ کو بھارت کے استحکام کا ذریعہ سمجھتی ہے، حتیٰ کہ بھارت اور پاکستان کی مذہبی تنظیمیں بھی اس کی افادیت کی نہ صرف قائل ہیں بلکہ سیکولرازم کے تقاضوں سے روگردانی پر اظہار ناراضگی بھی کرتی رہی ہیں چنانچہ بابری مسجد کے واقعہ تہدیم پر اظہار رنج و غم کے ساتھ ساتھ پاکستان کے سرکاری ذرائع ابلاغ کثیر الاشاعت اخبارات اور تمام سیاسی و مذہبی حلقوں نے اسے سیکولرازم کے منافی قرار دیا اور بھارتی اقتدار پر ہندو تنگ نظری کے سامنے اپنے اصولوں کی سپر ڈالنے کا الزام بھی لگایا۔ جس سے اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ احیاء مذہب کی کاوشیں، ہمارے مذہبی حلقوں میں بھی پریشانی کا باعث ہیں، وہ فرسودہ مذاہب کے احیاء کی جگہ سیکولرازم کے حقیقی تقاضوں پر عملدرآمد کے خواہاں ہیں اسلئے ایسے میں انہیں اس بات کا جائزہ لینا ہوگا کہ کسی جگہ ان کے خیالات میں تضاد تو در نہیں آتا اور اگر ایسا ہے تو جس روز وہ اس تضاد پر قابو پالیں گے وہ روز ایک بہتر راہ عمل کی نوید بن کر سامنے آئے گا۔

۶

حوالہ نمبر 23 | حوالہ نمبر 24

انگریز کے مراعات یافتہ لوگوں کی بجائے تحریک آزادی کے حقیقی راہنماؤں کا کردار اُجاگر کیا جائے

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری

ملتان (خبریں فورم رپورٹ) معروف عالم دین، خانقاہ عالیہ رائے پور (اتر پردیش) بھارت کے صدر نشیں اور بانی ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نے کہا ہے کہ جہاد حکومت وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے، جہادی تنظیمیں مردہ قومیں تھیں کیونکہ انہوں نے حقیقی اسلامی کردار ادا نہیں کیا، خانقاہوں کے حقیقی تصور سے ہٹ کر موجودہ دور میں غلط روایات کے تحت نسل در نسل گدی نشینی کا سلسلہ جاری رہتا ہے حالانکہ نااہل اولاد کا سجادہ نشین بن جانا خانقاہ کی بے حرمتی ہے۔ دینی مدارس کا حقیقی کردار ختم ہو چکا ہے، چندے کے محتاج دنیا دار مولوی مسجد و منبر کا غلط استعمال کر رہے ہیں، موجودہ نظام مدارس سے حقیقی اسلامی انقلابی تحریک پیدا نہیں ہو سکتی، اسی لیے علماء کرام اور اسلامی سکالر اپنا کردار ادا کریں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں عصری علوم کے ساتھ مذہبی علوم اسی طرح پڑھائے جائیں کہ مدرسہ سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہ رہے کیونکہ دہرے نظام تعلیم سے فرقے پیدا ہو رہے ہیں، نوجوان نسل میں جعلی ہیرو کے بجائے تحریک آزادی کے حقیقی رہنماؤں کے کردار کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے وہ خبریں فورم میں خصوصی بات چیت کر رہے تھے۔ اس موقع پر شعبہ اسلامیات بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن بھی ان کے ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا کہ اسلام عالمگیر مذہب ہے جس میں ہر حوالے سے مکمل رہنمائی ملتی ہے۔ قتال فرض کفایہ ہے اور یہ حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے، جسے پورا کرنے کے لئے حکومت دفاعی شعبہ قائم کرتی ہے، بوقت ضرورت یہ شعبہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے جو کردار ادا کرتا ہے اس سے پوری قوم کی ترجمانی ہو جاتی ہے۔ دفاعی شعبہ میں عسکری قوت بڑھانے کے لئے کسی بھی وقت مزید بھرتی کی جا سکتی ہے، تشدد اور جہاد کے

حوالہ نمبر 25

۸

والے دہشت گردی کے لیبل کو اتارنے اور فرقہ پرستی کے خاتمے کے لئے علماء کرام اور اسلامی سکالرز اپنا کردار ادا کریں کیونکہ نام نہاد مولوی چندے اور دیگر مفادات و مقاصد کے لئے مسجد اور منبر جیسی مقدس جگہوں کا غلط استعمال کر رہے ہیں۔ جب حضور ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو اس وقت کے مذہبی نمائندے (بیت اللہ کے متولی) حضور ﷺ کے مخالف بن گئے اور لوگوں کو آپ کے خلاف خوب بھڑکایا، حتی کہ مسجد الحرام میں حضور ﷺ کی آمد پر بھی پابندی عائد کردی۔ انہوں نے کہا تشدد کے ذریعے کبھی آزادی ملی نہ کوئی تبدیلی آئی بلکہ اس کے لئے عدم تشدد کا راستہ مفید رہا۔ مولانا شاہ سعید احمد نے کہا آج دینی مدارس بھی اپنا رخ تبدیل کر چکے ہیں۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد دینی مدارس موجود میں آئے، جس کا بنیادی مقصد آزادی کے جذبات کو تعلیم و تربیت کی صورت میں آگے بڑھانا تھا، تقسیم ہند کے بعد اس مذہبی طبقہ کو جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے خلافت راشدہ کا نعرہ دیکر اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا، اس لیے مدارس کی اکثریت ان کی محتاج بن کر اپنا اصل کردار کھو بیٹھی۔ انہوں نے کہا دینی اور دنیاوی تعلیم کے دہرے معیار کے تحت ایک اسلامی معاشرے کی ترقی ممکن نہیں ہے۔ کالجز اور یونیورسٹیوں میں عصری علوم کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی تدریس کو بھی اس طرح رائج کیا جانا چاہیے کہ مدارس کی تعلیم کی ضرورت ہی نہ رہے مسلمان ہی ماضی میں علم و ادب کا گہوارہ رہے ہیں اب بھی عظمت رفتہ کی بحالی کے لئے ضروری ہے کہ ملک میں ایک ہی نظام تعلیم رائج کیا جائے، دہرے نظام تعلیم سے فرقہ واریت بڑھی ہے۔ قومی اداروں کی موجودگی میں نجی اداروں کو تعلیم کا نظام سونپنا غلامی کے دور کی یادگار ہے۔ انہوں نے کہا شاہ جہاں دور کے وزیر اعظم نواب سعد اللہ دولہ اور حضرت مجدد الف ثانی ایک ہی نظام تعلیم کے فارغ التحصیل تھے۔ ایک نے روحانی اور اصلاحی منصب پر اپنی ذمہ داریاں پوری کیں اور دوسرے نے سیاسی کردار ادا کیا۔ ہمارے بیشتر علماء کرام نظام اسلام کا مکمل مطالعہ کرنے کے بجائے صرف عبادات اور عقائد کی بحث پر ہی پوری توجہ دیتے ہیں۔ اس لیے مدارس کے فارغ التحصیل طلباء فروعی اختلافات میں الجھے رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ موجودہ نظام مدارس سے حقیقی اسلامی اور انقلابی تحریک پیدا نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے کہا زندہ قومیں اپنی تحریک آزادی اور اس کے رہنماؤں کو کبھی فراموش نہیں کرتیں، ہماری تحریک

باقی صفحہ نمبر 31 پر

زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوتا ہے چند مستثنیات کے سوا اور ہے کا مرکزی نظام (تعلیم وغیرہ) ان کے نام کو بر سربازار نیلام کر کے اور ان کی عرفی حیثیت (یتیم و نادار وغیرہ) کی بولی لگا کر سرمایہ داروں کے مفادات پر واضح یا خاموش سمجھوتہ کے ذریعہ امداد لے کر اپنی معاشی حالات سنوار لیتا ہے یوں یہ لوگ قیصر کو بھی خوش رکھتے اور اپنے من کے "ھوئی" (خواہش نفس) کا پوجا پاٹ بھی کر لیتے ہیں۔

مزید برآں یونیورسٹی اور کالج کے طلبہ کا تعلیمی ماحول کلاس رومز' دفاتر' لائبریز اور ہاسٹلز وغیرہ کافی حد تک ستھرے اور مدرسہ کے طلبہ کی انفرادی حالت سے لے کر اجتماعی ماحول تک سب کچھ پر آلودگی کی تہہ جمی ہوئی ہوتی ہے۔(الا ماشاءاللہ!)

کالجیٹ طبقہ اپنی ذات کے حوالے سے تو پاکیزگی و صفائی اہتمام کرتا ہے مگر معاشرتی سطح پر وہ اجتماعی نقطہ نظر سے ناکام ہے کیونکہ اعلیٰ سطح پر پہنچ کر وہ استحصال کی علامت بن جاتا ہے جبکہ مدرسہ کے گریجویٹ کو نہ خدا ملتا ہے نہ "وصال صنم" یہ بیچارہ بیچ ہی بیچ میں معلق رہتا ہے۔ کیونکہ اس کا طریقہ تعلیم تمام تر فرسودہ ہے۔ شاہی نظام حکومت کا دور کب کا دفن ہو چکا اور یہ آج بھی بے شعوری کے سبب منبر وعظ پر "ظل الٰہی" کا ورد کرتا نہیں تھکتا۔

الغرض مروجہ دونوں طریقہ ہائے تعلیم اسلام کی جامع سماجی تعلیم کی رو سے نرم سے نرم الفاظ میں انتہائی ناقص ہیں۔ کیونکہ ایک مادہ پرست بنا کر غرض کا بندہ بناتا ہے جبکہ دوسرا نام نہاد' تقدس کا پجاری بناتا ہے حالانکہ اسلام میں تقدس (جو بت پرستی کی حدوں کو چھوتے) کی کوئی گنجائش نہیں۔

اسوہ حسنہ کی رہنمائی

تعلیم کا مقصد چونکہ انسان کی نفس کی تہذیب کرنا ہے پھر سوال یہ ہے کہ اگر انسان اپنے آپ کو پہچان بھی گیا تو وہ اپنی "خودی" کو عصری حالات اور سماج کے

حوالہ نمبر 28

اجتماعی تقاضوں کے ساتھ کس طرح تطبیق ہے؟

ایسے میں جب ہم اسوہ حسنہ کے ابتدائی دور کی طرف دیکھتے ہیں تو ہمیں بنظر غائر واقعاتی مطالعہ کرنے کے بعد اس کا جواب انشراح صدر کے ساتھ مل جاتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے ابو جہل کے جبر و ستم والے سماج میں "عدل کی فکر" کی صدائے انقلاب بلند کی اور اسی اعلیٰ فکر کو پہلے اپنی ذات میں اور پھر اپنی ناقابل تسخیر جماعت (صحابہؓ) میں راسخ کر کے ان میں اس فکر کے ذریعے اخلاقیات کو تکمیل تک پہنچایا اور پھر آپؐ اور آپؐ کی صفات کی حامل جماعت نے ان اعلیٰ اخلاق کو ساری دنیا پر غالب کر کے دکھایا۔

گویا آپؐ کو بذریعہ وحی یہ تعلیم دی گئی تھی کہ آپؐ پچھلے تمام انبیاؑ و رسلؑ (سلف صالح) کے اساسی اصولوں کا "تتبع" (پیروی) کرتے ہوئے موجود مظالم کے خلاف ایک ہمہ گیر انقلاب برپا کریں گے اور اسی "فکر" کی تعلیم اپنی جماعت کو دیں گے۔

لہٰذا ایک پائیدار مستحکم اور معاشی عدل پر مبنی نظام حکومت اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک اس کے نظام تعلیم میں یہ دو بنیادی اجزاء (سلف صالح کی پیروی اور ان کے اصولوں کو عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی صلاحیت و استعداد) بنیادی طور پر شامل نہ ہوں۔ اس لئے سب سے پہلے ہمیں بنیاد یعنی مروجہ عصری علوم کی فلاسفی کو بدلنا ہوگا۔ کیونکہ ظلم و استحصال بھی ایک شیطانی طاغوتی فکر پر قائم ہے اور عدل و انصاف بھی ایک جامع الٰہی فکر کی اساس پر قائم کیا جاتا ہے۔

تمام جدید فنون چونکہ عقلیت سے تعلق رکھتے ہیں (مثلاً میڈیکل سائنس، انجینئرنگ کیمسٹری، فیزکس اور کمپیوٹر سائنس وغیرہ) لہٰذا وہ دور کا لازمی تقاضہ ہیں۔ جن کو بحال رکھا جائے گا اور جبکہ دیگر نظریاتی و تاریخی علوم چونکہ سو فیصد بھونڈی

ہیں۔ ہم پاکستان میں مکمل دین الٰہی کا نفاذ چاہتے ہیں لادین مغربی جمہوریت اور امریکن ڈکٹیٹر شپ کو ہم کافرانہ نظام سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہماری سیاسی جدوجہد کا محور خلافت راشدہ کا عادلانہ نظام ہے جس میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خوراک، لباس اور مکان ایک عام شہری کے برابر تھا۔ جبکہ پاکستان میں ایک آفیسر کی کوٹھی پر چالیس لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ علاوہ ازیں پریذیڈنٹ سیکرٹریٹ اور پرائم منسٹر سیکرٹریٹ کی آرائش پر کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں۔

مولانا رائے پوری نے فرمایا پاکستان کا سالانہ بجٹ تقریباً ساڑھے تین کھرب روپے بنا جبکہ صرف سود کی واپسی دو کھرب روپے دینے ہیں۔ ایک کھرب چالیس ارب روپے کی خطیر رقوم دفاعی بجٹ کے لئے مختص کی گئی۔ حالانکہ پاکستان نے امریکہ سے دفاعی معاہدہ کیا ہوا ہے۔ کہ وہ بھارت پر فوج کشی نہیں کرے گا۔

انہوں نے فرمایا سرمایہ دارانہ نظام کے کولہو میں غریب انسان بری طرح پس رہا ہے اور امیر مزے اڑا رہا ہے۔ جبکہ اسلام نے دولت کی منصفانہ تقسیم کا درس دیا ہے پاکستان میں اربوں روپے سامان تعیش پر خرچ ہو رہے ہیں مسلمان اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہیں ہمارا نظام تعلیم لارڈ میکالے کا مرتب کردہ ہے جس میں سرکار کی اعانت کے لئے کل پرزے فراہم کرنا ہے۔

ہماری دینی مدارس پرانا نصاب پڑھا رہے ہیں۔ ہمارے اکثر فارغ التحصیل علماء اسلامی معیشت سے بالکل کورے ہیں صرف اسلام کی شرعی سزاؤں کو غلط رنگ میں پیش کر کے عوام الناس کو دین سے دور کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ اسلام دین رحمت ہے جس کا ایک حصہ حقوق اللہ اور دوسرا حقوق العباد ہے اسلام انسانوں کے جان و مال کا تحفظ اور عزت و آبرو کی ضمانت دیتا ہے۔

اسلامی حکومت میں ایک ذمی کے حقوق کی بھی نگہداری کی جاتی ہے اور رزق کے وسائل پر کوئی جبری بندش نہیں امن عامہ کا قیام ریاست کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ حضرت مولانا سعید احمد رائے پوری نے کہا فلسفہ ولی اللہی کو مدنظر

یہ سنتے ہی سعید الخیر آپے سے باہر ہو گیا۔ پاؤں سے تھپتھپاتے ہوئے عدالت عالیہ سے باہر نکل گیا اور سیدھا امیر المومنین کے پاس پہنچا۔ وہ سمجھ گئے کہ قاضی نے بوجہ رشتہ داری میری شہادت مسترد کر دی ہوگی پوچھا کیا بات ہوئی؟۔

سعید الخیر نے کہا۔ ''آج سلطنت کا وقار ختم ہو گیا۔ شاہی خاندان کی عزت خاک میں مل گئی۔ ایک معمولی شاہ وقت کے ملازم قاضی نے بادشاہ کی شہادت قبول نہیں کی'' پھر وہ غصیلے لہجے میں مشتعل ہو کر بولا'' بھتیجے'' یہ قاضی مسند عدالت پر بیٹھنے کے قطعی قابل نہیں ہے۔ اسے آج ہی برطرف کر دو'' مگر عدل پسند حکمران الحکم نے کہا۔

'' قاضی کا فیصلہ فی الواقعہ دیانت پر مبنی ہے۔ جو حق کے مقابلہ میں شاہ وقت کی بھی پرواہ نہیں کرتے واللہ ان کے فیصلے کتنے سچے اور صحیح ہوتے ہوں گے۔ خدا کی قسم! میں قاضی ابن بشیر کی باز پرس کروں گا نہ انہیں کبھی برطرف ہی کروں گا''

بقیہ حضرت کا خطاب

کھائے اور نہ دھوکہ دے اس میں اعلیٰ کردار اور انسان دوستی پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ایسا مسلمان جو نظام ظلم کی حمایت کرے: مارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اگر کافر بھی مظلوم کی حمایت کرتا ہے تو ہم اس سے تعاون لے سکتے ہیں۔ اسلام ہمیشہ سے ہی مظلوم کا نمائندہ رہا ہے۔ انبیاء اور صحابہؓ مظلوم کے نمائندے ہیں ایران اور روم میں مظلوم عیسائی اور مظلوم یہودی اور مجوسی کیلئے صحابہ کرامؓ شہید ہوتے رہے۔ انہی کا تاریخی تسلسل اولیاء اللہ ہیں۔ اسی لئے تاریخی تسلسل سے راہنمائی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمت اور استقامت دے اور شعور پیدا ہو، اولیاء اللہ سے تعلق اور محبت پیدا ہو۔ آمین!

نے فوراً فرمایا کہ حضرت میرے تو سب کچھ آپ ہیں۔ کوئی رشتہ داری نہیں۔ بس آپ کے سوا کوئی نہیں' فنائیت ہوئی تو جانشین بن گئے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبرؓ میں سب سے زیادہ نبیؐ سے عشق تھا۔ اول درجہ عطا ہوا۔ کوئی امام ایسا نہیں گذرا جس نے قلب کی اصلاح کے لئے اہل اللہ کی صحبت اختیار نہ کی ہو۔ امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔ لاالسنتان لهلك نعمان (اگر میں حضرت شیخ کی دو سال صحبت اختیار نہ کرتا تو ہلاک ہو جاتا)۔

کمال درجے کا ولی وہ ہے جس میں حب جاہ (شہرت پسندی) نکل جائے۔ حب مال تو نکل جاتا ہے حب جاہ نہیں جاتی۔ جس دن ہم نے یہ سمجھ لیا کہ اب سب کچھ آگیا ہے کسی تربیت کی ضرورت نہیں۔ اس دن سے استعداد اور ترقی ختم سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اولیاء اللہ اور علماء ربانی سے تعلق اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم اپنے بزرگوں سے مناسبت پیدا کریں اور ہم میں صحابہؓ جیسی صفات پیدا ہو جائیں۔ آمین (و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین)

بقیہ امت مسلمہ کا زوال

بلند و بالا عمارات ہمارے سامنے دیکھتے ہی دیکھتے زوال کی نذر ہو گئیں۔

آج جب ہم دنیا پر نظر دوڑاتے ہیں تو سرمایہ دارانہ نظام انسانیت کی ترقی کے لئے قدم اٹھاتا ہوا نظر نہیں آتا وہ انسانیت سے بے زار ہے اور اس نظام کی وجہ سے دنیا تباہی اور آگ کے دھانے پر ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نظام اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی ذمہ داری اٹھائیں اور ایک بار پھر دنیائے انسانیت کو بھوک' ظلم و جور' بدامنی سے نجات دلا کر خوشحالی' عدل و انصاف اور امن و سلامتی کا ماحول فراہم کریں اور جنت نظیر معاشرہ قائم کریں۔ (تحریر: سید سیف الاسلام خالد)

بقیہ پہلی بات

مطالبہ کیا ہے۔ اب ایسے میں مذاکرات کی باگ دوڑ کس کے ہاتھ میں ہوگی؟ تو اس کا جواب یقیناً راز نہیں' ان گھمبیر حالات میں جہادی قربانیوں کے ذریعے سامراجی مفادات کی تکمیل کی منصوبہ بندی کرنے والے عناصر اور نظام کی نقاب کشائی ضروری ہے تاکہ خون مسلم بہانے اور پھر اس کے سودا کرنے کی سیاست کا راستہ بند کیا جاسکے۔ (مدیر)

رکھ کر نظریاتی کارکنوں کی کھیپ تیار کی جائے جو اسلام کے عادلانہ نظام کے لئے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ملک میں خلافت راشدہ کے سسٹم کو رائج کرنے کے لئے راہ ہموار کردے مولانا رائے پوری کے بیان کے بعد سوال و جواب کی علمی نشست ہوئی راقم الحروف اور دیگر چند ساتھیوں نے جو ان سے سوال کئے ان کے جوابات درج ذیل ہیں۔

س: پاکستان میں غلبہ اسلام کے لئے کیا طریق کار ہے؟

جواب: ملک کی تمام مساجد کو جہاں مسلمانوں کی کثیر تعداد نماز پنجگانہ اور جمعۃ المبارک ادا کرتی ہے مسلمانوں کی ذہن سازی کی جائے رائے عامہ کو اسلام کے بابرکت نظام کے لئے تیار کیا جائے۔

اسلامی معیشت کے واضح خدوخال پیش کئے جائیں اور باطل قوتوں سے ٹکرانے کے لئے دلائل و براہین کے ہتھیار سے لیس کر کے انہیں عزم و ہمت کا خوگر بنا کر اسلامی انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے۔

مگر شرط یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں اسلام کا راسخ عقیدہ موجود ہو آپ دیکھتے نہیں کہ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کفر کی ساری مشینری محمد کریم ﷺ کی جماعت سے علیحدہ کرنے کی سر توڑ کوشش کر رہی ہے لیکن محمد مصطفی کا غلام دین پر ڈٹ گیا ہے۔

س: جہاد کشمیر کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: یہ کشمیر میں شاید حریت پسندوں کی جنگ تو کہی جاسکتی ہے؟ لیکن ہم اسے جہاد فی سبیل اللہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ جہاد کا مقصد اللہ کی دھرتی پر اللہ کے خاص دین کا نفاذ ہے کیا کشمیر میں ان مقاصد پر جہاد ہو رہا ہے جہاد کے کچھ قواعد و ضوابط اور اصول ہوتے ہیں۔ امیر المؤمنین کی نگرانی میں لشکر تیار ہوتا ہے کیا پاکستان میں بے شیر بھٹو (اور اب نواز شریف) کو امیر المؤمنین بنادیا گیا ہے؟ خود پاکستان میں اسلام کے آفاقی نظام کے لئے جدوجہد ضروری نہیں؟ پھر آپ

عزم سیریز

نگران اعلیٰ
سید اصغر علی شاہ

عزم سیریز نمبر ۱۵۹

ماہ ستمبر 1997ء

آئینہ

پہلی بات	سید اعوان	۲
کامیابی کے چار اصول	حضرت ابوالکلام آزاد	۴
سید احمد شہیدؒ	آزاد شیرازی	۱۰
جہاد و انقلاب	مفتی عبدالغنی قاسمی	۱۳
خطۂ پوٹھوہار	انیس مغل	۲۱
ظلم و عدل کے معاشرتی اثرات	جاوید غزالی	۲۳
غضب تو یہ ہے.....	جاوید الہ آبادی	۳۱
وقت نہیں	(انتخاب)	۳۲

بمت فی عدد ۶ روپے سالانہ زراعانت ساٹھ روپے

پتہ:- ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان۔

کے ابتدائی ادوار کے اندر استعمال کیا جاتا تھا توحید کا صحیح تصور قائم کرنے کے لئے روح اور عقل کو حضرت سیدنا ابراھیم نے توحید اور خالق تعالی کے تصور کا ذریعہ بنایا جس کے نتیجے میں پوری فطرت انسانی کا جذبہ نکھر جاتا ہے اور اسے جلد حاصل ہوتی ہے جو انسانیت کی فطرت کے اندر ودیعت کر دیا گیا ہے اور اسی نظریہ توحید سے انسان کے اندر یہ طاقت پیدا ہوتی ہے کہ وہ غلط اور کمزور دستوروں کو توڑ دیتا ہے اور معاشرے کے اندر جو ناقص دستور اور نظریے موجود ہوتے ہیں ان کے ساتھ جنگ کرنے اور مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو جاتا ہے

چنانچہ سیدنا ابراہیم کی دعوت کا حاصل ملوکیت الناس اور الوہیت الناس (انسانی کی بھلائی اور ہدایت کا جو علم ہے اس کو کسی ایک خاص طبقے تک محدود کر دینا) کا خاتمہ ہے حنیفیت اس کے خلاف جہاد کا حکم دیتی ہے کیونکہ انسانیت ہدایت اور صحیح علم کے نتیجہ میں ترقی کے مراحل طے کرتی ہے اور اسی طریقے سے دنیا کے اندر جو مادی وسائل اور ذرائع ہیں وہ تمام انسانیت کیلئے مشترک ہیں اور اگر ان پر کچھ اقوام اور طبقات کنٹرول کر کے اور اس کو صرف اپنے ذات کی حد تک یا اپنے قوم کی حد تک محدود کر دیں تو ملت حنیفی اس کے خلاف جہاد کا حکم دیتی ہے اسی لئے برہمنیت اور ایمپریلزم دونوں کے خلاف ملت حنیفیہ جہاد کا حکم دیتی ہے حضور اکرم نے اپنے دور کے اندر ایک طرف تو مذہبی طبقے کے ساتھ جنگ کی جو کتمان علم کا مرتکب تھا انسانیت کے ہدایت کے علم پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی اور وہ شکایت کرتے تھے کہ ایسی باتیں تم عوام کو کیوں بتلاتے ہو اور دوسری طرف ابو جہل کے نظام کو اور اس وقت کی دنیا کی بین الاقوامی طاقتوں قیصر اور کسری کے نظاموں کے توڑنے کو اپنے بعثت کا مقصد سمجھتے ہیں اور اس کے مطابق اپنے حکمت عملی

عزم سیریز

نگران اعلیٰ
سید اصغر علی شاہ

عزم سیریز نمبر ۱۶۴

ماہ مارچ 1998ء

آئینہ

پہلی بات ـــــ سعید اعوان ـــــ ۲

آئی ایم ایف کا آہنی چنگل ـــــ ز۔ ح ـــــ ۵

حضرت رائے پوریؒ اوّل ـــــ مفتی عبدالخالق آزاد ـــــ ۸

آزادی کے پچاس سال ـــــ مولانا شفیع اللہ سواتی ـــــ ۱۵

اسلامی حکومت کے اصول ـــــ نوید نوری ـــــ ۲۲

چین شاہراہِ ترقی پر ـــــ اکرم حمیدی ـــــ ۲۴

اسلام اور عصرِ حاضر ـــــ محمد جاوید غزالی ـــــ ۲۷

غزل ـــــ غلام محمد وامق ـــــ ۳۲

قیمت فی عدد ۶ روپے سالانہ زرِ اعانت ساٹھ روپے

پتہ :۔ ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان۔

آغاز ہوتا ہے اور پھر اس کے بعد نماز فرض ہوتی ہے نماز معاشرے کے اندر قیام عدل و مساوات کی تربیت کا اعلیٰ ترین طریقہ ہے اسی طرح روزہ ایثار ہمدردی اور اجتماعیت کی خدمت کا جذبہ اور شعور پیدا کرتا ہے جس سے معاشرے کے اندر بھوک افلاس پیدا کرنے والے فرعونوں کے خلاف شعور ملتا ہے اور ان کے خلاف روجہد کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اسی طرح دیگر تمام فرائض اور سنتیں ایک انسان کی یہ تربیت کرتے ہیں کہ وہ اپنی سماجی زندگی کو کیسے ترقی دے سکتا ہے اپنی انفرادی اخلاقیات کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ اجتماعی اخلاقیات درست کرنے کے لئے اجتماعی جدوجہد کا راستہ کیسے اپنا سکتا ہے قرآن حکیم کا نصب العین چونکہ معاشرے کے اندر عدل کا قیام ہے اس لئے قرآن کریم ایک انسان کی عقل و شعور کو بڑھاتا ہے تاکہ وہ دنیا میں عدل و انصاف کے قیام کے ذریعے دنیا کو جنت بنائے اور پھر اس کے ذریعے سے اس کو اخروی زندگی میں بھی کامیابی حاصل کرتے۔

اسلام ایک انسان کو شعور دیتا ہے کہ وہ اپنی سوسائٹی کے اندر انسانوں میں طبقات پیدا کرنے والی فتنہ و فساد پھیلانے والی سماج دشمن قوتوں پر نظر رکھے ان کے خلاف جدوجہد کرے ان کو معاشرے پر غلبہ حاصل نہ کرنے دے اگر وہ شیطانی قوتیں غالب آچکی ہیں تو ان کے خلاف منظم اور شعوری جدوجہد کر کے ان کو مغلوب کرے تاکہ سماج کی ترقی جاری و ساری رہے اس اہم ترین فریضے کو اسلام جہاد کا نام دیتا ہے

الغرض اسلام نئے دور کے تقاضوں کا انکار نہیں کرتا بلکہ شعوری و تخلیقی صلاحیتوں کے اندر نکھار پیدا کر کے ترقی کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔

دور حاضر میں سائنسی علوم کی ترقی مادی ضروریات کی نئی نئی شکلیں معاشیات و اقتصادیات کے نئے نئے ڈھنگ ذرائع ابلاغ کے تنوع کے ساتھ دنیا کافی بدل کے رہ گئی ہے اس ہمہ گیر تبدیلی کے ساتھ عدل اور ظلم کے معیار بھی بدل گئے اسلام کی روح چونکہ عدل ہے اور عدل انسانی سماج کی جان ہے اس کے بغیر کوئی سماج اپنا ارتقاء جاری نہیں رکھ سکتا لہٰذا اسلام انسانی سماج کی تشکیل نئے دور کے تقاضوں کو مد نظر رکھ کر کرنے

عزم سیریز

نگران اعلیٰ
سید اصغر علی شاہ

عزم سیریز نمبر ۱۶۷، ۱۶۸

ماہ جولائی اگست 1998ء

آئینہ

پہلی بات	سعید اعوان	۲
اسلامی مساوات	مولانا ابوالکلام آزادؒ	۵
حضرت عالی رائے پوریؒ (۴)	مفتی عبدالخالق آزاد	۸
پاک امریکہ تعلقات	م۔ رخ۔ پ	۲۲
امام ابوحنیفہؒ اور انسانی شعور	شیخ ابوزہرہ مصری مرحوم	۲۶
استبدادی نظام	محمد جاوید غزالی	۲۸
جدوجہد کی ضرورت و اہمیت	ضیاء احمد خاں	۳۳
آزادی کے پچاس سال (۴)	مولانا محمد شفیع اللہ سواتی	۴۱
جنوبی پنجاب سیمینار	میاں محمد سلمان و عبدالماجد	۵۱
مفلس بیٹے کا انتباہ	عبدالحکیم ناصف	۶۴

قیمت فی عدد ۱۲ روپے سالانہ زراعانت ساٹھ روپے

پتہ :- ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او ملتان۔

چنانچہ کامیابی کی شرط اولیں مسلسل جدوجہد ہے۔ کوئی بھی قوم شاہرہ ترقی پر اس وقت تک گامزن رہتی ہے جب تک وہ مسلسل جدوجہد کرتی رہتی ہے

اسلام انسانیت کو یہ شعور دیتا ہے کہ وہ اپنی سوسائٹی کے اندر انسانوں میں طبقات پیدا کرنے اور فتنہ و فساد پھیلانے والی سماج دشمن قوتوں پر نظر رکھے۔ ان کے خلاف جدوجہد کرے اور ان کو معاشرے پر غلبہ حاصل نہ کرنے دے اگر وہ شیطانی قوتیں غالب آچکی ہیں تو ان کے خلاف منظم اور شعوری جدوجہد کرکے ان کو مغلوب کرے تاکہ سماج کی ترقی جاری و ساری رہے اس اہم ترین فریضے کو اسلام جہاد کا نام دیتا ہے

یہاں یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ قرآن حکیم نے محض جدوجہد کا نہیں بلکہ جہاد فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ اصولوں کے مطابق جدوجہد) کا حکم دیا ہے کہ جدوجہد فتنہ و فساد کو ختم کرنے اور رحمت الٰہی کو عام کرنے کے لئے کی جائے نہ کہ ذاتی و قومی اقتدار اور ملک گیری کے لئے جیسا کہ دنیا کی قوموں اور حکومتوں میں ہوتا ہے۔ سورۃ بقرہ اور سورۃ انفال میں ارشاد ہوتا ہے کہ جنگ کرو (طاغوتی قوتوں کے خلاف جدوجہد کرو) یہاں تک کہ فتنہ و فساد نہ رہے اور اللہ کا راج قائم ہو جائے یعنی اللہ کے قوانین دنیا میں غالب آجائیں یہی جملہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "جہاد (جدوجہد) کرو تاکہ اللہ کی بات غالب ہو کر رہے" اسی لئے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے کو جہاد کہا گیا۔ اس اعلیٰ مقصد کا تعین قرآن حکیم نے خود کر دیا کہ اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے (سورۃ النحل)

یعنی اللہ تعالیٰ نظام عدل کے قیام کی جدوجہد کرنے اور اس کے نتیجے کے طور پر اعلیٰ اخلاق کے حامل معاشرے کے قیام کی جدوجہد کرنے کا حکم دیتا ہے لہٰذا نظام ظلم کا خاتمہ اور نظام عدل کا قیام ہی جدوجہد کا مقصد ہونا چاہئے

جدوجہد سے فرار کا نقصان

کسی بھی قوم میں جب جدوجہد کا جذبہ سرد پڑ جائے اور جمود و کاہلی اس کے اندر پیدا ہو جائے تو وہ زوال پذیر ہو جاتی ہے چنانچہ ایسی قوم میں اصول و نظریات کو بروئے کار لانے ..... لئے جن جن صلاحیتوں اور تدبیروں کی ضرورت پڑتی ہے اور جس جس قسم کی اطاعت اور

حوالہ نمبر 36

۳۹

روکنے کے لئے نت نئے ہتھکنڈے اپنائے جا رہے ہیں۔ سال بھر ایشیائی ممالک میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کے تعاون سے مختلف اقسام کے کھیلوں کی ٹیلی ویژن کے ذریعے ضرورت سے زیادہ کوریج نوجوانوں کو مثبت تعلیمی سرگرمیوں سے روکنے کی سازش کی ایک کڑی ہے۔ نوجوانوں میں جنسی جذبات کو مشتعل کر کے اخلاق تباہ کرنے کے لئے پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا کا بھرپور استعمال کیا جا رہا ہے۔ استحصالی سرمایہ دار قوتوں نے باقاعدہ پلاننگ کے ذریعے معاشرے میں منشیات کا نیٹ ورک پھیلا دیا ہے جس کے نتیجے میں ملک بھر کے ۳۷ لاکھ نوجوان منشیات کے عادی ہو کر اپنی صلاحیتوں کو تباہ کر رہے ہیں

بے روزگاری، دہشت گردی، فرقہ واریت اور مذہبی جنگ کے نام پر آلہ کار سامراجی مقاصد کو پورا کرنے والی تحریکات کی بھرپور حمایت و تعاون اس سامراجی ظالمانہ استحصالی نظام کے وہ تحفے ہیں جو نوجوانوں کی صلاحیتوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے ہی معاشرے کو دیئے گئے ہیں تاکہ اس خطہ سے نوجوان قوت کو ختم کر دیا جائے

فرسودہ طبقاتی نظام تعلیم جس کو دنیا بھر میں مسترد کئے جانے کے باوجود برقرار رکھنے کے پیچھے بھی نوجوانوں کی صلاحیتوں کو مسخ کرنے کی حکمت عملی کار فرما ہے چنانچہ اس فرسودہ نظام تعلیم کو جاری رکھنے کے لئے بھاری معاوضوں پر سامراج کے تربیت یافتہ بااعتماد افراد کو بھرتی کیا جاتا ہے ایک اخباری اطلاع کے مطابق وفاقی سیکرٹری تعلیم کے لئے پندرہ لاکھ روپے ماہانہ معاوضہ کا فیصلہ کیا گیا ہے (روزنامہ مشرق پشاور ۸ فروری ۱۹۹۸ء)

انقلاب دشمن قوتیں نہ صرف نوجوانوں کی صلاحیتوں کو تباہ کرنے کی حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں بلکہ تبدیلی نظام کی جدوجہد میں رخنہ ڈالنے کے لئے ہمیشہ جدوجہد کے رخ کو تبدیل کرنے کی بھی کوشش کرتی ہیں مثلاً عدم تشدد کے دور میں تشدد پسند مذہبی تحریکات کو نظام و میڈیا کی طرف سے بھرپور حمایت دراصل تبدیلی نظام کی جدوجہد کے رخ کو تبدیل کرنے کی ایک سازش ہے ان حالات میں ہم نے دشمن قوتوں سے مقابلہ و مزاحمت کی حکمت عملی کو پورے شعور کے ساتھ سمجھنا ہوگا اور تبدیلی نظام کی جدوجہد کے لئے کسی شخصیت کی بجائے جماعت کی پیروی کر کے ہی ہم انقلاب دشمن قوتوں کی پالیسی کو ناکام بنا کر نوجوانوں کی

کارگل آرائی

مئی تا جولائی ۱۹۹۹ء کے دوران ہر سطح پر کارگل کا مسئلہ زیر بحث رہا' یہ مسئلہ اس وقت منظر عام پر آیا جب آزاد کشمیر کے علاقہ سے بھارتی کشمیر کے علاقہ میں پیش قدمی کی گئی اولاً اس کو مجاہدین کی طرف ہی منسوب کیا جاتا رہا لیکن پاکستان کے آرمی چیف کے بیان سے اس امر کی نشاندہی ہوئی کہ بنیادی طور پر اس سارے عمل میں پاکستانی فوج نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ پاکستان اور بھارت کے مابین باون سالہ تاریخ میں یہ چوتھا معرکہ تھا جو امریکی مداخلت سے اپنے انجام کو پہنچا اور اپنے مقاصد کے حوالہ سے کئی ابہام چھوڑ گیا۔ پاکستان کے ایک سابق ایئر چیف نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ پاکستان نے چاروں جنگیں بلا مقصد شروع کی تھیں اور ان کے آغاز سے ہی ان کی بندش کے لئے ہاتھ پاؤں مارے جانے لگے تھے اور یہ کچھ کسی قومی مفاد کے منصوبہ کے تحت نہیں ہوتا رہا بلکہ اس سے غیر ملکی مفادات کی تکمیل مقصود رہی گویا پاکستانی نظام جنگ کے آغاز سے لے کر اس کی بندش تک سارا عمل سامراجی منصوبوں کے تحت انجام دیتا چلا آ رہا ہے۔

قبل ازیں امریکہ سوویت کشمکش کے اس دور میں بھی جو دوسری جنگ عظیم کے بعد سے شروع ہو کر گورباچوفی اصلاحات کے ساتھ اختتام پذیر ہوا پاکستانی نظام نے ایک عالمی فریق کے حق میں دیدہ و دل فرش راہ کئے، رکھے تھے حتیٰ کہ بعض مذہبی جماعتوں نے بھی اس کو کارخیر قرار دے کر اسلام و کفر کے مابین معرکہ آرائی کا سماں باندھا اور پروپیگنڈہ کے بل بوتے پر دینی مزاج کی حامل اکثریت کو بھی اپنی مخصوص عینک پہنانے کی کوشش کی تھی۔ یوں پاکستان کی سرزمین پر جہاد کے مقدس اسلامی فریضہ کے نام پر اس جنگ میں حصہ ڈالا گیا جو دنیا کے مختلف خطوں میں لادین امریکی و سوویتی قوتوں کے درمیان جاری تھی چنانچہ یہی وجہ ہے کہ افغانستان سے سوویت افواج کے انخلاء کا معاہدہ کابل،

اسلام آباد یا ماسکو میں جو جنگ کے نظر آنے والے فریق تھے کی بجائے یورپ کے معروف سامراجی مرکز جنیوا میں طے پایا تھا جس میں پاکستان، افغانستان اور سوویت یونین کی طرح امریکہ نے بھی دستخط کئے تھے۔ یوں اس کے افغان جنگ میں سرگرم اور بنیادی کردار پر ایک اور مہر ثبوت ثبت ہو گئی تھی اور دینی مزاج کے حاملین بھی اب جا کر اس کو محسوس کرنے لگے ہیں چنانچہ وہ امریکہ کو سوویت مخالفت میں اپنی رفاقت کا حوالہ دے کر آج کے اس رویہ پر شکایت کرتے نظر آتے ہیں جو اس نے اپنے سامراجی مفادات کی خاطر اختیار کر رکھا ہے۔ لیکن اسے بار بار جہاد افغانستان میں اپنی خدمات یاد دلانا بے سود ہے کہ اس کی لغت میں تو بہر صورت عالمی سامراجی مفادات کے تحفظ کے سوا اور کوئی حوالہ پایا ہی نہیں جاتا یہی وجہ ہے کہ افغانستان سے سوویت افواج کے انخلاء کا معاہدہ (جس میں اس کی ہی ترجیحات غالب تھیں، اسی لئے اس وقت کے پاکستانی صدر کو اس بابت کچھ تحفظات بھی تھے) طے پاتے ہی امریکہ کی اپنی ترجیحات، پاکستانی قیادت کی بعض ترجیحات سے مختلف نظر آنے لگیں جو قبل ازیں اس قدر ہم آہنگ تھیں کہ بادی النظر میں اسلامی جہاد کی کشور کشائیوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا بلکہ اگر اس کی تہہ میں کارفرما امریکی دلچسپیوں اور منصوبوں کا ذکر کیا جاتا تو اسے فوراً روسی ہمنوائی قرار دے کر جذباتی حقارت و نفرت کے ساتھ مسترد کر دیا جاتا تھا مگر جب پاکستان کی اعلیٰ ترین عسکری و سیاسی قیادت، طیارے کے حادثہ کی نذر ہوئی تو سب کو معلوم ہو گیا کہ خط میں موثر حکمت عملی کس کی تھی اور کس طاقت نے پاکستانیوں اور افغانیوں کے جذبہ جہاد سے اپنے حق میں فائدہ اٹھایا؟ واضح رہے کہ جنیوا معاہدے کے طے پائے جانے کی صورتحال سے اس وقت کے پاکستانی صدر کو سخت مایوسی تھی چنانچہ انہوں نے ایک موقعہ پر کوئٹہ کی دلالی میں روسیاہی کا اعتراف بھی کیا تھا۔

اس تناظر میں یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی جنگ میں سامراج کی حکمت عملی کی نقاب کشائی، کسی طور پر اسلامی فریضہ جہاد کی مخالفت کے مترادف نہیں ہو سکتی۔ سوائے اس کے کہ کوئی گروہ سامراجی مفادات کے منصوبہ پر بطور ملازم کام کر رہا ہو تو

کا مشاہرہ تو اسی سے وابستہ ہوتا ہے کہ وہ سامراجی منصوبہ کی [illegible] و جہاد دشمنی کا عنوان دے کر ہفوات سازی یا فتوی فروشی کی صنعت قائم کرے۔

یہاں اس امر کی وضاحت نامناسب نہ ہوگی کہ کوئی باشعور اجتماعیت کسی بھی خود مختار اور آزاد ملک میں کسی بھی طاقت کی جبری و استحصالی مداخلت کی حمایت نہیں کر سکتی اور یقیناً ایسی مداخلت کا انسداد وہاں کی آزاد اور باشعور اجتماعیت پر معروضی حالات سے ہم آہنگ اپنی خود مختار حکمت عملی کے تحت لازم ہو جاتا ہے چنانچہ یہی سبب ہے کہ برعظیم میں انگریز کے تسلط کے جواب میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے دارالحرب کا فتوی جاری فرما کر اس تحریک کی داغ بیل ڈالی جس نے اپنی خود مختار حیثیت میں سید احمد شہید، شاہ محمد اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی رحمہم اللہ کی قیادت میں برعظیم کے طول و عرض کے سفر، شبانہ روز جدوجہد اور مسلسل قربانیوں کے بعد شمالی مغربی علاقہ میں حکومت راشدہ قائم کی جو بعد ازیں پنجاب کے عاقبت نااندیش حکمرانوں کی کم فہمی اور سامراجی آلہ کار پالیسی نیز مقامی خوانین کی مفاد پرستی کی سیاست اور نادان دوستوں کی بے تدبیری کے سبب تاج شہادت پہن کر سرخرو ہوئی۔ اسی طرح ۱۸۵۷ء میں تھانہ بھون میں ایک خود مختار نظام کے تحت ہی جہاد شاملی کیا گیا تھا۔ ماضی قریب کے یہ واقعات اس امر کی رہنمائی کرتے ہیں کہ اسلامی فریضہ جہاد کی آخری شکل یعنی قتال کے لئے ایک باشعور آزاد خود مختار نظام کا ہونا از بس ضروری ہے تاکہ وہ جدوجہد کو حتی الامکان رائیگاں یا کم از کم آلہ کار بننے سے محفوظ رکھ سکے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے تحریک ریشمی رومال کی قیادت اور اس کے نتیجہ میں ہر صعوبت اور قید و بند کی سزا بھگتنے کے باوجود حالات کی تبدیلی کا ادراک کرتے ہوئے جدوجہد آزادی کے لئے عدم تشدد پر مبنی سیاسی حکمت عملی اختیار کرنا اور مسلح جدوجہد کو ترک کرنا ضروری خیال کیا جو آج کے حالات میں بھی نشان راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس حوالہ سے افغانستان میں سوشلسٹ نظام کے خلاف دینی جدوجہد کا دم بھرنے والے معروف جہادی لیڈروں اور ان کی [illegible] کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ اپنا کوئی آزاد نظام رکھتی تھیں

حوالہ نمبر 39

۳

اقدامات شامل تھے اور جواب میں قانون نافذ کرنے والے اداروں کا خونریز ایکشن بھی منظر عام پر آیا۔

موجودہ نظام میں نفاذ شریعت کا عمل کہاں تک موثر ہو گا؟ یہ سوال اپنی جگہ اسی طرح نہایت اہم ہے جیسے یہ سوال کہ نفاذ شریعت کا مفہوم کیا ہے؟ اور اسی کے ساتھ ایک اور پہلو بھی توجہ کا طالب ہے کہ نفاذ شریعت کے نام پر "گھیراؤ' جلاؤ' پکڑو' مارو" سے عمل کی کیا افادیت ہے؟ اس وقت دنیا بھر میں سرد جنگ کے دور کے بعد مذہبی و نیم مذہبی جماعتوں اور مذہبی شخصیات نے جو انداز سیاست اختیار کیا ہے اس میں تشدد' قانون اپنے ہاتھ میں لینے' شب خون مارنے' قتل و اغواء جیسے جرائم جہاد کے نام پر روا سمجھے جا رہے ہیں اور یہ انداز غیر شعوری طور پر ہی سہی سامراج کی طے کردہ حکمت عملی کے مطابق ہے جس کے تحت وہ دنیا میں غلبہ دین کی حقیقی آواز کو انسانیت تک پہنچنے سے روکنے کے لئے "اسلامی بنیاد پرستی" کا ہوا کھڑے کئے ہوئے ہیں اور وہ دنیا کی غیر مسلم اقوام کو یہ باور کرانے میں مصروف ہے کہ اسلام کے نام پر شدت پسند' دنیا کو سماجی و سائنسی ترقیات سے روک کر انسانیت کو قرون وسطیٰ کے یورپی عہد جیسے ماحول سے دوچار کرنا چاہتے ہیں بدقسمتی سے نیم مذہبی جماعتوں' اسلامی تحریکات اور مذہبی شخصیات کی اکثریت اس پروپیگنڈے پر مہر تصدیق ثبت کر رہی ہے۔

آج دنیائے انسانیت اپنی سماجی فلاح کے ساتھ ساتھ روحانی بالیدگی کے نظام کی تلاش میں ہے اور اس تلاش میں وہ یقیناً اسلام کو پا سکتی ہے لیکن اسی صورت میں جب دین اسلام ان کی اجتماعی مشکلات کے حل' انسانی مصائب کے خاتمہ اور داخلی احساسات کی تسکین بنانے کا ذریعہ ثابت ہو گا اور اگر اس کے نام پر اجتماعی مسائل میں اضافہ اور آگے بڑھنے کی بجائے بھیانک دور کی طرف لوٹنے اور جبر و دھونس کے ماحول کے مسلط کرنے کا منصوبہ زیر عمل ہو تو یقیناً اس سے انسانیت کش قوتوں کی حوصلہ افزائی ہو گی۔

اسلام نے تو اپنے عہد اول میں بھی اپنا نظام قائم کرنے اور معاشرہ تشکیل دینے کے لئے کبھی موجود نظام کو اسلحہ کی زبان میں چیلنج نہیں کیا حتیٰ کہ اپنے نظام و معاشرہ کے قیام کے باوجود اپنے قوانین کے نفاذ تک کے لئے فطری حکمت عملی اور انسانی نفسیات سے ہم آہنگ طریقہ کار اپنایا۔

آج کی نیم مذہبی' مذہبی اور نفاذ شریعت کی تحریکات کا تصور اسلام تمام تر اخلاص کے باوجود نہایت غیر واضح اور مبہم ہے جس طرح وہ اسلام کے ابدی اصولوں پر عصری تشکیل

نام پر مسائل میں اضافہ کرنے کی پالیسی پر عمل کرنے والی جہادی تنظیمیں دراصل سامراجی قوتوں کے ایما پر سامراجی مقاصد کے حصول کے لئے ہی استعمال ہوتی رہی ہیں۔ سابق صدر ضیاء الحق نے امریکہ کے کہنے پر ان قوتوں کو روس کے خلاف استعمال کیا، جہادی تنظیمیں خود تسلیم کرتی ہیں کہ جب تک ہمیں امریکہ کی مرضی سے روس کے خلاف استعمال کیا جاتا رہا تب تک ٹھیک تھا اب پابندیوں کی زد میں لایا جارہا ہے۔ مولانا شاہ سعید احمد نے کہا جہادی تنظیموں کے منفی کردار سے اسلام کی بدنامی ہوئی ہے۔ ان تنظیموں کا طرز جہاد غیر اسلامی ہے۔ افغانستان اور کشمیر میں بعض جہادی تنظیموں نے امریکی مقاصد پورے کیے، ایسی جہادی تنظیمیں مردہ طاقتیں ہیں ان کا کردار ہر گز حوصلہ افزا نہیں بلکہ انہوں نے اسلام کے نام پر لوگوں کو بھڑکا کر فرقہ واریت اور دہشت گردی کو ہوا دی لہذا ان پر پابندی لگنے سے کافی حد تک امن قائم ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا آج اسلامی اور روایتی خانقاہوں کا تصور مفقود ہو چکا ہے ان کے اصل کردار کو چھوڑ کر غلط رسوم و رواج کو پروان چڑھا دیا گیا ہے، ماضی میں خانقاہوں کے سجادہ نشین اخلاق نبوی کے وارث، عدل کے پیکر اور مظلوموں کے نمائندے بن کر انصاف کے غلبہ اور دین کا بول بالا کرنے کے لئے نہ صرف اپنا کردار ادا کرتے تھے بلکہ اپنے صحیح کردار سے لوگوں کے دل جیت لیتے تھے، موجودہ دور میں مفاد پرست، نااہل اور دنیادار عناصر خانقاہوں کے سجادہ نشین بن کر اسلام کی خدمت کرنے کے بجائے سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور حکمران طبقات کے مفادات کے لئے کام کر رہے ہیں، نسل در نسل سجادہ نشین بن جانا غلامی کے نظام کے بعد کی پیداوار ہے حالانکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، بابا فرید گنج شکر، قطب الدین بختیار کاکی، سلطان نظام الدین اولیاء اور نصیر الدین چراغ دہلوی جیسی ہستیاں سلسلہ خلافت سے کسی رشتہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض اپنے کردار، تقوی اور اہلیت کی بنیاد پر منسلک رہیں، ویسے اسلام کی رو سے بھی ایک نااہل شخص کو منصب سونپنا صحیح نہیں، اس لیے محض اولاد ہونے کی بنیاد پر کسی کو سجادہ نشین بنانا خانقاہ کی بے حرمتی ہے۔ انہوں کہا سیاست مذہب کا اہم حصہ ہے تمام انبیائے کرام ظلم کے مقابلے میں عدل کی سیاست کرتے رہے ہیں، حضرت موسی نے فرعون، حضرت ابراہیم نے نمرود، اور خود حضور ﷺ نے ابوجہل اور ابولہب کی سیاست اور قیصر و کسری کی باطل سپر پاورز کو شکست دی۔ انہوں نے کہا اسلام پر لگنے

تربیت کے بعد ہی نظام ظلم کا خاتمہ ممکن ہے۔ یہ بات حضور ﷺ کے مکی دور کے موضوع پر زونل ڈھدر جناب فضل الرحمٰن جوئیہ نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہی انہوں نے کہا کہ مکہ کے اندر دین ابراہیمی کے داعین نظام ظلم کا ساتھ دے رہے تھے جس کی وجہ سے دین ابراہیمی رسمی شکل اختیار کر گیا اور وہ انسانیت کے استحصال کا ذریعہ بن گیا جب انسانیت کا فطری ارتقائی عمل رک گیا تو اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کو مبعوث فرمایا جنہوں نے انسانیت کی فطرت کے مطابق دعوت دی جس پر جماعت بندی کرتے ہوئے تعلیم و تربیت کی اور عدم تشدد کی پالیسی پر کاربند رہتے ہوئے اعلیٰ صلاحیتوں کے حامل اخلاق عظمی والی جماعت تیار کی جب اس جماعت میں اعلیٰ قیادت کے اوصاف پیدا ہو گئے تو میدان عمل میں اتار کر نظام ظلم کا خاتمہ کیا۔ آج ہمیں اسی ترتیب پر محنت کرنا ہوگی اور مکی حکمت عملی کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔

فریضہ جہاد کے موضوع پر مولانا ناصر عبدالعزیز ناظم نشریات صوبہ پنجاب نے فرمایا کہ آج رسمی مذہب کی وجہ سے جہاد کو انتہائی متشدد نظریہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے جس وجہ سے امت مسلمہ کو جارح اور تشدد پسند امت کہا جا رہا ہے حالانکہ دین اسلام کے غلبہ کے لئے جو بھی کوشش کی جائے گی جہاد کہلائے گی۔ قتال ایک حکمت عملی ہے جو وقت اور حالات کے پیش نظر تبدیل ہوتی رہی ہے۔ قتال مقصد کے حصول کا ذریعے ہے جو نظام کے بعد اس کے تحفظ کے لئے ہوتا ہے تاکہ انسانیت کے نفع کے نظام کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ جہاد اکیلا شخص بھی کر سکتا ہے اور ہمہ وقت ہوتا ہے۔ لاہور زون کے صدر جناب مولانا عباس شاد صاحب نے خطبہ حجۃ الوداع کی دور حاضر میں اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے کہا۔ کسی بھی معاشرے کی ترقی کا راز امن ہوتا ہے لیکن آج پوری دنیا پر بھوک و افلاس، جان و مال کا خوف مسلط ہے۔ آپ ﷺ انسانیت کی قدر و منزلت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا انسانی جان و مال کی بے حرمتی نہ کی جائے ایسی معیشت جس میں محنت کا عنصر قابل قدر نہ ہو وہ معیشت ناجائز ہے۔

خواتین کا روز اول سے معاشرے میں مسلمہ کردار رہا ہے۔ یہ بات ناظم نشریات

کے آرگن روزنامہ جسارت کراچی کے ۳۰ جولائی ۹۹ء کے شمارے میں یہ خبر شائع ہو چکی ہے کہ اس سارے عمل کی منصوبہ بندی امریکی عسکری منصوبہ ساز ادارے پینٹاگون نے کی تھی تاکہ بھارت کو سی ٹی بی ٹی (CT B.T) پر دستخط کے ساتھ عالمی سامراجی منصوبہ (New World Order) میں اپنے متعینہ کردار کو قبول کرنے کے لئے دباؤ میں لایا جا سکے جس کے لئے امریکہ مابعد سرد جنگ کے دور کے لئے شدت سے خواہش رکھتا ہے۔ چنانچہ آسیان کے حالیہ اجلاس کے دوران امریکی اور بھارتی وزراء خارجہ کی ملاقات کے بعد میڈیلین البرائیٹ نے کہا کہ میں نے جسونت سنگھ کو بتا دیا ہے کہ ہمارا ملک بالخصوص صدر کلنٹن بھارت کے ساتھ اپنے تعلقات کو ایک نئی نہج دینے کے منتظر ہیں کیونکہ آزادی کے بعد سے اب تک بھارت پہلے سے بہت زیادہ پختہ کار اور باوقار ملک بن چکا ہے۔ اسی اجلاس میں شریک امریکی سفارت کار مسیمبو ڈالے نے اس کی مزید وضاحت یہ کہہ کر کی کہ اب امریکہ اور بھارت میں تعلقات' ان تعلقات کی نسبت اور بہتر ہو جائیں گے جو پچھلے پچاس برس سے قائم تھے۔ اس نے مزید کہا اب امریکہ کے پاکستان اور بھارت کے ساتھ مساویانہ سلوک کا زمانہ ختم ہو گیا ہے۔ اب بنیادی اور بڑے مسائل پر امریکہ اور بھارت کے مابین ایسا اتفاق رائے پایا جاتا ہے جو ماضی میں کبھی موجود نہیں تھا۔ (روزنامہ دن ۲ اگست ۹۹ء)

اس ساری تفصیل سے یہ انتہائی افسوسناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ تمام جہادی عمل اور قربانیاں ایک عالمی سامراجی منصوبہ کی نذر کی گئیں اور یہی لمحہ فکریہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے عمل سے کس طرح قتال فی سبیل الطاغوت کا فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی لئے ایسے آلۂ کار عناصر کی نقاب کشائی ایک ملی فریضہ ہے تاکہ مستقبل میں محترم و مقدس خون کو مزید رائیگاں ہونے سے بچایا جا سکے واشنگٹن سے جاری شدہ اعلامیہ' اس امر کی بھی چغلی کھاتا ہے کہ مسئلہ کارگل کی ساری منصوبہ بندی میں پاکستانی نظام کے علاوہ امریکی نظام بھی شامل تھا۔ اسی بنا پر اس کا قومی حمیت کے تقاضوں سے کوئی ظاہر نہ ہو سکا' لیکن اس کا سارا ملبہ فرد واحد پر ڈالنے کی جو سیاہ

حوالہ نمبر 43 — ۷

نام پر مسائل میں اضافہ کرنے کی پالیسی پر عمل کرنے والی جہادی تنظیمیں دراصل سامراجی قوتوں کے ایما پر سامراجی مقاصد کے حصول کے لئے ہی استعمال ہوتی رہی ہیں۔ سابق صدر ضیاء الحق نے امریکہ کے کہنے پر ان قوتوں کو روس کے خلاف استعمال کیا، جہادی تنظیمیں خود تسلیم کرتی ہیں کہ جب تک ہمیں امریکہ کی مرضی سے روس کے خلاف استعمال کیا جاتا رہا تب تک ٹھیک تھا اب پابندیوں کی زد میں لایا جا رہا ہے۔ مولانا شاہ سعید احمد نے کہا جہادی تنظیموں کے منفی کردار سے اسلام کی بدنامی ہوئی ہے۔ ان تنظیموں کا طرز جہاد غیر اسلامی ہے۔ افغانستان اور کشمیر میں بعض جہادی تنظیموں نے امریکی مقاصد پورے کیے، ایسی جہادی تنظیمیں مردہ طاقتیں ہیں ان کا کردار ہر گز حوصلہ افزا نہیں بلکہ انہوں نے اسلام کے نام پر لوگوں کو بھڑکا کر فرقہ واریت اور دہشت گردی کو ہوا دی لہذا ان پر پابندی لگنے سے کافی حد تک امن قائم ہو جائے گا۔ انہوں نے کہا آج اسلامی اور روایتی خانقاہوں کا تصور مفقود ہو چکا ہے ان کے اصل کردار کو چھوڑ کر غلط رسوم و رواج کو پروان چڑھا دیا گیا ہے، ماضی میں خانقاہوں کے سجادہ نشین اخلاق نبوی کے وارث، عدل کے پیکر اور مظلوموں کے نمائندے بن کر انصاف کے غلبہ اور دین کا بول بالا کرنے کے لئے نہ صرف اپنا کردار ادا کرتے تھے بلکہ اپنے صحیح کردار سے لوگوں کے دل جیت لیتے تھے، موجودہ دور میں مفاد پرست، نااہل اور دنیادار عناصر خانقاہوں کے سجادہ نشین بن کر اسلام کی خدمت کرنے کے بجائے سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور حکمران طبقات کے مفادات کے لئے کام کر رہے ہیں، نسل در نسل سجادہ نشین بن جانا غلامی کے نظام کے بعد کی پیداوار ہے حالانکہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، بابا فرید گنج شکر، قطب الدین بختیار کاکی، سلطان نظام الدین اولیاء اور نصیر الدین چراغ دہلوی جیسی ہستیاں سلسلہ خلافت سے کسی رشتہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ محض اپنے کردار، تقوی اور اہلیت کی بنیاد پر منسلک رہیں، ویسے اسلام کی رو سے بھی ایک نااہل شخص کو منصب سونپنا صحیح نہیں، اس لیے محض اولاد ہونے کی بنیاد پر کسی کو سجادہ نشین بنانا خانقاہ کی بے حرمتی ہے۔ انہوں کہا سیاست مذہب کا اہم حصہ ہے تمام انبیائے کرام ظلم کے مقابلے میں عدل کی سیاست کرتے رہے ہیں، حضرت موسی نے فرعون، حضرت ابراہیم نے نمرود، اور خود حضور ﷺ نے ابوجہل اور ابولہب کی سیاست اور قیصر و کسری کی باطل سپر پاورز کو شکست دی۔ انہوں نے کہا اسلام پر لگنے

ہے کہ ہر چیز میں عدل قائم ہو' بالکل ایسا عدل جیسا کہ خالق کائنات نے اس زمین و آسمان میں قائم رکھا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ رب العالمین ہے یعنی تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور وہ کائنات کی ہر چیز کو رزق پہنچاتا ہے اور ہر ایک کو بلا امتیاز' رنگ و نسل' مذہب و قوم کے نوازتا ہے تو اس کے خلیفہ یا نائب کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ ایسا نظام قائم کرے جس میں تمام قوموں اور فرقوں سے بالاتر ہو کر پوری وحدت انسانیت کو ایک لڑی میں پرو دے۔

اسلام میں رواداری کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں اکثر مقامات میں بار بار رواداری کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً سورہ بقرہ میں ہے لااکرہ فی الدین (دین میں زبردستی جائز نہیں) اللہ تعالیٰ نے نہ صرف لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کی ممانعت کی بلکہ حضورؐ تک کو ہدایت فرمائی کہ آپ کا کام صرف حق کا پیغام پہنچانا ہے آپ لوگوں پر کوتوال بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ (سورۃ الغاشیہ) اسلام کا پیغام سب کے لئے رحمت کا پیغام ہے۔ قرآن میں ارشاد ہے۔ "کسی غیر مذہب کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو۔ ورنہ وہ تمہارے معبودوں کو برا بھلا کہیں گے" (سورۃ الانعام) اور پھر عقیدہ کی جنگ شروع ہو جائے گی اور اسلام محض مخالف عقیدہ کی بناء پر کسی سے جنگ نہیں کرتا۔ مولانا سندھی رقمطراز فرماتے ہیں "ہندو گیتا پر اور عیسائی انجیل پر ایمان رکھتے ہیں لیکن اگر انہوں نے اپنی تعلیمات صرف اپنے تک محدود کر لیں تو یہودیوں کا اپنے منہ سے ابناء اللہ و احباوہ کہنا انہیں گمراہ کر دے گا اور اسی طرح عیسائی کا ابن اللہ کہنا ان کے کسی کام کا نہیں۔ اس وقت تک نہیں جب تک وہ فرقوں قوموں سے بالاتر ہو کر ساری انسانیت کو اپنے دامن میں نہ سمیٹ لے" چنانچہ قرآن نے تمام اقوال' ادیان' مذاہب کے مرکزی نکات کو جو کل انسانیت پر منطبق ہو سکتے ہیں یکجا کیا اور ساری انسانیت کو یہ تعلیم یا دعوت دی کہ صرف یہی اساس ہے جس پر صحیح انسانیت کی تعمیر ہو سکتی ہے۔ اسی لئے ہمارے اکابر حق انسانوں کا قوموں' گروہوں اور افراد میں بٹا ہونا وحدت انسانیت کے منافی قرار دیتے ہیں۔

عزم سیریز

اگست نمبر 1995 | عزم سیریز نمبر 142

مجلس ادارت

سعید اعوان
محمد سعید اختر
عبدالخالق آزاد
چوہدری عبدالرؤف

نگران اعلیٰ

محمد اسلوب قریشی

آئینہ

پہلی بات	سعید اعوان	
مذہب ناکام نہیں ـــــ	شاہد رشید	5
اچھے اخلاق	حافظ محمد اختر رحمان	14
حضرت رائپوری کا دورہ	محمد ایاز جدون	16
رفتار کار	نمائندگان	19
جو کرن قتل ہوئی ـــــ	احمد فراز	31

سالانہ ساٹھ روپے

فی پرچہ چھ روپے

پتہ: ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او۔ ملتان

حوالہ نمبر 45

"(اے پیغمبر) تم نے یہ کرو سے کہنے کی بات کہنا ایک خاص طور طریقہ سکھایا ہے اس پر وہ چلتا ہے پس وہ چاہئے اس معاملے میں تم سے جھگڑا نہ کریں۔ تم لوگوں کو اپنے پروردگار کی طرف دعوت دو۔ یقیناً تم ہدایت کے سیدھے راستے پر گامزن ہو"۔ (۲۲:۶۷)

اس میں شک نہیں کہ ہر زمانہ کے مذاہب میں ضلالت اور گمراہی آئی ہے لیکن اپنی اصل کے اعتبار سے تمام مذاہب سچے ہیں' اسی لئے قرآن کہتا ہے کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب کی حقیقی تعلیمات پر غور کرے تو وہ یقیناً سچائی پالے گا۔ مذہبی بنیادوں پر جنگ و جدل اور انسانوں سے نفرت کی پہلی وجہ کا تعلق مذہب میں آنے والی اس گمراہی سے ہے جس کی بنیاد "جہالت" پر ہے جہالت سے مراد ہے کہ دین کی روح سے عدم واقفیت یعنی اگر رسوم و ظواہر یا مخصوص نام کی مالا جپنے کا نام دین ہے تو ظاہر ہے میں ہر اس شخص سے اختلاف کروں گا جو بالکل میری ہی طرح اعمال سرانجام نہیں دیتا یا جس نام سے میں خالق کائنات کو یاد کرتا ہوں' کوئی دوسرا شخص اسی طرح سے نہیں کرتا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اکثر مذہبی لڑائیوں کی وجہ محض جہالت ہوتی ہے' جہالت کے نتیجے میں تقلید جامد اور تنگ نظری پیدا ہوتی ہے اور ان دونوں کا نتیجہ مذہبی فرقہ واریت ہے۔ لیکن جو لوگ دین کی روح کو سمجھ لیتے ہیں' وہ جان لیتے ہیں کہ دین مخصوص ناموں کی تکرار یا رسومات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ یہ تو انسانیت کو کمال پر پہنچانے والی وہ تعلیمات ہیں جن کی بنیاد خدا پرستی اور انسان دوستی پر ہے۔ یہی لوگ ہیں جو "بھید" پا جاتے ہیں۔ بقول بلھے شاہ

مل سجھ لئی تے رولا کی!
اے رام' رحیم تے مولا کی!

قرآن پاک میں بڑا واضح طور پر ارشاد ربانی ہے کہ "نیکی یہ نہیں ہے کہ کوئی اپنا منہ مشرق کی طرف کر لے یا مغرب کی طرف" یعنی کسی ظاہری رسم یا ڈھنگ کو اپنا لینا نیکی نہیں ہے' ان ظاہری رسوم کی بنیاد پر ہزاروں لاکھوں انسانوں کا قتل کتنی افسوسناک اور المناک بات ہے۔ رسوم جن کے بارے میں خود خالق کائنات کا یہ فیصلہ ہے کہ اصل دین نہیں یہ رسوم

نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ رسوم بھی ایک حد تک اہم ہوتی ہیں [illegible] اسباب و علامات کا جامہ پہنتی ہے تو اسے ممکن اور موثر بنانے کے لئے [illegible] پڑتی ہیں' ان رسوم کے بغیر زندگی زمان و مکان کے اس دائرے میں [illegible] ہو سکتی لیکن ہونا یہ چاہیے کہ ان رسوم کو رسوم ہی سمجھا جائے' لباس لباس ہی رہے' [illegible] لباس نہ [illegible] جائے۔

مذہبی بنیادوں پر قتل و غارت کی دوسری وجہ کا تعین ایک سازش ہے۔ تاریخ عالم کے مطالعہ کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مذہب کی بنیاد پر لڑنا خاص طور پر غلام قوموں کا شیوہ رہا ہے۔ اس صورت میں مذہب ظالم کے آلہ کار کے طور پر استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس کی حقیقی صورت باقی نہیں رہتی چنانچہ مذہبی پروہت سرمایہ دار کے مفادات کے لئے لوگوں کو آپس میں لڑواتا ہے اور منافع میں سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے۔ مذہبی گروہ بندیاں اور ملنے میں تمام نفرتیں دراصل اسی استحصال پرست طبقے کی پیدا کردہ ہیں۔

چنانچہ نشاۃ ثانیہ (Renaissance) سے پہلے یورپ کے پاپائی مذہب کو دیکھئے' چرچ اور بادشاہ مل کر عوام کو لوٹتے تھے اور عیسائی پادری عوام میں یہ بحث کیا کرتے تھے کہ حضرت عیسٰے کا پیشاب پاک تھا یا ناپاک نیز یہ کہ آسمان سے عیسٰے کے لئے دسترخوان آیا تھا اس میں روٹی تھی یا مچھلی۔

خلافت عباسیہ کے آخری دور کا جائزہ لیجئے' خلیفہ مستعصم باللہ کا وزیر اعظم ابن علقمی شیعہ مسلک رکھتا تھا' فرقہ پرستی کا بازار گرم تھا اور مسلکوں کی باہمی منافرت اور آویزش اپنے عروج پر تھی' بغداد کے گلی کوچے مناظروں اور بحث و تکرار کا مرکز بن چکے تھے' وزیر اعظم کی سیاست شیعہ مسلک کے گرد گھومتی تھی جبکہ خلیفہ کا بیٹا ابوبکر سنی عقائد کا نقیب تھا' دونوں فرقے باہم دست و گریباں تھے اور سارا بغداد تفرقے کی آگ میں جل رہا تھا' چنانچہ نتیجہ وہی نکلا جو نکلنا چاہیے تھا یعنی غلامی کی زنجیریں۔

---- انگریز کی آمد سے قبل برصغیر ہندو مسلمان [illegible]

حوالہ نمبر 47

سامراج کی اُمریکہ دشمن حکمت عملی

جب سے سوویت یونین تحلیل ہوا ہے اس وقت سے اس کی سابقہ ریاستیں مدوجزر سے دوچار ہیں جو یقیناً صورتحال کا ایک منطقی نتیجہ ہے لیکن اس میں جو امر باعث تشویش ہے وہ سامراجی قوتوں کی دلچسپی اور ان کی حکومتی وغیر حکومتی مداخلت ہے ایک طرف عالمی مالیاتی ادارے ان ریاستوں کی معیشت پر اثر انداز ہونے میں مصروف ہیں تو دوسری طرف عسکری شورشوں کی خبریں ذرائع ابلاغ میں جگہ پا رہی ہیں۔

امریکی نظام کی قیادت میں سامراجی طاقتیں ایک طرف تو سابق سوویت ریاستوں کے حکمرانوں سے دوستی کی باتیں کرتی نظر آتی ہیں بلکہ بعض ریاستوں کے ساتھ مشترکہ فوجی مشقوں تک بھی نوبت پہنچ چکی ہے تو دوسری طرف ایسے گروہوں کی تشکیل اور سرپرستی بھی کی جا رہی ہے جو ان ریاستوں کو عدم استحکام سے دوچار کر کے ان کو بین الاقوامی کردار اور علاقائی اثر و رسوخ سے محروم کرنا چاہتی ہیں یوں متوازی خطوط پر ان ریاستوں کا گھیراؤ کیا جا رہے ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی علاقہ کے عوام کو ہی اپنے ملک کے نظام کی تشکیل کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور کسی کو ان کے اس اختیار کے استعمال کرنے پر تشویش نہیں ہونی چاہئے مگر جب سامراجی قوتیں اپنے مفادات کے حصول کے لئے کسی ملک میں اپنا عمل دخل بڑھا دیں تو اس سے وہاں کے عوام کے پسند و ناپسند کی بجائے فیصلوں کی طاقت ان کے ہاتھ میں آجاتی ہے اور یوں وہاں کے باشندے اور ان کی جماعتیں فٹ بال بن کر رہ جاتی ہیں۔

سابق سوویت ریاستوں میں سے ہماری زیادہ دلچسپی ان ریاستوں سے ہے جہاں مسلم اکثریت آباد ہے جن کا ماضی میں نہ صرف ہماری تہذیب و ثقافت اور علوم و فنون

بلکہ سیاست تک کے ساتھ گہرا تعلق رہا ہے اور یہ ریاستیں زرعی و معدنی لحاظ سے مالا مال ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کی مزید ترقی کے امکانات نہایت روشن ہیں اور اس طرح وہ خطہ میں اہم سیاسی و معاشی کردار کی صلاحیتیں بھی رکھتی ہیں اسی اہمیت کو سبوتاژ کرنے کے لئے ان ریاستوں کو داخلی انتشار سے دوچار کیا گیا ہے اور وہاں ایسی تحریکات کو پروان چڑھایا جا رہا ہے جن کی باگ ڈور وہاں کی مقامی قیادت کے پاس نہیں بلکہ سامراجی ملکوں کے پاس ہے جو اپنی کٹھ پتلیوں سے کام لے رہے ہیں۔

ان ریاستوں میں صورتحال کو بگاڑنے میں جہاں ریاستی انتظامیہ کی بے تدبیری کا دخل ہے وہاں اس سے کہیں بڑھ کر ان مداخلت کاروں کا کردار ہے جو پیش کے ممالک سے سامراج کی زیر نگرانی تربیت حاصل کر کے وہاں جنگ آزمائی کر رہے ہیں جس سے مقامی عوام کی مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر وہاں کے عوام حالات کار کی بہتری کے لئے اپنے تئیں کوئی جدوجہد کرتے ہیں تو یقیناً انہیں اس کا حق بھی ہے اور ان کی تائید بھی کی جانی چاہئے۔

لائق غور امر یہ ہے کہ ان مداخلت کار گروہوں کا امیج عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعہ امریکہ دشمنی کا بنایا جا رہا ہے اور ان کو امریکہ کی ناپسندیدگی کا سرٹیفکیٹ بھی دیا جا چکا ہے۔ جبکہ وہ خطہ میں کردار ان قوتوں کے خلاف ادا کر رہے ہیں جو اس خطہ میں امریکی مداخلت کی مخالف ہیں۔ چنانچہ یہی سبب ہے کہ اگست ۹۹ء کے آخری ہفتہ میں کرغزستان کے دارالحکومت بشکیک میں روس، چین، قازقستان، ازبکستان اور کرغزستان کی سربراہی اجلاس میں امریکی بالادستی کے خلاف اعلامیہ جاری کیا گیا اور یہ واضح کیا گیا کہ دنیا کو اب بھی کثیر المحوری طاقتوں کے نظام کی ضرورت ہے لہٰذا امریکہ کی عالمی بالادستی کے منصوبے کسی صورت میں قبول نہیں کئے جا سکتے اور ان کی بہر صورت مزاحمت کی جائے گی۔

اب ایسے میں جب یہ ممالک امریکی اجارہ داری کو چیلنج کر رہے ہیں ان ممالک میں شورش پیدا کرنا یقیناً امریکہ کی سامراجی حکمت عملی کا ہی حصہ ہے اور یہ امر غور و فکر کا متقاضی ہے۔ ہمیں ان ممالک کے حکمرانوں سے کوئی دلچسپی نہیں کہ ان کا عرصہ

کسی ہستی کا اقرار' اس کی مخصوص طریقوں سے پرستش' مخلوق سے محبت ملائم
نرمت' غصہ سے پرہیز' قول کو پورا کرنا' سچی بات کہنا' آپس میں مل بانٹ کر کھانا اور
گزارنا ایسے نکات ہیں جو تقریباً ہر مذہبی راہنما کی تعلیمات میں موجود ہیں' ہر مذہبی راہنما نے
اپنی اپنی تعلیمات اور عالمگیر سچائیوں کو انسانیت کی فلاح اور نجات کا راستہ قرار دیا' دوسرے
مذہب والوں کی گردنیں اڑانے کو کہیں بھی فلاح اور نجات کا راستہ نہیں کہا گیا۔ ہر مذہبی کتاب
نے رواداری کی تعلیم دی' رواداری اس شخص کے بارے میں ہمارے طرز عمل کو طے کرتی
ہے جو کسی خاص اعتقاد اور عمل کی روشنی میں ان نتائج تک پہنچتا ہے جو ہمارے نتائج سے
مختلف ہیں' اپنے حق اعتقاد و عمل کے بھرپور دفاع ساتھ دوسرے کے اعتقاد و عمل کے حق کو
تسلیم کرنے کا نام رواداری ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذہبی کتابوں میں موجود محبت اور
رواداری کی تعلیمات کے باوجود معاشروں میں نفرت اور ناروا داری کیوں موجود ہے؟ یہی زیر
نظر مضمون کا موضوع ہے۔

مذہب الٰہی ہدایت کا نام ہے اور یہ الہامی ہدایت کسی خاص ملک و قوم یا عہد کے لئے
مخصوص نہ تھی بلکہ تمام نوع انسانی کے لئے تھی چنانچہ ہر زمانے اور ہر خطے میں یکساں طور پر
اس کا ظہور ہوا' قرآن کہتا ہے دنیا کا کوئی گوشہ نہیں جہاں نسل انسانی آباد ہوئی ہو اور خدا نے
رسول مبعوث نہ کیا ہو' چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

"اور کوئی قوم دنیا کی ایسی نہیں جس میں بدعملیوں کے نتائج سے متنبہ کرنے والا (خدا کا
کوئی رسول) نہ گزرا ہو" (۳۵:۲۴)

"(اے پیغمبر) بلاشبہ تم اس کے سوا اور کیا ہو کہ (بدعملیوں کے نتائج سے) متنبہ کرنے
والے ہو اور دنیا میں ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کرنے والا ہوا ہے اور ہر قوم کے لئے ایک
رسول ہے پس جب رسول ظاہر ہوتا ہے تو تمام باتوں کا انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا
ہے۔" (۱۰:۴۷)

"اور (اے پیغمبر) ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی رسول مبعوث کئے' ان میں سے کچھ ایسے

سکون کے ساتھ رہ رہے تھے لیکن انگریز نے یہاں آتے ہی اپنی پالیسی کے تحت انہیں آپس میں لڑوانا شروع کر دیا' چنانچہ آنریبل امیکا چرن کہتا ہے۔

"اول اول اپنی عملداری کے ابتدائی زمانہ میں مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندوؤں کو بڑھایا گیا اور اس کے بعد ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو اٹھایا گیا جو باہمی رنجش اور عداوت کا موجب ہوا"۔

یہ امر واقعہ ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی مذہب کی بنیاد پر ہونے والی تمام لڑائیاں انگریز کے سو سالہ دور میں ہوئیں جبکہ پچھلے سات سو سال سے وہ اکٹھے رہ رہے تھے' یہاں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مذہب کی بنیاد پر نفرتیں بانٹنے کا عمل دراصل ایک سازش کے تحت کیا جاتا ہے۔ اب عوام اپنا دشمن اسے سمجھیں گے جو اس جیسا عقیدہ نہیں رکھے گا اور یوں استحصالی اور سامراجی طبقہ خود کو چھپانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ حقیقی مذہب نے چونکہ ہمیشہ ظلم کی مخالفت کی ہے لہٰذا اس نے فرقہ واریت کی بھی ہمیشہ مذمت کی ہے' چنانچہ ترمذی کی حدیث ہے۔

"اجتماعی وحدت کو اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہوتی ہے"

اسی طرح سورۃ الانعام میں ارشاد ربانی ہے۔

"بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی گروہ ہو گئے' آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں"

حضرت حذیفہ بن الیمانؓ فرماتے ہیں۔

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تمہارے بارے میں مجھے جن امور کا اندیشہ ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک ایسا عالم ہو گا جو قرآن بہت پڑھے گا حتیٰ کہ وہ قرآن کی رونق سے پورے طور پر سیراب ہو گا اس کا اوڑھنا بچھونا بھی اسلام ہو گا' اللہ تعالیٰ اسے کسی ایسے زعم میں مبتلا کر دے گا کہ قرآنی اثرات اس سے جدا ہو جائیں گے' پھر وہ شخص قرآن کو پس پشت ڈال کر اپنے معاشرے میں قرب و جوار کے مسلمانوں کو مشرک قرار دے گا اور ان کے قتل کے

مولانا اختر صاحب

175

عزم

ادارہ عزم ملتان

کا مشاہرہ تو اسی سے وابستہ ہوتا ہے کہ وہ سامراجی منصوبہ کی مخالفت کو جہاد دشمنی کا عنوان دے کر ہفوات سازی یا فتوی فروشی کی صنعت قائم کرے۔ (حوالہ نمبر 50)

یہاں اس امر کی وضاحت نامناسب نہ ہوگی کہ کوئی باشعور اجتماعیت کسی بھی خود مختار اور آزاد ملک میں کسی بھی طاقت کی جبری و استحصالی مداخلت کی حمایت نہیں کر سکتی اور یقیناً ایسی مداخلت کا انسداد وہاں کی آزاد اور باشعور اجتماعیت پر معروضی حالات سے ہم آہنگ اپنی خود مختار حکمت عملی کے تحت لازم ہو جاتا ہے چنانچہ یہی سبب ہے کہ برعظیم میں انگریز کے تسلط کے جواب میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے دارالحرب کا فتوی جاری فرما کر اس تحریک کی داغ بیل ڈالی جس نے اپنی خود مختار حیثیت میں سید احمد شہید، شاہ محمد اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحی رحمہم اللہ کی قیادت میں برعظیم کے طول و عرض کے سفر، شبانہ روز جدوجہد اور مسلسل قربانیوں کے بعد شمالی مغربی علاقہ میں حکومت راشدہ قائم کی جو بعد ازیں پنجاب کے عاقبت نااندیش حکمرانوں کی کم فہمی اور سامراجی آلہ کار پالیسی نیز مقامی خوانین کی مفاد پرستی کی سیاست اور نادان دوستوں کی بے تدبیری کے سبب تاج شہادت پہن کر سرخرو ہوئی۔ اسی طرح ۱۸۵۷ء میں تھانہ بھون میں ایک خود مختار نظام کے تحت ہی جہاد شاملی کیا گیا تھا۔ ماضی قریب کے یہ واقعات اس امر کی رہنمائی کرتے ہیں کہ اسلامی فریضہ جہاد کی آخری شکل یعنی قتال کے لئے ایک باشعور آزاد خود مختار نظام کا ہونا از بس ضروری ہے تاکہ وہ جدوجہد کو حتی الامکان رائیگاں یا کم از کم آلہ کار بننے سے محفوظ رکھ سکے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن نے تحریک ریشمی رومال کی قیادت اور اس کے نتیجہ میں ہر صعوبت اور قید و بند کی سزا بھگتنے کے باوجود حالات کی تبدیلی کا ادراک کرتے ہوئے جدوجہد آزادی کے لئے عدم تشدد پر مبنی سیاسی حکمت عملی اختیار کرنا اور مسلح جدوجہد کو ترک کرنا ضروری خیال کیا جو آج کے

حالات میں بھی نشان راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس حوالہ سے افغانستان میں سوشلسٹ نظام کے خلاف دینی جدوجہد کا دم بھرنے والے معروف جہادی لیڈروں اور ان کی جماعتوں کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ اپنا کوئی آزاد نظام رکھتی تھیں

نہ حالات کا صحیح ادراک و شعور بلکہ ان کی اکثریت امریکہ' مغربی یورپ اور ان کے آلہ کار عرب ممالک کے سامراجی نظاموں کی امداد کے بل بوتے پر مصروف عمل رہی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ تبدیل شدہ حالات میں آلۂ کار حیثیت کھو بیٹھنے کے سبب یہ جماعتیں ماضی کا حصہ بن گئیں چنانچہ ان کو آج طالبان بھی بیرونی آلۂ کار کے نام سے ہی پکارتے ہیں اور آج بھی کچھ بیرونی آلہ کار ان کی صفوں میں بیٹھ کر استحصالی کثیرالقومی کمپنیوں سے افغانستان کی تعمیر نو کے معاہدے بھی کر رہے ہیں جن سے طالبان قیادت کو چوکنا رہنا ضروری ہے۔

اسی طرح جہاد کشمیر میں سرگرم اکثر معروف جماعتیں (جو یکایک نمودار ہوئی ہیں جبکہ یہ مسئلہ باون سال سے موجود ہے) بیرونی امداد و تعاون سے مصروف کار ہیں اور یہ مسلمہ امر ہے کہ امداد دینے والوں کے اپنے مخصوص مقاصد ہوتے ہیں جن کی تکمیل امداد لینے والوں پر لازم ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں یہ سب جماعتیں پاکستانی نظام کی نگرانی میں کام کرنے پر متفق ہونے کے باوجود ابھی تک اپنا کوئی مرکزی نظام قائم نہیں کر سکیں اور اگر ایسا کوئی نظام وجود میں لایا بھی جاتا ہے تو وہ اپنی خود مختار حیثیت سے محروم ہوگا چنانچہ یہی سبب ہے کہ کارگل کی حالیہ معرکہ آرائی میں پاکستانی نظام کے تعاون کے بغیر یہ جماعتیں کچھ کرنے کی پوزیشن میں تھیں اور نہ آئندہ ہوں گی۔ اسی لئے پاکستانی وزیراعظم اور امریکی صدر کے مابین طے شدہ مفاہمت کے نتیجہ میں انہیں پاکستانی فوج کے ساتھ مورچوں سے واپس آنا پڑا۔ یہ جماعتیں اپنی ناک بچانے کے لئے نواز کلنٹن معاہدہ پر جتنا چاہیں اخباری بیان بازی کر لیں یہ حقیقت ہے کہ وہ پاکستانی نظام کے تعاون کے بغیر اپنا کوئی مستقل کردار نہیں رکھتیں' ان میں بعض ایسی لشکری جماعتیں بھی شامل ہیں جو ایک طرف مالدار عرب ممالک سے بھرپور مالی امداد وصول کر رہی ہیں تو دوسری طرف ان ممالک کے سرپرست سامراج کے خلاف بیانات داغ کر رائے عامہ کی آنکھوں میں دھول بھی جھونک رہی ہیں۔

کارگل کی معرکہ آرائی کے بارے میں قیاس آرائیاں ابھی تک جاری ہیں جن سے کئی لائق غور امور کی نشاندہی ہوتی ہے۔ جہاد کشمیر کی سرگرم علمبردار ایک جماعت

عزم سیریز

اگست 1993 | سیریز نمبر 122

مجلس ادارت

سعید اعوان
محمد سعید اختر
عبدالخالق آزاد
چوہدری عبدالرؤف

نگران اعلیٰ

محمد اسلوب قریشی

آئینہ

پہلی بات	سعید اعوان	۲
تشدد پسند تحریکات	مولانا عبدالخالق آزاد	۴
پاکستان اور غلامی کے ارتقائی مراحل	چوہدری عبدالرؤف	۷
سعادت حقیقی	عتیق الرحمٰن مظہر	۱۶
فنکار	ادارہ	۲۰
حضرت رائپوری فیصل آباد میں	طاہر نہامی	۳۱

قیمت فی عدد: ۵ روپے — سالانہ دس عدد ۵۰ روپے

پتہ: ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر 363 جی پی او۔ ملتان

کے پروگرام پر اپنی قوم اور قومیت کا یہ عملی مظاہرہ تھا۔ جو کہ باقاعدہ تحریک آزادی کا حصہ بنا۔

دنیا کی تمام انقلابی تحریکات کو اس وقت بہت تقویت ملی جب روس میں اشتراکی انقلاب ۱۷ اکتوبر ۱۹۱۷ء آیا۔ کمیونسٹ انقلاب یورپ کی صدیوں کے استحصال اور ظلم کے خلاف ایک رد عمل تھا۔ جس میں سرمایہ کو اصل فساد کی جڑ تسلیم کر کے اس کے وجود ہی سے انکار کر دیا گیا اور محنت کو ترقی کا عنصر اول مانا گیا کاش کہ محنت کش طبقہ کی اس تحریک کی حمایت سچے مذہب والے نہ کرتے تو آج بدترین جدید سامراج کا وجود ہی نہ ہوتا۔ اور نہ ہی

قبل ازیں فرانس کا جمہوری انقلاب سامراجی مقاصد کی بھینٹ چڑھتا۔ یہ واقعہ ہے کہ انقلاب فرانس یورپ کا صنعتی انقلاب اور انقلاب روس اپنے اندر عالمی نظریاتی وسعت نہیں رکھتے تھے۔ انسان جس سے محنت وجود میں آتی ہے اور اسی کیلئے بنیادی حقوق کی بات ہوتی ہے اس کی اپنی ماہیت اور ساخت پر فطری نوعیت کی تحقیق نہیں ہوئی دنیا کا یہ مادی فلسفہ ایک حد پر جا کر ترقیات کو مزید آگے بڑھانے سے قاصر ہو جاتا ہے اسی لئے یہ انقلابات انسانیت کی پیاس کو مکمل طور پر نہ بجھا سکے۔

آزادی کی یہ کوششیں جاری تھی کہ سامراجیوں کے مابین ان کے اپنے سیاسی اور معاشی تضادات کی وجہ سے یکے بعد دیگرے عالمگیر جنگیں چھڑ گئیں۔ دوسری جنگ تو اس قدر شدید اور ہولناک تھی کہ اس نے یورپی سامراج کو جڑ سے ہلا دیا۔ تقریباً ۶ کروڑ انسان مارے گئے یا لاپتہ ہو گئے۔ اس جنگ کے بعد سامراج کیلئے اپنی نو آبادیوں پر قبضہ جاری رکھنا مشکل ہو گیا۔

یہ سامراج نے نام نہاد آزادی کے نام سے اپنے ایجنٹوں کو اقتدار منتقل کرنا شروع کر دیا۔ لیکن استحصال کو برقرار رکھا۔ اس طرح سامراج نے ایک نئے نو آبادیاتی نظام کو جنم دیا ہے۔

جمعیتہ علماء ہند اور مولانا ابوالکلام آزاد جو کہ قوم پرست مسلم راہنما تھے ہندوستان اور مسلمانوں کے خلاف انگریزوں کی سازش کو ناکام بنانے کیلئے ایک وفاقی نظام کا منصوبہ پیش کیا تھا۔ مولانا سندھی کی سوچ کے مطابق شمالی ہند کے مسلمان متحدہ ہندوستان میں خود مختار حیثیت میں رہ کر ایشیائی بلاک بنا کر سامراج کو ایشیاء اور افریقہ سے نکال سکتے ہیں اس کے بغیر سیاسی آزادی حاصل کرنا مشکل ہے۔ اس کے باوجود علماء حق کے خلاف پروپیگنڈہ کیا گیا یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ سات سال کی جدوجہد کو تو تحریک آزادی کا نام دیا جائے اور اس

عزم سیریز

ماہ اکتوبر 1992 شمارہ نمبر 114

مدیر اعلیٰ — محمد اسلوب قریشی

مدیر — سعید اعوان

آئینہ

ملی بات	مدیر	۲
پیام سعادت	حضرت مولانا سعید احمد مدظلہ	۲
حضرت اقدس شاہ عبد العزیز	مولانا عبد الخالق آزاد	۱۰
ترقی یافتہ وسط ایشیائی جمہوریتیں	چوہدری اے رؤف	۱۹
مرثیہ	مولانا عبد الکریم	۳۲

قیمت فی عدد: ۵ روپے — سالانہ دس عدد ۵۰ روپے

پتہ: پوسٹ بکس نمبر۔ 363 جی پی او۔ ملتان

۱۹

حوالہ نمبر 52

چوہدری اے رؤف (اسلام آ...

ترقی یافتہ وسط ایشیائی جمہوریتیں (چند حقائق)

یورپ کا صنعتی انقلاب اور فرانس کا جمہوری انقلاب جب سرمایہ دارانہ نظام کے زیر اثر سرد دم توڑ گیا۔ تو یورپ کے باشعور طبقہ نے اس سے نبرد آزما ہونا شروع کیا۔ ان کی زندگی نئے دور کے امپیریلزم (Imperialism) نے تنگ کردی تھی کیونکہ مادی ترقی کے نام پر ظالم سرمایہ دار حکومت میں بیٹھ کر عوام پر ظلم ڈھا رہا تھا۔ رد عمل کے طور پر عوام نے زر (Capital) کو ہی اصل ظلم کی بنیاد سمجھا۔ اور اپنی سوچ کی بنیاد محنت پر رکھی۔ اس گروہ کی [illegible] کی فلسفی مارکس نے کی بعد ازیں لینن نے نئے دور کے تقاضوں کے مطابق عوام کو منظم کیا، اور زار شاہی کے خلاف انقلاب لے آیا۔ یہ انقلاب دراصل کسی مذہب کے خلاف تو نہ تھا لیکن چونکہ مذہب (عیسائیت) کے نام پر حکمران ظلم ڈھا رہے تھے اسلئے انقلابیوں نے مذہب کے نام پر ظلم کے خلاف رد عمل کے طور پر مذہب کا بھی انکار کردیا۔ یہ رد عمل (Reaction) دراصل پورے یورپ میں صدیوں کے عوام پر ظلم کا نتیجہ تھا، یہ بات یاد رہے کہ یورپ کئی صدیاں بدترین جہالت سے گزرا ہے۔ جبکہ خدا کے فضل سے مسلمان تمام طور پر ایسی جہالت سے محفوظ رہے ہیں۔ ہمارے تو زوال کے دور میں بھی شاہی خاندان میں تخت کیلئے تو لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن عوام پر ایسا ریاستی ظلم نہیں ہوا جو کہ اب ہو رہا ہے۔

سوویت یونین میں مسلمان لیڈروں نے نئے دور کی سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ مذہب کے نام پر انقلابیوں کی مخالفت کی۔ جس سے انقلاب کے بعد اسلام بھی رد عمل سے نہ بچ سکا۔

اشتراکی نظام حکومت

تاہم نئے اشتراکی نظام نے آئینی طور پر مذہبی آزادی، قومیتوں کے حقوق کی ضمانت اور انکے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے کرنسی، خارجہ و دفاعی امور، مواصلات اور بیرونی تجارت کے علاوہ تمام ری پبلکس (Republics) کو اپنے جملہ امور میں کاملاً خود مختار حیثیت دے دی۔ یہاں تک کہ ہر ریاست کا اپنا آئین قومی پرچم اور قومی ترانہ ہے۔ تاہم یہ درست ہے کہ نئی انقلابی حکومت نے زار روس کے زمانے کی فتوحات کو بھی اس مرکزی کنٹرول اور آئین کے

حوالہ نمبر 53

۲۰

پابند بنایا۔ جس کے تحفظ کیلئے سوویت یونین میں بظاہر آہنی خول (Iron Cap) کا ماحول معرض وجود میں آیا۔

سوویت یونین

اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے وقت سوویت یونین کا کل رقبہ ۲ کروڑ چھ بیس لاکھ مربع کلومیٹر تھا یہ پورے کرۂ ارض کا چھٹا حصہ بنتا ہے۔ جو کہ براعظم افریقہ سے کچھ کم لاطینی امریکہ سے بڑا ریاست ہا ے متحدہ امریکہ سے دوگنا اور آسٹریلیا سے تین گنا بڑا تھا۔ پورے ملک کی سرحدیں ساٹھ ہزار کلومیٹر یعنی خط استوا سے ڈیڑھ گنا لمبی سرحد بنتی ہے۔ یہ بارہ ملکوں سے ملتی تھی۔ اس کے مغرب میں ناروے، فن لینڈ، پولینڈ، چیکوسلواکیا، ہنگری اور رومانیہ واقع تھے۔ مشرق میں ترکی، ایران، افغانستان، چین، منگولیا اور کوریا تھے۔ یہ تینوں اطراف سے بارہ سمندروں میں گھرا ہوا تھا۔ سابق سوویت یونین (حال دولت مشترکہ) میں تین لاکھ چھوٹے بڑے دریا بہتے ہیں۔ بنیادی طور پر سوویت یونین پندرہ ریاستوں کا مجموعہ تھا جو کہ اب آزاد ملک بن چکی ہیں

روس

روس یا رشیا جو کہ سب سے بڑی ریپبلک ہے۔ اب سوویت یونین کا قائم مقام سمجھی جاتی ہے ماسکو پہلے اور آج بھی دارالحکومت ہے اشتراکی انقلاب جس کے گرد مغربی سرمایہ دار بلاک نے سرد جنگ کا گھیرا تنگ کر رکھا تھا۔ آج دنیا نے جب حقیقت کی آنکھ سے دیکھا تو دنگ (حیران) رہ گئی۔ اختلاف کا حق ہر شخص کو اپنی جگہ موجود لیکن حقیقت یہ ہے کہ اتنے بڑے خطے کی تقدیر بدل گئی۔ ۱۹۸۸ء کے پاکستانی اعداد و شمار کے مطابق صرف ماسکو میں سات لاکھ سے زائد طلبہ یونیورسٹی کی سطح پر تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان میں بیس ہزار غیر ملکی بھی شامل ہیں۔ اسی لاکھ کی آبادی کی ضروریات پوری کرنے کیلئے چار ہزار لائبریریاں موجود ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی گروپ میں خواتین سائنسدانوں کا تناسب چالیس فیصد ہے۔ مشرقی علوم کے صرف ایک ادارے میں آٹھ سو سکالر مشرقی ممالک کے بارے میں تحقیق میں مصروف ہیں۔ جن میں سے بہت سو پی ایچ ڈی (PhD) کی ڈگری رکھتے ہیں۔ یہ ادارہ ہر سال پانچ زبانوں میں ایک سو بیس کتابیں شائع کرتا ہے کوئی ... میں تو پاکستان پر بھی شائع ہو چکی ہیں۔

سابق سوویت یونین میں دو پریس ایجنسیاں کام کرتی تھیں اور اب بھی کام کر رہی ہیں۔ تاس (جس کا نام اب تبدیل کر دیا گیا ہے) سرکاری اور نووستی غیر سرکاری ایجنسی ہے نووستی پریس کے چھیانوے ممالک میں دفاتر ہیں۔ جہاں ان کے گیارہ سو نمائندے کام کرتے ہیں۔ ماسکو کے مرکزی دفتر میں تین ہزار کارکنوں میں چھ سو صحافی ہیں کوئی چھ کروڑ کتابیں سالانہ شائع ہوتی ہیں۔ ۲۹ میگزین بیرونی ممالک سے شائع ہوتے ہیں۔ صرف انڈیا میں ایک ہفت روزہ ساڑھے پانچ لاکھ فی ہفتہ شائع ہوتا ہے پاکستان میں صرف ایک ماہ نامہ آتا تھا۔ وہ بھی مارشل لاء حکومت نے امریکی خوشنودی کیلئے بند کر دیا تھا۔ پورے ملک میں بے روزگاری کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ تعلیم کو سو فیصد عام کر دیا گیا۔ یہ تو صرف ایک ریاست کا حال ہے وہاں تو تمام ریاستیں ہی ترقی یافتہ ہیں اور برابری کی بنیاد پر ترقی ہوئی ہے پورے ایشیا سے سائنسدانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ جس کی وجہ سے آج سائنس اور ٹیکنالوجی میں مغربی بلاک سے نہ صرف برابر کا مقابلہ ہے بلکہ کچھ فیلڈز (Fields) میں ان سے آگے ہے۔

دنیا میں جو Advantages مغربی ممالک کو ملی ہیں وہ تو کسی اور قوم کے حصہ میں نہیں آئیں۔ یورپ نے پوری دنیا کی دولت کو لوٹا امریکہ نے جنگ عظیم اول اور دوم میں اسلحہ کی تجارت میں اپنی معاشی ترقی کو چار چاند لگائے پھر ابھی تک امریکی قوم کو کوئی جنگ جیسی آفت نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے برعکس روسی عوام نے لاکھوں جانوں کا نذرانہ دے کر دنیا کے امن کو بچالیا ورنہ ایشیا پھر سے مستقل غلام بن جاتا۔ ایسا نظام جس میں بنیادی ضروریات کی ضمانت اور افرادی کی محنت کو اجتماعی شکل دے کر ملک کو دنیا کی سپر طاقت بنا دیا گیا ہو اس کے خلاف پروپیگنڈہ آخر کب تک چلے گا دنیا کی مظلوم انسانیت تو عمل کی زندگی دیکھنے کی خواہش مند رہی ہے۔ لہذا تمام تر مغربی سرمایہ داروں کی بندش کے باوجود آج کی دنیا کو چوبیس پچیس ممالک اس صف میں شامل ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے معاشی اور سیاسی ترقی کر کے قوم کو جمہوری راہ پر گامزن کر دیا ہے۔

وسط ایشیا

زمانے کے تغیرات نے وسط ایشیا کے مسلمانوں کو بھی بیدار کر دیا۔ ثقافتی اور علمی ورثہ تو پہلے ہی مسلمانوں کے پاس موجود تھا۔ پھر نئے اشتراکی نظام نے معاشی صلاحیتوں کو ابھرنے کا بھرپور موقع دیا اس وقت وسط ایشیا، چھ مسلمان ریاستوں (ممالک) تاجکستان، ازبکستان، آذربائیجان، قازقستان، ترکمانیہ (ترکمانستان) اور کرغیزستان (کرغیزیہ) پر مشتمل ہے۔ ان سب

وسط ایشیاء جہاں اسلام کی آبیاری ہوئی ہو۔ اور اس سے پہلے ہندو ہند میں اسلام پھیلا ہو اور بزرگان دین اور اہل تصوف کے ملک گیر حلقے موجود ہوں وہاں بھلا اسلام کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے تاریخی طور پر سامراجیوں نے ہمیشہ نام نہاد مذہبی لیڈروں کو اپنے مقاصد کیلئے استعمال کیا لہذا اسے چودھوی صدی کے نام نہاد مذہبی نمائندوں سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ وہ تو صوفی علماء حق سے ڈرتا ہے کیونکہ ایسے صوفی اسلام کے مجاہد پیدا کرتے ہیں اور دینی نظریہ کو انسانی خدمت کے حوالے سے منتقل کرتے ہیں جہاں طبقات کی نفی ہوتی ہے سب انسانوں کو مساوی سمجھا جاتا ہے اور سرمایہ داری کو حرام قرار دیا جاتا ہے حقائق کی روشنی میں اسلام وسط ایشیاء میں انہی صوفیاء کرام کی وجہ سے محفوظ رہا کیونکہ اسلام [illegible] کا استعمال نظام عدل کے قیام کیلئے ہے عقیدہ تبدیل کرانے کیلئے نہیں اسلام [illegible] پر کوئی قانون یا نظام پابندی عائد نہیں کرسکتا یہ فطرت ہے۔

سوویت نظام نئے مرحلے میں

حیرت کی بات ہے کہ جس نظام کے تحت سوویت یونین کے عوام نے دنیا میں ترقی کی اور سپر پاور بنے۔ تیسری دنیا کے کم ترقی یافتہ حکمران اور نام نہاد دانشور کہتے ہیں کہ وہ نظام دنیا میں ناکام ہوگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تاریخی اور شعوری ترقی کے باعث اگلے بہتر نظام میں داخل ہوئے ہیں۔ غریب ممالک کے نام نہاد مسلم دانشور یوں خوش ہو رہے ہیں جیسے اس وقت ان کے بنائے ہو[illegible] نظام کا ا[illegible] م سے مقابلہ تھا اور تبدیلی کا عمل انہی کی محنت سے ہوا ہے۔ اشتراکی نظام کا مقابلہ کرنے والے سرمایہ دارانہ نظام کی حامی ممالک اور ان کے دانشور تو کہتے ہیں کہ اب اشتراکی نظام کی نئی شکل سے خطرہ پہلے سے زیادہ بڑھ گیا ہے ترقی سے روکنے کیلئے مغربی بلاک آج تک تیسری دنیا کے ممالک کو ایٹمی توانائی کی ٹیکنالوجی سے محروم رکھا آج انہیں خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ اب کہیں وسط ایشیاء کی مسلمان ری پبلکس یہ ٹیکنالوجی مسلمان ملکوں کو بالخصوص اور دیگر تیسری دنیا کے ممالک کو بالعموم منتقل نہ کردیں دراصل آج کا ظالم امریکہ اور اس کے اتحادی اپنی طاقت کے دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کا تحفظ کر رہے ہیں تاکہ کثیر القومی کمپنیوں کی لوٹ کھسوٹ کو مزید آسان بنایا جاسکے۔ عراق کی تباہی اور لیبیا پر سنکشن اقتصادی [illegible] اسی عمل کا حصہ ہیں۔

مغربی ممالک نے سائنس کی ترقی کو پہلے دنیا کو غلام بنانے کیلئے استعمال کیا، اور اب اس کی طاقت سے دنیا میں جنگ کے حالات پیدا کرتے اسلحہ کی خرید و فروخت کا بازار گرم کر رکھا

حوالہ نمبر 57 | حوالہ نمبر 58

۲۷

ہے ... جنگ کی وجہ سے دنیا کا امن تباہ کر رہا ہے، چھوٹے ممالک کو اس حالت پر لاکھڑا کر دیا ہے کہ ان کے وسائل سے کہیں زیادہ ان کا دفاعی ضروریات بڑھ گئی ہیں۔ جس سے ان ممالک کی اجتماعی ترقی رک گئی ہے۔

اس پس منظر میں اندازہ کریں کہ انسانیت کیلئے سابق سوویت یونین کی قیادت نے اہم کام کیا ہے دنیا سے جنگ کے خطرات کو بہت حد تک کم کر دیا ہے۔ ... ابدہ وارسا کا ختم ہونا، جرمنی کا متحد ہونا اور مشرقی یورپ کے ممالک کا زیادہ جمہوری انداز میں متحدہ یورپ کی سیاست میں کردار اس سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ سب سے بڑی بات کہ امریکہ کو یورپ میں سیاسی شکست دے کر تخفیف اسلحہ کے ذریعے اس کی یورپ میں فوجی طاقت کو کم کر دیا ہے۔

ایک قدر سیاسی حکمت عملی ہے جو بغیر جنگ کے دنیا کے مسائل حل کرتی ہے۔

آج دنیا میں جس ملک نے ترقی کرلی ہے اس کو اپنا فوجی بجٹ کم کرنا ہوگا۔ دنیا میں پچھلے سو سال سے جن ممالک نے ترقی کی ہے، اس نے دوسرے غیر پیداواری اخراجات کے علاوہ اپنے فوجی اخراجات میں لازماً کمی کی ہے اس تناظر میں اگر ہم یورپ اور سوویت یونین کے موجودہ حالات کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ قوم نے اپنی ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کیلئے اس عمل کو خود شروع کیا ہے۔

پرامن تبدیلی کا لائق غور عمل

سوچنے کی بات ہے کہ سوویت یونین کی ری پبلکس نے خود مختار ملک بننے اور کامن ویلتھ کے فیصلے کتنے پرسکون اور مشترکہ طریقے سے کیے۔ ورنہ اگر کسی ملک کا نظام فیل ہوجائے تو وہاں زوال آتا ہے۔ اور زوال کی بیماریوں سے ہم ہندوستانی اور پاکستانی مسلمان گزر چکے ہیں لیکن ہماری تمام بیماریوں کا کوئی نشان بھی سوویت یونین میں نہیں ملتا بلکہ وہ تو بہتر جمہوری انداز میں آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ عمرانیات کی زبان میں وہ اب صحیح قومی انقلاب (ارتفاق سوئم) سے گزر رہے ہیں اور اس احسن انداز میں اگر وہ قوم گزر کر رضاکارانہ طور پر چوتھے ارتفاق یعنی بین الاقوامیت میں داخل ہوگئی تو دنیا کا نقشہ بدل جائیگا۔

ضروری بات

سوچنے کا مقام ہے کہ وسط ایشیاء کی ترقی یافتہ مسلمان جمہوریاؤں کے ساتھ اگر تیسری دنیا کی مسلمان مملکتیں بھی قومی جمہوری انقلابات سے گزر کر ساتھ دیں تو جس طرح سوویت قیاء

حوالہ نمبر 59

چوہدری اے۔ ایف (اسلام آباد)

ترقی یافتہ وسط ایشیائی جمہوریتیں (چند حقائق)

یورپ کا صنعتی انقلاب اور فرانس کا جمہوری انقلاب جب سرمایہ دارانہ نظام کے زیر اثر آ دم توڑ گیا۔ تو یورپ کے باشعور طبقہ نے ۱۹ ۔ سے نبرد آزما ہونا شروع کیا تو ان کی زندگی نئے دور کے امپیریلزم (mperialism : ۔ر شت کردی تھی کیونکہ مادی ترقی کے نام پر ظالم سرمایہ دار حکومت میں بیٹھ کر عوام پر ظلم ڈھا رہا تھا۔ رد عمل کے طور پر عوام نے زر (Capital) کو ہی اصل ظلم کی بنیاد سمجھا۔ اور اپنی سوچ کی بنیاد محنت پر رکھی۔ اس گروہ کی قیادہ اشتراکی فلسفی مارکس نے کی بعد ازیں لینن نے نئے دور کے تقاضوں کے مطابق عوام کو منظم کیا، اور زار شاہی کے خلاف انقلاب لے آیا۔ یہ انقلاب دراصل کسی مذہب کے خلاف تو نہ تھا لیکن چونکہ مذہب (عیسائیت) کے نام پر حکمران ظلم ڈھا رہے تھے اسلئے انقلابیوں نے مذہب کے نام پر ظلم کے خلاف رد عمل کے طور پر مذہب کا بھی انکار کردیا۔ یہ رد عمل (Reaction) دراصل پورے یورپ میں صدیوں کے عوام پر ظلم کا نتیجہ تھا، یہ بات یاد رہے کہ یورپ کئی صدیاں بدترین جہالت سے گزرا ہے۔ جبکہ خدا کے فضل سے مسلمان تمام دور پر ایسی جہالت سے محفوظ رہے ہیں۔ ہمارے تو زوال کے دور میں بھی شاہی خاندان میں تخت کیلئے تو لڑائیاں ہوتی رہیں لیکن عوام پر ایسا ریاستی ظلم نہیں ہوا جو کہ اب ہو رہا ہے۔

سوویت یونین میں مسلمان لیڈروں نے نئے دور کی سب سے بڑی غلطی یہ کی کہ مذہب کے نام پر انقلابیوں کی مخالفت کی۔ جس سے انقلاب کے بعد اسلام بھی رد عمل سے نہ بچ سکا۔

اشتراکی نظام حکومت

تاہم نئے اشتراکی نظام نے آئینی طور پر مذہبی آزادی، قومیتوں کے حقوق کی ضمانت اور انکے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے کرنسی، خارجہ و دفاعی امور، مواصلات اور بیرونی تجارت کے علاوہ تمام ری پبلکس (Republics) کو اپنے جملہ امور میں کافی خود مختار حیثیت دے دی۔ یہاں تک کہ ہر ریاست کا اپنا آئین قومی پرچم اور قومی ترانہ ہے۔ تاہم یہ درست ہے کہ نئی انقلابی حکومت نے زار روس کے زمانے کی فتوحات کو بھی اس مرکزی کنٹرول اور آئین

جنوبی ایشیاء کی سلامتی

حوالہ نمبر 60

عالمی سیاست میں جنگ عظیم دوم کے بعد جس نظام نے استحصالی اجارہ داری کا علم اٹھایا تھا وہ امریکی نظام کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے' اسی نظام نے دنیا میں قتل و غارت' دہشت گردی و تخریب کاری' غلامی و استحصال کے الاؤ جلائے رکھے جس میں تیسری دنیا کے پسماندہ عوام کو ایندھن کے طور پر استعمال کیا گیا' حتی کہ اس نے مذہب سے جلتی پر تیل کا کام لینے کا مکروہ دھندا بھی روا رکھا۔ چنانچہ سوویت یونین کے خلاف مذہبی حکمت عملی کو بھرپور انداز میں استعمال کیا گیا اور مذہبی جماعتوں نے اس عمل میں شرکت اور تعاون کو اس لئے کار خیر سمجھ کر انجام دیا کہ ان کی اکثریت کو یہ جھانسہ دیا گیا تھا کہ امریکی نظام دہریت ولادینیت کے خلاف مذہب کے تحفظ کی جنگ بھی لڑ رہا ہے اور انہیں اس حقیقت سے شعوری طور پر لاعلم رکھا گیا کہ امریکی نظام کی اپنی بنیادیں ہی لامذہبیت پر استوار ہیں اور اس کے قوانین و ضوابط کے تحت مذہب چند ایک عبادت گاہوں میں منہ چھپائے بیٹھا ہے یا چند مذہبی شخصیات کے طمع چہروں اور خوشنما لباسوں کی زینت بنا ہوا ہے۔ سوویت یونین کی تحلیل سے جب سرد جنگ کا مہینہ اختتام ہوا اور امریکی نظام نے مذہبی کندھوں اور لاشوں پر اپنی عالمی ہوس زر کی جنگ کا ایک اور دور مکمل کیا تو اس نے دنیا میں واحد عالمی طاقت ہونے کا نعرہ بلند کیا اور ساتھ ہی مذہبی جماعتوں کے اس تاثر کی اصلاح شروع کر دی کہ 'افغانستان کی جنگ انہوں نے جیتی ہے۔ نیز وہ ملکی نظاموں میں اپنا موثر کردار ادا کر سکتی ہیں'

امریکی نظام نے ایک طرف تو ان مذہبی حلقوں کو ان کا حدود اربعہ بتانے کی حکمت عملی اختیار کی تو دوسری طرف اپنی مخصوص مذہبی جماعتوں کو ایک اور "دہریہ نظام" کی جانب متوجہ کرنے کی کوششیں شروع کر دی ہیں اور اسی کے ساتھ ملک کے مقتدر حلقوں کو یہ باور کرایا ہے کہ وہ امریکہ دشمن قوتوں کا مقابلہ کرنے کی پچاس سالہ حکمت عملی کا ابھی تک حصہ ہیں چنانچہ ماہ مارچ میں آرمی

سے پہلے کی جدوجہد کرنے والوں کو روشناس نہ کروایا جائے۔ کیا کوئی اسلامی تحریک اور فکر اس طرح کا ہوتا ہے کہ جس میں تسلسل ہی نہ ہو جدید دور کے صحافیوں اور تاریخ دانوں کو طور کرنا چاہیے کہ ہم نے کیا پایا کیا کھویا کیا ہم آزاد ہوئے اور اگر آنکھیں بند بھی کریں تو کیا معاشی خوشحالی آئی۔

قدیم نوآبادیاتی نظام کا سرغنہ برطانوی سامراج تھا جبکہ جدید نوآبادیاتی نظام کا سرغنہ امریکی سامراج ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں امریکہ براہ راست جنگ سے بچا رہا۔ لیکن اس نے جدید اسلحہ اور صنعتی سامان بیچ کر اپنی فوجی طاقت میں زبردست اضافہ کر کے برتری حاصل کر لی۔ دوسری طرف امریکہ نے یورپ کو ۱۸ بلین ڈالر کے عملیات تعمیر نو کیلئے دے کر سابقہ اور موجودہ نوآبادیوں میں عمل دخل حاصل کر لیا۔ اس طرح امریکہ نے جدید نوآبادیاتی نظام کی لیڈری حاصل کر لی اور ساتھ پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ جدید ترقیات کے اخراجات امداد یعنی قرضہ کے بغیر پورے نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ ورلڈ بینک کے علاوہ آئی ایم ایف (IMF) اور دوسرے قرض دینے والے ادارے بنائے۔ سیاسی اور معاشی حلقے کی بناء پر امداد کا ۶۰ سے ۷۰ فیصد تو ہیرا پھیری سے واپس لے لیا جاتا ہے اور اس پر کئی گنا سود اور سیاسی و تجارتی فوائد سمیٹے جاتے ہیں۔ پاکستان میں امریکی امداد ۱۹۵۰ء میں ۲۷ ملین سے بڑھ کر ۱۹۶۲ء میں ۹۶۵ ملین ڈالر کر دی اور اس کے عوض سوئی گیس میں ۷۰ فیصد حصے امریکی ملٹی نیشنل کمپنی (برماشیل) کے ہاتھ میں آ گئے۔ فروغ فروغ میں سود ۳ فیصد تھا پھر ۱۰ فیصد سے بھی بڑھ گیا اس کے ساتھ اپنے تسلط کو مستقل قائم رکھنے کیلئے نئی نسل کو اپنی تہذیب اور ثقافت سے کاٹنے کے مختلف منصوبے بنائے۔ آج اکیلا امریکہ ۲ لاکھ گھنٹوں کے نشریاتی پروگرام تیسری دنیا کو ایکسپورٹ کرتا ہے اس نے اقوام متحدہ کا استعمال اپنے استحصالی نظام کے تابع کر دیا ہے۔ امریکہ نے مختلف ملکوں کو بہت سے معاہدوں میں جکڑ رکھا ہے اور اپنے دشمن کمیونسٹ روس کے خلاف پوری دنیا کے مذاہب کو استعمال کیا۔ اسلام جیسے سچے مذہب کے ماننے والے تو فرنٹ لائن پر استعمال ہوئے، خاص طور پر پاکستان تو روس کے خلاف سیٹو۔ سینٹو جیسے بہت سے معاہدوں میں شامل ہو گیا۔ اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ پاکستان جیسے چھوٹے اور غریب ملک کو اپنا فوجی بجٹ ضرورت سے کہیں زیادہ کرنا پڑا۔ جس سے ہمسایہ ملکوں میں پہلے سے زیادہ تشویش ہوئی۔ اس پر مستزاد یہ کہ پروپاگنڈہ رکھنے کیلئے ان دونوں ملکوں کے درمیان دو جنگیں کروا دیں۔ بلکہ ایک جنگ [illegible]

ریگن پروگرام نے یورپ سے امریکہ کا اثر و نفوذ بہت حد تک ختم کر دیا ہے گویا دیوار برلن کے گرنے سے ایشیاء اور افریقہ کے خلاف امریکی سامراج کی دیوار میں شگاف پڑ گیا ہے۔

اور امریکہ کو پہلی دفعہ اسلحہ کی فیکٹریاں بند کرنا پڑیں، یہ دنیا کے امن پسندوں کی فتح ہے کاش کہ یہ کردار دین اسلام کے ماننے والے ادا کرتے تو آج جدید ترین عالمی سامراج (ملٹی نیشنل سرمایہ داروں کی کارپوریشنز کی سیاسی و معاشی عالمی غلامی) سے تو دنیا آزاد ہوتی۔

امریکی سامراج نے ایک بار پھر اپنی سرد جنگ کی پالیسی کو از سر نو تشکیل دیا یورپ میں روس دشمنی کی جگہ بنیاد پرستی کا ہوا کھڑا کر کے ان پر مستقل دباؤ قائم رکھنا ہے اور تیسری دنیا میں اپنی پروردہ جماعتوں کے ذریعے کمیونسٹ نفرت کو مصنوعی امریکہ دشمنی میں نعرہ لگوا کر جذبات کا اخراج کروانا ہے تاکہ کوئی عملی اور قومی تحریک پیدا نہ ہو سکے۔ مذہبی حربہ کے استعمال سے افغانستان میں خانہ جنگی کروا کر پاکستان کے ذریعے وسط ایشیاء کی ریاستوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تو دوسری طرف ہندوستان پر مسلسل سیاسی اور معاشی دباؤ بڑھایا ہے اور اس کے بدلے پاکستان کی سالمیت کا سودا کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ دراصل سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد نیو ورلڈ آرڈر کے تحت حکمت عملی وضع کی جا رہی ہے۔ جس کے تحت علاقائی کنٹرول کے مراکز قائم کرنے ہیں۔ اس کیلئے بہت اکھاڑ پچھاڑ کی ضرورت ہوگی۔ پاکستان کی فوجی طاقت کو کمزور کرنے اور کراچی کی بندرگاہ کو آزاد بندرگاہ (FREE PORT) بنانے کی تجویز اسی کا حصہ ہیں۔ اس سارے عمل میں بین الاقوامی کمپنیاں بڑی متحرک ہیں خاص طور پر پاکستان میں۔ تو براہ راست عمل دخل پیدا کرنے کیلئے نیا حکومتی ڈھانچہ تشکیل دیا جا رہا ہے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ ابھی امریکی بیوروکریسی اس کی مکمل اور آزادانہ اجازت نہیں دے رہی۔ تیسری دنیا میں جدید ملٹی نیشنل سرمایہ کاری یا کارپوریشنز کا عمل ایسے ہی ہے جیسے کسی زمانہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں کیا بلکہ اب تو ترقی یافتہ دور میں جدید ٹیکنالوجی میسر ہے۔ استعمال کیلئے بڑے جدید ادارے وجود میں آ گئے ہیں۔ اس کا حل یہ ہے کہ قومی شعور پیدا کیا جائے اور اس پر تنظیم پیدا کی جائے پھر قومی انقلاب برپا کر کے علاقائی ڈھانچہ کو مضبوط بنایا جائے۔ اس کیلئے بھرپور کوشش طاقتوں سے پاک کرانا ضروری ہے۔ ورنہ ایشیاء آزاد نہیں ہو سکتا آج سے چودہ سو سال پہلے نبی امیت ایک نئے اور مکمل عالمی نظام کا تقاضہ کر رہی تھی جس کو دین اسلام کے ماننے والوں نے کبھی آخر الزمان کی قیادت میں نہ صرف پورا کیا۔ بلکہ قیامت تک کیلئے ایسے انقلابی اصول

حوالہ نمبر 63

بغیر موجودہ پیداواری یونٹوں کو غیر تربیت یافتہ سرمایہ دار کے ہاتھوں سیاسی رشوت کے طور پر فروخت بھی کر دیں، تو یورپ کی طرح کی ترقی بھی نہیں ہو سکے گی۔ تسلیم کہ معاشی ترقی کی انتہا آزادانہ تجارت اور پیداواری نظام ہی ہے۔ لیکن استحصال کے موجودہ نظام میں اور پھر عالمی سامراج کے زیر اثر رہ کر ایسے نظریہ معیشت کو کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے۔ فرض کریں کہ اگر کچھ ترقی ہو بھی جائے تو بھی غلاموں کی محنت اپنے آقاؤں کیلئے ہی ہو گی۔

اس کا صرف یہ حل ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کو پیداواری یونٹ کا مالک بنانے کی بجائے مزدوروں کی نمائندہ تنظیموں کے ذریعے عوامی انتظامیہ اور حکومت کے اشتراک عمل سے صنعت کاری کو بڑھایا جائے۔ ہمارا دین اسلام تو دولت کی تقسیم کا قائل ہے اور امداد باہمی کے اصولوں پر تجارتی پالیسی وضع کرتا ہے۔ تاکہ ظلم نہ ہو اور عدل قائم ہو۔ ورلڈ بینک کی ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق اکتالیس پیداواری یونٹس جو کہ ۱۵ ممالک میں پرائیویٹائز کئے گئے ان میں جو امیر ممالک میں تھے وہاں پیداواری نظام میں اضافہ ہوا اور روزگار کی تعداد بڑھی۔ لیکن تیسری دنیا کے غریب ممالک میں پہلے سے ملازم افراد کی چھانٹی کی گئی اور بنیادی ضرورتوں کی قیمتوں کو بڑھانا پڑا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہمارا مسئلہ اس وقت سرکاری کنٹرول یا پرائیویٹائزیشن کا نہیں ہے۔ اصل میں جس طرح کا نظام ہو گا۔ نتائج ویسے ہی ہوں گے۔ ہمارے ہاں صالح نظام موجود نہیں ہے، نو آبادیاتی نظام کے اندر مانگی ہوئی آزادی میں جب بھی ان کے مفادات پر زد پڑنے لگتی ہے ہمارے اوپر فوج کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔ لہذا پہلے ایک صالح اجتماعیت کے ذریعے موجودہ فرسودہ نظام کو ختم کیا جائے۔ جیسا کہ نبی پاک آخر الزماں ﷺ کی سنت اور سیرت ہے تو پھر جو بھی اسلامی قانون جاری ہو گا اس کے نتائج تکفیر کہ دین کے اثرات کا تعلق اس کے نتائج سے ہوتا ہے۔ اس سے الگ ہو کر اگر کوئی اسلامی معاشی قاعدہ بھی موجودہ نظام میں نافذ کیا گیا تو نتائج ظالم کے حق میں تو نکل سکتے ہیں مظلوم کے حق میں نہیں، یہ نکتہ سمجھنے اور سمجھانے کا ہے۔

عزم سیریز

اپریل 1993 | سیریز نمبر 119

مجلس ادارت

سعید اعوان
محمد سعید اختر
عبد الخالق آزاد
چوہدری عبد الروف

نگران اعلیٰ

محمد اسلوب قریشی

آئینہ

پہلی بات	مولانا عبد الخالق آزاد
خطاب حضرت رائپوری مدظلہ	محمد طاہد کشمیری
استبدادی تمدن اور تعلیم	سلطان محمد
خدا پرستی اور نظام عدل	ڈاکٹر منصور
نظام کی مخالفت کیوں؟	راؤ شاہد رشید
لاہور سے باکو تک	غازی خدا بخش
سوشلزم کی حضرت عمرؓ سے گفتگو	شکیل احمد ساجد
خبریہ	عتیق الرحمن مظہر
نظم	مولانا عبد الکریم حزیں

قیمت فی عدد: ۵ روپے

سالانہ دس عدد ۵۰ روپے

پتہ: ادارہ عزم پوسٹ بکس نمبر۔ 363 جی پی او۔ ملتان

اعتدال اور اس کے افعال میں خواص ہیں۔ یہ حقیقت جو اپنے بناؤ اور فیضان میں ربوبیت سے بھی زیادہ وسیع اور عام ہے یہ خدا کی رحمت ہے۔ رحمت چاہتی ہے کہ جو کچھ موجود ہو بہتر اور نافع ہو اور اس لئے جو کچھ ظہور میں آتا ہے بہتر اور نافع ہوتا ہے۔

اگر ایک قدم آگے بڑھیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کارخانۂ ہستی میں بناؤ اور سلجھاؤ اور خوبی و جمال میں سے جو کچھ بھی ہے اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ عدل و توازن کا ظہور ہے یعنی نظام کائنات میں مرکزی چیز عدل و اعتدال ہے اگر ایک لمحے کے لئے بھی یہ حقیقت غیر موجود ہو جائے تو نظام ہستی درہم برہم ہو جائے یہ عدالت ہی کا قانون ہے کہ جس نے تمام عناصر کائنات کو ایک خاص نظم کے تحت جکڑ رکھا ہے۔

جو چیز جس جگہ ہونی چاہئے وہاں نہ ہو بلکہ بے محل ہو تو اس حالت کو ظلم کہتے ہیں۔ انسانوں پر ظلم یہ ہے کہ ان کو ضروریات زندگی سے محروم کر کے ان کے حقوق تباہ کر دیئے جائیں۔ معاشرے کا نظام چونکہ انسان کے فطری تقاضوں کے تکمیل کے لئے ہوتا ہے اس لئے اس کا واحد مقصد یہ قرار پاتا ہے کہ وہ تمام انسانوں کے تمام جائز اور بنیادی ضرورتوں کو پورا کرے یعنی اچھی خوراک، سردی اور گرمی سے بچانے اور ستر پوشی کے لئے لباس اور ایسی جائے قیام جو کہ موسموں کی شدت اور سیلاب وغیرہ سے بچائے تمام انسانوں کے لئے مہیا کرے اس کے علاوہ تعلیم انصاف، نکاح کی استطاعت وغیرہ بھی مہیا ہو دوسرے لفظوں میں انسانی معاشرے کا نظام اس کائنات میں جاری و ساری نظام ربوبیت کا آئینہ دار ہو۔

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اس کی ربوبیت عالمگیر ہے جو ہر فرد ہر ملک ہر قوم اور ہر نوع وجود کے لئے ہے۔ چنانچہ اس کے نائب کے لئے لازم ہے کہ وہ انسانی اجتماع کے لئے جو نظام ترتیب دے اس میں سامان معیشت کی مساویانہ تقسیم کا انتظام ہو تمام افراد معاشرہ کو اپنی نشو و نما کے لئے وقتاً فوقتاً جیسی کچھ ضرورتیں پیش آتی رہیں ان سب کا بندوبست ہوتا رہے نیز یہ ضروری ہے کہ یہ سب کچھ محبت اور شفقت کے ساتھ ہو کیونکہ جو عمل محبت و شفقت سے خالی ہو گا ربوبیت نہیں ہو سکتا۔

انسانی زندگی کے تقاضوں کے تکمیل کے لئے بنائے گئے نظام پر اگر عیش پسند اور درندہ صفت لوگ قابض ہو جائیں تو ان کا مقصد اپنی امیرانہ شان و شوکت اور شاہانہ تکلفات نبھانے کے لئے زیادہ سے زیادہ دولت کا حصول ہوتا ہے۔ وہ خود کام کرنا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اس لئے معاشرے کے کام کرنے والے طبقوں کی کمائی پر عیش کرتے ہیں

ان پر بھاری بھاری ٹیکس لگاتے ہیں اور انہی کی وصولی کے لئے انتہائی سخت سے سخت سزائیں دیتے ہیں وحشیانہ کارروائیوں کے لئے نظام کی طاقت استعمال کرتے ہیں۔ جزو سزا کا دار و مدار بھی ان جابر اور مطلق العنان حکمرانوں کی ناراضگی اور خوشنودی پر ہوتا ہے۔ اس ظلم و استبداد کے ماحول میں خدا کے بارے میں جو تصور ذہن انسانی میں پیدا ہوتا ہے وہ بھی مطلق العنان بادشاہ جیسا ہوتا ہے جس کے افعال بھی حکمتوں اور مصالح کی جگہ جوش و ہیجان کا نتیجہ ہوتے ہیں مختصر یہ کہ اگر انسان کے ارد گرد عدل کی حکمرانی نہ ہو تو رحمت کے ساتھ عدالت الٰہی کا تصور نہیں پیدا ہو سکتا بلکہ اس کی بجائے خدا کی صفات میں خوف و دہشت کا تصور پیدا ہوتا ہے خدا اور بندے کے درمیان ظلم حائل ہو جاتا ہے اور بندے اور خدا کے درمیان محبت کا رشتہ پیدا نہیں ہوتا حالانکہ بچی عبودیت یہ ہے کہ معبود صرف معبود ہی نہیں محبوب بھی ہو۔

یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ جب معاشرے میں ایسا غیر عادلانہ نظام زندگی رائج ہو جس میں چند اشخاص یا چند خاندانوں کی عیش و عشرت کے سبب دولت اور ذرائع پیداوار کی مساویانہ تقسیم میں خلل واقع ہو جاتے تو دو طبقات بن جاتے ہیں اوپر والے عیش و عشرت کے نت نئے طریقے ایجاد کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں اس بے راہ روی کے مہلک نتائج غریب عوام کو بھگتنے پڑتے ہیں ان پر نت نئے ٹیکس لگائے جاتے ہیں جن کی ادائیگی کے لئے وہ دن رات ڈھور ڈنگروں کی طرح کام کرتے ہیں یہ دونوں اپنے حالات میں اتنے غرق ہو جاتے ہیں کہ پیدائش انسان کا حقیقی مقصد یعنی خدا پرستی کسی کے سامنے نہیں رہتا۔

چنانچہ انسان کی اجتماعی زندگی کے لئے ایسا اقتصادی نظام ہونا چاہئے جس میں اس کی محنت کا اسے پورا پورا صلہ ملے وہ اپنی مادی ضروریات کی طرف سے بے فکر ہو جائے تاکہ وہ پوری طرح خدا کی طرف متوجہ ہو سکے اس کے علاوہ ہر انسان اپنی استعداد کے مطابق محنت کر کے اپنی عزت نفس مجروح کئے بغیر جائز مادی ضروریات کو حاصل کر سکے اور کسب معاش کے بعد اس کے پاس اتنا وقت ہو کہ وہ خدا کی عنایات و بخشائش پر غور کر کے اس کی ربوبیت کا ایک صحیح تصور اپنے ذہن میں قائم کر سکے تاکہ اس کے خدا پرستی کی راہ آسان ہو جائے۔

دراصل خدا پرستی کی بنیاد اس جذبے پر ہے کہ صفات الٰہی کا پرتو اپنے اندر پیدا کیا جائے تاکہ لوگ مل جل کر رہیں معاشرے میں رواداری، محبت اور مساوات ہو یعنی صحیح خدا پرستی کا لازمی نتیجہ یعنی خدا ترسی پیدا ہو سکے۔ مختصر یہ کہ عدل کا نظام اور خدا پرستی ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ عدل کا نظام اس لئے ضروری ہے تاکہ معاشرے میں خدا

فکری اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ

ویسے تو اس بات کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ حضرت شاہ صاحب کی تعلیمات کے ساتھ فکریوں کی کوئی مناسبت نہیں، تاہم ذیل میں فریقین کے چند ایک نظریات تقابلی طور پر نقل کئے جاتے ہیں تاکہ آپ صحیح طور پر فیصلہ کرسکیں کہ دونوں کے نظریات میں کس قدر بُعد پایا جاتا ہے۔

سنن، نوافل اور جماعت

فکری:

"بے شک نماز واجب ہے لیکن اس کے فرض ہی۔ ہر نماز کے ساتھ سنتوں اور نفلوں کی زیادتی نے نفس نماز کو بوجھل بنا دیا ہے، چنانچہ نوجوان اس سے بھاگتا ہے ..... میرے نزدیک ایک مسلمان کو اپنے اختیار اور اپنی مرضی سے صرف فرض نمازیں پڑھنی چاہئیں۔ نماز باجماعت، مسجد میں لازماً جاکر نماز پڑھنے اور اس طرح کے دوسرے زوائد کا التزام اس [نوجوان] کے تمام وقت کو کھا جائے گا اور وہ کبھی دین کی حکمت اور اس کے اسرار کی طرف نہیں آئے گا۔" (افادات وملفوظات: ۴۵۸)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں نے اس بات کا مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ میں لکڑیوں کے جمع کرنے کا حکم دوں کہ وہ اکٹھی کردی

جائیں .....پھر میں نماز کا حکم دوں اور اس کے لئے اذان کہی جائے اور میں ایک آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو جماعت کرائے اور خود ان لوگوں کے پیچھے نکل جاؤں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے اور ان کے گھروں کو جلا ڈالوں۔'' میں (شاہ ولی اللہ) کہتا ہوں جماعت سنت مؤکدہ ہے اور چونکہ دین کا شعار ہے اسلئے اس کے ترک کرنے سے ملامت متوجہ ہوجاتی ہے .....اس واسطے عنایت شرعی کی توجہ اس امر کی طرف ہوئی کہ ان کیلئے نفل نمازوں کی اوقاتِ مناسبہ اور اسباب کے ساتھ تعیینِ اوقات بیان کی جائے اور لوگوں کو اس پر ابھارا جائے اور ترغیب دلائی جائے اور ان کے فوائد بیان کئے جائیں اور اجمالاً تو اس نفل نماز کی بھی ترغیب دی جائے جس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں .....اس سبب سے عنایت شرعی جمعہ اور جماعتوں کے مقرر کرنے، ان میں رغبت دلانے اور ان کے ترک کرنے سے سخت ممانعت کی طرف متوجہ ہوئی۔

(حجۃ اللہ البالغہ: ۱۴، ۲۵، ۲۶)

صرف یہی نہیں بلکہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے جماعت اور نوافل کے اسرار و رموز پر الگ الگ ابواب قائم کئے ہیں۔

مذہب سے انکار کی آزادی

فکری:

''اب جو طلبہ قرآن کی اور اس طرح کی فلسفیانہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مذہب کے انکار کی طرف مائل ہوں تو وہ اپنے

خیالات اور اعمال میں پورے آزاد ہوں، ان کا جو جی چاہے مانیں اور جو چاہیں کریں، ان پر کوئی تعزیر نہ ہو۔ "فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر" جس کا جی چاہے مانے، جس کا جی چاہے انکار کرے۔" (افادات، ملفوظات: ۴۴۶)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

"اور حدود کے ساتھ دو قسم کی زجر اور بھی ہوتی ہیں، ایک تو دین کی ہتک کی سزا اور ایک امامت سے روکنا۔ پہلے کی دلیل یہ حدیث ہے: "جو شخص اپنا دین بدل دے اس کو قتل کر ڈالو۔" اس کی وجہ یہ ہے کہ دین سے باہر ہونے کی سزا میں سخت ملامت کا قائم کرنا ضروری ہے، ورنہ دین کی ہتک کا دروازہ مفتوح ہو جاتا ہے اور خدا کو یہ منظور ہے کہ ملت آسمانی جبلی امر ہو جائے جو جدا نہیں ہو سکتا۔" (حجۃ اللہ البالغہ: ج ۲ ص ۱۶۵)

احادیث کا وحی ہونا

فکری:

"قرآن نے اجتماعی سیاست کے تناظر میں تدبیرِ منزل کے اساسی قوانین بدرجۂ اتم وافر دیئے تھے، مسلمان اپنی فہم و فراست کے لحاظ سے ایک مصیبت میں پڑ گئے اور وہ یہ کہ انہوں نے وحی کو قرآن میں منحصر نہیں سمجھا اور قرآن کی متابعت رسول پر لازمی نہیں گردانی اور وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ پیغمبر جس چیز پر عمل کرتے تھے وہ قرآن سے مستنبط اور مستخرج تھی [یعنی وہ وحی نہیں تھی بلکہ پیغمبر خود اپنے ذھن سے بناتے تھے] اسی وجہ

سے کہ مسلمانوں نے وحی کو قرآن میں منحصر نہیں سمجھا ان کے افکار، خیالات اور علوم میں لامرکزیت پیدا ہوگئی، جب بھی وہ کوئی روایت دیکھتے ہیں تو اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور اس کو اپنی آخری سند سمجھ لیتے ہیں۔" (الہام الرحمٰن: ج۱ص۲۶۶)

"دین صرف قرآن میں منحصر ہے اور قرآن ہی دین کا قانون اساسی ہے اور آیت "وماینطق عن الھوی" سے مراد صرف قرآن مجید ہے، حدیث قرآن سے مستنبط ہے۔ [یعنی احادیث وحی نہیں بلکہ مستنبط ہیں] (حالات تعلیمات: ۲۶۸، ۲۶۹)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

"جاننا چاہئے کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے اور کتب حدیث میں مدون کیا گیا ہے اس کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ امور جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتے ہیں، خدا تعالیٰ فرماتا ہے "ما أتٰکم الرّسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا" (پیغمبر جو کچھ تمہیں بتائے اس کی تعمیل کرو اور جس سے منع کرے اس سے باز آؤ) ایسے امور میں سے ایک حصہ علوم معاد اور عالم ملکوت کے عجیب حالات کا ہے، یہ سب امور بواسطۂ وحی ہی کے ہوا کرتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کو ان میں کچھ دخل نہیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ: ج۱ص۱۲۸)

داڑھی رکھنا

فکری:

"مولانا..... نے اپنے اس خطبے میں کوٹ پتلون اور ہیٹ پہننے

کو سراہا اور داڑھی اور خاص وضع قطع کو جو ہم نے مقدس بنالیا ہے اسے غلط ٹھہرایا۔" (افادات وملفوظات:۱۲۱)

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

"اور ان میں سے بالوں کی زینت ہے اس کے اندر لوگوں کے مختلف طریقے تھے مجوسی اپنی داڑھیوں کو ترشواتے تھے اور مونچھوں کو بڑھاتے تھے، انبیاء علیہم السلام کا طریقہ اس کے خلاف تھا، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کی مخالفت کرو داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو خوب ترشواؤ ..... میں (شاہ ولی اللہ) کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نوع اور صنف کو اس کے بدن میں ظہور احکام کو مقتضی بنایا ہے، مثلاً مردوں کے اندر داڑھی وغیرہ کا شوق اور عورتوں کے اندر خوشی وسرور کی باتیں سننے کی رغبت پیدا کی ہے ..... لہٰذا ہر نوع اور ہر صنف کا اس کے مقتضائے فطرت کے مطابق رہنا پسندیدہ ہوا اور تغییر خلق اللہ (داڑھی ترشوانا وغیرہ) لعنت کا سبب ٹھہرا۔" (حجۃ اللہ البالغہ: ج۲ ص۹۱،۹۲)

حقوق نسواں

فکری:

"کلام مجید اور احادیث سے عورتوں کی مثل مردوں کے باہر پھرنے کی عام اجازت ثابت ہوتی ہے اور ان کو بے وجہ اس سے محروم کرنا مردوں کا ظلم ہے۔" (القام المحمود:۵۶۲)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

''اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی طریقے مسنون اور مشروع فرمائے ایک تو یہ کہ عورت اپنے گھر سے بلا کسی ایسی ضرورت کے جس کے بغیر چارہ ہی نہ ہو باہر نہ جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورت چھپانے کی چیز ہے، جب وہ گھر سے باہر ہوتی ہے شیطان نگاہ اٹھا اٹھا کر اس کی طرف دیکھتا ہے'' ..... اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔'' (حجۃ اللہ البالغہ: ج۲ ص۱۲۵)

فکری:

''مولانا نے یہ سنا تو فرمانے لگے کہ بھائی! قبل اس کے کہ پولیس ہماری عورتوں کو حکماً اور زبردستی نقاب الٹنے پر مجبور کرے، ہم خود ہی اس نقاب کو اتار دیں۔'' (افادات وملفوظات: ۴۸۴)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

''.....دوسرے یہ کہ عورت اپنے اوپر پردہ ڈالے رہے اور بجز خاوند یا ذی محرم کے کسی کے سامنے مواضع زینت نہ کھولے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''..... اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت بجز ظاہری زینت کے کسی کے سامنے نہ کھولیں مگر اپنے خاوندوں کے لئے یا اپنے آباء کے لئے .....''

(حجۃ اللہ البالغہ: ج۱ ص۱۲۵)

حضرت آدم علیہ السلام

فکری:

"..... اسی طرح خدا نے آدم کو بھی دیگر افراد میں سے منتخب کیا تھا اور اس سے پہلے امم موجود تھیں، ان میں آدم کو فاضل اور منتخب پایا گیا، اس لحاظ سے انسانیت آدم سے نہ تھی، انسانیت کا مبدأ اور نقطۂ آغاز آدم سے نہیں بلکہ وہ اس سے پہلے روئے زمین پر موجود انسانوں میں سے ایک ترقی یافتہ انسان بن کر آیا۔" (الہام الرحمٰن: ج۲ ص۴۱)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

"خدا نے جب آدم علیہ السلام کو اس لئے پیدا کیا کہ وہ تمام انسانوں کے باپ، ہر نوع انسانی کے مبدأ ہوں تب اس نے ان کی اولاد کی صورتیں عالم مثال میں پیدا کر دیں اور نور و تاریکی سے ان کی سعادت اور شقاوت کی صورت مقرر کر دی۔"

(حجۃ اللہ البالغہ: ج۱ ص۶۶)

عقیدۂ شفاعت و کفارہ

فکری:

"وہ تمام نظریات جو مذہبی لوگ کفارہ اور شفاعت وغیرہ کے نام سے پیش کرتے ہیں، اس آیت کی رو سے مردود اور باطل ہیں۔" (الہام الرحمٰن: ج۱ ص۱۰۲)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ:

''حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ ''میرے قدموں میں اٹھائے جائیں گے'' کے یہ معنی ہیں کہ وہ یوم حشر میں ان کے امام ہونگے اور وہ ان کی شفاعت کے محتاج ہوں گے۔'' (المسوّی: ج۲ص۵۱۶)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص ایسی چیز کی نذر کرے جس کو ادا نہ کر سکے، اس کا کفارہ بھی یمین کا ہے، نذر کے باب میں قاعدۂ کلیہ یہ ہے کہ کفارہ اس لئے مشروع ہوا تا کہ گناہ کا لوث اس سے جاتا رہے، اس کے سینے میں جو چیز اڑ رہی ہے وہ دور ہو جائے، اس لئے جو شخص کسی طاعت کی نذر کرے اور دل میں تنگی دیکھے تو کفارہ واجب ہے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ: ج۲ص۲۰۴)

دنیا کی تحقیر اور آخرت کی تعظیم

فکری:

''تاریخ اسلام میں ایک دور وہ بھی آیا جب علماء اسلام ناکارہ ہوکر رہ گئے اور ان کا دائرۂ کار اور حلقۂ اثر محض ''قال و اقول'' تک محدود ہو گیا، تاریخ اسلام کے اس مرحلے میں اس دنیا کی تحقیر اور اس دنیا یعنی آخرت کی تعظیم و توقیر ان کا شیوہ بن گیا۔ میرے نزدیک یہ ان کی کم بینی اور کج فہمی تھی اسلام کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔'' (افادات وملفوظات: ۲۰۳)

حضرت شاہ ولی اللہ:

''میں کہتا ہوں اس کا دنیا و مافیہا سے بہتر ہونے کا یہ سبب ہے
کہ اس کا ثمرہ قیامت میں باقی رہے گا اور دنیا کی جو نعمت ہے
اس کو خواہ مخواہ زوال ہوتا ہے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ: ج۲ص۱۷۲)

حدود

فکری:

''''زانی'' (زنا کرنے والا) اور ''سارق'' (چوری کرنے والا)
اس لفظ کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ ان کا اطلاق
صرف ان لوگوں پر ہونا چاہئے جو ان جرائم کے عادی ہوں،
عادی اور مصرّ مجرم اور وہ مجرم جس نے ایک بار اور اتفاقاً جرم کا
ارتکاب کیا ہو ان دونوں کے درمیان فرق کرنا واجب ہے، ورنہ
تمام اخلاق فاسد ہو جائیں گے ..... ''سارق'' کا معنی یہ
ہے کہ جو چور چوری کا عادی ہو چکا ہو اور عادت کسی جرم کے
چوتھی بار ارتکاب کے بعد ثابت ہوتی ہے۔''

(الہام الرحمٰن: ج۲ص۱۵۰۔۱۵۲)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم سے پہلے لوگ اسی
لئے ہلاک ہو گئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز شخص چوری
کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر ناتوان آدمی چوری کرتا تو اس
پر حد قائم کرتے تھے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ محمد (صلی اللہ علیہ
وسلم) کی بیٹی بھی چوری کرے تو میں اس کے ہاتھ کاٹ
ڈالوں۔'' (حجۃ اللہ البالغہ: ج۲ص۱۶۵)

فکری:

''وہ مال جسے اگر چور چرائے، میری اس کے بارے میں یہ رائے ہے کہ شارع نے اسے ''سونے'' کے ساتھ خاص کیا ہے لہٰذا ''سونے'' کے علاوہ کسی اور چیز کو ہاتھ کاٹے جانے والی چیزوں میں شمار کرنا غیر شرعی ہے۔'' (الہام الرحمٰن: ج۲ص۱۵۲،۱۵۳)

حضرت شاہ ولی اللہ:

''ایک روایت میں آتا ہے: ''اتنے مال کے چرانے پر ہاتھ کاٹا جائے گا جس کی قیمت ڈھال کی قیمت کے برابر ہو'' ایک اور روایت میں ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈھال کے چرانے میں جس کی قیمت تین درہم تھی، چور کا ہاتھ کاٹا۔'' اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک اترج میں جس کی قیمت تین درہم تھی، ہاتھ کاٹا، حاصل یہ کہ یہ تینوں مقداریں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک ہی چیز پر منطبق تھیں پھر آپ کے بعد ان میں اختلاف ہوا ..... بعض نے اس مقدار کا اس طرح انضباط کیا کہ ان دونوں مقداروں میں سے کسی بھی مقدار تک مال پہنچ جائے اور میرے (شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ) نزدیک یہی زیادہ ظاہر ہے ..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو پھل معلق ہیں ان میں ہاتھ کاٹنا نہیں ہے اور نہ ان مویشی میں جو پہاڑ کے اندر رہتے ہوں، جب مویشی باڑ میں آجائیں اور پھلوں کا ڈھیر لگا دیا جائے تو اگر ان کی قیمت ڈھال کی قیمت کو پہنچ جائے تو ان میں بھی ہاتھ کاٹنا ہے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ: ۱۶۲،۱۶۳)

فکری:

"..... اس لئے کہ محصن کی تعریف ہے جس کی بیوی موجود ہو، اس کے باوجود وہ زنا پر اصرار بھی کرتا ہے تو اگر مسلمانوں کو کوئی مصلحت نظر آئے تو اس کو سنگسار کیا جائے گا اور اگر مسلمان سنگسار نہ کرنے کو بہتر سمجھیں تو وہ اس کو بغیر سزا دیئے چھوڑ دیں۔" (الہام الرحمٰن: ج۲ص۱۵۲)

حضرت شاہ ولی اللہ:

"جان لو کہ شرائع سابقہ میں قتل کی سزا قصاص، زنا کی سزا سنگسار کرنا اور چوری میں عضو کاٹنا تھی، یہ سزائیں شرائع سماویہ میں متوارث چلی آئی ہیں اور تمام انبیاء اور ان کی امتیں اس پر متفق تھیں، تو لازم ہے کہ ان کو خوب مضبوطی سے تھاما جائے اور کبھی انہیں ترک نہیں کرنا چاہئے۔" (حجۃ اللہ البالغہ: ج۲ص۱۵۸)

انبیائے کرام کا اصل مقصد

فکری:

"انبیاء کرام کی تعلیم کا بھی اصل مقصد انسانیت کی فلاح و بہبود ہے اور یہ سماجی و معاشی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں۔"

(افادات وملفوظات: ۳۳۰)

حضرت شاہ ولی اللہ:

"جان لو کہ انبیاء کی بعثت کا اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ عبادات کی تعلیم دیں۔" (حجۃ اللہ البالغہ: ج۱ص۱۰۴)

خلیفہ کا قریشی ہونا

فکری:

''جیسے یہودیوں میں یہ فکر تھا کہ ہمارے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہونا چاہئے، ویسے ہی قریش بھی ایک جماعت تھی اور اب تک ہے۔ پہلا دور قریش کی حکومت کا یقیناً گزر چکا، اس لئے "الأئمة من قريش" کا فقرہ مسلمانوں کے ذہنوں میں راسخ ہو گیا ہے، یہ حدیث کس درجے کی صحیح ہے، اس سے ہم بحث نہیں کرتے مگر یہ متفق علیہ تاریخی حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بغداد کے خاتمے تک قریش ہی کی سرداری رہی، اس پانچ سو برس کی مدت میں جو چیز علماء وحکماء اور سیاسی جماعتوں میں مسلّم رہی وہ یہی ہے کہ امامت قریش کی ہے، لیکن بعض لوگوں نے اسے مستقل قانون بنا لیا ہے۔ ایک زمانے کے لئے یقیناً قانون تھا، لیکن جو لوگ اسے مستقل قانون کا درجہ دیتے ہیں ان کی ذہنیت یہود کی ذہنیت کے مشابہ ہے۔''

(قرآنی شعور انقلاب: ۴۹۷، ۴۹۸)

حضرت شاہ ولی اللہ:

''از انجملہ اس (خلیفہ) کا قریشی ہونا چاہئے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الأئمة من قريش" ائمہ قریش میں ہوں گے اور اس کا سبب یہ ہے کہ جس کو خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبان پر ظاہر کیا ہے وہ قریش کی زبان میں اور انہی کی عادات کے موافق نازل ہوا ہے، نیز قریش آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی قوم اور آپ کا گروہ ہیں اور ان کا سارا فخر دین محمدی کے بلند ہونے میں ہے، پس ان میں غیرت دینی و نسبی دونوں پائی جاتی ہیں، وہی لوگ شرائع کے قائم کرنے اور ان سے استدلال کرنے اور ان کے قابل ہیں، نیز ..... نیز ..... اور یہ سب امور بجز قریش کے کسی قوم میں نہیں پائے جاتے خاص کر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو قریش کا درجہ بے انتہا بلند ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسی طرف اشارہ کیا ہے اور فرمایا: ''خلافت کا امر بجز قریش کے ہرگز کسی کے لئے معلوم نہیں ہوتا، وہ تمام عرب میں خاندان کے اعتبار سے اوسط واقع ہوئے ہیں۔'' (حجۃ اللہ البالغہ: ج ۲ ص ۱۴۹)۔

اختصار کے پیش نظر صرف انہی پر اکتفا کیا جا رہا ہے ورنہ ایک ضخیم کتاب صرف اسی موضوع پر تیار ہو سکتی ہے۔

نوٹ: اس باب میں مذکور فکریوں کی کتابوں کے یہ تمام حوالہ جات پہلے گزر چکے ہیں اس لئے دوبارہ اصل نقول نہیں لگائی گئیں ہیں، البتہ فہرست میں دیکھ کر انہیں دیکھا جا سکتا ہے۔

کیا فکری واقعی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کو مانتے ہیں؟

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نام پر اصرار کی وجہ؟

فکری ''شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ'' کو جو اپنا امام بتاتے پھرتے ہیں اور انہی کے نام پر تنظیم کا نام ''فکر ولی اللّٰہی'' رکھا ہے، وہ اس لئے نہیں کہ انہیں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے عقیدت ہے یا وہ اس کے پیروکار ہیں اور نہ اس لئے انہیں امام انقلاب تسلیم کرتے ہیں کہ جدید مسائل پر ان کی علمی تحقیقات ہیں یا وہ جدید سیاسیات، اقتصادیات، سماجیات اور طبیعیات وغیرہ کے بانی تھے، بلکہ وہ دراصل سادہ لوح مسلمانوں اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ سے عقیدت رکھنے والوں کو گمراہ کرنے کے لئے ان کی عرفی حیثیت سے فائدہ اٹھا کر کمیونزم اور مارکس ازم کو تحفظ دے رہے ہیں، چنانچہ ان کی کتاب ''افادات وملفوظات'' میں لکھا ہے:

> ''ڈاکٹر صاحب! یہ جو میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ پر اتنا اصرار کرتا ہوں اس کی یہی وجہ ہے اور اس میں یہی حکمت ہے۔ اگر یہ میری بات ہوتی اور اس کی پشت پر کوئی فکری سلسلۂ روایت اور فکری اثاثہ نہ ہوتا تو ہر شخص اسے میری اپج (تخیل) کہہ کر ماننے سے انکار کرسکتا ہے، میں اپنی اس فکر کی اساس اور اس کی تشریحات کی شاہ صاحب کی کتابوں میں نشاندھی کرتا ہوں اب

اگر کوئی مسلمان اسے نہیں مانتا تو وہ اس کی ہٹ دھرمی ہوگی۔"

(افادات وملفوظات:۲۰۶) ❶

اب معلوم ہوگیا کہ دراصل شاہ صاحب کو نہ تو یہ حضرات امام مانتے ہیں اور نہ ہی ان کے پیروکار ہیں بلکہ یہ دراصل ایک اور ڈرامہ رچایا جارہا ہے جس میں مذہب کی خدمات حاصل کی جارہی ہیں اور وہ یہ کہ:

"اب اس نئے دور کے فاتح مولانا..... ہیں، مولانا نئے فلسفہ و حکمت کو پڑھنے اور اسے آزمانے کی دعوت دیتے ہیں، وہ مارکسزم سے ڈراتے نہیں اسے اپنانے کی ہمت پیدا کرتے ہیں۔"

اور:

"مولانا..... آج مسلمانوں کو یورپ کی سائنسی و تکنیکی تہذیب اور مارکسی فلسفہ و نظام معیشت و سیاست کا خیر مقدم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تم ان کی مزاحمت نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ زندگی کا ناگزیر تقاضا ہیں، اس لئے یہ منشائے الٰہی ہے، تمہیں ان سے مفاہمت کرنا ہوگی۔"

(افادات وملفوظات:۳۳۲) ❷

فکریوں کے ہاں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی علمی حیثیت

اسی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے:

"ہاں مجھے یہ تسلیم ہے کہ شاہ صاحب کی کتابوں میں یہ فکر مرتب اور مدوّن شکل میں نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ اس زمانے میں اور ان حالات میں اس قسم کی ترتیب کا کوئی امکان نہ تھا،

مجھے اس کے ماننے میں بھی کوئی تأمل نہیں کہ شاہ صاحب کی کتابوں میں بہت کچھ بھرتی [فضول] بھی ہے، مثلاً یہ ہوسکتا ہے کہ دو تین سو صفحہ کی ایک کتاب ہو اور اس میں چار پانچ صفحہ میرے کام کے ہوں۔ شاہ صاحب کے ہاں بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں جو ٹھیک نہیں ہیں، میرا کام یہ ہے کہ میں اپنے فکر کی شاہ صاحب کی کتابوں میں طالب علموں کے لئے نشاندھی کرتا ہوں، اب اگر کوئی مسلمان اسے نہیں مانتا تو یہ اس کی ہٹ دھرمی ہوگی۔" (افادات وملفوظات: ۲۰۷) ۳

شاہ صاحب کو جدید دور کی بو اور بھنک بھی نہیں پہنچی تھی

فکریوں کے مایۂ ناز محقق اور ریسرچ اسکالر پروفیسر سرور جن کی کتب کو فکری حرز جاں بنائے ہوئے ہیں اور بالخصوص ان کی تربیتی کلاس "رکنیت" کے نصاب میں "چشمِ ما روشن دلِ ماشاد" کے طور پر ہاتھوں ہاتھ گردش کرتی رہتی ہیں، موصوف رقم طراز ہیں:

"یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ انسان کے مادی ماحول کا ان کے افکار و خیالات پر بڑا اثر پڑتا ہے، ہم یہاں اس بحث میں نہیں پڑتے کہ کیا واقعی ذہنِ انسانی کے تمام کے تمام واردات سرتا پا مادی ماحول ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں اور یہ کہ پہلے مادی ماحول بدلتا ہے اور اس کی وجہ سے افکار و خیالات میں تبدیلی ہوتی ہے، بہر حال اس سے تو آج انکار ممکن نہیں کہ انسانوں کے مادی ماحول اور ان کے افکار و خیالات میں چولی دامن کا ساتھ ہے اور ان میں سے ہر ایک حتمی طور پر دوسرے کو متاثر

کرتا ہے۔ اب صورت یہ ہے کہ شاہ صاحب جس زمانے میں ہندوستان میں پیدا ہوئے وہ شہنشاہیت اور جاگیرداری کا دور تھا اور اس عہد اور اس عہد کی معیشت زرعی معیشت تھی، صنعتی اور مشینی دور جس کے انگریز پیغامبر بن کر ہندوستان پہنچے، اس دور کی بھنک بھی شاہ صاحب تک نہ پہنچی تھی، ظاہر ہے ان حالات میں ممکن نہ تھا کہ شاہ صاحب کوئی ایسا معاشی اور اجتماعی نظام تجویز کر سکتے جو آج اس زمانے میں جب کہ صنعت اپنے عروج کو پہنچ کی ہے اور معیشت قومی نہیں بلکہ بین الاقوامی بنتی جارہی ہے۔" (شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے: ص۲۹) ④

شاہ صاحب جدید دور کے مسائل سے ناواقف تھے

"لیکن ان [شاہ صاحب] کی ساری کوششیں اسی ماحول کی اصلاح کے متعلق تھیں اور وہ اس زرعی یا زیادہ سے زیادہ شہری معیشت کے نظام کو سدھارنا چاہتے تھے اور بس! مشین اور مشین سے پیدا ہونے والے حالات سے وہ واقف نہیں تھے، اس لئے ان کی تحریروں سے اس قسم کی باتیں نکالنا مضحکہ خیز ہوگا، اس میں شک نہیں کہ اس طرح کی جدت طرازیوں سے سادہ دل عقیدت مند خوش ہو جاتے ہیں لیکن سمجھدار لوگ ان چیزوں کو پڑھ کر ہنستے ہیں، اور خواہ مخواہ دوسروں کو اپنے اوپر نہ ہنسائیں۔" (شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے: ۳۰) ⑤

سوچنا چاہئے کہ اگر فکریوں کا شاہ صاحب کے متعلق نقطۂ نظر اس طرح ہے، جن کو وہ بظاہر عوامی حلقوں میں امام انقلاب و اقتصادیات کہتے رہتے ہیں اور ولی اللہی

علوم اور معارف کا ڈھنڈورا پیٹتے نہیں تھکتے، مگر درحقیقت ان کو زرعی دور کے آثار قدیمہ پر روتے اور چیختے چلاتے ہوئے قرار دے رہے ہیں، تو دوسروں کا کیا حشر ہوگا؟ اور اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر فکریوں کے ہاں شاہ صاحب بھی جدید حالات سے واقف نہیں تو وہ درحقیقت کس کے نظریات پر کام کر رہے ہیں؟ اپنے انہی نظریات کی بنیاد پر وہ کھل کر سامنے آنے سے کتراتے ہیں تاکہ مصنوعی ''میک اپ'' اتر کر اصل صورت حال آشکارا نہ ہو۔

نظریات اور پروگرام کو ظاہر نہ کیا جائے

چنانچہ ان کی ایک کتاب میں لکھا ہے:

''ایک نظام کے اندر رہ کر اگر کوئی انقلاب کرنا ہے تو ضروری ہوتا ہے کہ اپنے مقاصد کو ابتداء ہی سے اس طرح واشگاف نہ کیا جائے کہ پہلے دن ہی سے مخالفت شروع ہوجائے، میں تمہیں بتا دوں کہ میں اپنا ایک منظم فکر اور مفصل پروگرام رکھتا ہوں اور میں نے سالہا سال غور وفکر کر کے اس کی تفصیلات مرتب کی ہیں۔ جب میں ہندوستان واپس آیا تو مجھ سے میرے ساتھی میرا پروگرام پوچھنے لگے، اب اگر میں ان سے اپنی ساری باتیں کہہ دیتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ انہیں سرے سے ناقابل عمل سمجھ کر مجھے ہمت دلانے کے بجائے ناامید کر دیتے، میں نے یہ کیا کہ جب بھی مجھے موقع ملا، حاضرین کی سمجھ بوجھ کے مطابق ان کو کوئی جزوی بات کہہ دی۔''

(افادات وملفوظات: ۴۸۵) ❻

فکریوں کے یہ ''تحفظات'' صرف لکھنے کی حد تک نہیں بلکہ وہ ان اصولوں پر

بڑی سختی سے عمل پیرا ہیں، اسی لئے یہ حضرات اپنا تمام تر لٹریچر مخفی رکھتے ہیں اور وہ اپنی کلاسوں اور بیانات میں مخصوص افراد کے علاوہ کسی اور کو قدم تک رکھنے کی اجازت نہیں دیتے۔ اس تحقیق کے سلسلے میں بھی ہم نے ان کے ذمہ دار حضرات سے رابطہ کیا تھا، تاکہ ان کے نظریات کے بارے میں صحیح تحقیق سامنے آجائے اور عوامی الزامات سے ہٹ کر خالص علمی تحقیق کے میدان میں ان کے افکار کا جائزہ لیا جاسکے اور غلط کو غلط اور صحیح کو صحیح کہا جاسکے، لیکن افسوس کہ ہمیں مسلسل ان کے انکار کا سامنا کرنا پڑا، ہمیں تو بالآخر ان کا تمام لٹریچر بڑی تگ و دو اور پریشانی کے بعد الحمد للہ مل ہی گیا لیکن تنظیم کا یہ پراسرار انداز بجائے خود نہایت قابل تشویش ہے، خود تنظیم کے کارکنوں میں بھی ذہنی انتشار، تردد اور اضطراب کی فضاء چھائی ہوئی ہے اور غالباً اسی وجہ سے تنظیم کے بہت سے کارکن اب تنظیم کو خیرباد کہہ چکے ہیں۔

تضادات.....اپنے آپ کو بچانے کا ایک "گر"

نظریات پر گرفت ہونے کی صورت میں اپنے آپ کو بچانے کا ایک "گر" بتاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

> "ان غایت درجہ خطرناک حالات میں اہل فکر اپنے خیالات کو اس طرح قلمبند کرتے کہ ان میں بظاہر ترتیب نہ ہوتی، ایک جگہ ایک بات کہتے اور دوسری جگہ اس سے الٹ بات کہہ جاتے، تاکہ اگر ایک بات پر گرفت ہو تو دوسری بات سے صفائی ہوجائے۔" (افادات: ۴۸۵)

آپ اگر فکریوں کے لٹریچر کا مطالعہ کریں گے تو ان کو اسی اصول پر کارفرما پائیں گے اور یہی وجہ ہے کہ جب ان سے ان نظریات کی بابت سوال کیا جاتا ہے تو وہ بے دھڑک انکار کر بیٹھتے ہیں جس کے ثبوت میں تنظیم کے سرپرست اعلیٰ اور کئی

دوسرے ذمہ دار حضرات کے بیانات پیش کئے جا سکتے ہیں، دراصل یہ بھی ان کے پروگرام کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ حتی الامکان ہم نے کوشش کی ہے کہ لہجہ نرم رکھا جائے، ممکن ہے پھر بھی ہمارے کسی کرم فرما کو اعتراض ہو، تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ سخت لہجہ کیسا ہوتا ہے؟ اہل فکر علماء کے خلاف کیسا زہر اگلتے ہیں؟ ملاحظہ کیجئے:

> ''اب انقلاب کے مالہٗ و ماعلیہ سمجھنے کے بعد میرے دل میں آتا ہے کہ اگر میرا بس چلے تو میں انقلاب کی مخالفت کرنے والوں کو بے دریغ قتل کروں، انہیں آگ میں جلاؤں، ان کے گھروں کو کھود ڈالوں، ان کی قبریں بے نشان کردوں، قبروں سے ان کی ہڈیاں نکال کر اور انہیں جلا کر رکھ دوں، ان کی بیویوں سے ان کو جوتے لگواؤں، ان کی اولاد سے انہیں قتل کراؤں، ان بادشاہ پرستوں کو، ان بے ایمانوں کو، ان پیروں اور عالموں کو جو خدا، اور اس کے رسول اور سادہ لوح عوام کو دھوکہ دیتے ہیں، ان جمہور کا خون چوسنے والوں اور انہیں گمراہ کرنے والوں کو، میں ان میں سے ایک ایک کو سو سو گولی کا نشانہ بناؤں، میں یہ سب کچھ کر گزروں اور بے تامل کر گزروں، مجھے اس میں ذرا بھی ملال نہ ہو، میں ان سب کو آگ میں جھونک دوں، ان کو خود تلوار سے قتل کروں، یہ بدمعاش، یہ دھوکہ باز، یہ اسلام کا نام لینے والے، یہ خدا کے دشمن اور انسانیت کیلئے ناسور ہیں ..... میں ان ظالموں پر بالکل رحم نہ کروں یہ دراصل انسانیت کی آلائشیں ہیں، جنہیں صاف کئے بغیر انسانیت آگے نہیں جا سکتی۔'' (افادات وملفوظات: ۴۷۵) ①

واضح رہے کہ فکری حضرات علماء کو انقلاب کے مخالف اور ''شاہ پرست'' کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نظریاتی فتنوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

۱۱ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

کتاب ہے[1]۔ میری خوش قسمتی تھی کہ شاہ ولی اللہ کو جن سے مجھے پہلے سے دلچسپی اور عقیدت تھی، میں نے قرآن کی اس طرح کی تفسیر کرنے والا پایا۔ روشنی کی اس کرن نے میرے دماغ میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور میری مایوسیاں آہستہ آہستہ آس اور امید میں بدلنے لگیں۔ یہاں سے میری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ مجھے قرآن میں ایک نئی دنیا نظر آئی اور میرے دل میں یہ عقیدہ راسخ ہو گیا کہ آج جو انقلاب روس کے انقلابی کر سکتے ہیں اس قرآن پر عمل کر کے مسلمان اس سے بڑا انقلاب کر سکتے ہیں۔ یہ خیال محض میرے اپنے دماغ کی ایجاد نہ تھا کہ میں اسے اُپج کہہ کر ٹال دیتا، میں نے شاہ ولی اللہ کو اس خیال کا ترجمان اور شارح پایا۔ اور شاہ ولی اللہ سے بعد میں آنے والے اور ان سے پہلے کے بزرگوں اور استادوں کا سلسلہ ایسا ہے کہ کوئی معقول مسلمان ان سے انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

مولانا نے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب! یہ جو میں شاہ ولی اللہ صاحب پر اتنا اصرار کرتا ہوں تو اس کی یہی وجہ ہے اور اس میں یہی حکمت ہے۔ اگر یہ میری بات ہوتی اور اس کی پشت پر کوئی فکری سلسلہ، روایت اور فکری اثاثہ نہ ہوتا تو ہر شخص اُسے میری اُپج کہہ کر ماننے سے انکار کر سکتا ہے۔ میں اپنے اس فکر کی اساس اور اس کی تشریحات کی شاہ صاحب کی کتابوں میں نشاندہی کرتا ہوں۔ اب اگر کوئی مسلمان اسے

کی پوری ترجمانی کرتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں۔

تو کہ طرحِ دیگرے انداختی — دل بہ دستورِ کہن پرداختی
ہمچو ما اسلامیاں اندر جہاں — قیصریت را شکستی استخواں

(تو (ملت روسیہ) نے ایک اور طرح ڈالی ہے۔ اور پرانے دستور سے دل کو بہلا لیا ہے۔ ہم مسلمانوں کی طرح تو نے قیصریت کی ہڈیاں توڑ دی ہیں)

[1] "اگر قرآن حکیم کو تاریخی ترتیب یعنی ترتیب نزول کے مطابق پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقتاً زندہ فکر اور پیغام انقلاب ہے۔" (محمد اجمل خاں۔ ان کا ذکر پہلے آچکا ہے)

ولی اللہ ہندوستان کے اسلامی علم و فکر کے جس دور کے فاتح تھے الشیخ الہند مولانا محمود حسن اس کے خاتم ہیں۔ اور اب اس نئے دور کے فاتح مولانا عبید اللہ سندھی ہیں۔ مولانا نئے فلسفہ و حکمت کو پڑھتے اور اسے آزمانے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ مارکسزم سے ڈراتے نہیں اسے اپنانے کی ہمت پیدا کرتے ہیں۔

راقم الحروف کے نزدیک ہندوستان کے اسلامی فکر کی تاریخ میں مولانا سندھی کی شخصیت ایک اہم اور انقلاب انگیز دور کی نقیب ہے۔ جس طرح خلافت عباسی کے اوائل میں مسلمان علماء و حکما کے ایک گروہ نے یونانی فلسفہ، ایرانی تہذیب و ثقافت اور ہندوستانی علم و حکمت کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ اور اسلامی علوم و معارف کے ساتھ ساتھ ان سے بہرہ ور ہو کر اور انہیں زندگی کی نئی آب و تاب دے کر وہ اس قابل ہوئے کہ ایک نئی تہذیب و ثقافت اور نئے علم و فکر کو فروغ دیں۔ اور انسانیت کے کاروان ترقی کو اور آگے بڑھائیں۔ اسی طرح مولانا سندھی آج مسلمانوں کو یورپ کی سائنسی و ٹکنیکی تہذیب اور مارکسی فلسفہ و نظام معیشت و سیاست کا خیر مقدم کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تم ان کی مزاحمت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ زندگی کا ناگزیر تقاضا ہیں۔ اس لیے یہ منشائے الٰہی ہے۔ تمہیں ان سے مفاہمت کرنا ہوگی۔

حضرت شاہ ولی اللہ کی جامعیت اور کاملیت کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سندھی نے فرمایا: علت اور معلول کے تسلسل کا اثبات حکمت کی بنیاد ہے۔

علت اور معلول میں لزوم ضروری ہے۔ اب ایک علت ناقصہ ہے۔ اور دوسری علت تامہ۔ علت تامہ چھوٹی چھوٹی علتوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔

شاہ صاحب کا کہنا ہے کہ خود اس علت تامہ کے اندر معلول ہوتا ہے جب تک معلول، علت تامہ سے باہر نہیں آتا وہ "سرّ الوجود" کہلاتا ہے۔ اگر "سرّ الوجود" کی حکمت کو سمجھ لیا جائے تو برطانوی فلسفی ہیوم کی طرح انسان اس غلطی کا شکار نہیں ہوتا کہ علت اور معلول میں تلازم نہیں بلکہ محض اقتران ہے۔ یعنی یہ ضروری نہیں کہ ایک علت کا ہر بار ایک ہی معلول ہو۔ بس ایسا ہوتا ہے کہ ان ان چیزوں کے ملنے سے فلاں چیز وجود میں

حوالہ نمبر 3

نہیں مانتا تو وہ اس کی ہٹ دھرمی ہوگی۔

ہاں یہ مجھے تسلیم ہے کہ شاہ صاحب کی کتابوں میں یہ فکر مرتب اور مدون شکل میں نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ اُس زمانے میں اور اُن حالات میں اس قسم کی ترتیب و تدوین کا کوئی امکان نہ تھا۔ مجھے اس کے ماننے میں بھی کوئی تامل نہیں کہ شاہ صاحب کی کتابوں میں بہت کچھ بھرتی بھی ہے۔ مثلاً یہ ہو سکتا ہے کہ دو تین سو صفحے کی ایک کتاب ہو اور اس میں چار پانچ صفحے میرے کام کے ہوں۔ شاہ صاحب کے ہاں بہت سی باتیں ایسی بھی ہیں، جو ٹھیک نہیں ہیں۔ میرا کام یہ ہے کہ میں اپنے فکر کی شاہ صاحب کی کتابوں میں طالب علموں کے لیے نشاندہی کر دوں۔ میری صرف یہی آرزو ہے اور اس کے لیے میں وطن آنے پر آمادہ ہوا۔ میری زندگی کے صلوم نہیں کتنے دن اور ہیں۔ چاہتا یہ ہوں کہ ان میں اپنے اس فکر سے لوگوں کو متعارف کرا دوں۔

اس طویل گفتگو کے آخر میں مولانا نے کہا۔ ڈاکٹر صاحب! میں جانتا ہوں کہ آج کل کے زمین نوجوانوں میں جو شکوک پیدا ہوتے ہیں، میں سب کے سب کا جواب نہیں دے سکتا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ جب کوئی نوجوان تشکک سے بیزار ہونے لگے اور اسے کسی مثبت فکر کی تلاش ہو تو اس وقت میں اس کو مطمئن کر سکتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب! اس سلسلے میں میں ایک بات اور کہوں گا۔ میں نے روس میں انقلاب کو برسرکار دیکھا۔ اور وہاں انقلاب کرنے والوں نے مذہب کے انکار پر جو زور باندھ رکھا تھا، اس کا بھی مشاہدہ کیا۔ میرا یقین ہے، یہ روسی انقلاب کی آخری منزل نہیں ہے۔ روسی اس منزل سے آگے جائیں گے۔ اس منزل میں خدا کے انکار کی جو صورت ہے، وہ اگلی منزل میں نہیں رہے گی۔[1] یہی حالت ہندوستان کے انقلابیوں

---

[1] اس سلسلے میں علامہ اقبال کے یہ شعر ملاحظہ ہوں، جو طلب روسیہ کے نام سید جمال الدین کے کو افغانی کے پیغام کے ہیں:۔

کہنہ شد افرنگ را آئین و دین — سوئے آں دیر کہن دیگر بہیں

(بقیہ)

سے بالکل بے اثر ہے۔ ایسا کبھی نہ ہوا ہے اور نہ کسی انسان کے لیے جب تک کہ وہ انسان ہے آئندہ ایسا ممکن ہے۔ اگر شاہ صاحب کے ہاں ایسی چیزیں ملتی ہیں تو ہمیں ان کو معذور سمجھنا چاہیے۔ زمان و مکان کی حد بندیوں کو جزوی طور پر بے شک توڑا جا سکتا ہے اور جینیس ایسا کیا بھی کرتا ہے لیکن کلی طور پر زمان و مکان کا انکار یہ انسان کے بس کی بات نہیں۔

اس ضمن میں ایک بات ہمیں اور عرض کرنا ہے۔ یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ انسانوں کے مادی ماحول کا ان کے افکار و خیالات پر بڑا اثر پڑتا ہے ہم یہاں اس بحث میں نہیں پڑتے کہ کیا واقعی ذہن انسانی کے تمام ہی تمام واردات محض تنہا مادی ماحول ہی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ پہلے مادی ماحول بدلتا ہے اور اس کی وجہ سے افکار و خیالات میں تبدیلی ہوتی ہے۔ بہر حال اس سے تو آج انکار ممکن نہیں کہ انسانوں کے مادی ماحول اور ان کے افکار و خیالات میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک حتمی طور پر دوسرے کو متاثر کرتا ہے۔ اب صورت یہ ہے کہ شاہ صاحب جس زمانے میں ہندوستان میں پیدا ہوئے اور شہنشاہیت اور جاگیرداری کا دور تھا اور اس عہد کی معیشت زرعی معیشت تھی صنعتی اور مشینی دور جس کے انگریز پیامبر بن کر ہندوستان پہنچے اس دور کی بھنک بھی شاہ صاحب تک نہ پہنچی تھی۔ ظاہر ہے ان حالات میں ممکن نہ تھا کہ شاہ صاحب کوئی ایسا معاشی اور اجتماعی نظام تجویز کر سکتے جو آج اس زمانے میں جب کہ صنعت اپنے عروج کو پہنچ چکی ہے اور معیشت قومی نہیں بلکہ بین الاقوامی بنتی جا رہی ہے۔ ہماری ضرورتوں کا کفیل ہو سکے۔

لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ شاہ صاحب خود اپنی آنکھوں سے شہنشاہیت کو دم توڑتے دیکھ رہے تھے اور جاگیرداری بھی ان کے سامنے ختم ہو رہی تھی۔

حوالہ نمبر 5

۳۰

اور وہ زرعی معیشت جس کے ماتحت ہر گاؤں اپنی ضرورتوں کا خود کفیل ہوتا تھا، تہ و بالا ہوتی نظر آتی تھی۔ ہندوستان کی معاشی زندگی کی اس پراگندگی کا اثر لامحالہ طور پر شاہ صاحب کے افکار پر پڑا، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے ماحول سے مطمئن نظر نہیں آتے اور انہیں تمدن کل نظام یعنی ہر قائم شدہ نظام کو توڑ دینے کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ اس سلسلہ میں کچھ تجویزیں بھی پیش فرماتے ہیں۔ لیکن ان کی یہ ساری کوششیں اسی ماحول کی اصلاح کے متعلق تھیں۔ وہ اسی زرعی یا زیادہ سے زیادہ شہری معیشت کے نظام کو سنبھالنا چاہتے تھے اور اس مشین اور مشین سے پیدا ہونے والے حالات سے وہ واقف نہ تھے، اس لیے ان کی تحریروں سے اس قسم کی باتیں نکالنا مضحکہ خیز ہوگا، اس میں شک نہیں کہ اس طرح کی جدت طرازیوں سے سادہ دل عقیدت مند خوش ہو جاتے ہیں لیکن سمجھ دار لوگ ان چیزوں کو پڑھ کر ہنستے ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ اس قسم کی غیر علمی باتوں سے اہل علم احتراز کریں۔ اور خواہ مخواہ دوسروں کو اپنے اوپر نہ ہنسائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ہمارے اجتماعی فکر میں شاہ صاحب کا بہت بلند مرتبہ ہے اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں تو ان کے پائے کا اب تک کوئی محقق اور عالم نہیں گزرا۔ ان کے افکار ہمارے لیے ایک مستقل حیثیت رکھتے ہیں، اگر کبھی اللہ تعالیٰ نے ہندوستانی مسلمانوں کو توفیق دی اور انہوں نے اس امر کی ضرورت سمجھی کہ وہ اپنی قومی معیشت، ملی سیاست، جماعتی ترقی، مذہبی احیاء اور عالم انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے کوئی فکری نظام بنائیں۔ جس سے خود ان کی اپنی جمعیت مستحکم ہو، اور دوسروں کو بھی اس سے فیض پہنچے تو لازمی طور پر انہیں شاہ ولی اللہ صاحب کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اور ان کی حکمت کو ہی اساس

حوالہ نمبر 6 حوالہ نمبر 7

اندر رہ کر اگر کوئی انقلاب کرنا ہے، تو ضروری ہوتا ہے کہ اپنے مقاصد کو ابتدا ہی سے اس طرح واشگاف نہ کیا جائے کہ پہلے دن ہی سے مخالفت شروع ہو جائے۔ میں تمہیں بتا دوں کہ میں اپنا ایک منظم فکر اور مفصل پروگرام رکھتا ہوں اور میں نے سالہا سال غور و فکر کر کے اس کی تفصیلات مرتب کی ہیں۔ جب میں ہندوستان واپس آیا تو مجھ سے میرے ساتھی میرا پروگرام پوچھنے لگے۔ اب اگر میں ان سے اپنی ساری باتیں کہہ دیتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ انہیں سرے سے ناقابل عمل سمجھ کر مجھے ہمت دلانے کے بجائے ناامید کر دیتے۔ میں نے یہ کیا کہ جب بھی مجھے موقع ملا، حاضرین کی سمجھ بوجھ کے مطابق ان کو کوئی جزوی بات کہہ دی۔ لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھا کہ میرے فکر اور جو میں سیاسی طریقہ کار پیش کرتا ہوں، ان میں کوئی ترتیب نہیں اور میں ذہنی تضاد و انتشار کا شکار ہوں۔

ہمارے جو بزرگ پہلے گزر چکے ہیں، ان کے افکار و خیالات کے بارے میں بھی اسی طرح عدم ترتیب و انتشار کی شکایت ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان کا شخصی اور استبدادی حکومتوں کا زمانہ تھا۔ اور ہر صاحب فکر کو آزادی سے بات کہنے پر ہمیشہ جان کا خطرہ رہتا۔ مخالفین کی کہاں کمی ہوتی ہے۔ ذرا سی بات ہوئی اور حکمران کے کان بھر دیئے۔ ان غایت درجہ خطرناک حالات میں اہل فکر اپنے خیالات کو اس طرح قلم بند کرتے کہ ان میں بظاہر ترتیب نہ ہوتی۔ ایک جگہ ایک بات کہتے اور دوسری جگہ اس سے الٹ بات کہہ جاتے تاکہ اگر ایک بات پر گرفت ہو تو دوسری بات سے صفائی ہو جائے۔ مثلاً۔ شیخ ابن عربی بہت بڑے عارف اور حکیم ہیں لیکن ان کی کتابوں میں اس قدر اغلاق اور انتشار ہے کہ عوام تو ایک طرف رہے، خواص تک کے لیے انہیں سمجھنا دشوار ہے۔ یہی صورت مجدد الف ثانی کی ہے۔ اسی طرح شاہ ولی اللہ کی تصنیفات میں بھی ایک حد تک فکری انتشار موجود ہے۔ وہ ایک بحث کو ایک کتاب میں اس طرح واضح نہیں کرتے کہ پھر کسی دوسری جگہ اسے ذکر کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ البتہ حجۃ اللہ البالغہ میں انہوں نے اپنے افکار کو بہت حد تک مربوط شکل میں پیش کیا ہے لیکن حجۃ اللہ کے مطالب کو سمجھنے کے لیے اسے بار بار پڑھنے کی ضرورت ہے۔ پھر ولی اللہی طریقے کے

واسطے کہ رکھتا ہے مال اور بیٹے ... اب داغ دیں گے ہم اس کو سونڈ پر۔

قرآن میں اس طرح کی جو اور بہت سی آیتیں ہیں ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا نے کہا کہ یہ انقلاب کی زبان ہے۔ میں جب تک انقلاب کی حقیقت کو نہیں سمجھا تھا اور خود اپنے اندر انقلاب کی روح پیدا نہیں کی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ میں قرآن کی ان آیات کو نہیں سمجھتا تھا اور اس قسم کی سخت جسمانی سزاؤں کا ذکر مجھ پر گراں گزرتا تھا۔ اب انقلاب کے

مالہ و ماعلیہ سمجھنے کے بعد میرے دل میں آتا ہے کہ اگر میرا بس چلے تو میں انقلاب کی مخالفت کرنے والوں کو بے دریغ قتل کروں، انہیں آگ میں جلاؤں، ان کے گھروں کو کھود ڈالوں۔ ان کی قبریں بے نشان کر دوں، قبروں سے ان کی ہڈیاں نکال کر اور انہیں جلا کر رکھ دوں۔ ان کی بیویوں سے ان کو جوتے گھواؤں، ان کی اولاد سے انہیں قتل کراؤں، ان بادشاہ پرستوں کو، ان بے ایمانوں کو، ان پیروں اور عالموں کو جو خدا، اس کے رسول اور سادہ لوح عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ان جہور کا خون چوسنے والوں اور انہیں گمراہ کرنے والوں کو، میں ان میں سے ایک ایک کو سو سو گولی کا نشانہ بناؤں۔ میں یہ سب کچھ کر گزروں اور بے تامل کر گزروں۔ مجھے اس میں ذرا بھی ملال نہ ہو۔ میں ان سب کو آگ میں جونک دوں۔ ان کو خود تلوار سے قتل کروں۔ یہ بدمعاش، یہ دھوکا باز، یہ اسلام کا نام لینے والے، یہ خدا کے دشمن اور انسانیت کے لیے ناسور ہیں۔

مولانا کہنے لگے کہ میرے دل میں آتا ہے کہ میں ان ظالموں پر بالکل رحم نہ کروں۔ یہ دراصل انسانیت کی آلائشیں ہیں جنہیں صاف کئے بغیر انسانیت آگے نہیں بڑھ سکتی۔ بے شک یہ سب باتیں میرے دل میں آتی ہیں لیکن میری طبیعت کا ایک خاص رجحان ہے۔ میں فطرتاً قانون اور قواعد کا پابند ہوں۔ میرا ذہن قوانین اور ضابطوں کے خلاف نہیں جاتا۔ مجھے انارکزم (نراج) سے نفرت ہے۔ میں قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا ناپسند کرتا ہوں۔ چونکہ شریعت نے کسی ذی جان کو آگ میں جلانے سے منع کیا ہے اس لیے میں انقلاب کے دشمنوں کو آگ میں نہیں جلاؤں گا۔ نیز ہماری شریعت بغیر جرم ثابت کئے کسی کو قتل کرنا روا نہیں رکھتی اس لیے میں کسی کو قتل نہیں

کتابیات

(۱) قرآن مجید ..... ---

(۲) بخاری ..... امام محمد بن اسمعیل بخاری

(۳) مسلم ..... امام مسلم بن حجاج نیشاپوری

(۴) ترمذی ..... ابوعیسیٰ ترمذی

(۵) ابوداؤد ..... سلیمان بن اشعث سجستانی

(۶) المنہل العذب المورود شرح ابوداؤد ..... محمود بن محمد سبکی

(۷) جامع بیان العلم ..... حافظ ابن عبدالبر اندلسی

(۸) روح المعانی ..... شہاب الدین محمد آلوسی

(۹) حجۃ اللہ البالغہ ..... شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

(۱۰) المسوّی .....

(۱۱) الفوز الکبیر .....

(۱۲) تفہیمات الٰہیہ .....

(۱۳) مقالات کوثری ..... علامہ زاہد کوثری

(۱۴) آئینۂ پرویزیت ..... عبدالرحمٰن کیلانی

(۱۵) تجدد پسندوں کے افکار ..... محمد یوسف لدھیانوی

(۱۶) انکار حدیث کے نتائج ..... سرفراز خان صفدر

(۱۷) حیات عیسیٰ ..... محمد یوسف لدھیانوی

(۱۸) ظہور مہدی ..... نظام الدین شامزئی

(۱۹) بقیۃ الآثار ..... شیخ القرآن محمد طاہر

(۲۰) ذاتی ڈائری ..... عبداللہ لغاری

(۲۱) عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد ..... سعید احمد اکبر آبادی

(۲۲) التجائے مسافر ..... ابن الحسن عباسی

(۲۳) مکاتیب سندھی ..... ابوسلمان شاہ جہانپوری

(۲۴) تنظیم فکر ولی اللہی کے ملحدانہ و دہریانہ عقائد ..... خدام علماء حق
(۲۵) ہدیۂ فکر ..... ڈاکٹر عبدالواحد
(۲۶) تنظیم ''فکر ولی اللہی'' اپنے افکار کے آئینے میں ... عبدالحق خان بشیر
(۲۷) مولانا سندھی کی انقلابی تعلیمات ..... قاضی سراج نعمانی
(۲۸) مکتوباتِ نبوی ..... سید محبوب رضوی

تنظیم ''فکر ولی اللّٰہی'' کا لٹریچر

(۱) افادات وملفوظات ..... پروفیسر سرور
(۲) حالات، تعلیمات، سیاسی افکار .....
(۳) شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ .....
(۴) خطبات ومقالات .....
(۵) المقام المحمود (جلد اول) ..... عبداللہ لغاری
(۶) المقام المحمود (سورۃ یونس) .....
(۷) المقام المحمود (جزء عم) .....
(۸) الہام الرحمٰن (جلد اول) ..... موسیٰ جار اللہ
(۹) الہام الرحمٰن (جلد دوم) .....
(۱۰) قرآنی شعور انقلاب ..... شیخ بشیر احمد وغازی خدا بخش
(۱۱) مولانا عبیداللہ سندھی کی سرگزشت کابل ..... عبداللہ لغاری
(۱۲) نظریۂ انقلاب ..... شیخ بشیر احمد
(۱۳) شاہ ولی اللہ کا فلسفۂ عمرانیات .....
(۱۴) شعور وآگہی ..... مطلوب علی زیدی
(۱۵) شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے ..... شمس الرحمٰن محسنی
(۱۶) عزم (۴۵ سے زائد شمارے) تنظیم ''فکر ولی اللہی''
(۱۷) عزیمت چند شمارے .....
(۱۸) تنظیم کی طرف سے شائع شدہ مختلف پمفلٹ و پرچہ جات